کتابِ زندگی

قرآنِ حکیم کی سائنسی تفسیر

سُورۃ الفاتحہ سُورۃ البقرۃ

A guide to the problems of the Self and the contemporary world with explanatory scientific details

اٹامک سائنسٹ انجینئر

سُلطان بشیر محمود ستارۂ اِمتیاز

(سابقہ) ڈائریکٹر جنرل پاکستان اٹامک انرجی کمیشن

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اس کے رسول اور خاتم النبین ہیں

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم

خاتم النبین و رحمت العالمین

کتابِ زندگی

(قرآن حکیم کی سائنسی تفسیر)

سورة الفاتحه - سورة البقرة

A GUIDE TO THE PROBLEMS OF THE SELF AND THE CONTEMPORARY WORLD, WITH EXPLAINATRY SCIENTIFIC DETAILS

(ترجمہ: جملہ علما کرام، ترتیب وتفسیر مصنف ہذا)

ایٹمی سائنسدان وانجینئر

سلطان بشیر محمود (ستارہ امتیاز)

(سابق ڈائریکٹر جنرل (NP) پاکستان اٹامک انرجی کمیشن)

کتاب: کتابِ زندگی (قرآن حکیم کی سائنسی تفسیر) سورۃ الفاتحہ ۔ سورۃ البقرۃ

پہلا ایڈیشن: مئی 2003 تعداد 1000

دوسرا ایڈیشن: اگست 2004 تعداد 2000

مفسر: سلطان بشیر محمود (ستارہ امتیاز)

پبلیشر/ڈسٹری بیوٹر: القرآن الحکیم ریسرچ فاؤنڈیشن C-60 ناظم روڈ

F-8/4، اسلام آباد

پرنٹر: سگما پریس اردو بازار، راولپنڈی

قیمت (پاکستان میں): 300 روپے علاوہ ڈاک خرچ

بیرونی ممالک: 10 یو ایس ڈالر (Us $) علاوہ ڈآک خرچ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمِ

(شروع اللہ کے نام سے جو الرَّحْمٰنِ الرَّحِیم ہے۔)

اللہ تعالیٰ کے آخری نبی، سرور کائنات. اشرف الانبیاء، رحمت العالمین، شفیع المذنبین، صاحب قرآن

محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم

کے نام

آپؐ پر کروڑوں، اربوں درود و سلام

کتاب زندگی کا دوسرا ایڈیشن

کتاب زندگی کے پہلے ایڈیشن کی جو پذیرائی ہوئی ہے اس کا ثبوت قارئین کے وہ تاثرات ہیں جو انہوں نے اپنے خطوط میں اظہار فرمائے اور بقیہ قرآن کریم کی سائنٹیفک تفسیر کیلئے بھی سفارش کی ہے۔ یہ میرے لئے بڑی حوصلہ افزا بات ہے۔ ان کے علاوہ بعض دوستوں نے بہت سی غلطیوں کی نشاندہی بھی کی ہے جو بار بار کی اصلاح کے باوجود پہلے ایڈیشن میں رہ گئی تھیں اور جنہیں دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ اب بھی ایسا نہیں ہوگا۔ یہ اعجاز صرف اور صرف قرآن کریم کا ہے کہ سرور کائنات خاتم النبین حضرت محمد مصطفی ﷺ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے سن کر اپنے پیارے ہونٹوں سے جو کچھ وحی الٰہی کے کاتبوں کو لکھوا دیا وہی حرف آخر تھا۔ کوئی بھی کتاب لکھنے سے پہلے مصنف پہلے خیالات جمع کرتا ہے پھر اس کا پہلا مسودہ تیار کرتا ہے، پھر اس سے دوسرا تصحیح شدہ مسودہ تیار کرتا ہے، پھر اس کی پروف ریڈنگ کرواتا ہے کہ کوئی غلطی نہ رہ جائے اور یوں اصلاح کے کئی مرحلوں سے گزر کر کتاب کو مکمل کیا جاتا ہے۔ اتنی احتیاط کے باوجود بھی کتاب کی چھپائی کے بعد مصنفین سر پکڑ کر رہ جاتے ہیں کہ کیسی کیسی غلطیاں باقی رہ گئیں۔ ان کے مقابل حضرت محمد مصطفی ﷺ نہ کسی کالج اور سکول کا پڑھے لکھے تھے، نہ قلم دوات کا استعمال جانتے تھے اور نہ ہی ان کے پاس سکون سے بیٹھ کر لکھنے کا کوئی وقت تھا۔ وہ تو ایک مسلسل جدو جہد تھے جسے ناکام کرنے کی دشمن سر توڑ کوشش کر رہے تھے۔ یوں محسن انسانیت ﷺ کا کوئی ایک دن رات بھی پر سکون نہیں تھا۔ ایسے ہی 23 سال گزر گئے۔ قرآن مجید تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا رہا کبھی کوئی آیت کبھی کوئی آیت اور خاتم النبین ﷺ اسے وحی کی ہدایت کے مطابق کاتبوں سے لکھواتے رہے۔ جو کہہ دیا وہی فائنل تھا نہ کسی پروف ریڈنگ اور نہ ہی کسی تصحیح کی کبھی ضرورت پڑی۔ غلطیوں سے پاک حرف آخر۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہ کیسے ممکن ہوا؟ دنیا بھر میں کوئی بھی مصنف اپنی کتاب کے بارے میں یہ دعوے نہیں کر سکتا ہے کہ یہ ہر طرح کی غلطی سے پاک ہے اور اسکے تمام مضامین بھی ہر طرح کے شک وشبہ سے بالاتر ہیں۔ لیکن قرآن کا یہ اعجاز ہے کہ وہ بانگ دہل نہ صرف کہتا ہے یہ کہ اس میں کوئی کجی نہیں بلکہ اس کے تمام مضامین بھی بے مثل ہیں۔

ذلک الکتاب لا ریب فی

قرآن کریم کے منجانب اللہ ہونے کے اس ثبوت کا ادراک صحیح معنوں میں کوئی لکھاری ہی کر سکتا ہے۔ بہر حال ''کتاب زندگی'' کا دوسرا ایڈیشن حاضر خدمت ہے قارئین سے درخواست ہے کہ پہلے کی طرح اب بھی غلطیاں پکڑنے میں میری رہنمائی کریں اور تفسیر کا یہ سلسلہ آگے بڑھے۔ میں ان تمام بھائی بہنوں کی فلاح کیلئے رب العزت سے دعا گو ہوں جنہوں نے اپنے اپنے طریقہ سے اس کام کو منظر عام پر لانے میں میری مدد فرمائی ہے۔ بالخصوص میں راولپنڈی سے برگیڈیئر (ر) خادم حسین صاحب، میجر (ر) محبوب حسین صاحب جوہر آباد سے، محترم محمد ارشد صاحب سرگودھا سے، محمد منیر جوندہ صاحب اور سرگودھا ہی سے ڈاکٹر اشفاق احمد حفیظ صاحب اور آخر میں انجمن فروغ اسلام راولپنڈی کے محترم مظہر لون صاحب کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں جن کے مدد سے ''کتاب زندگی'' کا دوسرا تصحیح شدہ ایڈیشن آپ کے ہاتھ میں ہے۔ دعاؤں کا طالب۔

بشیر الدین محمود

اگست ۲۰۰۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

قرآن مجید، اللہ کریم کا کلام، اسکے بندوں کے لئے مکمل ضابطہ ءحیات ہے جواس نے اپنے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ ﷺ پر وحی کے ذریعے نازل فرمایا اور خاتم المرسلین کو رحمتہ للعالمین کا منصب عطا فرما کے آپؐ کے قول وفعل کو اسوہ حسنہ قرار دیا۔ انبیاء کے سردارؐ نے خود اس ضابطہ ءحیات کا عملی نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا اور صحابہ کرامؓ کی ایسی مکمل تربیت فرمائی کہ وہ ان احکامات الٰہیہ پر عمل پیرا ہو کر اخلاق حسنہ کی روشن مثال بن گئے اور صدیوں پر محیط حسن عمل کے نقوش ثبت فرما گئے۔

قرآن کریم کی معجزانہ شان، اسکی آیات مقدسہ کی معنوی گہرائی اور ان کے بیان کا سرمدی ترنم اپنے اندر ایسی تاثیر رکھتے ہیں جسے شفاء الناس فرمایا گیا، آج اکیسویں صدی عیسوی کی بیمار انسانیت کو اسی شفاء، اسی ہدایت اور اسی رحمت کی طلب ہے اور ہم مسلمانوں کے لئے تو اس چشمہ فیض کی طرف رجوع اشد ضروری ہے۔

سلطان بشیر محمود کے اس قرآنی مطالعہ میں ایک سائنس دان کا ذہن اور ایک مسلمان کا دل کارفرما ہے، کارخانہ قدرت کے حیرت انگیز مناظر کا جائزہ وہ وحی الٰہی کی دُوربین سے لیتے ہیں اور قرآنی حقائق کی صداقت کا بار بار اقرار کر کے ورطہ حیرت میں گم ہو جاتے ہیں۔ سورۃ البقرہ کی دوسو چھیاسی آیات کے اس مطالعے سے فاضل مولف نے پانچ سو نکتے، اسباق، اصول، احکام، ضابطے اور دعائیں اخذ کی ہیں۔ سچ ہے ''اگر سارے سمندر سیاہی ہوتے اور سارے درخت قلم بن جاتے تو بھی اللہ کریم کے کلمات احاطہ تحریر میں نہ سما سکتے''۔

''کلام اللہ سچائی ہے اور سائنس سچائی کی طرف سفر ہے'' یہ کلیہ اس تفسیری کاوش کا ماحصل ہے۔ قارئین جیسے جیسے ان قرآنی آیات پر غور کرتے جائیں گے فکر ونظر کی نئی راہیں ان پر کھلتی جائیں گی۔

دعا ہے اللہ کریم اس کوشش کو قبول فرمائے، فاضل مولف کے علمی وعملی کاموں میں برکت عطا فرمائے اور قارئین کو اس حکمت کے ذخیرے میں سے خیر کثیر عطا فرمائے۔ آمین

محمد لطف اللہ مفتی

سابق سیکرٹری وزارت مذہبی واقلیتی امور

حکومت پاکستان، اسلام آباد

مئی 2003

فہرست مضامین

"آپ فرما دیں کہ اگر سمندر میرے رب کی باتوں کیلئے سیاہی بن جائے تو یقینا سمندر ختم ہو جائے گا اور میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں گی۔ اگرچہ ہم ویسا ہی اور اس کی مدد کو لے آئیں۔" (سورہ کہف آیت 109-110)

APPENDIXES

EXPLANATORY NOTES ON SOME IMPORTANT SCIENTIFIC ISSUES

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تمہید

یہ سائنسی تفسیر، تفکر قرآن حکیم کے سلسلہ میں لاتعداد کوششوں میں سے ایک کوشش ہے۔جس کا مقصد موجودہ زمانے کے مسائل (Contemporary Problems) کواللہ کی کتاب کی روشنی میں سمجھنا اور دوسرے بھائی، بہنوں تک اسکے پیغام کو پہنچانا ہے۔ میرے مخاطب عام مسلمان ہیں جوزندگی کے گونا گوں مسائل کے حل کیلئے صراط مستقیم کے متلاشی ہیں اوراللہ تبارک تعالیٰ کی ناراضگی سے بچنا چاہتے ہیں۔لہٰذا میرے سامنے کلام اللہ کے متعلق علمی وضاحتیں پیش کرنا نہیں ہے بلکہ یہ دیکھنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے کیا چاہتے ہیں اور یہ کہ اکیسویں صدی کے انسان کو قرآن کریم کیا دے سکتا ہے؟ مقصد یہ کہ انسانیت کو دنیا میں سکون مل جائے اور آخرت میں وہ کامیاب ہو جائے۔اسکے علاوہ میرے سامنے ایسے مسلم نوجوان ہیں جو سائنس اور ٹیکنالوجی کی وجہ سے مغربی دنیا کے سامنے مرعوب ہیں اور اپنی علمی پس ماندگی کے سبب مغربی حکماء کے خیالات کو غیر ضروری اہمیت دیتے ہیں۔خصوصی طور پر سائنس کے نام سے کوئی بات کردی جائے تو وہ اسے حرف آخر سمجھتے ہیں جب کہ حقیقت یہ ہے کہ خالق کائنات سے بڑا کوئی سائنسدان نہیں اور اس کا کلام اٹل ہے اور اس سے بڑی کوئی سائنس نہیں ، جبکہ دنیاوی سائنسدانوں کے نظریات میں تنوع پایا جاتا ہے جو تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ برسوں کے مطالعہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ طبیعات کی انتہا مابعدالطبیعات ہے جو کہ قرآن کریم کا خصوصی موضوع ہے لہٰذا موجودہ زمانے میں اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ طبیعات اور مابعد الطبیعات کے حوالہ سے کلام اللہ کو سمجھا جائے۔اگر ایسا ہوتو مجھے یقین ہے کہ انشاء اللہ دنیا دیکھے گی کہ "جو سائنس کی انتہا ہے وہ قرآن کریم کی ابتداء ہے"۔جب مسلمان نوجوان قرآن کریم کے اس اعجاز کو سمجھنے لگیں گے تو انشاءاللہ دنیا سے لادینی کے اندھیروں کو ختم کرسکیں گے اور انسان خواہ وہ مشرق کا ہو یا مغرب کا اسے جہنم کی آگ سے بچانے میں بڑے مددگار ثابت ہوں گے۔ یقیناً اس سے بڑی انسانیت کی کوئی اور خدمت نہیں ہوگی۔

موجودہ زمانے میں مسلمانوں کے لئے ایک اور چیلنج لادینی ذرائع ابلاغ کا ہے جو اسلام کی اقدار اور قرآن کریم پر طرح طرح کے اعتراض کرکے دنیا کو گمراہ کررہے ہیں۔ان کا خصوصی ٹارگٹ مسلمانوں کا پڑھا لکھا طبقہ ہے۔جن کے دلوں میں وہ قرآن کریم کے بارے میں شکوک وشبہات ڈالنا چاہتے ہیں اور وہ یہ کام بڑی حکمت سے کررہے ہیں، مثلاً وہ کہیں گے "بلاشبہ قرآن کریم چودہ سو سال پہلے ایک عظیم کتاب تھی لیکن آج کے دور کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتی"۔کبھی یہ کہیں گے کہ قرآن کریم ایک کتاب نہیں بلکہ مختلف اوقات میں دیئے گئے چھوٹے چھوٹے خطبات کا مجموعہ ہے اس لئے اس میں ربط کا فقدان ہے۔نسخ ومنسوخ کے اصول کا سہارا لیکر کہیں گے کہ نبی پاکؐ اپنے تجربہ کی بنا پر قرآن پاک کی آیات کو بدلتے رہتے تھے۔اسی طرح جمع القرآن کے بارے میں مخالفین، مسلمانوں کی ہی لکھی گئی

کتابوں سے یہ ثابت کر کے مسلم نوجوانوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ نبی پاک ؐ اپنی حیات طیبہ میں قرآن پاک کو کتابی شکل نہ دے سکے اور یہ کام بعد میں آنے والوں پر چھوڑ دیا گیا جسکی وجہ سے یہ دعویٰ غلط ہے کہ قرآن پاک ہو بہو وہی ہے جو نبی پاک ؐ پر اترا تھا اور اسی طرح کے بے شمار اور اعتراضات ہیں جنہیں وہ تحقیق کے خوبصورت لبادہ میں پیش کر کے اسلام کی جڑیں کاٹ دینا چاہتے ہیں۔ ہم سب جانتے ہیں کہ ایسے تمام اعتراضات لغو اور بے بنیاد ہیں جن کا جواب دینا کوئی مشکل بات نہیں۔ ہمارا ایمان ہے کہ قرآن کریم میں دنیا کے تمام مسائل کا حل ہے اور یہ معانی کا ایک سمندر ہے۔ جس میں سے ہر ایک غوطہ خور اپنی ہمت کے مطابق موتی چن لیتا ہے حتیٰ کہ جو کنارے پر کھڑا ہے وہ بھی اس کی برکات کی پھوہار سے شرابور ہو جاتا ہے۔ قیامت تک آنے والا ہر انسان اپنے ظرف کے مطابق یہاں سے علم و حکمت و ہدایت کے پیالے بھرتا رہے گا، ساری عمر بھی اگر اس میں غوطے لگاتا رہے پھر بھی طبیعت سیر نہیں ہوگی۔ اسکے علاوہ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ اپنی ترتیبِ الفاظ و حروف تک قرآن پاک بالکل ویسے ہی ہے جیسے اللہ تعالےٰ نے حضور پاک ؐ پر وحی کیا تھا اس لئے کہ اسکی حفاظت کا ذمہ دار خود اس کو بھیجنے والا ہے۔ ان تمام حقائق کے باوجود ضرورت اس امر کی ہے کہ قرآن کریم کی جدید علوم کی روشنی میں ایسی تفاسیر سامنے آئیں جو نہ صرف دشمنوں کے اعتراضات کا جواب دے سکیں بلکہ جن میں موجودہ زمانے کے مسائل کا شافی حل بھی موجود ہوتا کہ تقدیس کے ساتھ ساتھ مسلمان اس پر عمل کر کے دنیا کی کامیابیاں بھی حاصل کر سکیں۔ میری یہ کوشش اس جانب ایک قدم ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم کی اس تفسیر میں آیات کریمہ کے شان نزول پر زیادہ بحث نہیں کی گئی اس لئے کہ تکمیل وحی کے بعد کلام اللہ کی ہر ایک آیت حتمی اور دائمی مرتبہ رکھتی ہے لہٰذا شانِ نزول کے مطابق حصے بخرے کرنے اور واقعاتی تاریخی پس منظر کی بجائے بہت بہتر ہوگا کہ آج قرآن کریم کی لاجواب حکمت کو اس کے دائمی تناظر میں سمجھا جائے تا کہ ہم ان موتیوں کی روشنی میں اپنی زندگیوں کو منور کر سکیں۔ جسطرح کہ کہا گیا ہے کہ زمانہ خود کلام اللہ کی تفسیر ہے، اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی بہت ضروری معلوم ہوتا ہے کہ علم الاشیاء کے متعلق سائنسی دریافتوں سے پورا پورا فائدہ اُٹھایا جائے تا کہ قاری پر قرآن حکیم کے احکامات اچھی طرح واضح ہوں۔ میں اس سلسلہ میں اپنے طویل سائنسی کیرئیر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ خالق کائنات کی ہر بات سچائی کی آخری حد ہے اس لئے کلام اللہ میں علم الاشیاء کے بارے میں جو نکات ہیں وہ سائنس کے لئے آخری معیار ہیں۔ جسطرح کہ پہلے بھی کہا گیا ہے کہ دراصل سائنس کی انتہا قرآن حکیم کی ابتدا ہے، کلام اللہ سچائی ہے اور سائنس سچائی کی طرف ایک سفر ہے۔ امید کی جاسکتی ہے کہ جب سائنسدان آخر کار سچائی کی تلاش میں اپنے سفر کی انتہا کو پہنچے گا تو اس وقت اسکی خوشگوار حیرت کی کوئی انتہا نہ ہوگی کہ جو کچھ اس نے ہزاروں سالوں میں دریافت کیا ہے وہ سب کچھ پہلے ہی کلام پاک میں موجود تھا۔ موجودہ تفسیر میں گاہے گاہے ایسے حقائق کی طرف اشارے دیئے گئے ہیں لیکن تفصیلات قاری کی محنت پر چھوڑ دی گئی ہیں۔ اس لحاظ سے یہ تفسیر علم کی کئی نئی راہیں کھولتی ہے اور طالب علم کی جگہ جگہ سچائی کی طرف رہنمائی کرتی ہے لیکن یہ کوشش صرف برفانی تودے کے اوپر کے حصہ کی مثل ہے ابھی اس میدان میں بہت کام ہونا باقی ہے۔ میں نے صرف بعض جگہ راستوں کی نشاندہی کی ہے

لیکن طالب علم کو حقیقت کا سفر خود ہی طے کرنا ہوگا۔ فی زمانہ تو اس کام کی اہمیت سینکڑوں گنا بڑھ گئی ہے، ایک طرف کچھ ایسے لوگ ہیں جو دنیا سے مذاہب کو ختم کر دینا چاہتے ہیں اور دوسری طرف بے شمار معصوم لوگ ہیں جو انکی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کی وجہ سے حیران و پریشان ہیں کہ خدا یا حق کیا ہے؟ ان حالات میں اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ آگے بڑھیں اور اپنے علم و حکمت اور مادی ذرائع کو استعمال کرتے ہوئے دنیا کو کلام اللہ کے نور سے منور کر دیں تا کہ انسان جہنم سے بچ جائے۔ اگر ہم اپنا یہ فرض پورا کریں گے تو انشاء اللہ وہ وقت دور نہیں جب دین حق کے ان مخالفین کی اولادیں اس کا دفاع کر رہی ہونگی۔

تفسیر کا یہ کام میں نے پاکستان اٹامک انرجی کمیشن سے ریٹائرمنٹ کے بعد مارچ 1999 میں شروع کیا تھا لیکن اس دوران پہلے پرائیویٹ ملازمت اور اسکے بعد افغانستان کی تعمیر نو کے سلسلہ میں مصروفیات کی بنا پر کافی سست روی رہی اور یوں سورۃ بقرہ تک ہی اس کام میں دو سال لگ گئے۔ یہاں یہ بتانا مناسب ہوگا کہ الحمد اللہ مجھے زندگی میں سائنس اور ٹیکنالوجی کے متعلق بعض بڑے بڑے اور پیچیدہ منصوبہ جات پر کام کرنے کا موقع ملا لیکن تفسیر لکھتے وقت معلوم ہوا کہ یہ کام ان سب سے مشکل ہے۔ اسکی ایک وجہ تو میری کوتاہیِ عمل ، دوسری کلام کی عظمت اور تیسری وجہ یہ کہ تکنیکی کاموں میں تو غلطی کی گنجائش ہوسکتی ہے لیکن یہاں غلطی سے دنیا و آخرت کی بربادی نظر آتی تھی۔ یوں یہ کام اس پروگرام کے مطابق نہ چل سکا جو ابتدا میں میرے سامنے تھا۔ نومبر 2001 سے جنوری 2002 تک تقریباً پونے دو ماہ تک مجھے حکومتی تحویل میں لے لیا گیا جو ایک الگ داستاں ہے۔ اس سخت وقت میں اللہ تعالیٰ کا کلام باعثِ رحمت ثابت ہوا اور مجھے اس سارے کام پر نظر ثانی کا موقع مل گیا۔ اسی دوران ہی یہ سوچا کہ پورے قرآن کریم کی تفسیر میں تو بہت عرصہ لگ سکتا ہے اس لئے سورہ الفاتحہ اور سورہ البقرہ کو ہی فی الحال چھپوا دیا جائے اور بقیہ کام جاری رکھا جائے۔ الحمد اللہ، اب یہ کام آپ کے سامنے ہے اور کوشش کر رہا ہوں کہ مزید کام کرتا جاؤں۔ اسکے ساتھ ساتھ میں اندرونِ اور بیرونِ ملک اپنے ان لاکھوں بھائی بہنوں کا تہہ دل سے شکر گذار ہوں جنہوں نے میری رہائی کے لئے دعائیں کیں۔ اللہ تعالیٰ ان بے لوث لوگوں کو اپنی بے شمار رحمتوں سے اجرِ عظیم عطا فرمائے اور میری غلطیاں معاف فرمائے، بے شک وہی معاف کرنے والا اور علم والا ہے۔ قارئین کی رائے اور رہنمائی کا منتظر ہوں۔

اللھم تقبل منا انك انت السمیع العلیم و السلام علیٰ من التبع الھدیٰ

قرآن کریم کی چند خصوصیات اور آداب

اِن اللہ یرفع بھٰذا الکتاب اقواماً و یضع بہ آخرین

بلاشبہ پروردگار عالم اس کتاب کے ذریعے بہت سی قوموں کو عزت و سر بلندی عطا کرتا ہے
اور بہت سے لوگوں کو (جو اس پر عمل نہیں کرتے) ذلیل و خوار کرتا ہے (حدیث پاکؐ)

☆ قرآن کریم رب تعالیٰ کا امر ہے اس لئے ہمیشہ کے لئے یہ ایک زندہ معجزہ ہے۔

☆ امر ربی کے مطابق اس کی اپنی ایک شخصیت اور روح ہے۔ اسکی آیات سے اللہ تعالیٰ کا نور نکلتا ہے۔

☆ یہ اس سے دوستی کرتا ہے جو اس سے دوستی کرتا ہے۔

☆ جو اسے مضبوطی سے پکڑ لیتا ہے یہ اسے دنیا و آخرت میں کامیاب کر دیتا ہے۔

☆ اپنی ترتیب میں یہ مانند ایک مضبوط زنجیر کے ہے۔ جس کی ہر آیت اس زنجیر کی کڑی ہے۔

☆ ہر آیت علیحدہ علیحدہ بھی اپنے معنی میں مکمل ہے اور اگر اکٹھے دیکھا جائے یہ سب ایک وحدت میں بھی مربوط ہیں

☆ قرآن کریم کی مثال ایک بلند و بالا سیڑھی کی ہے جس کا ایک سرا زمین پر اور دوسرا عرش بریں پر ہے۔ آیات اس کے زینے ہیں۔ پڑھتے جائیں اور چڑھتے جائیں۔ جنت بھی اس کے راستہ کی ایک منزل کا نام ہے۔ یہی صراط مستقیم ہے۔

☆ کلام اللہ انسانوں کیلئے زمان و مکان کے ہر دور میں رہنمائی ہے دنیاوی زندگی میں اسکے اصول اور احکام پر چل کر انسان کامیاب ترین ہو سکتا ہے۔ عالم قبر اور برزخ میں بھی روڈ میپ (Road Map) ہے اور جنت میں اسکے معانی دلچسپ ترین موضوع گفتگو ہوں گے۔

☆ کلام پاک ہو بہو اس شکل میں ہم تک پہنچا ہے جس شکل میں وحی الٰہی کے مطابق سرورِ کائناتؐ نے اسے ترتیب دیا اور یہ ترتیب بذات خود ایک حسابی معجزہ ہے (تفصیلات کے لئے ضمیمہ III,II دیکھیں)

(For details please see appendix III)

تلاوت کے آداب

قرآن کریم کوئی عام کتاب نہیں۔ یہ کلام رب العالمین ہے۔اس لئے اس کو رکھنے پکڑنے اور پڑھنے کے خاص آداب ہیں۔ان آداب میں پہلی بات یہ ہے کہ کلام پاک کو کتابوں کی الماری میں عام کتابوں کی طرح نہ رکھیں بلکہ اسے گھر میں بلند اور نمایاں جگہ دی جائے اور مٹی گرد وغیرہ سے بچایا جائے۔مناسب یہ ہوگا کہ خوبصورت کپڑے سے بنے ہوئے جزدان میں رکھا جائے۔اور جب کلام پاک کو چھونا ہو تو بڑے ادب کے ساتھ اسکو چھوئیں، بلکہ بہتر ہوگا کہ سر اور آنکھوں پر رکھیں اور محبت سے چومیں۔بہت زیادہ مناسب ہوگا کہ چھونے سے پہلے وضو کرلیں۔البتہ بے وضو حالت میں آپ جلد کے باہر سے کپڑے کی مدد سے پکڑ سکتے ہیں لیکن الفاظ کو ہاتھ مس نہیں کرنا چاہئے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْن

اس کو نہیں چھوتے مگر پاک لوگ (79)56

تلاوت قرآن پاک سے پہلے ضروری ہے کہ **اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم** پڑھ کر اللہ تعالیٰ کی شیطان مردود سے پناہ مانگی جائے اور قرآن حکیم کو اس یقین اور ایمان کے ساتھ پڑھا جائے کہ یہ رب العالمین کا کلام ہے اور وہ مجھے محبت کے ساتھ دیکھ رہا ہے۔اللہ تعالیٰ کا کلام ہر طرح کے شک وشبہ سے بالاتر، سو فیصد سچ ہے۔اس کے احکام محکم اور اٹل، مضامین میں خیر ہی خیر، پڑھنا باعث برکت اور عمل کرنے میں دونوں جہانوں کی فلاح ہے۔یہ خیال روح پرور ہے کہ قرآن حکیم کے الفاظ سب سے پہلے آپ سرور کائنات حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے مبارک ہونٹوں سے نکلے تھے جنہیں رب تعالیٰ سے جبرائیل علیہ السلام نے آپ ﷺ کے قلب پر نازل کیا تھا اور آپ ﷺ اپنے صحابہ اکرامؓ کو نہایت محبت اور ادب کے ساتھ سکھاتے تھے تاکہ قیامت تک آنے والے انسان اس کے مطابق زندگی گزار کر دوزخ کی آگ سے بچ جائیں۔قرآن کریم کے متعلق اس حقیقت کو یاد رکھیں کہ یہ دنیا اور آخرت میں کامیابی کا پاسپورٹ ہے اور رب تعالیٰ تک رسائی کا ذریعہ ہے اس لئے پڑھنے میں جلدی نہ کریں اگر آپ اسے سمجھنے کی کوشش کریں تو خود دیکھیں گے کہ کس طرح رب العالمین آپ پر اپنے کلام کے راز ظاہر کرنے لگتا ہے۔سرور کائنات پر 23 سال کے عرصہ میں یہ نازل ہوا تھا، لہٰذا اسے پڑھنے میں بے صبری کا اظہار غیر مناسب ہے۔دراصل قرآن حکیم کو ختم کرنا مقصود نہیں بلکہ ایک ایک آیت مبارک کو سمجھ کر پڑھا جائے تاکہ اچھی طرح معلوم ہو جائے کہ رب العالمین، ہم سے کیا کہنا چاہتے ہیں، اور ساتھ ساتھ اپنی حالت سے موازنہ کرتے جائیں کہ کہاں تک اپنی زندگی اس کے مطابق ہے اور کہاں کہاں اصلاح طلب ہے۔پھر جہاں کمی نظر آئے اسے دور کرنے کی کوشش کی جائے۔

کلام اللہ کی یوں تلاوت کسی حد تک کلام اللہ کا حق ادا کرنا ہے۔اس کے بعد پھر دنیا میں اطمینان کی زندگی اور آخرت میں کامیابی کا ضامن خود قرآن پاک ہے۔قرآن کریم کے ایسے ہی شیدائیوں کے لئے اللہ تعالٰی نے خوف اور غم سے آزادی کا وعدہ فرمایا ہے۔

لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون

نہ ان پر کوئی خوف اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے

یاد رکھیں قرآن کریم میں دیئے گئے احکام ہمارے خالق کی طرف سے دنیا میں زندگی گذارنے کے لئے بہترین اصول ہیں۔عالم برزخ میں بھی اگر اسکی روشنی میسر ہوئی تو سفر آسان رہے گا اور جنت میں تو جنتیوں کا موضوع گفتگو ہی کلام اللہ ہے۔جہاں تک دنیا میں ہو رسول ﷺ کا یہ فرمان بھی یاد رکھو کہ **القرآن حجتہ لك او علیك** یعنی قرآن یا تو تمہارے حق میں حجت بنے گا یا تمہارے خلاف۔

مشعلِ راہ

(The Beacon Light)

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

میں پناہ پکڑتا ہوں اللہ تعالیٰ کی، شیطان مردود سے

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ O

ترتیب کے لحاظ سے قرآن حکیم کی پہلی آیت مبارکہ **بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ** ہے اور یہ واحد آیت ہے جو نفس قرآن میں 114 دفعہ بار بار آئی ہے جس سے اس کی اہمیت واضح ہے۔ ہدایت کی طرف یہ مشعلِ راہ ہے، اندھیروں کو دور کرنے والی اور اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل کرنے کا فارمولا ہے۔ رسول ﷺ نے یہ خبر دی ہے کہ جو شخص اپنے کام کا آغاز اس آیہ مبارک سے کرے گا انشاء اللہ برکات اسکے شامل حال ہونگی، وہ گمراہی سے بچ جائے گا اور کام آسان ہو جائے گا۔ دراصل یہ آیت ہمارے پیارے رب کی طرف سے برکت کی کنجی ہے، جس کام کو ہم صدق دل کے ساتھ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ سے شروع کریں گے اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکت شامل ہو جائے گی۔ چاہیے کہ ہم بِسۡمِ اللّٰهِ کو اپنی عادت بنالیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ کلام اللہ کی ترتیب کا ایک زندہ سائنسی معجزہ بھی ہے جس کے اندر ایک ایسا معجزانہ حسابی فارمولا پنہاں ہے جس نے موجودہ دور کے حساب دانوں کو حیران کر دیا ہے۔ مثلاً پرانی عربی رسم الخط کے مطابق آیہ مبارک **19 حروف** (ب س م ال اہ۔ ال رح م ن۔ ال رح ی م) پر مشتمل ہے۔ زیر زبر اور الفاظ پر اٹھی ہوئی الف کی علامتوں کو شمار **نہیں کیا جاتا ہے۔** حال ہی میں 19 حروف کی یہ تعداد قرآن حکیم کی ترتیب میں معجزانہ خصوصیت کی حامل ثابت ہوئی ہے۔ **جدید کمپیوٹروں کی مدد سے** معلوم ہوا ہے کہ 19 کا ہندسہ قرآن کریم کا ایسا حساب (Code) ہے جو اس کی ترتیب اور تحریر میں مسلسل عیاں ہے۔ **مثلاً اس کی** 114 سورتیں 19 کا حاصل ضرب ہیں (19x6=114)۔ بسم اللہ والی آیت مبارکہ بھی 114 دفعہ ہی قرآن کریم میں بار بار آئی ہے جو 19x6 کا حاصل ضرب ہے۔ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ چار الفاظ، اسم، اللہ، رحمٰن، الرحیم، پر مشتمل ہے (اللہ، محمد اور قرآن میں ہر لفظ بھی چار چار حروف پر مشتمل ہے) اگر گنتی کی جائے تو معلوم ہوگا کہ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ کا سارے قرآن کریم میں پہلا لفظ "اسم" 19 دفعہ آیا ہے جو 19 کا حاصل ضرب ہے (19x1)۔ دوسرا لفظ "اللہ" پورے قرآن میں 2699 دفعہ آیا ہے جو ایک حاصل جمع کے ساتھ 19 کا ٹھیک حاصل ضرب ہے۔ (19x142+1) ایک حاصل جمع باقی ہونا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ یکتا ہے لہٰذا اسکے اسم کی تعداد کسی ہندسہ کا فیکٹر نہیں ہو سکتی، تیسرا لفظ "الرحمٰن" 57 دفعہ آیا ہے (19x3) جو پھر 19 کا حاصل ضرب ہے۔ اور چوتھا لفظ "رحیم" پورے قرآن میں 114 دفعہ ہے وہ بھی 19 کا حاصل ضرب ہے (19x6)۔ یہ خصوصیت نہایت دلچسپ اور عجیب بات ہے لیکن بات یہاں تک ہی نہیں بلکہ آپ دیکھیں گے کہ اگر آپ 19 کے حاصل ضربوں یعنی 142,3,1 اور 6 کو جمع کریں تو 152 حاصل ہوتا ہے جو پھر 8 سے 19 کا حاصل ضرب ہے

(19x8)۔قرآن پاک کا یہ 19 والا کوڈ (Code) ان تمام سورتوں میں بھی موجود ہے جو حروف مقطعات سے شروع ہوتی ہیں جس کی تفصیل سورۃ بقرہ کی تفسیر کے آخر میں ضمیمہ 2 میں دی گئی ہے۔ یہ حسابی نظام قرآن کریم کا ایک نیا معجزہ ہے امید کی جاسکتی ہے کہ انشاء اللہ، یہ اکیسویں صدی کے حسابی اور سائنسی انسان کو اللہ کی کتاب کے قریب لانے کا باعث بنے گا۔ اب کوئی حجت باقی نہیں رہی۔

ان معجزاتی حسابی باتوں سے قطع نظر اس وقت ہم اتنا ہی کہنے پر اکتفا کریں گے کہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم کلام اللہ کی بنیادی آیت ہے جس کی روحانی برکات بے حساب ہیں۔ اب ہم اس کے معانی پر غور کریں گے:۔

بِسْمِ اللّٰہِ	اللہ کے نام سے (شروع کرتا ہوں)
الرَّحْمٰنِ	(جو) رحمٰن ہے۔
الرَّحِیْم	(جو) رحیم ہے۔

1- اللہ۔ رب تعالیٰ کی ذاتِ پاک:۔

خالق کون ومکان کا ذاتی نام اللہ ہے جس کے معنی اس کی خاص اپنی ذات مبارک ہے۔ اس لئے اسکا ترجمہ ناممکن ہے۔ بعض لوگ ''اللہ'' کا اردو میں ترجمہ ''خدا'' سے اور انگریزی میں گاڈ (God) سے کرتے ہیں لیکن ایسا کرنا غلط ہے۔ عام لوگوں کے سلسلہ میں بھی کسی کے نام کا ترجمہ کرنا اور اسے ترجمہ کے نام سے پکارنا بہت غیر مناسب بات ہے اس لئے صحیح بات یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام ہر زبان میں اللہ ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ وہ عظیم ہستی ہے جو ہر چیز کا سبب (Primordial Cause)، اسکا موجد، خالق، رب اور سمیٹنے والا ہے اسکی شان یہ ہے۔ کہ سارا زمان ومکان اسکی رحمت سے بھرا پڑا ہے۔ جس کا شاہد کائنات کا ذرہ ذرہ ہے۔ ایٹم ایٹم اپنے خالق کا شعور رکھتا ہے، اس کی تسبیح کرتا ہے، اور سبھی اس کی قدرت کے قوانین (Scientific Laws) کے دائرہ کار میں رہ کر اپنا اپنا کام کرتے ہیں۔ زمان اور مکان اسی کی صفات ہیں۔ وہی الاول اور الآخر ہے یعنی ٹوٹل وقت (Total Time) اسکی حقیقت کا ایک اظہار ہے۔ وہی الظاہر اور الباطن یعنی ٹوٹل مکان (Total Space) بھی اسکی حقیقت کی شان ہے۔ یوں وہ بیک وقت ہر چیز کو جانتا ہے، دیکھتا ہے اور سنتا ہے تمام کائنات اور اس میں موجود ہر چیز اسکے گھیرے میں ہے حضرت علیؑ نے اپنے مالک کی تعریف یوں فرمائی ہے۔ (حوالہ نہج البلاغہ اردو ترجمہ صفحہ ۱۳۰ پبلشرز شیخ غلام علی لاہور) ''خداوند تعالیٰ ہمیشہ سے موجود ہے مگر حادث اور نو پید نہیں، وہ موجود ہے مگر اس کی ہستی عدم و نیستی کے بعد نہیں۔ وہ ہر چیز کے

ساتھ ہے لیکن بطور ہمسر نہیں۔ وہ ہر چیز سے الگ ہے لیکن اس سے کنارہ کش نہیں۔ وہ ہر چیز کا فاعل ہے لیکن اس کا فعل حرکات اور آلات کا نتیجہ نہیں۔ وہ بصیر ہے جب اس کی مخلوق نہ تھی۔ وہ منفرد ہے کیونکہ اس کا کوئی ایسا ساتھی نہیں جس سے وہ اپنا جی بہلائے اور جس کے نہ ہونے سے اسے الجھن ہو، اس نے دنیا کو پیدا کیا، اور پہلے پہل بنایا، بغیر اس کے کہ فکر کو کام میں لاتا یا تجربہ سے فائدہ اٹھاتا اور نہ اپنے نفس میں کوئی حرکت پیدا کی، نہ پہلے سے کوئی اہتمام کیا کہ جس کے لئے بے چین ہوا ہو۔ وہ چیزوں کو ٹھیک وقت پر عدم ونیستی سے وجود کی طرف لایا، اور گونا گوں چیزوں میں موافقت اور سازگاری پیدا کی اور ہر چیز کو اس کی طبیعت اور مزاج عطا کیا اور ان طبائع کے لئے شکل و صورت معین کی۔ وہ ان کی ابتداء اور آغاز سے پہلے ان سے واقف تھا اس کا علم ان کی حدود اور انتہا پر محیط تھا۔ ان کی حالت اور پوشیدہ کیفیت سے آشنا تھا''۔

''دین کی پہلی بنیاد خدا کی معرفت ہے اور معرفت کا کمال اس کی تصدیق ہے اور کمال تصدیق توحید ہے اور کمال توحید اس کو ہر چیز سے برتر ماننا ہے، یہ کمال اخلاص صفات کی ذات سے نفی ہے کیونکہ ہر صفت غیر موصوف اور ہر موصوف غیر صفت ہے۔ جس نے اس کی توصیف میں ذات کو صفت (زائد) سے ملایا، اس نے گویا ذات میں تقسیم مانی، اور جس نے، ذات الٰہی میں تقسیم مانی وہ نادان ہے اور جس نے نادانی کی اس نے خدا کی طرف اشارہ کیا، اور جس نے اشارہ کیا، اس نے اسے محدود کر دیا، اور جس نے یہ پوچھا کہ خدا کس چیز میں ہے؟ اس نے گویا کسی چیز کے ضمن میں اسے قرار دیا اور جس نے سوال کیا، وہ کس چیز پر ہے! تو اس نے دوسرے مقام کو اس سے (خالی) تسلیم کر لیا''۔ More Details please see appendix III

2- الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ:-

رحمٰن اور رحیم اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام ہیں جس طرح یہ نام بار بار قرآن پاک میں آتے ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ صفاتی نام اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہیں ان دونوں کا مادہ رحم ہے جو اپنے معنی میں بہت وسعت رکھتا ہے۔ عربی زبان میں رحم کا تعلق ماں سے ہے۔ اپنے بچوں کیلئے وہ سب سے زیادہ محبت کرنے والی اور رحمت سے سرشار ہستی ہے۔ وہ غیر اختیاری طور پر ایک جرثومہ کو نہایت پیارے معصوم اور مطمئن بچہ کی شکل میں پرورش کرتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ جو رحمٰن ہے آپؐ نے فرمایا کہ اسکی محبت کے سامنے ماں کی محبت کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ ماں کو صرف اپنے بچوں سے محبت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اپنے ہر بندہ سے اسکی ماں سے ستر گنا زیادہ محبت کرتا ہے۔ عیسائی کہتے ہیں خدا محبت ہے (God is Love) لیکن مسلمانوں کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی ذات پاک رحمٰن اور رحیم ہے محبت اسکی صفت رحمت کا محض ایک جز ہے۔ اسکی رحمت نے تمام کائنات کا احاطہ کیا ہوا ہے اور اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے۔

اسکی رحمت کی ایک شان لفظ ''رحمٰن'' کی اٹھان اور صوتی اثرات سے ظاہر ہوتی ہے یوں معلوم ہوتا ہے جیسے الرحمان کے رحم کی اٹھان نے پوری کائنات کو گھیر رکھا ہے اور وہ ہر سمت سے اس کے اندر ڈوبی ہوئی ہے، جیسے مچھلی سمندر کے اندر پانی میں ڈوبی ہوتی ہے۔ یوں رحمٰن اللہ تعالیٰ کا کل صفاتی (Superset) نام ہے۔ جس کی کوئی مثل نہیں اور کوئی دوسرا رحمٰن کے سپر سیٹ (Superset) والی صفات کا احاطہ نہیں کرسکتا اس لئے یہ صفاتی نام صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے ہی لئے مخصوص ہے اور کوئی غیر اللہ رحمان نہیں ہوسکتا۔

لفظ ''رحیم'' کا مادہ بھی رحم ہے۔ لیکن اس کی اٹھان رحمٰن سے مختلف ہے۔ اسکے صوتی اثرات سے ایک نہ ختم ہونے والا تاثر ملتا ہے، تو گویا رحیم وہ ذات پاک ہے۔ جس کا رحم وقت کی تمام سمتوں میں جاری وساری ہے رحم در رحم۔ یعنی اللہ تعالیٰ ازل سے ابد تک رحیم ہے۔ چونکہ زندگی کی حد تک کسی انسان میں بھی رحم کی صفت بدرجہ اولیٰ ہوسکتی ہے اس لئے ایک محدود معنوں میں وہ بھی رحیم ہے۔ اس لحاظ سے قرآن کریم میں رسول اللہ ﷺ کو بھی رؤف الرحیم کے لقب سے یاد کیا گیا ہے لیکن رؤف الرحمٰن کبھی نہیں کہا جاتا۔ تاہم کلی طور پر رحیم بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات عالیہ ہے۔

اس کی رحمت ازل سے ابد تک کائنات کے ذرہ ذرہ میں کارفرما ہے اور ہم مچھلیوں کی مانند اسکی رحمت کے سمندر کے اندر رہتے ہیں۔ وہ ہمارا بہترین رفیق، قریب ترین ساتھی، اور پروردگار ہے۔ جس کی محبت، قربت، رہنمائی، ہمدردی اور مدد لازوال ہے۔ وہ ہر حال میں ہمارے ساتھ ہے، قابل بھروسہ دوست بشرطیکہ ہم اس پر بھروسہ کریں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رحمٰن اور رحیم کے نام کی نسبت سے زمان ومکان کو اپنی رحمت سے بھر دیا ہے اور فرمایا **انّ رحمتی غلبت علٰی غضبی**۔ ''بے شک میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے''۔ یوں مالک کل نے خود ہی اپنے آپ کو اپنی رحمت کا پابند کرلیا ہے۔ سبحان اللہ۔ وہ اللہ ہے۔ بے مثل، عقل جس کا ادراک نہیں کرسکتی لیکن وہ سدا ہمارے ساتھ ہے، وہ وہی ہے۔ اور بس۔ جب ہم صدق دل سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر کسی بھی کام کا آغاز کریں گے تو کائنات کی ہر سمت (Dimension) میں اس کی رحمت ہمارے شامل حال ہوجائے گی۔ جس کی وجہ سے ہر کام آسان ہوجائے گا۔ اس لئے ہر کام سے پہلے بسم اللہ کہنا ہماری عادتِ ثانیہ ہونا چاہئے اور بچوں کو بچپن ہی سے اس طرف متوجہ کرانا والدین کی ذمہ داریوں میں سے ایک اہم ذمہ داری ہے۔

سورۃ الفاتحہ

(سورۃ الفاتحہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔اس کا ایک رکوع ہے اور سات آیات ہیں۔اس کے الفاظ کی تعداد پچیس اور حروف کی تعداد 123 ہے)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو رحمٰن الرحیم ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝	خصوصی تعریف (صرف) اللہ ہی کے لئے ہے، (جو) عالمین کا رب ہے۔
الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝	رحمٰن (اور) رحیم ہے،
مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝	مالک ہے یوم الدین کا۔
اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝	(اے اللہ) ہم صرف تجھی کی عبادت کرتے ہیں اور ہم تجھی سے استعانت کے طلبگار ہیں۔
اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝	ہمیں ہدایت فرما صراط مستقیم کی،
صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝	صراط (راہ) ان لوگوں کی (جن پر) تو نے انعام فرمایا۔
غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ	نہ (ان لوگوں کی راہ) جو مغضوب ہوئے،
وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝	اور نہ (ان لوگوں کی راہ) جو گمراہ ہوئے۔

3- تعارف سورۃ الفاتحہ

حضور نبی کریم ﷺ کی عمر شریف جب چالیس سال کی ہوئی تو آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ نے نبوت کی بھاری ذمہ داری ڈال دی اور پہلی وحی **اقرا باسم ربك**... کے ساتھ تفویض فرمائی۔ احادیث نبی کریم ﷺ سے ثابت ہوتا ہے کہ اسکے چند روز بعد پوری سورۃ الفاتحہ بمعہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بمعہ نازل ہوئی۔ یوں شروع نبوت ہی یہ سورت خود سرور کائنات ﷺ اور آپؐ کے اصحاب کی نمازوں کا لازمی جز بن گئی۔ قرآن حکیم سورۃ فاتحہ سے شروع ہوتا ہے۔ یوں یہ قرآن کریم کا دیباچہ (Opening) ہے اور بقیہ قرآن کریم اسکی تفسیر ہے جس سے اسکی اہمیت عیاں ہے۔ اس عظیم سورت کے بارے امام نسائیؒ نے ابی ابن کعبؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:۔ ''اللہ تعالیٰ نے اس جیسی سورت نہ توریت اور نہ ہی انجیل میں نازل فرمائی، یہ ام القرآن ہے اس کی سات آیات ہیں جو اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان منقسم ہیں۔ ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے جو بندہ سوال کرے گا قبول ہوگا۔''

صاحب قرآن ﷺ نے اس سورت مبارک کو کئی ایک نام دیئے ہیں۔ انہی میں سے ایک نام ام الکتاب بھی ہے یعنی کتاب الٰہی کا خلاصہ اور اجمال، حضرت حسن بصریؒ سے منقول ہے کہ حق تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لئے ایک سو چار کتابیں نازل فرمائیں پھر ان سب کا خلاصہ توریت اور انجیل اور زبور میں نازل فرمایا اور پھر قرآن کریم ان سب کی تعلیم کا خزانہ، خلاصہ اور تصدیق کرنے والا ہے۔ قرآن کریم کے تمام علوم مفصل ہیں اور پھر ان سب علوم کو سورۃ الفاتحہ میں ودیعت فرمایا (حوالہ معارف القران مولانا محمد ادریس کاندھلوی) اس کا ایک اور نام الشفاء ہے اس لئے کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے اس میں جسمانی اور روحانی بیماریوں کا علاج رکھا ہے۔ حضور سرور کائنات ﷺ مریضوں کے اوپر یہ سورۃ پڑھ کر دم فرماتے تو وہ صحت یاب ہوجاتے۔ آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کا بھی یہی طریقہ تھا۔ ہم بھی اس خصوصیت سے بہرہ مند ہو سکتے ہیں بشرطیکہ الفاظ کے ساتھ ساتھ ہمارے دل بھی اس سورت کے ساتھ ہوں۔

قرآن کریم میں اس سورۃ مبارکہ کو اللہ تعالیٰ نے السبع المثانی بھی کہا ہے، یعنی ''بار بار دہرائی جانے والی سات آیات'' اور نماز کی ہر رکعت میں اسکی تلاوت کو لازم قرار دے دیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ آج دنیا میں دو ارب مسلمان ہیں فرض کرو کہ ان میں صرف دس فیصدی نماز پنجگانہ پڑھتے ہوں تو بھی روزانہ کم وبیش پانچ ارب دفعہ یہ سورۃ مبارکہ پڑھی جاتی ہے۔ سبحان اللہ۔ یہ قرآن حکیم کا ایک زندہ معجزہ ہے اور اسکے نام سبع المثانی یعنی ''بار بار دھرائے جانے والی'' کا شاندار مظاہرہ ہے۔

اس سورۃ میں حق تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنی بارگاہ میں عرض کرنے کا طریقہ سکھایا ہے یعنی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب ہمارے

دربار میں حاضر ہو تو اس سورۃ کے ذریعہ سے مانگو، اس لئے حاجت براری کے لئے یہ مجرب نسخہ ہے۔ یوں سورۃ الفاتحہ کی برکات بے حساب ہیں۔ جیسے اوپر کہا گیا ہے اس میں جسمانی اور روحانی بیماریوں کا علاج ہے، اگر ہدایت کی غرض سے پڑھی جائے تو اللہ تعالیٰ اسلام پر ہدایت دے گا اور اپنے مخصوص بندوں کے ذریعہ رہنمائی فرمائے گا۔ اگر برکات کی غرض سے پڑھی جائے تو اللہ تعالیٰ قاری کے مال و دولت اور صحت میں برکت عطا فرمائے گا اسکے معانی ہدایت کا سمندر ہیں جتنا بھی غور کیا جائے کم ہوگا۔ ان برکات اور اسکے معانی کے فوائد کے پیش نظر چاہیے کہ ہم اس سورت کے مضامین کو اپنی زندگی کا لازمی حصہ بنالیں۔ روایت ہے کہ صدق دل سے اسکی ایک دفعہ کی تلاوت پر انشاء اللہ دو تہائی قرآن کریم پڑھنے کا ثواب ملے گا۔

4- سورۃ الفاتحہ کے مضامین

سورۃ الفاتحہ میں مندرجہ ذیل مضامین کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے بقیہ قرآن کریم اس کی تفسیر ہے۔

1- اللہ تعالیٰ کی حمد، تسبیح اور ذکرواذکار اور دعا کرنے کا طریقہ

2- حق تعالیٰ کی ذات کا اس کی صفات کے لحاظ سے عرفان

3- مخلوق اور حق تعالیٰ کا تعلق، یہ کہ ممدوح اللہ پاک کی ذات ہے اور مخلوق کیلئے ارفع و اعلیٰ شغل اسکی حمد ہے۔

4- اللہ تعالیٰ کی شان ربوبیت کا بیان۔

5- عالمین یعنی زمان و مکان کے اندر باہر لامحدود دنیاؤں کا ذکر۔

6- اللہ تعالیٰ کی شان، اول آخر، ظاہر و باطن رحمت کا ادراک۔

7- حیات بعد الموت اور قیامت کی حقیقت کا ذکر۔

8- حشر کی کیفیت، فیصلہ کا دن، حساب کتاب، جنت و دوزخ کے مقامات کا ذکر۔

9- انسانوں کا اللہ تعالیٰ سے اصل تعلق اور مقام انسانیت کا تعین۔

10- دعا کرنے والے بندے اور جواب دینے والے رب میں باہمی تعلق کا تصور۔

11- اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کی تعلیم

12- یہ احساس کہ اللہ تعالیٰ حاضر و ناظر ہے، دعائیں سننا، اٹھے ہوئے ہاتھوں کو دیکھنا اور دعاؤں کا جواب دینا، اسکو محبوب ہے۔

13- صراط مستقیم کی طرف رہنمائی، زندگی کی منزل کا صحیح تعین اور مقصد حیات کی طرف واضح رہنمائی

14- صراط مستقیم نبیوں اور رسولوں کی ہدایت کی تلاش۔

15- صراط مستقیم پر چلنے کی تمنا اور جدو جہد کی طرف رغبت۔

16- ہدایت اللہ تعالیٰ ہی کے فضل سے ہے، وہی ہدایت بخشنے والا ہے ، ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ سے التجا کی طرف رغبت۔

17- اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں، نبیوں، صالحین، متقین، اولیاء کی اعلیٰ مثالیں اور ان کے اسوہ حسنہ پر چلنے کی تلقین۔

18- ماضی حال اور مستقبل کے انعام یافتہ حضرات کی راہنما حیثیت کا بیان اور ان سے تعلق قائم کرنے کی فضیلت۔

19- اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں پر زمینی حیات اور اخروی حیات میں فضل اور انعام کا معاملہ۔

20- اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا ذکر۔

21- ان بدقسمت بندوں جن سے اللہ تعالیٰ غصہ ہوا، فاسق وفاجر کافروں کا ذکر، اللہ تعالیٰ کے باغیوں سے پناہ کی ترغیب۔

22- گمراہ لوگوں سے بچنے کی تلقین۔

23- گمراہی کا راستہ اور اس سے دور رہنے کی ترغیب۔

24- یہود ونصاریٰ کی مثال اور ان کی تقلید سے ممانعت۔

25- دعا کی مقبولیت اور اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت پر یقین کامل۔

یہ وہ بڑے بڑے مضامین ہیں جن کی طرف سورۃ الفاتحہ یاد دہانی کراتی ہے۔ قرآن حکیم ان سب مضامین کی تفصیل ہے اور صاحب قرآن ﷺ اسکی عملی تصویر ہیں۔ اللہ تبارک تعالیٰ ہمارے علم میں اضافہ کرے اور ہمارا حشر اپنے ان نیک بندوں کے ساتھ فرمائے جن سے وہ خوش ہوا اور اللہ تعالیٰ ہمیں باغی اور گمراہ لوگوں کے راستہ سے بچا کر رکھے۔ آمین۔

تفسیر سورۃ الفاتحہ

5- اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ :- خصوصی تعریف تو بس اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جو سب عالموں کا رب ہے

سورۃ مبارکہ کا آغاز بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بابرکت کلمات سے ہوتا ہے جن کی تفسیر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ دوسری آیہ کریمہ الحمدلله رب العالمين کمال شان والا کلمہ ہے جو کہ سائنسی معجزہ بھی ہے۔ سبحان اللہ کہ صرف چار الفاظ میں کائنات، کائنات کے خالق کی شان ربوبیت اور اس کے مجموعہ صفات کو یکجا کر دیا ہے۔ ہر وہ چیز جو حمد، تعریف، ستائش کے زمرہ میں آتی ہے اس کا منبع ومصدر اللہ تعالیٰ ہے جو رب العالمین ہے اور اللہ تعالیٰ کی رب العالمین والی شان کے حوالہ سے بتایا گیا ہے کہ یہ جہان رنگ و بو جس پر انسان نازاں ہے صرف یہی ایک نہیں بلکہ اس نے ان گنت جہان بنائے ہیں اور وہ سب عالموں کا رب ہے جس میں ہماری یہ ساری کائنات بھی شامل ہے۔ اگر جدید سائنسی دریافتوں کے حوالہ سے ہم اسکی وسعت کا اندازہ لگانا چاہیں تو اس کا یہ حال ہے کہ روشنی اپنی تین لاکھ کلومیٹر فی سیکنڈ کی رفتار سے ہمیشہ بھی چلتی رہے تو ناممکن ہوگا کہ وہ اس کے دوسرے کنارے تک کبھی پہنچ سکے اور اسمیں اسقدر سورج، ستارے، چاند، زمین اور دیگر مخلوقات ہیں کہ انسان کے حساب سے باہر ہیں۔ اس بے حد وسیع کائنات کے اندر یا باہر موجود چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی چیز کا وہی رب ہے۔ ہر ایک کی خبر گیری کرنے والا، ایک ایک ذرہ کی نشوونما اور دیکھ بھال کا ذمہ دار۔ ڈیزائن سے لیکر انتہا تک پہنچانے والا وہی ایک ہے۔ تخلیق بھی اسی کی، نشوونما کرنیوالا بھی وہ اور انتہا تک لے کر ختم کرنے والا بھی وہی ہے۔ موت اور حیات کا خالق بھی وہی ہے۔ ہر آن وہ نئی شان وشوکت میں (کل یوم هو فی شان) جلوہ افروز ہوتا ہے۔ بھلا سوچئے اس شان والے رب کے علاوہ حمد اور ستائش کے لائق کوئی اور ہوسکتا ہے؟

الحمدللہ کا اقرار یعنی یہ اعلان کہ، حقیقی تعریف وستائش کے لائق صرف اللہ ہی کی ذات ہے دراصل یہ یقین مومن کی زندگی کے محور کو بدل کر رکھ دیتا ہے۔ اسے ہر خوبصورتی میں خالق کا عکس نظر آتا ہے، جب وہ کسی اچھی چیز کو دیکھتا ہے تو اسکی توجہ فوراً اپنے رب کی طرف مبذول ہوتی ہے جبکہ کافر کی سوچ چیزوں میں الجھی رہتی ہے، لیکن مومن کے منہ سے بلا اختیار نکلتا ہے "سبحان اللہ"۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ حمد کے مادہ ہی سے اسم احمد اور اسم محمد ہے۔ احمد وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے نہیں تھکتا اور وہ اللہ تعالیٰ کے سب سے بڑے عارف یعنی خاتم النبیین محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات مبارک ہے۔ سبحان اللہ کہ هل جزاء الاحسان الا الاحسان کے اصول کے تحت ممدوح حقیقی نے اپنے احمد کو محمد (ﷺ) بنا دیا۔ جس کا لغوی معنی ہے بہت زیادہ تعریف کیا گیا۔ یقیناً عالمین میں ایسی ہستی نہ کبھی ہوئی، نہ ہوگی، جس پر اللہ اور اس کے فرشتے ہر دم درود وسلام بھیجتے ہیں۔ اللهم صل علیٰ محمد و علیٰ آل محمد و بارك وسلم (For details see appendix I-V)

6- شانِ ربوبیت کا پہلا اظہار: اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

آیہ مبارک ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ'' میں اللہ تعالیٰ خود اپنا تعارف رب العالمین کے طور پر کراتے ہیں یعنی ''وہ ان گنت جہانوں کا رب ہے''۔ یہ ایک سائنسی معجزہ ہے جسکا صحیح ادراک بیسویں صدی کے آخر میں ہوا ہے جب انسان نے خلا کی تحقیق میں کچھ دسترس حاصل کر لی ہے۔ اب پتہ چلا ہے کہ ہماری زمین کائنات میں ایک بے حیثیت سیارہ ہے جبکہ کائنات اربوں کھربوں عالمین کا مجموعہ ہے۔ سائنس نے یہ بھی معلوم کیا ہے کہ اس بات کو تقریباً پندرہ ارب سال ہو گذرے ہیں جب مادی دنیا میں پہلی دفعہ اللہ تعالیٰ نے اپنی شانِ ربوبیت کا عالم ظاہر میں اظہار کیا۔ اس واقعہ کا نام بگ بینگ (Big Bang) رکھا گیا ہے۔ اسی کے ساتھ ہی کچھ کائناتی اصول وضع کردیئے جنھیں ہم سائنسی قوانین کہتے ہیں اور کائنات کی ہر چیز کو ان کا پابند بنا دیا یوں ہر جگہ ہر وقت اسکی رب العالمینی ہے۔ جسکے نتیجہ میں جو سائنسی قوانین ہم اپنی اس ذرا سی زمین پر ملاحظہ کرتے ہیں وہی کہکشاؤں کے آر پار کام کر رہے ہیں۔ یوں ہر سو قوانین قدرت کی وحدت اپنے خالق کی وحدت کا اعلان کرتی ہے کہ ''تم سب کا رب اللہ ہے، معبود واحد۔ الرحمٰن الرحیم'' اور یہ سلسلہ یوں ہی قیامت تک چلتا رہے گا جب یہ کائنات ایک نئی کائنات سے بدل دی جائے گی۔

دراصل (Bigbang) بگ بینگ عالم شہود میں اولین حمد تھی۔ انسان نے پہلی دفعہ اسکی آواز کو 1962ء میں سنا۔ امریکہ کی بیل ٹیلیفون لیبارٹری (Bell Telephone Laboratory) کے دو سائنسدانوں کا کام خلا کی طرف سے آنے والی ریڈیائی لہروں (Radio Waves) کو پکڑنا اور ان کو سمجھنا تھا۔ ان لہروں میں ایک ایسی بھی آواز تھی جو ہر سمت سے برابر اور مسلسل آتی رہتی تھی وہ اپنے ایریل (Aerials) جدھر بھی کرتے اس میں کوئی تبدیلی نہ آتی۔ یہ کیا آواز ہے؟ اس سوال پر غور و فکر سے ثابت ہوا کہ ہر طرف سے آنے والی یہ آواز کائنات کے وجود میں آنے کے وقت جو دھماکہ ہوا تھا اس کی آواز ہے۔ تخلیق کے اس مرحلہ پر لاوجودیت سے ایک غبار سا اٹھا جو تیزی سے بڑھنے لگا، اللہ تعالیٰ نے کہا ''کن'' پس وہ ہو گیا یعنی کن کے امر میں زمان و مکان اور سب وجود پنہاں تھے جو ایک دم سے عالم باطن سے عالم ظاہر میں بدل گئے۔ اس وقت درجہ حرارت اربوں ڈگری سنٹی گریڈ تھا۔ (جبکہ سورج کے اندر تقریباً ساٹھ لاکھ ڈگری سنٹی گریڈ ہے افسوس عام آدمی کی سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ جہنم کیسے اتنا گرم ہوگا)۔ اس نسبت سے بگ بینگ (Big bang) کے بعد کائنات بھی کروڑوں سال جہنمی حالات میں رہی اور اسکے آتشی وجود سے جنات کی تخلیق ہوئی۔ (ملائکہ کی تخلیق نوری ہے جو یہ بگ بینگ سے پہلے کا واقعہ ہے) پھر اللہ تعالیٰ نے کائنات میں اپنی رحمت کو پھیلا دیا اور یوں تخلیق کے دور ''الرحمان الرحیم'' کا آغاز ہوا۔ کائنات پھیلنے لگی اور آہستہ آہستہ ٹھنڈ پڑنے لگی۔ اس ارتقائی دور میں گیس کے مرکباتی کرّوں کی تخلیق شروع ہوئی اور رفتہ رفتہ انہی کرّوں میں سے ستاروں (Stars) کا ظہور ہونے لگا اور ستاروں کے ساتھ کواکب (Planets) بننے لگے اور پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ستارے خاندانوں کی طرح اکٹھے ہونے لگے اور کروڑوں ستاروں کے اکٹھا ہونے سے کہکشائیں وجود میں آنا شروع ہوئیں اور آج الرحمٰن الرحیم کی کائنات میں اربوں کہکشائیں ہیں جن میں موجود مخلوقات کا انسانی حساب اور تصور ممکن نہیں ہے۔

سبحان اللہ کہ وہ مالک ایک ایک کی ضرورت سے نہ صرف واقف ہے بلکہ اپنی رحمت سے سب کی پرورش بھی کرتا ہے۔ زمان و مکان میں کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں اسکی رحمت نہیں لیکن یہ سب کچھ یونہی بے مقصد پیدا نہیں کیا گیا بلکہ ایک دن ایسا بھی آنے والا ہے جب اس کائنات کی مجموعی کارکردگی اور اسمیں ہر ایک کی فرداً فرداً کارکردگی کا حساب (Audit) ہوگا۔ اس عظیم وقت کا نام یوم الدین ہے جو ہماری شناخت کا دن ہے۔

7- ہماری شناخت .... مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ :-

سورۃ الفاتحہ کی تیسری آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ "مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" ہے۔ یہ فرمان اس بات کی طرف توجہ دلاتا ہے کہ کسی نہ کسی وقت موجودہ کائناتی دور کے حساب کا وقت آ جائیگا اور اس فیصلہ کن دن کے بعد ایک نئے دور کا آغاز ہوگا جو ہمیشہ رہے گا۔ یہ جزا و سزا کا دور ہے۔ اس سے یہ مطلب بھی لیا جاسکتا ہے کہ کائنات ہمیشہ رہی ہے نہ ہمیشہ رہے گی بلکہ اس کارخانہ قدرت میں ہر چیز کی ایک حد مقرر ہے جس تک وہ ایک پہلے سے مقررہ پروگرام کے مطابق چلتی رہتی ہے اور پھر ختم ہو جاتی ہے۔ سائنسدانوں کو اس حقیقت نے دنگ کر دیا ہے کہ خالق کون و مکاں جب کسی چیز کو پیدا کرتا ہے تو اس کیساتھ ہی اس پر اسکی موت کو بھی سوار کر دیتا ہے۔ تھرموڈینمک (Thermo Dynamic) کے دوسرے قانون کے مطابق قدرت کا یہ بنیادی اصول ہے کہ ہر چیز کا توازن مسلسل کم ہو رہا ہے۔ (Entropy is increasing and order is gradually giving away to disorder) لہٰذا اپنے اپنے وقت ہر چیز کو فنا ہے اور فنا ہی ہر چیز کی آخری قسمت ہے۔

اسی اصول کے پیش نظر سائنس دان قرآن کریم کی اس بات کی بھی تصدیق کر رہے ہیں کہ ایک نہ ایک دن یہ کارساز حیات جس طرح اچانک وجود میں آیا تھا اسی طرح اچانک ختم بھی ہو سکتا ہے۔ جدید سائنس اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ اپنی پیدائش سے کائنات پھیلتی رہی ہے اور ممکن ہے کہ اپنی انتہا پر پہنچ کر یہ سکڑنے لگے اس وقت یہ ہر سمت سے اپنے نقطۂ آغاز کی طرف واپس بھاگنا شروع ہوگی اور بالآخر ٹکرا ٹکرا کر اپنے آپ کو پاش پاش کر دے گی۔ یوں تمام موجود: لاوجود میں بدل جائے گا۔ "ہونا" "انہونی" میں بدل جائے گا لیکن یہ انجام خاتمہ نہیں بلکہ اس کے بعد خالق ایک عظیم تر کائنات کو وجود میں لائے گا جس کا خاص امتیازی وصف یہ ہوگا کہ اس میں فنا نہیں ہوگی۔ اس ساری داستاں میں قیامت کبریٰ موجودہ کائنات کی تباہی اور حیات بعد الموت کی تخلیق کا سماں ہے۔ اسکے فوری بعد یوم الدین کی صبح طلوع ہوگی۔ اس دن تمام مخلوقات زمان و مکان کے کونہ کونہ سے خالق کائنات کے حضور جمع ہو جائے گی۔ ہمارے اعمال مجسم شکل میں ہمارے سامنے ہوں گے۔ کسی کو وہ جنت کی طرف لے جائیں گے اور کسی کو جہنم کی طرف کھینچ رہے ہوں گے۔ ہمارے حوالے سے شاندار بات یہ ہے کہ اس سارے منظر میں انسان قائم رہتا ہے۔ اس ضمن میں قرآن کریم ہمیں تعلیم دیتا ہے کہ موجودہ کائنات بھی انسان کے لئے بنی اور آنے

والی کائنات بھی انسان کے لئے ہی بنی ہوگی اس لئے وہ اسی دنیا میں کھو کر اپنی ہستی کے مقصد کو بھول نہ جائے بلکہ اپنے رب کا قرب حاصل کرنے کے لئے مسلسل کوشش کرتا ہے۔

8- کائنات میں ہمارے سفر کے چار ادوار

ہم نے دیکھا ہے کہ سورۃ فاتحہ کی پہلی تین آیات جہاں حق تعالیٰ جل جلالہ کا تعارف بطور ''رب العالمین الرحمٰن الرحیم اور مالک یوم الدین'' کراتی ہیں، وہیں زمان ومکان میں کائنات کے سفر کو بھی واضح کرتی ہیں۔ جیسے ہم دیکھ چکے ہیں کہ کائنات کا پہلا دور اللہ تعالیٰ کی شانِ ربوبیت کے اظہار سے شروع ہوتا ہے جسے سائنسدان آج کل بگ بینگ کا نام دیتے ہیں اسکے بعد اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کائنات کا ارتقائی دور شروع ہوتا ہے، جسے ہم دورِ رحمت کہہ سکتے ہیں اور آخری دور موجودہ کائنات کے حساب اور نئی کائنات کے آغاز کا دور ہے۔ اسے ہم یوم الدین کہتے ہین۔ (See also Appendix VII-VIII)

I- پہلا دور۔ ربوبیت کا دور جس میں ہر شے کے ڈیزائن پیدائش اور نشوونما کا انتظام کیا گیا اسکا آغاز بگ بینگ (Big Bang) کے ساتھ ہوا جب کائنات عالم باطن سے عالم ظاہر میں داخل ہوگئی۔ یہ صورِ اول تھا۔ ربوبیت کا یہ دور مسلسل ہے اور آخرت میں بھی جاری رہے گا۔

II- دوسرا دور۔ **الرحمان الرحیم** یعنی رحمت کا دور جس میں چیزوں کو انکا وجود ملا، مزید پرورش ہوئی، ارتقاء شروع ہوا اور اشیاء اپنے اپنے ڈیزائن کے مطابق کمال کو پہنچتی ہیں، ہر طرف خوبصورتی ہی خوبصورتی اس کا خاصہ ہے اس میں خالق نے اپنی رحمت کو اپنے غضب پر غالب رکھا ہے حتیٰ کہ شیطان اور اسکے ساتھیوں کو بھی وہ جو کرنا چاہیں اجازت دے دی۔

III- تیسرا دور۔ **یوم الدین** والا دور ہے۔ یہ موجودہ کائنات کے حساب کتاب اور فیصلہ کا دن ہے اس کا آغاز کائنات کے سکڑنے سے ہوگا۔ جس سے زمان ومکاں کے بعد کونہ کونہ سے تمام تخلیقات اپنے نقطہ وجود کی طرف دوڑی آئیں گی۔ یوں وجود لاوجود میں بدلتا جائے گا اسی سے پھر حیاتِ نو کا آغاز ہوگا، رب العالمین جلوہ افروز ہوگا، سب کے اعمال ان کے ساتھ ہوں گے اور سب کے ساتھ انصاف ہوگا۔ اس وقت نہ کوئی سفارش قبول ہوگی نہ کوئی طاقت کسی کے کام آئے گی۔ الّا ماشاللہ اور دنیا ایک نئے دور میں داخل ہو جائے گی۔

IV- آخرت کا دور۔ یوم الدین کے بعد مخلوقات جنت، اعراف اور دوزخ کے تینوں گروہوں میں تقسیم ہو کر آخرت کے ہمیشگی والے دور میں داخل ہو جائیں گی۔ یہ دور موت کے ساتھ وابستہ ہے یعنی موت کے ساتھ ہی ہر چیز کا آخرت کا دور شروع ہو جاتا ہے۔
یوں سورۃ فاتحہ کی پہلی تین آیات ایک سائنسی معجزہ ہیں چند جملوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنا اور اپنی شان کا نہایت جامع

تعارف کرایا اور ساتھ ہی اپنی کائنات کے مختلف ادوار کی تاریخ بھی ہمیں سمجھادی۔ اگلی آیہ مبارکہ انسان کے مقام کا تعین کرتی ہیں۔ جہاں بندہ زبان حال سے اپنی بے چارگی کا اقرار کرتا ہے۔

9- کائنات میں ہماری حیثیت :-

اپنے مقام کی شناخت کے بعد اب ہم آگے بڑھتے ہیں۔ اگلی آیت کریمہ میں ہمیں ہماری حیثیت کی تعلیم دی گئی ہے۔ فرمایا **ایاک نعبد وایاک نستعین** "اے رب العالمین! ہم صرف اور صرف تیری ہی عبادت کرنے والے ہیں، اور تجھی سے مدد کے طالب ہیں"۔

عبادت کا مادہ (Root) عبد ہے جسکا مطلب غلام ہے۔ یعنی آیہ مبارک یہ باور کراتی ہے کہ کائنات میں آدمی کی حیثیت خالق کائنات کے غلام کی سی ہے اور یہ اس کیلئے بہت بڑا اعزاز ہے کہ رب تعالیٰ نے اسے اپنا ملازم بنالیا ہے۔ لہٰذا مقصد حیات اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے۔ یعنی اپنے خالق کی مرضی کیلئے کام کرنا، کسی اور طاقت کو خاطر میں نہ لانا، اگر کسی چیز کی ضرورت ہے تو اپنے آقا ہی سے مانگنا اور کسی دوسرے کے سامنے ہاتھ نہ پھیلانا۔ یہ اسرار خودی ہے۔ افسوس! اگرچہ ہم اپنی نمازوں میں بار بار اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں، رب تعالیٰ سے وعدہ کرتے ہیں کہ ہم "تیرے ہی بندے ہیں، تجھی ہی سے مدد کے طلب گار ہیں" لیکن اصل زندگی میں بے شمار خود ساختہ خداؤں کے سامنے بھیک مانگتے ہیں۔ یوں ہم اپنی شناخت حیثیت اور مقام بھی کچھ کھودیتے ہیں۔

ایاک نعبد و ایاک نستعین کی صحیح ترجمانی کیلئے، ہمیں یہی ایک زندگی ملی ہے۔ اس عظیم کلمہ کا حق یہ ہے کہ ہم اپنا رخ، صرف اور صرف اللہ پاک کی طرف کرلیں۔ مخلوق کی بندگی سے آزادی حاصل کرکے واحد اپنے خالق کی بندگی میں لگ جائیں۔ دل وجان سے کہیں "لاالہ الا اللہ" "نہیں کوئی معبود مگر اللہ" . اور پھر حق عبدیت ادا کرتے ہوئے تمام دوسرے خداؤں کی نفی کردیں۔ یہ نہیں کہ پڑھیں تو **ایاک نعبد** اور حکم کسی اور کا مانیں، کہیں تو **ایاک نستعین** لیکن مدد کے لئے خود ساختہ خداؤں کے پاس جائیں۔ یہ صراط مستقیم نہیں بلکہ گمراہی کا راستہ ہے۔

جس آدمی کو بہت سے خداؤں کے گھر جانا ہو اس کا راستہ ٹیڑھا میڑھا، کبھی ادھر کبھی ادھر ہی ہوگا۔ وہ بڑا مصروف نظر آئے گا بہت محنت بھی کرتا ہوگا لیکن اسے منزل کبھی نہیں ملتی۔ اسکی زندگی کا نتیجہ گمراہی اور آخر کار انجام جہنم میں گرنا ہے جو کہ بہت برا انجام ہے۔ جبکہ مومن کا راستہ صراط مستقیم ہے۔ جسکی نشاندہی اگلی آیات میں ہورہی ہے۔

10- زندگی کا صحیح رخ ، الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ :-

کامیاب زندگی وہ ہے جسکا انجام جنت ہوگا لیکن کوئی آدمی صرف محنت کے بل پر وہاں نہیں پہنچ سکتا۔ اگر سمت غلط ہو تو منزل مزید دور ہوتی چلی جاتی ہے لہٰذا سیدھے راستے کا معلوم ہونا کامیابی کیلئے لازمی ہے۔ کوئی بھی سمجھدار انسان غلط راستہ پر چل کر اپنی منزل کو کھونا نہیں چاہے گا لیکن سیدھے راستہ کا پتہ ہونا اور اس پر چلنا آسان کام نہیں۔ اس بات کیلئے اللہ تعالیٰ نے ہر دور کے انسانوں کی طرف اپنے

نبی بھیجے اور آخری دور کیلئے اپنا آخری نبی حضور پاک ﷺ کو بھیجا، اور تعلیم دی کہ سیدھے راستہ کو پانے اور اس پر قائم رہنے کیلئے اپنے رب سے دعا کریں" اهدنا الصراط المستقيم ""اے اللہ ہمیں ہدایت دے صراط مستقیم کی" ان چند الفاظ میں ایک کامیاب زندگی کا تعین فرما دیا گیا ہے۔ یہ زندگی صراط مستقیم پر قائم رہنے والی زندگی ہے۔ جس کیلئے بندہ مومن ہر وقت کوشش کرتا ہے اور مانگتا رہتا ہے، "اے رب العالمین، اے رحمٰن الرحیم، اے مالک یوم الدین، ہمیں سیدھا راستہ دکھا دے، اپنی راہ پر چلا لے، اپنا بنا لے"، اگر دل میں سیدھے راستے پر چلنے کی تمنا سچی ہوگی تو اس سمیع بصیر ذات کا وعدہ ہے کہ وہ ضرور اپنے بندہ کو اس راستہ پر لے آئے گا، شیطانی طاقتوں کو بھگا دے گا، راستے کی رکاوٹوں کو دور فرما دے گا اور انشاء اللہ سیدھی راہ پر چلنا آسان بنا دے گا۔

آیہ مبارکہ میں ایک قابل غور بات یہ بھی ہے کہ آدمی صرف اپنے لئے صراط مستقیم نہیں مانگتا بلکہ "سب کے لئے" دعا کرتا ہے۔ اس لئے کہ جب تک ایک جماعت صراط مستقیم پر نہ چل رہی ہو اس راہ پر اکیلے چلنا بہت مشکل کام ہے اور یہ بھی کہ دوسرے کیلئے دعا کرنا ایک صدقہ بھی ہے یعنی جب ہم دوسروں کیلئے دعا کرتے ہیں تو اسکا بھی ہمیں ثواب ملتا ہے۔

صراط مستقیم کے ہی سلسلہ میں ہمیں یہ بھی یاد رکھنا ہے کہ سیدھے راستے کا تعین آسان کام نہیں۔ رہبر کامل مل جائے تو بہت بڑی خوش قسمتی ہے۔ اگر کوئی ہادی نہ ہو تو شیطانوں کے اس جنگل میں انسان ہمیشہ ہی بھٹکتا رہے گا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ ہر دور میں ہادی بھیجتا رہا ہے، جن کی سرشت (Genetic code) ہی میں صراط مستقیم کا نقشہ محفوظ تھا۔ مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ ان پر اپنے خاص فرشتے مقرر کر دیتا کہ وہ نقشہ کے باوجود بھی کوئی غلطی نہ کر بیٹھیں۔ یہ عظیم راہنما اللہ تعالیٰ کے نبی تھے، ان سب کے آخر میں سالارِ کارواں (ﷺ) تشریف لائے جنہوں نے صراط مستقیم کو اتنا جگمگا دیا کہ اب قیامت تک کسی کو اس راستے کا شک نہیں ہونا چاہئے۔ اس دور کے انسانوں کیلئے انہی کا راستہ صراط مستقیم ہے۔ فرمایا.......... بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ يٰسٓ (١) وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ (٢) اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ (٣) عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (٤) تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ (٥) یس۔ قسم ہے مجھے قرآن حکیم کی، بے شک آپ رسولوں میں سے ہیں، صراط مستقیم پر۔ عزیز الرحیم، کی طرف سے نازل کیا ہوا۔

11- صراط مستقیم .... انعام یافتہ بندوں کا راستہ:

جو بھی آپ ﷺ کے راستہ پر چلا وہ کامیاب ہو گیا۔ اس راستہ کا نام اسلام ہے۔ اسکی عملی شکل کیا ہوگی؟ سورہ الفاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے انعام یافتہ بندوں کی پیروی کے ساتھ مشروط کر دیا ہے۔ فرمایا صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ : یعنی صراط مستقیم کوئی خیالی فلاسفی (Theoretical way) نہیں بلکہ ایک تجربہ شدہ عملی راستہ ہے جو دنیا کے رسم و رواج سے الگ ضرور ہے لیکن ہر زمانہ میں کچھ لوگ اس پر چلتے آئے ہیں اور انشاء اللہ چلتے رہیں گے۔ اب اگر ہم اس صراط مستقیم کے متلاشی ہیں تو ہمیں اپنے لئے نئی راہ تلاش

کرنے کی بجائے انہی کے نقش قدم پر چلنا ہوگا۔اس کیلئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہیں تاکہ اللہ کے ان نیک بندوں سے ہمارا ذہنی اور روحانی رابطہ استوار ہو۔

یہ کہ ہمیں کیسے پتہ چلے کہ کون اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے اور کون فراڈیا؟ اسکے لئے ہمیں یاد رکھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی نشانی یہ ہے کہ وہ سرور کائنات ﷺ کی سنتوں کی پیروی کرنے والے ہوتے ہیں، ان کی زندگی کا ماٹو (Motto) اپنی بڑائی نہیں بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ''رہبر و رہنما۔ مصطفیٰ مصطفیٰ'' (ﷺ)، ان کی مجالس میں اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کے ذکر کے علاوہ کسی اور کا ذکر نہیں ہوتا اور ان کی حاضری میں آدمی اللہ تعالیٰ کا قرب محسوس کرتا ہے۔

12- گمراہی کے راستہ سے بچ کر نکل جانا:

کسی چیز کی اچھی طرح پہچان کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ اسکی ضد کو بھی سمجھا جائے۔ مثلاً مثبت کی پہچان کے لئے منفی کو جاننا ضروری ہے اس طرح اللہ کے مقبول بندوں کو سمجھنے کے لئے اللہ کے مغضوب بندوں کو پہچاننا بھی ضروری ہے۔ اگلی آیات کریمہ ہمیں صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ کے برعکس تصویر کا دوسرا رخ دکھا رہی ہیں فرمایا غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ

المغضوب..... وہ لوگ ہیں جن کے طور طریق، رسم رواج، زندگی کی جدوجہد اور نیتیں سبھی صراط مستقیم والوں کی ضد (opposite) ہیں۔ ان بد بخت لوگوں میں پہلا گروہ وہ ہے جو اپنی کارستانیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے غضب کے شکار ہوئے۔ اس کی بدترین مثال یہود کی ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام سے بغاوت کی، اپنے نبیوں اور صالحین کو قتل کیا، اسلام سے کفر کیا اور آج بھی ان کے پیروکار اپنی شیطانی روش پر بضد ہیں۔ ان کا راستہ جہنم کا راستہ ہے اور ان کے پیچھے چلنے والوں کا بھی یہی انجام ہے۔ **غیر المغضوب علیهم** کہنے کا صاف مطلب ہے کہ ہم اسلام کے دشمنوں سے دور رہیں اور ان کے طریقوں سے نفرت و کراہت محسوس کریں۔ چنانچہ کفار اور منافقین، ہنود، یہود و نصاریٰ یعنی جو بھی اللہ تعالیٰ کے احکام سے بغاوت کرتا ہے تمام وہ جو دین اسلام کے علاوہ کسی اور کے دین کے پیروکار ہیں ان کے طور و طریق سے دور رہنے میں ہی صراطِ مستقیم ہے۔

جس طرح اللہ کے مغضوب بندوں سے کنارہ کشی اور ان کے راستوں سے دور رہنا، راہ ہدایت پر چلنے کے لئے ضروری ہے اسی طرح گمراہ اقوام کے طریقوں سے اللہ کی پناہ مانگتے رہنا اور ان سے بچنا بھی لازمی ہے۔ **الضالین** وہ ہیں جو سیدھی راہ سے بھٹک چکے ہیں۔ ہدایت کیلئے ضروری ہے کہ نہ ہم ان کے پیچھے چلیں اور نہ ان کی بات مانیں ورنہ وہ تو ڈوب ہی رہے ہیں، ہمیں بھی لے ڈوبیں گے۔ اس لئے مومن بندہ ہر آن اللہ سے دعا مانگتا ہے کہ ''اے اللہ ہمیں گمراہ لوگوں کی راہ سے بچا'' لفظ الضالین کا مادہ ضل ہے جسکا مطلب منتشر ذہن (Confused) لوگ بھی ہیں۔ ان میں پیش پیش نصاریٰ ہیں جو اللہ تبارک تعالیٰ کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم

علیہ السلام کا شرک کرتے ہیں۔افسوس کہ آج کا مسلمان "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ "۔ بار بار کہنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی راہ چھوڑ کر یہود و نصاریٰ کی نقل پر مصر ہے۔ جبکہ مومن کی اپنی ایک خاص شخصیت ہے ، اسکی اپنی تہذیب ہے اور اپنے حسن اخلاق اور عادات سے ہجوم میں بھی وہ سب سے نمایاں ہوتا ہے۔کاش کہ سورۃ الفاتحہ ہمارے قلوب میں اتر جائے۔

اے اللہ.....ہم گنہگاروں کے گناہوں سے چشم پوشی کرتے ہوئے ہماری اس دعا کو قبول فرما۔امین!

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

سورۃ البقرۃ

تعارف

سرور کائنات محمد مصطفیٰ ﷺ جب مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف فرما ہوئے تو یہ سورۃ نازل ہوئی۔ یہ چالیس رکوع، دوسو چھیاسی آیات، چھ ہزار اکتیس الفاظ اور تقریباً بیس ہزار حروف پر مشتمل ہے۔ اس لحاظ سے یہ قرآن حکیم کی سب سے لمبی سورت ہے۔ اس کے مضامین سے معلوم ہوتا ہے جیسے یہ سورۃ **اھدنا الصراط المستقیم** کی دعا کا جواب ہے جو سورۃ الفاتحہ میں بندہ اپنے مالک سے مانگتا ہے۔

اس میں آدمی کو اس کی تخلیق کے مقصد اور زمان و مکان میں اس کے مقام، شناخت اور حیثیت کے متعلق واضح طور پر سمجھایا گیا ہے انسان کے ازلی دشمن شیطان سے خبردار کیا گیا ہے اور مثالی اسلامی معاشرہ قائم کرنے کے لئے نظم وضبط سے متعلقہ احکامات دیئے گئے ہیں۔ اس سورۃ کو رسول کریم ﷺ نے افضل القرآن کہا ہے۔ اصحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک اس سورۃ کی اہمیت اور اس کے مضامین میں گہرائی تک جانے کا شوق اس بات سے عیاں ہوگا کہ جناب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جو مفکر قرآن تھے نے کئی سال میں اس کی تعلیم کو مکمل کیا۔

اس عظیم سورۃ مبارکہ کا نام بقرہ رکھنے میں بھی خاص حکمت نظر آتی ہے۔ قدیم زمانہ سے انسانی معاشرہ کی ترقی اور نشوونما میں گائے کا جو مقام رہا ہے وہ اس کے دودھ، گوشت، کھال، ہڈیوں اور بال و پر کے استعمال پر غور وفکر سے واضح ہو جاتا ہے قدیم مصری تہذیب پر جدید تحقیق یہ ثابت کرتی ہے کہ فراعنہ کے دور کے مصری گائے کے ان احسانات کی بدولت اسے ماں کا تقدس دیتے تھے انہی کی طرح ہندو بھی قدیم زمانہ ہی سے اس کی پرستش کرتے آرہے ہیں۔

اس نسبت سے دیکھا جائے تو جن مضامین کو اللہ تعالیٰ نے اس عظیم سورۃ میں نازل فرمایا ہے وہ امت مسلمہ کی نشوونما کے لئے لازمی ہیں۔ اسلامی معاشرہ، اسلامی حکومت، اسلامی معاشی نظام اور امت کی بحیثیت مجموعی ترقی وکمال کا انحصار صرف اور صرف سورۃ بقرہ میں دیئے گئے اصولوں کو سمجھنے، ان پر غور وفکر اور عمل کرنے میں ہے۔ زمین پر خلافت الٰہیہ قائم کرنے کے لئے اور خلیفۃ اللہ فی الارض بننے کے لئے جس دودھ، پروٹین، کاربوہائیڈریٹ اور نمکیات وغیرہ کی ضرورت ہے وہ سب کے سب سورہ بقرہ میں موجود ہیں۔ بے شک یہ قرآن کریم کا مفصل خلاصہ اور انسانیت کے لئے کتاب زندگی ہے۔ رب العزت سے دعا ہے کہ ہم اس سورۃ مبارکہ کے ایک ایک لفظ کو اپنی روح میں سمو کر آگے بڑھتے جائیں اور اللہ کی زمین پر خلیفۃ اللہ ہونے کا حق ادا کرتے جائیں (آمین)۔

تفسیر سورۃ البقرہ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝

الٓمّٓ ۝ ‏ 1- الف۔ لام۔ میم

ذٰلِكَ الۡكِتٰبُ لَا رَيۡبَ ۛۚ فِيۡهِ ۛۚ هُدًى لِّلۡمُتَّقِيۡنَ ۝ ‏ 2- (یہ) وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں ہدایت ہے متقین کے لئے۔

13- ا۔ل۔م حروف مقطعات:-

سورۃ مبارک کا آغاز تین حروف الف۔ لام۔ میم سے ہوتا ہے اگر چہ ان کے معنی کا تعین نہیں کیا گیا لیکن جس طرح قرآن کریم کی یہ اہم ترین سورۃ مبارکہ ان حروف سے شروع کی گئی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کچھ غیر معمولی کلمات ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ حروف کا یہ عجیب وغریب مجموعہ قرآن کریم کے عظیم انقلابی پیغام کی طرف جن وانس کی توجہ مبذول کرنے کا اعلان ہو گویا کوئی پکارنے والا کہہ رہا ہو "اے گروہ جن وانس ہوشیار باش۔ اللہ جل جلالہ کی طرف سے جبرائیل علیہ السلام محمد مصطفیٰ ﷺ پر قرآن لے کر آرہے ہیں"۔

قرآن حکیم کی 29 سورتوں کا آغاز اس طرح کے حروف سے ہوتا ہے جن کو حروف مقطعات کا نام دیا گیا ہے۔ مثلاً ال م، ال ر، ط س ی س، ق وغیرہ۔ کیا یہ حروف کچھ الفاظ کے مخفف ہیں؟ کچھ نہیں کہا جاسکتا لیکن جدھر بھی یہ آئے ہیں اگر ان کے فوراً بعد آنے والی آیات پر سرسری طور پر بھی غور کیا جائے تو ہمیشہ ہی ان کا خطاب صاحب قرآن جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی طرف ہوتا ہے۔ اس حوالے سے ایک رائے یہ ہوسکتی ہے کہ حروف مقطعات آپؐ کے خطابات کے سرنام ہیں (واللہ اعلم) ان کی تعداد 28 ہے جو چودہ حروف کے مرکبات ہیں (سورہ بقرہ کے علاوہ پانچ اور سورتیں یعنی آل عمران، الروم، العنکبوت، لقمان، السجدہ) بھی ال م سے شروع ہوتی ہیں۔ 1960ء کی دھائی میں جب کمپیوٹروں کی مدد سے قرآن کریم کے الفاظ اور حروف کی ترکیب کا تجزیہ کیا گیا تو یہ عجیب بات معلوم ہوئی کہ حروف مقطعات دراصل قرآن حکیم کا ایک حیران کن حسابی نظام ہے جو قیامت تک کے لئے ایک عظیم سائنسی معجزہ ہے۔ اس معجزہ کی تفصیلات ہوش ربا ہیں۔ ہدایت تو اللہ کی طرف سے ہے لیکن بڑے سے بڑے حسابدان بھی حیران و پریشان ہیں کہ وہ کام جو جدید کمپیوٹروں سے بھی کرنا مشکل ہے چھٹی صدی عیسوی میں عرب کے صحراؤں میں ایک انسان (علیہ ﷺ) نے جہاں حساب نام کی کوئی چیز نہیں تھی کیسے کرلیا؟ حیرانی کے عالم میں

چپ وہ اس عظیم کتاب کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ کیا پتہ کہ ان کی خوش قسمتی کی گھڑی قریب آ پہنچی ہو اور وہ بھی پکار اٹھیں۔ **اشھد اَن لا الہ الا اللہ واَشھد انّ محمد ا رسول اللہ**۔ (حروف مقطعات کے حسابی نظام کی تفصیلات تفسیر کے آخر میں دی جارہی ہیں)۔

14- تعارف قرآن کریم:-

ال م کے چونکا دینے والے اعلان کے بعد قرآن کریم کا تعارف کروایا جارہا ہے فرمایا **ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ** کہ یہ وہ کتاب ہے جو ہر طرح کے شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ یہ وہی ہے جس کا انسانیت کو ایک مدت سے انتظار تھا، جس کی خوشخبری تمام آسمانی صحیفوں میں دی جا چکی تھی، جو کائنات بننے سے پہلے لوح محفوظ میں لکھی جا چکی تھی یہ وہی کتاب ہے جو آدم علیہ السلام سے لیکر خاتم النبین ﷺ تک جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا اس کی امین ہے اور تصدیق کرنے والی ہے۔

"**ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ**" ایک عجیب دعویٰ ہے۔ دنیا کا کوئی سائنسدان، کوئی دانشور، کوئی فلاسفر اپنی کسی بھی کتاب کے متعلق یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ اس نے جو کچھ لکھا ہے وہ شک وشبہ سے بالاتر ہے یہ اتنا دلیرانہ (Bold) دعویٰ ہے کہ کسی انسان کے بس کی بات نہیں، وہ جو کہتا ہے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد اسکا سقم ظاہر ہو جاتا ہے۔ یہ صرف وحی الٰہی کی شان ہے کہ یہ دعویٰ کرسکے جس کی سچائی کی گزشتہ چودہ صدیاں تصدیق کرتی ہیں۔ کٹر سے کٹر مخالف بھی مانتے ہیں کہ قرآن کریم کے حروف، اس کے الفاظ، اس کی آیات، اس کی سورتیں، غرض اس کی زیر زبر بھی سرور کائنات کے مبارک ہونٹوں سے نکلی ہوئی آوازیں ہیں۔ یہ آپ کی ترتیب شدہ کتاب ہے، جو وحی الٰہی کے عین مطابق ہے۔ اس کی حکمت اور ہدایت اٹل ہے۔ اس کے مضامین بالکل حقیقت ہیں، اس کی خبریں سو فیصد سچ ہیں۔ بے شک اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ خالق کائنات کا اپنا کلام ہے۔ آپ آنکھیں بند کرکے اس پر عمل کرسکتے ہیں۔ کبھی دھوکا نہیں کھائیں گے۔

یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ نے الکتاب کہا ہے یعنی یہ کوئی بے ربط خطبات کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک مخصوص کتاب ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے سرور کائنات ﷺ پر نازل کیا جو وحی الٰہی کی ہدایات کے مطابق نزول کے ساتھ ساتھ اسے کتابی شکل میں ترتیب دیتے جاتے تھے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ صاحب قرآن ہی جامع القرآن تھے البتہ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کے بعد سیدنا ابوبکر صدیقؓ، سیدنا عمر فاروقؓ، سیدنا حضرت عثمانؓ اور سیدنا حضرت علیؓ کو اس کتاب کے پبلشرز بننے کی سعادت نصیب ہوئی۔ ان میں خلیفہ سوم حضرت عثمانؓ کا کارنامہ واقعی منفرد ہے کہ انہوں نے اپنے تصدیق شدہ نسخے اسلامی خلافت کے ہر صوبائی مقام پر رکھوا دیئے جن کی وجہ سے آج تک قرآن کریم کی صحت قائم ہے۔

اس عظیم کتاب سے کون فائدہ اٹھاسکتا ہے؟ اسکے بارے میں فرمایا ہے۔ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۔یعنی یہ ہدایت ہے متقین کیلئے۔گویا ہر آدمی اس سے فائدہ نہیں اٹھاسکے گا۔اس کیلئے اپنے آپ کو تیار کرنا پڑے گا۔یہ ایسے ہی ہے جیسے میڈیکل سائنس سے استفادہ کرنے کیلئے F.Sc. کے معیار تک تعلیمی استعداد ضروری ہے۔قرآن کریم سے بھی بھرپور فوائد حاصل کرنے کیلئے کچھ محنت کرنا پڑے گی اور اپنی شخصیت کو متقی کے انداز میں بدلنا ہوگا۔متقی اسے کہتے ہیں جس میں تقویٰ ہو اور تقویٰ اس خاص ذہنی کیفیت کا نام ہے کہ محبّ اپنے محبوب سے اس وجہ سے ڈرتا ہے کہ کہیں وہ ناراض نہ ہو جائے۔چنانچہ متقی لاابالی نہیں ہوتا بلکہ ایک سنجیدہ ،اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والی ایک محتاط، عقلمند شخصیت ہے جو اپنی محبت کی وجہ سے اسکی ناراضگی سے ڈرتا ہے وہ حق قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے نیکی کا دلدادہ ہے اور گناہوں سے بچنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔انہی لوگوں میں قرآن کریم سے ہدایت قبول کرنے کی استعداد ہوگی۔

15- متقین کی خصوصیات:-

اگلی تین آیات کریمہ میں متقی لوگوں کی چھ خاص صفات کا ذکر فرمایا گیا ہے، جو لوگ ہدایت کے متلاشی ہیں ان کیلئے یہ آیات نہایت قابل غور ہیں۔انکی تعریف میں سب سے پہلے فرمایا گیا ہے۔

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝	-3	(متقی وہ ہیں) وہ جو ایمان لاتے ہیں غیب پر اور صلوٰۃ قائم کرتے ہیں اور جو رزق ہم نے انہیں دیا ہے، خرچ کرتے ہیں۔

اس آیہ مبارک میں متقین کی جن صفات کا ذکر ہے ان میں اولین یہ ہے کہ وہ غیب پر ایمان لانے والے ہیں۔یعنی وہ کھلے ذہن کے مالک ہیں۔وہ اڑیل نہیں کہ جو چیز ان کے حواس سے باہر ہے یا عقل ودانش میں نہیں آتی اس کا یونہی انکار کردیں بلکہ وہ قبول کرنے والا ذہن (Receptive mind) رکھتے ہیں۔جو چیزیں ان کے براہ راست مشاہدہ میں نہیں بھی آتیں وہ انکا یونہی انکار نہیں کردیتے۔

غیبی علوم کی اہمیت کے متعلق یہ معجزانہ آیت سائنسی تحقیق کیلئے بنیادی اصول فراہم کرتی ہے۔دراصل قرآن کریم نے غیب کی حقیقت کا اپنے آغاز میں تعارف کرواکر انسانی سوچ کا رخ لاانتہا بلندیوں کی طرف موڑ دیا ہے۔اب تک کی تمام تر روحانی ترقیاں اور

سائنسی دریافتیں اسی سوچ کا نتیجہ ہیں۔ یوں قرآن کریم ساری سائنسی ترقیوں اور باطنی علوم کا بانی ہے۔ جو قوم غیب کو جاننے کی جتنی زیادہ کوشش کرے گی اسی قدر وہ علوم میں ترقی کرے گی۔

ابھی تک سائنسی ریسرچ کا بھی یہی نتیجہ ہے کہ ظاہر جو ہمارے سامنے ہے وہ غیب کی نسبت انتہائی قلیل ہے۔ باطن میں جو کچھ چھپا ہے وہ ظاہر کی نسبت کروڑوں گنا زیادہ ہے۔ یہ وہ حقیقت ہے جسکی سب سے بڑی گواہ جدید سائنس خود ہے۔ اس نے معلوم کیا ہے کہ انسانی نظر کی حد سے باہر کی دنیا اربوں کھربوں گنا بڑی ہے۔ ایٹم کے اندر ایک جہاں آباد ہے لیکن یہ سب کچھ ہمارے حواس کیلئے غائب ہے۔ کشش ثقل کا نظام جس نے کائنات میں ذروں سے لے کر انتہائی بڑی کہکشاؤں کو قابو کیا ہوا ہے ایک عجیب غیبی حقیقت ہے جو ساری کائنات میں پھیلا ہوا ہے لیکن محسوسات کی دنیا سے باہر ہے۔ خود انسان کی اپنی حقیقت انسان کیلئے غیب ہے اسکے اندر جو کچھ ہے وہ اسے نہیں دیکھتا۔ تو کیا یہ صحیح ہوگا کہ ان سب کا اس لئے انکار کردیں کہ ہماری آنکھ ان کو دیکھ نہیں سکتی اور ہماری عقل ان کو سمجھ نہیں پاتی؟ ہرگز نہیں۔ دنیا میں اس وقت لاکھوں ٹیلی ویژن سٹیشن ہیں جن کے پروگرام بیک وقت فضا میں موجود ہیں لیکن ٹیلی ویژن ریسور کے بغیر نظر نہیں آتے۔ انٹرنیٹ (Internet) کے ذریعے بیک وقت اربوں پیغامات عالم میں سرگرداں ہیں جن تک ہماری رسائی صرف کمپیوٹر ہی کے ذریعہ ممکن ہے۔ آپ جہاں بیٹھے ہیں وہاں لاکھوں ایسی چیزیں ہوسکتی ہیں جنہیں سائنس جانتی ہے لیکن ہمارے حواس ان کا ادراک نہیں رکھتے۔ کیا اپنی بصارت کی کمی کی وجہ سے آپ ان غیوب کا انکار کرسکتے ہیں؟ اگر جواب نہیں ہے تو کیا ہم فرشتوں، ارواح، جنت، دوزخ، حیات بعد الموت، عالم قبر، عالم برزخ، عالم حشر نشر وغیرہ کا محض اس لئے انکار کردیں کہ وہ ہماری عقل سے باہر ہیں۔ ایسا صرف وہی سوچے گا جو تقویٰ سے خالی ہے۔ ایسے لوگوں کا راہ راست پر آنا تقریباً ناممکن ہے۔

For details please see appendix V

16- قیامِ صلوٰۃ:-

متقین کی دوسری خصوصی صفت یہ ہے کہ وہ صلوٰۃ قائم کرنے والے ہیں۔ یہ انکے غائب پر ایمان کی عملی شکل ہے۔ صلوٰۃ کا مطلب اپنے رب سے وصل یعنی جوڑ پیدا کرنا ہے۔ شرعی اصطلاح میں اس کا مطلب دعا، اللہ کا ذکر اس کی یاد، نماز اور دیگر سبھی عبادتیں ہیں جو سرورِ کائنات ﷺ ادا فرماتے تھے۔ صلوٰۃ کی اعلیٰ ترین شکل پنج گانہ نماز ہے۔ لیکن وہی نماز صلوٰۃ ہے جس کے ذریعہ رب تعالیٰ سے جوڑ پیدا ہوا اور نتیجتاً اللہ تعالیٰ کے حاضر ناظر ہونے کا تصور دل میں اس قدر جاگزیں ہوجائے کہ انسان گناہ اور فحش کے پاس بھی نہیں پھٹکے۔ متقی آدمی نماز صرف پڑھتا نہیں بلکہ اپنے جسم نفس اور روح کے اوپر صلوٰۃ قائم کرتا ہے۔ جس نماز میں روح کا دخل نہیں اس کے متعلق فرمایا گیا ہے، فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ (٤) الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ (٥) چنانچہ متقی کبھی نماز میں تساہل نہیں برتتا اور نہ ہی وہ اپنے رب کی یاد

سے کبھی غافل ہوتا ہے بلکہ اسکی جدوجہد کا مقصودِ زندگی کے ہر موڑ پر قیامِ صلوٰۃ ہے یعنی وہ معاشرہ کے رسم و رواج، طرزِ حکومت، تعلیم و تربیت، معاشی نظام وغیرہ سبھی کو صلوٰۃ کے دائرہ کار میں لانے کیلئے جدوجہد کرتا رہتا ہے۔ اس کے بغیر قرآن کریم سے کما حقہ فائدہ اٹھانا ناممکن ہے۔

17- اللہ کی راہ میں رزق خرچ کرنا:-

متقی کی تیسری صفت یہ بتائی گئی ہے کہ اللہ نے اس کو جو رزق دیا ہے وہ اللہ کی رضا کے لئے خرچ کرتا ہے۔ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ رزق انسان پر اللہ تعالیٰ کی ہر عطا کا نام ہے چنانچہ ہماری زندگی، صحت، قابلیت، تعلیم، مال و دولت، کھانا پینا، عزت، اقتدار سب کچھ اللہ کا عطا کیا ہوا رزق ہے۔ متقی ان چیزوں کا اپنی ذات پر اسراف نہیں کرتا بلکہ وہ اپنے آپ کو اس رزق کا امین سمجھتا ہے اور زندگی بھر امانتداری کا حق ادا کرتا رہتا ہے۔ اس کی ترجیح اپنی ذات نہیں بلکہ حقوق اللہ اور حقوق العباد ہیں جن کو پورا کرنے کے لئے وہ اپنی توانائیاں خرچ کرتا رہتا ہے۔ اس شخصیت کا مالک جب قرآن حکیم کی ہدایت کو پالیتا ہے تو پھر وہ ہمہ تن اور باعقل و ہوش اس طرف لگ جاتا ہے کہ اس نعمت عظمیٰ میں دوسروں کو بھی شریک کرے۔ ایمان بالغیب، قیام صلوٰۃ اور انفاق فی سبیل اللہ کے علاوہ اگلی آیہ کریمہ میں متقی کی مزید تین بنیادی خصوصیات کا ذکر ہے۔ فرمایا......

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۞	-4	اور (متقی وہ ہے) جو ایمان لائے اس پر جو اتارا گیا ہے آپ کی طرف، اور اتارا گیا آپؐ سے پہلے، اور وہ آخرت پر پختہ یقین رکھتے ہیں۔
اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۞	-5	وہی لوگ ہدایت پانے والے ہیں اپنے رب سے، اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔

18- خاتم النبین کی اتباع اور دین کی وحدت:-

اوپر دی گئی آیات میں متقی کی جن خصوصیات کا ذکر ہے ان میں اول درجہ حضور خاتم النبین ﷺ کی ذات پاک اور آپؐ کے پیغام پر ایمان لانا ہے۔ آپ ﷺ پر قرآن کریم بذریعہ وحی تیئس (23) سال حسب حکمت الٰہی نازل ہوتا رہا اور آپ ﷺ وحی کی ترتیب کے مطابق اسے انسانیت کے سامنے پیش کرتے رہے لیکن آپ محض پیغمبر نہیں تھے بلکہ آپکے ذمہ قرآن کریم کی تعلیم، اسلام کے ماننے والوں کی

تربیت، ان کا تزکیہ نفس، اسلامی نظام حکومت کا قیام اور ہر طرح کے انسانی مسائل میں عملی طور سے گذر کر ہدایت کو واضح کرنا بھی تھا اسکے علاوہ خاتم النبین کی حیثیت سے آپ کی یہ ذمہ داری بھی تھی کہ آپ سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جتنے بھی نبی اور رسول بھیجے، جن کے بارے میں آپ ہی نے خبر دی کہ ان کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار تھی، ان پر ایمان لائیں اور ان کی تعلیمات کی تصدیق کریں۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ اسلام کی مثال ایک بلند و بالا عمارت کی ہے اور انبیاء اور رسولوں کی مثال اس عمارت کی اینٹوں کی مانند ہے ایک آخری اینٹ باقی رہ گئی تھی، آپ نے فرمایا "وہ اینٹ میں ہوں" یعنی اب اسلام کی عمارت مکمل ہوگئی ہے جو اس کے اندر رہوں گے ان کے لئے نہ کسی طرح کا خوف اور نہ غم ہوگا اور جو اس سے باہر ہیں ان کا کوئی دین نہیں۔ لہٰذا آیہ مبارک وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَ مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ کا مطلب یہ ہے کہ قرآن پاک کی ہدایت صاحبِ قرآن ﷺ کی مکمل اتباع آپ کے فرامین پر عمل اور آپ کی مثال کی نقل میں ہے

قرآن پاک سے ہدایت کے لئے آخری اہم شرط ایمان بالآخرۃ ہے جس میں حیات بعد الموت، یوم الدین، جزا و سزا، جنت اور جہنم کے تمام مقامات شامل ہیں جس کسی کو ان پر پختہ یقین ہے دین اس کی ضرورت بن جاتا ہے اور وہ کبھی گمراہ نہیں ہوتا "تفصیلات کے لئے ہماری کتاب قیامت اور حیات بعد الموت کا مطالعہ فائدہ مند رہے گا"۔

(For further details please see appendix xxii)

19 - متقی کی چھ خصوصیات:-

اوپر کی پانچ آیات میں متقی کی چھ خصوصیات بیان فرمائی گئی ہیں ان میں چار کا تعلق اقرار باللسان و یقین بالقلب سے ہے یعنی ایمان بالغیب، رسول کریم ﷺ پر ایمان اور آپؐ سے پہلے نبیوں کی صداقت پر ایمان اور ایمان بالآخرۃ جس میں حیات بعد الموت، قیامت، یوم الدین (روز جزا) اور حساب کتاب کے بعد کی زندگی شامل ہیں۔ ان چار باطنی ایمانی کیفیات کے اوپر دو عملی شرائط ہیں جن میں پہلی قیام صلوٰۃ ہے یعنی حقوق اللہ کی مقرر شدہ ضوابط کے مطابق ادائیگی اور دوسری نفاق فی سبیل اللہ ہے یعنی حقوق العباد کا ادا کرنا ہے۔

ان چھ معیار کی مضبوطی کی نسبت ہی سے کسی شخصیت کے تقویٰ کے مقام کا تعین ہوگا اور اسی نسبت سے وہ اللہ کی کتاب سے استفادہ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ وہ خوش قسمت لوگ جن میں تقویٰ کی یہ چھ خصوصیات کسی بھی درجہ میں موجود ہیں انشاء اللہ فلاح پا جائیں گے۔ ان خصوصیات میں سے اگرچہ آخرت کو بعد میں لایا گیا ہے لیکن اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ "فرما کر حیات بعد الموت پر ایمان کو قرآنی ہدایت حاصل کرنے کے لئے حرف آخر قرار دیا ہے۔ تمام ادیان کی بنیادی حقیقت ہے۔ اگر آخرت پر ایمان کمزور ہوگا تو دین کی ساری عمارت کمزور ہوگی۔

متقیوں کا انعام ہدایت اور فلاح ہے۔فلاح کا مصدر فلح ہے جس کا مطلب پھاڑنا ہے۔اس نسبت سے متقی کی مثال دانہ کی سی ہے۔اس کے اندر نمود، نشوونما، پھلنے پھولنے کی صلاحیت پہلے ہی سے موجود ہوتی ہے۔ جونہی اسے مناسب زمین میں رکھ دیا جاتا ہے ،مناسب ماحول پیدا کر دیا جاتا ہے اور آبپاشی کی جاتی ہے تو وہ دانہ زمین کو پھاڑ کر پودا بن کر نکلتا ہے اور دیکھ بھال سے وہ بڑھ کر ایک تناور درخت بن کر لہلہانے لگتا ہے۔ یہی حال متقی شخصیت کا ہے۔اس میں دنیا و آخرت میں ایک کامیاب انسان بننے کی صلاحیتیں پہلے سے موجود تھیں پھر جب قرآن کریم کی ہدایت سے اس کی آبپاشی ہوئی ہے تو وہ ایک عجیب مجاہدانہ شان سے انسانیت کیلئے رحمت بن کر اٹھا ہے۔ (For more details please see appendix-VI)

متقی شخصیت کے برعکس کافر اور منافق ہیں جو اپنے مسلسل انکار سے حق کی بصیرت کھو دیتے ہیں جن کی کیفیت مندرجہ ذیل آیات میں ظاہر کی گئی ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا
سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ
ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ
لَا یُؤْمِنُوْنَ ○

-6 بے شک جنہوں نے کفر اختیار کر لیا
یکساں ہے ان کے لئے،
آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں،
وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ
وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰۤى اَبْصَارِهِمْ
غِشَاوَةٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ○

-7 مہر لگا دی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر،
اور ان کے سننے کی صلاحیتوں پر،
اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے۔
اور ان کے لئے عذاب عظیم ہے۔

20- اختیاری کفر اور مہر شدہ دل:-

اوپر کی آیات کریمہ انسان کی سائیکالوجی پر حرف آخر ہیں اور جو لوگ انسانی اصلاح احوال کے داعی ہیں ان کے لئے بہترین رہنمائی ہیں۔اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے اندر نیکی اور اپنی ذات پاک کا وجدان رکھا ہے۔ پھر اس کے اندر ایک ضمیر ڈال دیا ہے جو اسے

برائی سے خبردار کرتا ہے اور نیکی کا احساس اطمینان دلاتا ہے۔ اس کی فطرت کی جلا کے لئے یکے بعد دیگرے اللہ تعالیٰ نے ہر قوم میں اپنے نبی بھیجے۔ آدمی کے امتحان کے لئے شیطان کو بھی پیدا کیا جس کا کام نبیوں کی ہدایت کے خلاف انسان کو ورغلانا ہے اور اُس کو راہ حق اور باطل پر چلنے کا اختیار بھی دے دیا۔ اب اللہ تعالیٰ کے نزدیک آدمی کی قدر (Value) اسی نسبت سے ہے جس نسبت سے وہ شیطان کی مخالفت کرتا ہے۔ ایمان کو اختیار کرتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے۔

انسان کے آخری دور میں جب اس کے مسائل بہت زیادہ بڑھ گئے تو اللہ تعالیٰ نے اس کی ہدایت کے لئے اپنے سب سے بڑے نبی محمد مصطفیٰ ﷺ کو بھیجا۔ آپؐ کے عہد میں ذرائع ابلاغ کو بھی اتنی ترقی دے دی کہ آج ہر کان میں آپؐ کا پیغام پہنچ سکتا ہے اور ہر دل تک آپ کی تعلیم کی رسائی ہوسکتی ہے۔ ایسے میں جو لوگ آپؐ کے راستہ کو چھوڑ کر اپنے خودساختہ راستوں پر چلتے چلتے دور نکل جاتے ہیں اُن کے دلوں پر شیطان قبضہ کرلیتا ہے اور ہدایت کی طرف جانے والے راستوں پر بیٹھ کر اُن کے ضمیر کو خاموش کر دیتا ہے۔ یوں ان کے اسلام کی طرف آنے کی گنجائش ختم ہو جاتی ہے۔ اُنھیں کفر کی بیماری لگ جاتی ہے جو رفتہ رفتہ ان کی روحانیت کو بالکل ختم کر دیتی ہے اور کفران کی عادت ثانیہ بن جاتا ہے اور جسم کے اندر جو اصل انسان ہے اس کے کان، آنکھیں اور شعور سب کچھ بیکار ہو جاتا ہے اور یوں وہ حق کو سننے اور سمجھنے کی صلاحیت بالکل ہی کھو دیتے ہیں جس کے بعد ان کا کفر لاعلاج ہو جاتا ہے۔ کافروں کی طرح منافقوں کا بھی بالآخر یہی حال ہونا ہے۔ جیسے آیہ مبارک 6 میں فرمایا گیا ہے۔ "یکساں ہے ان کے لئے۔ آپ انہیں اللہ سے ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان لانے والے نہیں"۔ اسلئے اسلام کے مبلغین کو ایسے لاعلاج روحانی بیماروں پر اپنی محنت ضائع نہیں کرنی چاہیے۔

فخر موجودات رسول اللہ ﷺ نے مثال کی زبان (Symbolic Language) میں سمجھایا کہ ہر برائی کا اثر قلب پر ایک سیاہ داغ کی مانند ہوتا ہے۔ جب انسان برائیوں سے باز نہیں آتا تو ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ یہ کالے دھبے اس کے دل کو پوری طرح ڈھانپ لیتے ہیں پھر وہاں ہدایت کے نور کا گزر نہیں ہوسکتا۔ یہی وہ کیفیت ہے جسکی آیتہ مبارکہ 7 زبردست عکاسی کرتی ہے فرمایا خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ کہ "مہر لگادی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر" دلوں پر مہر کے اثرات یہ ہیں کہ انسان کی روحانی قوتیں مفقود ہو جاتی ہیں روحانی آنکھیں، کان اور سوچنے سمجھنے کی صلاحتیں بند ہو جاتی ہیں اور آخر میں اسکا ضمیر بھی مرجاتا ہے۔" سائنسی لحاظ سے دلوں پر مہر ایک سائیکولاجیکل بیماری ہے جس کی وجہ حق سے انکار اور کفر پر مسلسل اصرار ہے۔ یہ غرور سے شروع ہوتی ہے اور پھر انجانے خوف اور ڈیپریشن میں بدل کر بیمار کو ہمیشہ کے لئے ایمان کی دولت سے محروم کر دیتی ہے لہٰذا عذاب عظیم اس کا مقدر بن جاتا ہے۔
آیئے ہم اللہ سے ڈرتے ہوئے اپنا محاسبہ کرتے رہیں اور مسلسل توبہ، استغفار کے ذریعے اپنے دلوں پر جمنے والے کالے دھبوں کو صاف کرتے رہیں۔ آمین۔

اگلی چند آیات کریمہ میں انسانوں کے تیسرے گروہ کا ذکر ہے جو کافروں سے بھی زیادہ بد قسمت ہے۔ یہ صحیح معنوں میں شیطان کے چیلے ہیں جو حق کو سمجھتے ہیں لیکن اپنے تکبر اور دنیاوی مفاد کی بناء پر اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ فرمایا.....

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا
بِاللّٰهِ وَ بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ
وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ○

8- اور لوگوں میں ایسے بھی ہیں جو کہتے پھرتے ہیں
کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور آخرت پر۔
حالانکہ وہ مومنین میں سے نہیں ہیں۔

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا
يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ ○ؕ

9- چالبازی کرتے ہیں اللہ سے، اور ان
لوگوں سے جو ایمان لا چکے ہیں اور حقیقت
یہ ہے کہ وہ کسی سے بھی چالبازی نہیں کر رہے
مگر اپنے آپ سے۔

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ
وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ۬ بِمَا كَانُوْا
يَكْذِبُوْنَ ○

10- ان کے قلوب میں مرض ہے،
پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے مرض کو اور بڑھا دیا
اور اب ان کے لئے عذاب الیم ہے،
اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔

21- گروہ منافقین:۔

کافر اپنے غرور، جہالت اور اڑیل پن کی بناء پر حق کا انکار کرتے رہتے ہیں اور آخر کار وہ روحانی طور پر مر جاتے ہیں لیکن لوگوں میں ایک گروہ ایسے چالبازوں کا ہے جو نہ ادھر کا ہے نہ ادھر کا۔ ان کا مفاد ہی ان کا رب ہے۔ اگر انہیں مسلمانوں سے فائدہ ہو تو کہتے ہیں کہ ہم بھی اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان لانے والے ہیں لیکن اگر مفاد کفر سے پورا ہو رہا ہو تو پھر کفار کے خیالات کی ترجمانی کرنے لگتے ہیں۔ اندرون خانہ سمجھتے ہیں کہ وہ بڑے ہوشیار چالباز اور ڈپلومیٹ ہیں۔ سبھی کو بیوقوف بنا لیتے ہیں۔ ان کے بارے ارشاد ربی ہے يُخٰدِعُوْنَ

اللّٰہَ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَمَا یَخۡدَعُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡفُسَہُمۡ وَمَا یَشۡعُرُوۡنَ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ بہت بڑے دھوکے میں ہیں اور اپنی ذات کے دشمن ہیں لیکن سمجھتے نہیں۔ جب ان کی اصلیت ظاہر ہو جاتی ہے تو دنیا میں بھی یہ ذلیل ہوتے ہیں اور آخرت میں تو ہیں ہی لیکن پھر بھی وہ اپنے دوغلے پن پر بڑی ڈھٹائی سے اڑے رہتے ہیں، بالآخر ان میں سیدھی بات کرنے کا شعور ہی ختم ہو جاتا ہے۔ ہمیشہ ہیر پھیر، جھوٹ اور مکاری کے ساتھ بات کریں گے۔ یہ بیمار ذہن کے لوگ ہیں جن کے بارے میں فرمایا گیا ہے ''فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌۢ بِمَا كَانُوۡا يَكۡذِبُوۡنَ''

ہو سکتا ہے کہ ایسے لوگ ظاہراً دوسروں کو خوش نظر آتے ہوں لیکن متواتر جھوٹ بولنے کی وجہ سے اندر ہی اندر وہ ایک عجیب طرح کے عذاب میں مبتلا رہتے ہیں اور انھیں کبھی سکون نصیب نہیں ہوتا۔ انہیں بے چینی، رنج والم کا عذاب لاحق ہو جاتا ہے۔ بیماری، مقدمہ بازی اور خوف ان کا پیچھا نہیں چھوڑتا اور مرنے کے بعد بھی ان کی بے قرار روح کف افسوس ملتی رہتی ہے۔

22- دلوں کی بیماری، ایک سائنسی حقیقت:-

اللہ تعالیٰ کا فرمان ''فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ مَّرَضٌ'' ''ان کے دلوں میں بیماری ہے'' ایک بہت بڑی سائنسی حقیقت کو بھی آشکار کر رہا ہے۔ اجسام کی بیماری سے تو انسان ایک عرصہ سے واقف ہے لیکن دلوں کی بیماری کیا ہے؟ اسکا صحیح ادراک 20 ویں صدی میں ہوا اور سائنسی زبان میں انکا نام ذہنی بیماریاں (Phychological Disorders) رکھا گیا ہے۔ ان بیماریوں کی وجہ کیا ہے؟ ڈاکٹر ابھی تک اندھیرے میں ہیں۔ لیکن آیہ مبارک 10 کی رہنمائی میں کہا جا سکتا ہے کہ بیشمار سائیکلوجیکل بیماریوں کی وجہ دلوں کا نفاق یعنی جھوٹ، مکر اور فریب ہے۔ شاید ہی کوئی جھوٹا آدمی ان بیماریوں سے کبھی بچا اور شاید ہی کوئی سچا آدمی ان میں مبتلا ہوا ہو۔

افسوس کہ آج کل کے اکثر مسلمانوں کی زندگی بھی منافقین جیسی ہے۔ معاشرہ میں جو بے چینی کی آگ لگی ہوئی ہے اس کی وجہ بھی یہی ہے اور ان میں اکثر عذاب الیم میں مبتلا ہیں۔ آیہ مبارک ۔9 سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ جب تک لوگ اپنی چالبازیوں کو چھوڑ کر سیدھے نہیں ہو جاتے وہ یونہی عذاب در عذاب میں مبتلا رہیں گے۔ کافروں کو اللہ تعالیٰ دنیا میں ڈھیل دیتا ہے لیکن منافقوں کے لئے یہاں بھی کوئی ڈھیل نہیں۔ ان کے لئے دونوں جہانوں میں عذاب ہے۔ کاش مسلمان مفاد پرستی چھوڑ کر اپنے رب کی طرف آ جائیں۔ کم از کم اپنی سوچ میں تو اللہ کو دھوکہ دینے کی کوشش نہ کریں

(For details see appendix xii,xiii)

23- فساد اور منافقین:-

اگلی آیہ مبارکہ منافقین کے اُس کریکٹر کو ظاہر کرتی ہے جس نے دنیا کو تقریباً تباہ کر کے رکھ دیا ہے یہ اسے ڈپلومیسی اور عقلمندی کا نام دیتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ بتاتے ہیں کہ یہ عقلمندی نہیں بلکہ ان کی خطرناک جہالت ہے۔ فرمایا......

11- وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا
فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا
نَحْنُ مُصْلِحُونَ ○

اور جب انہیں کہا جاتا ہے زمین میں فسادنہ کرو
تو وہ جھٹ بول اٹھتے ہیں
ہم تو صرف اصلاح کرنے والے ہیں۔

12- أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَٰكِنْ لَّا
يَشْعُرُونَ ○

خبردار یہی لوگ فسادی ہیں مگر سمجھتے نہیں۔

13- وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ
قَالُوا أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ
أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ
وَلَٰكِنْ لَّا يَعْلَمُونَ ○

اور جب کہا جائے انہیں، ایمان لاؤ،
جیسے ایمان لائے (عام) لوگ تو کہتے ہیں کیا ہم
ایمان لائیں، جس طرح ایمان لائے بیوقوف۔
آپ کہہ دیجئے کہ دراصل وہی احمق ہیں
مگر وہ جانتے نہیں -

14- وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا
وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ
قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ
إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُونَ ○

اور جب ملتے ہیں ایمان والوں سے تو کہتے
ہیں، ہم (بھی) ایمان لائے
اور جب اکیلے ہوتے ہیں اپنے
شیطانوں کے ساتھ،
تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں،
ہم تو محض ان کا مذاق اڑا رہے تھے۔

15- اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ
فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ○

(دراصل) اللہ ان کا مذاق اڑا رہا ہے، اور
ڈھیل دیتا ہے انہیں (تھوڑی مدت کے لئے)،

یوں وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے ہی چلے جاتے
ہیں۔

24- فساد کی جڑ:-

فساد فسد سے ہے جسکا مطلب چیزوں کے توازن کو خراب کرنا ہے۔ یوں فساد امن کو بدامنی اور آرڈر (order) کو ڈس۔ آرڈر (disorder) میں بدل کر رکھ دیتا ہے۔ آیات مبارک 12-11 میں ان لوگوں کی نشاندہی کی گئی ہے جو دنیا میں فساد کا باعث ہیں کہ زمین میں فساد کی جڑ منافقین ہیں لیکن وہ مانتے نہیں حالانکہ اپنے مفاد کی خاطر جو لوگ رب العالمین کے سامنے جھوٹ بولنے سے نہیں ڈرتے اور اپنے ایمان کو چند پیسوں کے عوض بیچ سکتے ہیں ان سے بڑا فسادی کون ہوگا اس طرح کے شاطر لوگ اپنے مکروہ چہروں کو اصلاح احوال، سیاست، ڈپلومیسی، حکمت عملی، تہذیب، کلچر ثقافت، اعلیٰ معیار زندگی وغیرہ جیسے لفظوں کے لبادہ میں چھپاتے رہتے ہیں لیکن قرآن حکیم نے ان کی اصلیت کو کھول کر رکھ دیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دنیا کے مادی اور روحانی مسائل کا باعث ان کی منافقت ہے۔

25- ماحول کی حفاظت:-

آیہ مبارک 11 میں فرمان الٰہی ''لَا تُفْسِدُوْا فِي الْأَرْضِ'' ''زمین میں فساد مت کرو'' یہ انسانیت کی بقا کے لئے بہترین فارمولا ہے۔ جو تمام انسانوں کیلئے ایک عمومی حکم ہے اور ماحولیاتی سائنس دانوں کیلئے بے مثل نعرہ (Slogan) ہے۔ ماحول کے دوست (Environmentalists) جب کہتے ہیں کہ ''زمین کو خراب ہونے سے بچاؤ'' تو دراصل وہ قرآن کریم کی اس آیت کی ترجمانی کرتے ہیں۔ کاش کہ وہ قرآن کریم سے یہ بھی سیکھ لیں کہ زمین کی خرابی کو کیسے دور کیا جاسکتا ہے اور اس خرابی کے ذمہ دار کون ہیں؟ یہ وہی مفاد پرست ہیں جن کا کوئی دین نہیں۔ وہ اصلاح، ترقی اور معیار زندگی کو بڑھانے کے پرکشش نعروں کے فریب سے مسلسل زمین میں فساد پیدا کر رہے ہیں۔ یہ انہی کی وجہ سے ہے کہ دنیا کے بیس فی صد لوگ زمیں کے اسی (80) فی صد ذرائع استعمال کر رہے ہیں۔ اگر انہیں روکا نہ گیا تو نہ صرف یہ کہ تمام انسانیت ماحول کی خرابی کے عذاب الیم میں مبتلا ہو جائے گی بلکہ جس رفتار سے وہ زمینی ذرائع کو ختم کر رہے ہیں چند صدیوں کے بعد آنے والے لوگ معدنیات اور قدرتی ذرائع سے بھی محروم ہو جائیں گے۔ یوں یہ فسادی آنے والی نسلوں کے بھی دشمن ہیں۔

ان کی بسیار خوری اور بے حساب فضول خرچی کی وجہ سے پہلے ہی موسموں میں خطرناک تبدیلیاں آچکی ہیں۔ قطبین کی برف پگھلنے سے سمندروں کا پانی چڑھ رہا ہے، دریاؤں کا پانی صنعتوں کے فضلات سے خراب ہو چکا ہے، آسمان کی اوزون والی چھت

(Ozonelayer) میں شگاف پڑچکا ہے، ہوا صنعتی گردوغبار سے گندی (Pollute) ہوچکی ہے، امن برباد ہوچکا ہے لیکن اس فساد کے ذمہ دار، انسانیت کے یہ دشمن پھر بھی یہی پراپیگنڈہ کرتے ہیں کہ "ہم تو صرف اصلاح کرنے والے ہیں"۔ ہم تو معاش اور صنعت کو ترقی دے رہے ہیں"۔ اگر دین کی بات ہو تو کہتے ہیں کہ "ہم سے زیادہ دیندار کون ہوگا" لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے نفاق کو ظاہر کر کے رکھ دیا ہے اور بتا دیا ہے کہ ان کے لالچ اور ہٹ دھرمی نے انہیں جاہل اور بھلائی کے شعور سے عاری کر دیا ہے۔

(For more details please see appendix XX)

26- منافقین کا مذہب:-

آیۃ مبارک 13 بتاتی ہے کہ منافقین کی ایک خاص خصلت یہ بھی ہے کہ وہ اپنے آپ کو بڑے عالم و فاضل سمجھتے ہیں اور دوسروں کے مذہب اور عقائد کو تحقیر سے دیکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سچے خادموں کو کبھی بنیاد پرست اور کبھی جاہل ملا کا نام دیتے ہیں۔ انہی میں وہ بھی ہیں جو فرقہ بندیوں اور اختلافات کے بانی ہوتے ہیں۔ ہمیشہ اپنے باطل نظریات پر حق کا لبادہ اوڑھ کر رکھتے ہیں۔ مسلمانوں پر اپنی چرب زبانی سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ ان سے بہتر کوئی دوسرا مسلمان نہیں لیکن جب اپنے گروہ کے خاص لوگوں میں ہوتے ہیں تو پھر اپنے باطن کی خباثت کا اظہار کھل کر کرتے ہیں۔ اپنے طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اس طرح سچے مسلمانوں کی تحقیر کر رہے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کا یہ استہزا واپس انہی پر آجاتا ہے۔

"اَللّٰهُ یَسۡتَهۡزِئُ بِهِمۡ" "اللہ تعالیٰ ان سے استہزا کرتا ہے" کا مطلب یہ ہے کہ ان کی برائی انہی پر پھیر دی جاتی ہے یعنی وہ اپنے طرزِ عمل سے مسلمانوں کا مذاق نہیں اڑا رہے ہوتے بلکہ اپنی قسمت کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اکثر دنیا ہی میں انھیں سزا ملنا شروع ہو جاتی ہے لیکن موت کے بعد جب اصلیت ظاہر ہوگی تو ان کا سا کوئی بدقسمت نہیں ہوگا۔

27- قانون عمرانیات:-

آیۃ مبارک وَیَمُدُّهُمۡ فِیۡ طُغۡیَانِهِمۡ یَعۡمَهُوۡنَ (اور ان کی سرکشی میں بڑھاتا ہی جاتا ہے)۔ دراصل اللہ تعالیٰ کا قانون عمرانیات ہے۔ وہ نیک اور برے دونوں ٹائپ کے انسانوں کی مدد کرتا ہے۔ نیکوں کی نیکی میں اور بروں کی برائی میں۔ اب یہ انسان پر منحصر ہے کہ وہ کدھر جانا چاہتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک خاص وقت تک بروں کو بھی سدھرنے کی مہلت عطا فرماتے ہیں اور کچھ وقت تک ان کو ڈھیل دیتے ہیں۔ فوری پکڑ نہیں کرتے۔ عام فارمولا یہ ہے کہ جب کوئی آدمی یا معاشرہ برائی میں بڑھ رہا ہو تو پہلے اللہ تعالیٰ انہیں خوشحالی دیتا ہے، پھر ان پر غربت شروع ہوتی ہے، اگر پھر بھی وہ باز نہیں آتے تو اس کے بعد اللہ کی پکڑ اچانک آتی ہے۔ حال ہی میں اس کی مثال روس کی تباہی ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے ستر سال ڈھیل دی، خوب ترقی دی، دنیا کی سپر پاور بنایا، لیکن وہ باز نہ آئے۔ پھر ان کی معاشی حالت خراب ہونے لگی لیکن وہ پھر بھی نہ سمجھے بالآخر ایسا پکڑا کہ ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اس کے برعکس اچھے مسلمانوں پر جو مصائب

آتے ہیں وہ ان کی آزمائش کے لئے ہوتے ہیں اگر وہ صبر سے ان کو جھیل لیں تو پھر کامیابی عطا کر دی جاتی ہے جبکہ برائی میں بڑھنے والے برائی کی طغیانی میں بہا دیئے جاتے ہیں۔ اس کی وجہ ان کے کرتوت ہوتے ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ اگلی آیہ کریمہ میں فرماتے ہیں۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ فَمَا رَبِحَت تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ۝

16- یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی۔ پس ان کی تجارت نے انہیں نفع نہ دیا، اور وہ کبھی ہدایت پانے والے نہیں

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَّا يُبْصِرُونَ

17- ان کی مثال ایسی ہی ہے کہ، کسی نے آگ جلائی۔ پھر جب (آگ سے) اردگرد کا ماحول روشن ہو گیا تو لے گیا اللہ ان کا نور، اور وہ اندھیروں میں بھٹکنے لگے انہیں کچھ سجھائی نہیں دیتا۔

صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ۝

18- یہ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں۔ سو وہ کبھی لوٹ کر نہیں آئیں گے۔

28- نقصان دہ تجارت:-

ہماری سب سے قیمتی متاع ہماری زندگی ہے۔ یہ وقت کا وہ وقفہ ہے جو ہم لیکر پیدا ہوتے ہیں اور پھر زندگی بھر ہم اپنا یہ قیمتی سرمایہ چیزوں کے بدلے بیچتے رہتے ہیں۔ یہ وہ تجارت ہے جو ہر انسان کرتا ہے۔ کافر اور منافقین اپنی زندگی کے قیمتی اوقات کو ان چیزوں کے عوض بیچ دیتے ہیں جو آخرت میں انکے لئے کسی کام کی نہیں یا نقصان دہ ہوتی ہیں مثلاً نیکیوں کی جگہ بدی اور ہدایت کی بجائے گمراہی پر اپنا وقت قربان کر دیتے ہیں حتی کہ ان کا ضمیر بھی مرجاتا ہے اور ان کے باطن کی انسانیت موت کی وادیوں میں اتر جاتی ہے یوں ان کا سب کچھ ضائع ہو جاتا ہے اور پھر ہزار رشد و تبلیغ کے باوجود وہ اپنے کفر کے خول سے نکل نہیں سکتے اور یوں آخر کار زندگی کی بازی ہار جاتے ہیں۔

ان کی مثال آیہ مبارک 17 میں اس طرح بیان کی گئی ہے کہ کسی جگہ اندھیرا گھپ تھا۔ایک نورانی صفت انسان تشریف لایا اور اس نے آگ روشن کی جس سے اندھیرا چھٹ گیا۔ماحول جگ مگا اٹھا۔آنکھ والوں پر سب کچھ ظاہر ہو گیا لیکن انہی میں سے وہ بھی تھے جو اس تیز روشنی کو برداشت نہ کر سکے۔ان کی آنکھیں اندھی ہو گئیں اور روشنی کے باوجود یہ گھپ اندھیروں میں پھنسے رہے۔اس مثال میں وہ نورانی شکل وصورت والے محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں وہ جو روشنی لے کر آئے نبوت کا نور ہے اور وہ جو اس نور کو برداشت نہیں کر سکتے منافق اور کافر ہیں۔ان کی آنکھوں پر ان کے اپنے کفر کا پردہ پڑا ہے۔اپنی انکاری فطرت کی بناء پر ہدایت کیلئے ان کے تمام حواس معطل ہو چکے ہیں۔ یوں وہ ساری زندگی اپنے باطن کے گھپ اندھیروں میں بھٹکتے رہتے ہیں اور ہدایت کے نور سے کوئی فائدہ اٹھانے کے قابل نہیں رہتے۔

آیہ مبارک 18 میں ان کی مثال ایک ایسے شخص سے دی گئی ہے جو بیک وقت اندھا، بہرا اور گونگا ہے۔ایسے آدمی پر جس قدر بھی محنت کی جائے اسے کوئی بات سمجھائی نہیں جا سکتی۔ صُمٌّۢ بُكۡمٌ عُمۡىٌ فَهُمۡ لَا يَرۡجِعُوۡنَ جہالت کی وہ انتہائی حالت ہے جس میں حق کی کوئی بات بھی سمجھ نہیں آتی اور آدمی کی عقل ودانش والی ہر ایک حس بند ہو جاتی ہے حتیٰ کہ وہ خود ظلمت کدہ بن جاتا ہے اور انجام کار کبھی بھی ہدایت کی طرف نہیں آ سکتا۔ایسے لوگوں پر ہدایت کے لئے محنت کرنا محض وقت کا ضیاع ہے۔وہ جدھر پہنچ چکے ہیں وہاں سے کبھی واپس نہیں لوٹ سکتے۔اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے رہنا چاہیے کہ وہ ہمیں ایسے مقام پر پہنچنے سے بچاتا رہے۔

منافقین میں سے ایک گروہ ایسا بھی ہے جو درمیان میں لٹکا رہتا ہے اور ایسے بہت سے ہیں۔ایسے بندوں کی مثال اگلی آیہ مبارک میں فرمائی گئی ہے۔

اَوۡ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيۡهِ ظُلُمٰتٌ وَّ رَعۡدٌ وَّبَرۡقٌ‌ۚ يَجۡعَلُوۡنَ اَصَابِعَهُمۡ فِىۡۤ اٰذَانِهِمۡ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الۡمَوۡتِ‌ؕ وَاللّٰهُ مُحِيۡطٌۢ بِالۡكٰفِرِيۡنَ ○	-19	یا ان کی مثال آسمان سے طوفانی بارش کی مانند ہے، اس میں اندھیرے ہیں گرج اور بجلی کی چمک۔ وہ اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے ہیں، کڑک اور موت کے ڈر سے۔ اور اللہ تعالیٰ گھیرے ہوئے ہے کافروں کو۔
يَكَادُ الۡبَرۡقُ يَخۡطَفُ اَبۡصَارَهُمۡ‌ؕ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمۡ مَّشَوۡا فِيۡهِ ۙ وَاِذَآ اَظۡلَمَ عَلَيۡهِمۡ	-20	قریب ہے کہ بجلی ان کی بینائی کو اچک لے۔جونہی روشنی ہوئی ان کے لئے،

قَامُوْا ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَ اَبْصَارِهِمْ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۠

چل پڑے اس میں، اور جب تاریکی چھا گئی تو کھڑے ہو گئے۔
اگر اللہ چاہتا تو سلب کر لیتا ان کی سماعت اور بینائی۔
بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

29- منافق اور اسلام:-

آیہ مبارک 19 میں اسلام کی مثال گھرے بادلوں کے ساتھ ایک بنجر اور خشک زمین پر موسلا دھار بارش سے دی گئی ہے خشک سالی کی وجہ سے وہاں کے رہنے والے ایک عرصہ سے اس کے انتظار میں تھے، جیسے کفر کے اندھیروں میں تمام دنیا کو سرور کائنات ﷺ کے آنے کا انتظار تھا لیکن جسطرح رحمت کی بارش کے ساتھ بھی کچھ تکلیف اور خوف ہوتا ہے، اسلام بھی اپنے ماننے والوں کیلئے کچھ آزمائش لے کر آیا۔ سچے مومنوں نے تو ان مصائب کو خوش آمدید کہا اور سب کچھ خوشی خوشی برداشت کیا لیکن کچھ ایسے بھی لوگ تھے جو اسلام سے فوائد کے حصول کے تو شیدائی تھے لیکن اس کے لئے جو قربانی دینی پڑتی ہے اس کے لئے تیار نہیں تھے۔ یہی حال آج کروڑوں نام نہاد مسلمانوں کا ہے جو جان بوجھ کر سود کی ممانعت، زکوٰۃ کی ادائیگی، صوم کی پابندی اور جہاد سے دور بھاگتے ہیں لیکن جنت کی خواہش میں سب سے آگے ہیں۔ رحمت کی اس بارش میں منافقین کا یہ وطیرہ ہے کہ ''جونہی روشنی ہوئی تو چل دیئے اور جب تاریکی چھا گئی تو ٹھہر گئے'' مطلب یہ کہ جب تک اسلام میں فوائد نظر آتے ہیں اسلام کے ساتھ چلتے رہے، جب کوئی آزمائش آتی ہے یا قربانی مانگی جاتی ہے تو رک جاتے ہیں۔

آیہ مبارک کے آخر میں یہ فرمان کہ ''اللہ اگر چاہتا تو سلب کر لیتا ان کی سماعت اور بینائی'' اس طرف اشارہ ہے کہ یہ دونوں اعضا معلومات حاصل کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں۔ انسانی دماغ میں ایک نکتہ سننے کے لئے ہے اور ایک دیکھنے کیلئے۔ اگر وہاں خرابی آجائے تو ظاہری آنکھیں اور کان بیکار ہو جاتے ہیں لیکن روحانی آنکھیں اور کان تو ان سے بہت زیادہ حساس واقع ہوئے ہیں۔ اگر منافقین اپنی روش پر قائم رہیں گے تو بالآخر نفاق کی بیماری ان کی روحانی صلاحیتوں کو کلی طور پر مفلوج کر کے رکھ دے گی۔ اس انجام سے بچنے کیلئے ہمیں چاہئے کہ مسلسل اپنا محاسبہ کرتے رہیں، نفاق کی برائی سے توبہ کرتے رہیں اور اسلام میں پورے کے پورے داخل ہونے کیلئے کوشاں رہیں۔

30- ایک اہم سائنسی نکتہ:-

آیہ مبارک میں '' اَوْ كَصَیِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ '' میں ''آسمان سے بارش'' والی بات میں ایک اہم سائنسی اشارہ ہے۔ اس

سے ظاہر ہوتا ہے کہ زمین پر بارش کا انحصار آسمان پر ہے۔ بیسویں صدی کی سائنس نے اس حقیقت کو اس طرح واضح کیا ہے کہ سمندروں سے بخارات اٹھنے کے عمل کا انحصار سورج پر ہے لیکن جب فضا میں یہ بخارات بادل کی شکل میں جمع ہوتے ہیں تو بخارات کو قطرے بنانے کے لئے برقائی ذرات (Charged particles) کی ضرورت ہوتی ہے یہ برقائی ذرات بھی آسمانوں ہی کی طرف سے آتے ہیں۔ ان کا منبع کائناتی شعاعیں (Cosmic Rays) ہیں جو دوسرے ستاروں اور سورج سے نکل کر ہماری زمین کی طرف آتی ہیں۔ ان کی عدم موجودگی میں بخارات قطروں میں تبدیل نہیں ہونگے اس لئے بارش بھی نہیں ہوگی۔ لہٰذا بخارات بننے، ہواؤں کے چلنے اور بخارات کا بارش کے قطرے بننے کا اہم ترین سبب آسمان ہی ہے۔ قرآن حکیم کا یہ اعجاز ہے کہ بڑے بڑے سائنسی حقائق کو نہایت مختصر الفاظ میں بیان کر دیتا ہے۔ (سبحان اللہ)(Detail, Appendix XVII) آیات کریمہ 20,19 میں اللہ تعالیٰ نے انسان کا برق، رعد اور صاعقہ سے بھی تعارف کروایا ہے جو عظیم قدرتی طاقتیں ہیں۔ جن کا صحیح اور اک جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کے بعد ہی ہوا ہے۔ آیہ مبارک 20 میں اللہ تعالیٰ کا فرمان يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ "قریب ہے کہ برق ان کی بینائی اچک لے" سائنسی لحاظ سے ایک بڑا معنی خیز بیان ہے معلوم ہوتا ہے کہ اچانک تیز روشنی یا بجلی کی بہت بڑی رو آنکھوں کے لئے نقصان دہ ہے۔ یہاں سے ہم اگلی آیت کی طرف بڑھتے ہیں جس میں انسانیت کو پیغام دیا گیا ہے کہ نفاق اور کفر کو چھوڑ دو اور اپنے مالک کی صدق دل سے بندگی کرو۔ فرمایا...

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝

21- اے لوگو اپنے رب کی بندگی کرو،
جس نے تمہیں پیدا کیا،
اور تم سے پہلے لوگوں کو (بھی)،
تاکہ تم متقی بن جاؤ۔

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَاۗءَ بِنَاۗءً ۠ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

22- وہ جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا،
اور آسمان کو (مانند) چھت،
اور اتارا آسمان سے پانی۔
پھر نکالے اس سے طرح طرح
کے پھل، تمہارے رزق کے لئے۔
پس تم اللہ کے واسطے شریک نہ بناؤ،
حالانکہ تم یہ سب اچھی طرح جانتے ہو۔

31- صحیح طرزِ عمل:-

آیۃ مبارکہ 21 دنیا کے تمام انسانوں کی طرف ہدایت کا پیغام ہے۔ فلسفیانہ موشگافیوں کی بجائے نہایت واضح بات کی گئی ہے کہ اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا کیا اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا یعنی تمہاری بندگی کی واحد حقدار وہ ذات پاک ہے جس نے تمہاری تخلیق کی، تمہارے لئے نشو ونما کے تمام سامان پیدا کئے جس کی وجہ سے تمہارا وجود ہے۔ اس نے زمین و آسمان کو تمہاری خدمت پر لگا دیا، اب تم بھی ذرا سوچو کہ تم کس کے لئے ہو؟ آیہ مبارک کے آخر میں اس بات کو کھول کر رکھ دیا کہ اگر تم اپنے رب کے عبد بن جاتے ہو تو اس سے فائدہ تمہی کو ہوگا۔ اس کا انعام یہ ہوگا کہ تم متقی بن جاؤ گے اور پہلے بتایا جا چکا ہے کہ دنیا و آخرت کی کامیابی متقی لوگوں کے لئے ہے۔

آیۃ مبارکہ 22 قدرت کے چند بڑے بڑے واقعات کی طرف انسان کی توجہ مبذول کراتی ہے کہ جن سے کوئی عقلمند انکار نہیں کر سکتا۔ اگر یہ سب سچ ہے تو پھر تم ان کے بنانے والے کو کیونکر بھول جاتے ہو؟ وہی تمہاری بندگی کا حقدار ہے۔

32- عظیم سائنسی حقائق:-

آیۃ مبارکہ 22 انسان کو زمینی فرش پر غور کرنے کی دعوت دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کیلئے فرش کی مثال فرمائی ہے جس میں ایک بڑی سائنسی فکر پنہاں ہے۔ فرش کا مطلب بسط اور پھیلا دینے کا ہے۔ جیسے بچھا ہوا قالین۔ فرض کریں زمین کی سطح اس طرح نہ ہوتی۔ بلکہ سخت لاوا ہوتی یا اس کی سطح ہموار نہ ہوتی یا یہ صرف ریت کے ڈھیر ہوتی یا اس کے اوپر پانی ہی پانی ہوتا یا یہ برف ہی برف ہوتی تو کیا زندگی ممکن ہوتی؟ سورج کے دیگر سیاروں کی سطح کا جب ہم زمینی سطح سے سائنسی موازنہ کرتے ہیں تو رب تعالیٰ کے لئے ایک عجیب تشکر کا احساس پیدا ہوتا ہے کہ اس پر نباتات اور فصلوں کا اگنا اس کی خصوصی سطح اور اس کے اندر موجود خصوصی عناصر کی وجہ سے ہے، جن سے دیگر سیاروں کی سطح محروم ہے یہ یقیناً بے نظیر ہے۔ زمین کے اس فرش کی موٹائی صرف چند سومیٹر ہے جو اپنی بناوٹ میں خصوصی ہے۔ اسکے نیچے کی زمین نباتات اور بقیہ زندگی کے لئے غیر مناسب ہے۔ یہ فرش کس طرح بنا ہے۔ یہ ایک لمبی سائنسی کہانی ہے جس پر بہت ریسرچ ہوئی ہے اور بڑی بڑی کتابیں لکھی گئی ہیں جو سب اس بات کی گواہی ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ زمین کی تہہ کو یوں مناسب ترتیب نہ دیتا تو یہاں انسان کی زندگی محال ہوتی۔ (For details see appendix XIX)

33- آسمانی چھت:-

آیۃ مبارکہ 22 ہی میں **اَلْاَرْضَ فِرَاشًا** کے آگے ایک اور چونکا دینے والی سائنسی حقیقت کا ذکر ہے۔ فرمایا **"وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً"** اور آسمان کو ہم نے (مانند) چھت بنایا"۔ آسمان کے لئے چھت کا استعارہ ایک عظیم سائنسی معجزہ ہے۔ بیسویں صدی میں زمین کی فضا

کے متعلق جو تحقیقات ہوئی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ اگر یہ فضائی چھت نہ ہوتی تو زمین پر زندگی ناممکن ہوتی۔ کائناتی شعاعیں، شمسی شعاعیں اور برقائے ہوئے کائناتی ذرات اہل زمین کو بھون کر رکھ دیتے اور گرنے والے شہاب ثاقب سب کچھ توڑ پھوڑ کر رکھ دیتے لیکن یہ نہ نظر آنے والی چھت ہمارے مہربان پروردگار نے ایسے بنائی کہ خطرناک آسمانی چیزیں یا تو اس سے ٹکرا کر لوٹ جاتی ہیں یا اس چھت میں جذب ہو کر ختم ہو جاتی ہیں اور ہم مزے سے اس کے نیچے زندگی گزار رہے ہیں۔ (سبحان اللہ)

افسوس کہ منافقین کی حماقتوں سے اب اس مضبوط چھت کو بھی نقصان پہنچنا شروع ہو گیا ہے۔ اس چھت کا ایک حصہ اوزون کی تہہ (Ozone Layer) پر مشتمل ہے اوزون والے حصہ کی اس چھت کا یہ کام ہے کہ سورج کی سخت قسم کی شعاعیں (Ultra violet Radiations) اس سے ٹکرا کر واپس ہو جاتی ہیں اور یوں زمینی مخلوق ان کے خطرات سے محفوظ رہتی ہے لیکن اب مختلف گندی گیسوں کی وجہ سے جن میں سے ایک گیس وہی ہے جو ریفریجریٹروں میں استعمال ہوتی ہے اوزون (Ozone) کی یہ چھت پھٹنے لگی ہے۔ اور ایک جگہ تو اس میں اتنا بڑا شگاف ہو گیا ہے کہ زمین پر ہزاروں مربع میل کا رقبہ اب براہ راست الٹرا وائیلٹ شعاعوں کی زد میں آ چکا ہے۔ اگر یہ سلسلہ بڑھتا گیا تو زمین پر ہر قسم کی مخلوق کی زندگی کو سخت خطرہ لاحق ہو جائے گا۔ کاش کہ فسادی اقوام زمینی ماحول کو مزید خراب نہ کریں جس کی حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حکم دیا ہے **(لا تفسدوا فی الارض)** جدید سائنس یہ ثابت کرتی ہے کہ زمین پر فضائی چھت سات حصوں پر مشتمل ہے وریوں سورہ نباء کی عظیم آیت **"فوقکم سبعاً شداداً"** "اور تمہارے اوپر سات مضبوط رکاوٹیں" کی تصدیق کرتی ہے۔

34- آسمان سے پانی:-

آیہ مبارکہ 22 ہی میں اللہ تعالیٰ نے ایک اور عجیب سائنسی حقیقت کا ذکر فرمایا ہے "وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً" "اور ہم نے آسمان سے پانی نازل کیا"۔ عام طور پر تو ہم یہی دیکھتے ہیں کہ پانی زمین کے اندر سے نکلتا ہے یا بارش سے گرتا ہے لیکن یہاں تو بڑی شان سے بتایا گیا ہے ہم نے آسمان سے پانی نازل کیا۔ ہمارا مشاہدہ اس بات کی تصدیق نہیں کرتا لیکن بیسویں صدی میں ہونے والی سائنسی دریافتیں اس بات کی تصدیق کرتی ہیں کہ واقعی پانی آسمان ہی سے نازل ہوا تھا بلکہ آج کل بھی لاکھوں ٹن پانی ہر سال زمین پر آسمان سے برفانی شہاب ثاقب کی شکل میں نازل ہوتا ہے۔ ناسا NASA نے 1980ء کی دہائی میں یہ مشاہدہ کیا کہ آسمانوں کی طرف سے بہت بڑے بڑے برفانی تودے زمین کی طرف گرتے رہتے ہیں لیکن اس کی فضائی چھت کی رگڑ کی وجہ سے اوپر ہی بخارات میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور پھر آہستہ آہستہ یہ پانی زمین کی طرف پہنچتا ہے یہ عمل اربوں سالوں سے ہو رہا ہے یوں زمین پر پانی دراصل آسمانوں سے ہمیں تحفہ میں ملا ہے۔ اس کے علاوہ جو پانی اس کے اندر بند ہے وہ بھی اصل میں آسمان ہی سے ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اپنی موجودہ ٹھوس حالت میں آنے سے پہلے زمین بھی ایک آسمانی بخاراتی گولہ تھی۔

35- بارش اور پھلوں کا تعلق :-

آیہ مبارک 22 بارش کے پانی اور ثمرات میں گہرے تعلق کی طرف بھی غور کی دعوت دیتی ہے۔ یہ بات بھی اکیسویں صدی میں معلوم ہوئی ہے کہ بارش کا پانی بادلوں اور فضا سے اپنے اندر نائٹروجن اور دیگر گیسوں کے مرکبات سمیٹ لیتا ہے جو پودوں کی نشوونما اور پھل پھول پیدا کرنے کے لئے بہت ضروری ہیں۔ خصوصاً جب بادلوں میں برق کڑکتی ہے تو اسکے اثرات سے فضا میں موجود نائٹروجن اور آکسیجن کے ملنے سے نائٹرک آکسائڈ بن جاتا ہے جو پانی میں حل ہو کر زمین پر گرتا ہے، یہ مرکب ثمرات پیدا کرنے کیلئے آب حیات کی مانند ہے۔ سبحان اللہ اگر ہم اللہ کی کتاب پر غور کریں تو کیسی کیسی سائنس کی بنیادیں آپ کو اس میں ملتی ہیں۔

آیہ مبارک کا آخری حصہ انسانی ضمیر کو جھنجھوڑ رہا ہے کہ اگر تم کارخانہ قدرت کے حقائق سے یہ سمجھ سکے ہو کہ یہ سب کچھ ماسوائے خالق کائنات کسی اور کا کارنامہ نہیں تو پھر تم اس کے ساتھ کسی اور کو کیوں شریک بناتے ہو؟ لہٰذا اسی کے بندے بن کر رہو، اسی کی بندگی اور عبادت کرو، یہی صحیح دین ہے، یہی قرآن کریم کی تعلیم ہے۔ اس کے بعد بھی اگر تم شک میں مبتلا ہو تو آنے والے عذاب کیلئے تیار ہو جاؤ۔

36- عبادت کیا ہے؟

آیہ مبارک 21 کی ابتداء میں حکم آتا ہے "اے گروہ انسانیت اپنے رب کی عبادت کرو" "یَآاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ"۔ یہ انسان کے مقصد حیات کو واضح کرتا ہے کہ وہ زندگی اپنے حقیقی خالق و مالک کا عبد یعنی تابعدار بندہ بن کر گذارے اس کی اہمیت یہاں واضح ہو جانی چاہیے کہ ہمارے پروردگار کا ہم سے یہ مطالبہ ہے کہ ہم صرف اسی کی عبادت کریں۔ افسوس شیطان نے ہمیں مفادات کی جھوٹی پٹی پڑھائی ہے اور یوں اپنے رب کی جگہ انسان اپنے مفادات کی عبادت کرتا رہتا ہے۔

ہر مخلص آدمی جاننا چاہتا ہے کہ وہ کیسے اپنے رب کی عبادت کرے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قابل قبول عبادت کا طریقہ وہی ہوگا جو رسول اللہ ﷺ کا طریقہ تھا۔ آپ نے فرمایا "اپنے رب کی عبادت کرو، جیسے تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو اس احساس کے ساتھ کرو جیسے وہ تمہیں دیکھ رہا ہے" اور پھر آپ نے عملی طریقہ سے یہ سب کچھ کر کے دکھایا لہٰذا آپ کی اتباع اپنے رب کی عبادت ہے۔ یہ کہ انسان یہ احساس کیسے پیدا کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے اس احساس کو اجاگر کرنے کیلئے، ہمیں یہ سوچنا ہوگا کہ حق تعالیٰ ہر چیز پر محیط ہے۔ اول آخر، ظاہر، باطن اس کی شان ہے یعنی زمان و مکان اس کی عظیم حقیقت کا ہی عکس ہیں لیکن اس کی حقیقت کو ہم کسی جسم سے تشبیہ دیکر اسکا ادراک نہیں کر سکتے البتہ یہ سوچا جا سکتا ہے کہ اسکا نور ہمارے اندر باہر یکساں کارفرما ہے جیسے ہم فضا میں ہیں اور فضا ہمارے اندر بھی ہے یا سمندر کا پانی مچھلی کے اندر باہر ہر طرف ہوتا ہے۔ رب تعالیٰ کے نور نے بھی ہمیں اندر باہر ہر طرف سے محیط کیا ہوا ہے۔

یہ سوال بھی ذہن میں آتا ہے کہ عبادت کیا ہے؟ اس کا ایک جواب اس میں ہے کہ عبادت کا مادہ عبد ہے جس کے معنی غلام کے

ہیں لہٰذا اللہ کے غلام کی حیثیت سے زندگی گزارنا عابد کی حقیقی زندگی ہے۔اس کی بہترین تعریف قرآن کریم کی سورۃ انعام آیت مبارکہ 163 کے الفاظ میں ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہے۔ **انّ صلاتیَ و نسکی و محیایَ و مماتی لله رب العالمین** ''میری نماز، ذکرواذکار، میری قربانیاں، صدقات حتیٰ کہ میرا جینا مرنا سب کچھ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جو رب العالمین ہے''۔آپ ﷺ کی زندگی اس کی اعلیٰ ترین زندہ مثال ہے۔قرآن کریم اس زندگی کی تفصیل ہے۔جس کے بارے میں ارشاد ہے۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى
عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۖ وَادْعُوْا
شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِيْنَ ○

23- اگر تم شک کرتے ہو اس پر، جو ہم نے
اپنے بندے (ﷺ) پر نازل کیا ہے،
تو لے آؤ ایک سورت اس جیسی۔
اور (اپنی مدد کے لئے) بلالو،
اپنے حمایتیوں کو اللہ کے سوا، اگر تم سچے ہو۔

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا
فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِىْ
وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ
اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ○

24- پھر اگر تم ایسا نہ کرسکو،
اور ہرگز نہ کرسکو گے،
تو ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن
انسان اور پتھر ہیں،
جو تیار کی گئی ہے کافروں کے لئے۔

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا
الْاَنْهٰرُ ۖ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ
قَالُوْا هٰذَا الَّذِىْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ
وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ

25- اور خوشخبری دیجئے ان لوگوں کو جو ایمان
لائے، اور نیک عمل کئے،
یقیناً ان کے لئے جنت ہے،
جس میں نہریں بہتی ہیں۔
جب دیا جاتا ہے انہیں ان باغوں سے

وَلَهُمْ فِيهَآ أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۖ وَهُمْ فِيهَا خَٰلِدُونَ ○

کوئی ثمر بطور رزق تو وہ کہتے ہیں، یہ تو وہی ہے
جو ہمیں پہلے بھی دیا گیا تھا۔ اور دیا جاتا ہے
انہیں (صورت میں) ملتا جلتا۔
اوران کے لئے وہاں پاکیزہ ساتھی
ہونگے اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔

37- چیلنج:-

فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ "لے آؤ اس جیسی ایک سورت"۔ قرآن کریم کی حقانیت اور اس کے نزول من اللہ ہونے کی ایسی زبردست دلیل ہے جس کے بعد یا تو اس کے آگے سر تسلیم خم کر لینا چاہیے یا اس چیلنج کو قبول کیا جانا چاہیے۔ یاد رہے کہ یہ چیلنج ہمہ گیر ہے اس میں کلام اللہ تعالیٰ کی ادبی شان، اسکے معنوی اور روحانی مقام، اور انسانوں پر اسکے لازوال اثرات سبھی شامل ہیں یہ دلیرانہ چیلنج ایک دفعہ نہیں کئی دفعہ اس وقت دیا گیا جب کہ اسلام کے بڑے بڑے مخالف شعراء اور یہودی علماء اسلام کو مٹا دینا چاہتے تھے یوں یہ چیلنج ان تمام شعراء، ادباء اور علماء پر براہ راست حملہ تھا جنہیں اپنے علم اور کلام پر بڑا ناز تھا۔ یہ عربوں کی حمیت کیلئے بھی چیلنج تھا لیکن تاریخ گواہ ہے کہ یہود اور عرب بھی اس کے سامنے خاموش ہو گئے اور لاجواب ہو کر ایک نئی بات کرنے لگے کہ یہ تو جادو ہے۔

کتاب اللہ کا یہ چیلنج آج تک اور ہمیشہ کیلئے ہے جو اس کی حقانیت کا بہت بڑا ثبوت ہے۔ بعض یورپین علماء نے عربی زبان میں بڑا نام پیدا کیا ہے لیکن اپنی قرآن دشمنی کے باوجود وہ بھی اس کی حکمت اور انوکھی شان کو سلام کرتے ہیں۔ حضور ﷺ کے زمانہ میں حج کے موقع پر مکہ مکرمہ میں ہر سال ایک بڑا ادبی میلہ بھی لگتا تھا۔ حضرت علیؓ نے سورۃ کوثر جو قرآن پاک کی سب سے چھوٹی سورت ہے کو خانہ کعبہ پر اس چیلنج کے ساتھ آویزاں کر دیا کہ "ہے کوئی جو اس کلام کے مثل اپنا کلام پیش کرے؟" عربوں میں سو برائی ہو لیکن بات کے کھرے اور دیانتدار تھے۔ ٹامک ٹوئیاں مارنے کے بجائے عرب کے اس وقت کے ملک الشعراء لبید نے **"ان شانئك هو الابتر"** کے نیچے **"ما هذا كلام البشر"** لکھ کر قرآن کریم پر اپنی دیانتدارانہ مہر لگا دی۔ اب یہی چیلنج ہمارے سامنے ہے۔ اگر دنیا کے پاس اسکا جواب نہیں اور ہرگز ہو بھی نہیں سکتا تو پھر دیانتداری کا تقاضہ یہی ہے کہ کلام اللہ کی عظمت کو تسلیم کرتے ہوئے انسان سچے دل سے اس پر ایمان لے آئے اور اس کے احکامات پر عمل کرے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو اس آگ کیلئے تیار ہو جائے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہونگے۔ ہم مسلمانوں پر بھی یہ فرض ہو جاتا ہے کہ کلام اللہ کی معجزانہ خصوصیات سے دنیا کو بہرہ مند کریں تا کہ وہ قریب ہو کر اس پر غور کریں اور ہدایت پا جائیں۔

(For more detail please see appendix VII, XXII)

38- پتھر کی آگ:-

آیۃ مبارکہ 24 کا فرمان فَاتَّقُواالنَّارَالَّتِیۡ وَقُوۡدُھَاالنَّاسُ وَالۡحِجَارَۃُ اُعِدَّتۡ لِلۡکٰفِرِیۡنَ ''ڈرو اس آگ سے جسکا ایندھن پتھر اور انسان ہیں'' سائنسی جستجو کی طرف ایک اور اڑان ہے۔ پتھر ایندھن کیسے ہوسکتا ہے؟ بیسویں صدی سے پہلے انسان کے لئے یہ سمجھنا بھی ایک چیلنج تھا لیکن اس صدی کی چند عظیم دریافتوں میں ایک عظیم دریافت یہ بھی ہے کہ مناسب ماحول میں پتھر بھی ایندھن بن سکتے ہیں۔ بات صرف درجہ حرارت اور دباؤ کی ہے۔ سورج جس میں درجہ حرارت لاکھوں ڈگری ہے اس کے اندر پتھر تو کیا ہر دھات توانائی میں تحلیل ہو جائے گی۔ دراصل جلنے کا ایک عمل تو کیمیائی ہے جس میں کاربن اور آکسیجن کے باہمی جوڑ سے گرمی نکلتی ہے۔ تیل پٹرول اور نباتاتی اور حیوانی مادوں کے جلنے کے عمل کی بنیاد یہی کیمیائی عمل ہے لیکن جلنے کا ایک اور عمل بھی ہے جو ایٹمی ذرات پر مبنی ہے۔ اس عمل سے ایٹمی ری ایکٹروں، ایٹم بموں اور ہائیڈروجن بموں میں مادہ توانائی بن کر جلتا ہے اور نہایت قلیل مادہ سے بہت کثیر توانائی پیدا ہوتی ہے۔ کیمیائی عمل کے مقابلہ میں یہ دس لاکھ گنا زیادہ تیز عمل ہے۔ آیہ مبارک میں بتایا گیا ہے دوزخ کی آگ کا ایندھن پتھر ہوں گے جبکہ پتھروں میں ہر طرح کا جماداتی مادہ شامل ہے اس سے شاید یہ کہا جا سکتا ہے کہ دوزخ میں توانائی کا عمل ایٹمی ہوگا جس کی ایک جھلک ہمارا سورج ہے۔ یہاں فیوژن (Fusion) کے عمل سے مادہ توانائی میں بدلتا رہتا ہے۔

39- ایمان اور عمل کا جوڑا:-

آیۃ مبارکہ 25 میں جنت کی خوشخبری انہیں دی گئی ہے جو ایمان لاتے ہیں اور عمل صالح کرتے ہیں۔ فرمایا وَبَشِّرِالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَھُمۡ جَنّٰتٍ دراصل قرآن کریم میں جنت کی خوشخبری ہمیشہ ایمان اور عمل سے مشروط ہے۔ جس سے یہ مطلب لیا جا سکتا ہے کہ ایمان بلا عمل ایمان نہیں اور عمل بلا ایمان بیکار ہے۔ دراصل صالح اعمال ایمان کے خلوص کا ثبوت ہیں۔ سرور کائناتؐ اور آپ کے اصحاب اکرام رضی اللہ عنہم کی زندگی ایمان اور عمل صالح کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے جہاں تک یہ کہ کونسا عمل بہتر ہے، چونکہ خیرالبشر ﷺ کی دین کے لئے جدوجہد کا ساری کائنات میں کوئی ثانی نہیں لہٰذا بہترین عمل دین کی خدمت ہے لیکن انسان کی زندگی کی ہر حرکت اسکا عمل ہے اگر یہ اللہ تعالیٰ کی نسبت سے ہے تو پھر یہ کامیاب عمل ہے ورنہ بے سود حرکت ہے۔

40- جنت کے پھل:-

آیۃ مبارکہ 25 کے حوالہ سے یہ سوال بھی پوچھا جا سکتا ہے کہ جنت کیا ہے؟ دراصل جنت کے لفظ کا مادہ ''جن'' ہے۔ جن۔ جینز (Genes) بھی اسی مادہ سے نکلے ہیں جس کا مطلب ''ڈھکا ہوا، چھپا ہوا ہے'' تو جنت دراصل عالم ازل میں ایک خاص کیفیت اور لاثانی مقام ہے جو انسانی حواس، الفاظ اور عقلوں سے ماورا بات ہے لیکن دنیاوی آسائش اور خوبصورتی کے جو معیار ہیں ان کی نسبت سے آخرت

کی جنت کا تخیل ایک گھنے باغ جس میں بہتر سے بہتر لوازمات موجود ہوں، کے استعارہ کی مدد سے کیا جاتا ہے حقیقی جنت کا انسانی ذہن ادراک نہیں کر سکتا۔ مثلاً اس کی وسعت کے بارے میں اللہ تعالیٰ سورۃ حدید آیت 21 میں فرماتے ہیں کہ وہ زمین اور آسمانوں جتنی وسیع ہے اور اس کائنات کی وسعت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ روشنی اپنی تین لاکھ کلومیٹر فی گھنٹہ کی انتہائی رفتار کے باوجود کائنات کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پندرہ ارب سالوں میں بھی نہیں پہنچ پاتی یعنی اگر ہم زمین و آسمان کو سمجھنے سے قاصر ہیں تو پھر جنت کو کیسے سمجھ سکتے ہیں؟ آیۃ مبارکہ 25 میں ایک اور عجیب کیفیت کا ذکر ہے کہ "جب جنتیوں کو رزق کے طور پر کوئی پھل پیش کیا جائے گا تو وہ کہیں گے یہ تو وہی ہے جو ہمیں پہلے دیا گیا"۔ (For more detail please see appendix v,iv)

آیۃ مبارکہ 25 کی ایک تفسیر یہ ہے کہ غیر مانوس چیزوں سے انسان کو ہچکچاہٹ محسوس ہوتی ہے اس لئے جنت کے پھل شکل میں تو زمینی پھلوں سے مماثلث رکھتے ہوں گے لیکن ذائقہ اور فوائد میں کہیں بڑھ کر ہوں گے لیکن یہ تفسیر تشنہ ہے۔ آیہ مبارک میں ایمان اور عمل کے ذکر کے فوری بعد جو جنت کے ثمرات کا ذکر ہے اس کا یہ مطلب بھی لیا جا سکتا ہے کہ جنت کے ثمرات دراصل ہمارے اعمال ہی کی مجسم اشکال ہیں جب وہ ہمارے سامنے پیش کیے جائیں گے تو پرانی زندگی کے تصور سے فوراً ذہن میں خیال آئے گا کہ یہ تو وہی ہیں جو ہم پہلے کر چکے ہیں۔

اس بات سے قطع نظر کہ جنت اور اس کے ثمرات کیا ہیں؟ یہ حقیقت ہے کہ وہ سب ہمارے ہی ایمان اور اعمال کا ثمر ہیں یعنی وہاں کے محل اور رزق یہیں سے بن کر جاتے ہیں۔ جیسا بوؤ گے ویسا کاٹو گے۔

41- جنت کے خاندان:-

آیۃ مبارکہ کے آخر میں فرمایا گیا ہے وَلَهُمْ فِيهَآ أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ "ان کے لئے وہاں پاکیزہ ساتھی ہوں گے"۔ آیت میں لفظ زوج استعمال کیا گیا ہے جس کا مطلب جوڑا (Pair) ہے۔ مرد کا زوج اس کی بیوی اور بیوی کا زوج اس کا خاوند ہے۔ آیہ مبارک سے پتہ چلتا ہے کہ جنت کی اپنی معاشرت ہے جبکہ دنیا کی معاشرتی زندگی میں حسد، نفرتیں، کدورتیں، جھگڑے اور رنج والم ہیں وہاں کی زندگی محبت اور لطف واحترام سے لبریز اور حسد سے پاک ہو گی۔ احادیث مبارکہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اگر دنیا کے دونوں میاں بیوی جنت میں جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں ابدی محبت ڈال کر انہیں دوبارہ ایک دوسرے کا زوج بنا دے گا۔ ورنہ موت سب رشتوں کو توڑ دیتی ہے۔

بعض دفعہ یہ سوال بھی کیا جاتا ہے کہ جنت میں مردوں کے لئے تو حور و مستورات ہوں گی۔ عورتوں کے لئے کیا ہو گا؟ اس کا قرآن کریم ہی سے یہ جواب ملتا ہے کہ وہاں ہر ایک کی خواہش کے مطابق نعمتیں ہوں گی۔ عورتوں کو بھی وہ سب کچھ ملے گا جس کی وہ خواہش کریں گی اور ہر کوئی اپنی جگہ مطمئن اور خوش ہو گا بعض اوقات یہ سوال بھی اٹھایا گیا ہے کہ جنتی عورت کو حوروں سے رشک یا حسد ہو گا کہ

نہیں۔اس سوال کا جواب یہ ہے کہ جنت ہر طرح کے سفلی جذبات سے پاک ہوگی اس لئے وہاں حسد کا جذبہ نہیں ہوگا بلکہ اس کی جگہ باہمی محبت اور مروّت کا جذبہ ہوگا، اس لئے جنتی عورت کا کسی سے حسد کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

جنت کی نعمتوں کا ذکر کہ اس میں نہریں ہیں، جوڑے ہیں، پھل ہیں، اور اسی طرح دوزخ کی تفصیلات پر بھی بعض لوگ خصوصاً منافقین ناک منہ چڑھاتے ہیں کہ آخر اللہ تعالیٰ کو ان باتوں میں جانے کی کیا ضرورت ہے حالانکہ یہ اس کی کمال مہربانی ہے کہ انسانی نفس کے لحاظ سے وہ دنیاوی مثالوں کے ذریعے غیب کے اتنے بڑے بڑے روحانی حقائق ہم پر واضح کرتا ہے۔اگلی آیات کریمہ میں ایسے ہی بے تکے اعتراض کرنے والوں پر واضح کیا گیا ہے وہ کون ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ پر پابندیاں عائد کریں؟ جنت اور جنت کی نعمتیں تو ایک طرف، اللہ تعالیٰ کی تو ہر بات ہی بے مثل ہے۔فرمایا..

إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِ أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّهِمْ ۖ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا ۚ وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ ﴿٢٦﴾	26- بے شک اللہ تعالیٰ نہیں شرماتا کہ وہ مچھریا اس سے بھی حقیر تر چیز کی مثال بیان کرے۔ پھر جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے، لیکن جو لوگ کافر ہیں وہ کہتے ہیں بھلا اللہ کو ایسی مثال سے کیا مقصود ہے؟ جبکہ وہ بہت سے لوگوں کو اس سے گمراہ کرتا ہے، اور بہت سے لوگوں کو اس سے ہدایت دیتا ہے، اور نہیں گمراہ کرتا مگر فاسقوں کو۔
الَّذِينَ يَنقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِن بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَن	27- یہ (فاسق) وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ سے کئے گئے عہد کو توڑتے ہیں، اس سے عہد پختہ کرنے کے بعد۔

يُوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ ؕ اُولٰۤئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝

اور توڑتے ہیں اسے جسے حکم فرمایا اللہ تعالیٰ نے جوڑنے کا۔ اور وہ زمین میں فساد برپا کرتے ہیں، وہی لوگ سخت نقصان اٹھانے والے ہیں۔

42- چھوٹی بڑی تخلیقات کی اہمیت:-

آیۃ مبارکہ 26 ہماری توجہ اس طرف مبذول فرماتی ہے اور غور کی دعوت دیتی ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ کی کوئی تخلیق بھی غیر اہم نہیں۔ ان میں سے ہر ایک اپنی اپنی جگہ شاہکار ہے حتیٰ کہ مچھر جیسی چیز جس کو ہم فضول حقیر اور نقصان دہ سمجھتے ہیں وہ بھی اس کی حکمتوں کا بے مثل نمونہ ہے بلکہ مچھر سے بھی چھوٹی چیزیں اسی طرح اہم ہیں۔

آیۃ مبارکہ اس حقیقت کی طرف بھی ہمارے اذہان کو مبذول کراتی ہے کہ مچھر سے بھی چھوٹی ایسی بے شمار تخلیقات ہیں جن کے چھوٹے ہونے کی کوئی انتہا نہیں اور اس کے برعکس ایسی چیزیں بھی ہیں جن کی بڑائی کی کوئی انتہا نہیں۔ مثلاً چھوٹی چیزوں میں ایسے بیکٹریا اور وائرس ہیں جو خوردبین سے نظر نہیں آتے اور بڑائی میں ایسی کہکشائیں ہیں جو دوربینوں کی گرفت میں بھی نہیں آتیں۔

اس سے ہمیں یہ پیغام بھی ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی تخلیق بھی حقیر نہیں، اپنی اپنی جگہ پر ہر ایک اہم ترین ہے اور جس طرح اللہ تعالیٰ ان کو بنانے سے شرمایا نہیں انسان پر بھی لازم ہے کہ ان پر غور وفکر کرے اور ان کی حقیقت تک پہنچنے کے لئے تحقیق کرے۔ عقلمند لوگ چیزوں کے اثرات اور ان کے مقاصد حیات پر نظر رکھتے ہیں نہ کہ انکے بڑے چھوٹے ہونے پر۔ آج کی سائنسی اصطلاح میں تو کمپیوٹروں کے حوالہ سے کہا جاتا ہے "چھوٹائی میں بڑائی ہے (Small is big)"۔ مثلاً مچھر کے ڈیزائن، ساخت اور اسکی صلاحیت کا مقابلہ انسان کا ایجاد کردہ بہترین سے بہترین ہیلی کاپٹر یا جہاز نہیں کر سکتا۔ اپنے سائز کے لحاظ سے اس کی صلاحیت، حرکت، سرعت رفتاری، خطرہ کو سونگھنے کی حس، چابکدستی، چالبازی، کم سے کم توانائی استعمال کر کے زیادہ سے زیادہ کارکردگی، اس کی آنکھیں، دماغ، ٹانگیں، آواز، غرض ہر چیز کا ڈیزائن ایسا شاہکار ہے کہ اعلیٰ سے اعلیٰ سائنس اور انجینئرنگ کے ماہر دماغ انہیں ابھی اچھی طرح سمجھ بھی نہیں سکے۔ حیران کن بات یہ ہے کہ مچھر کی ان سب صلاحیتوں کو اسکا دماغ کنٹرول کر رہا ہوتا ہے جو خردبین کی مدد کے بغیر نظر بھی نہیں آتا۔ سبحان اللہ کہ اسکی ایک سے ایک بڑھ کر تخلیق ہے۔ آیۃ مبارکہ 26 ان سب پر غور وفکر کی دعوت دیتی ہے اور یہی سائنس کا کام ہے۔

43- مقصد کی وحدت:-

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ "جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ ان کے رب کی طرف سے ہے، اور جو کافر ہیں وہ کہتے ہیں کہ

اس مثال سے اللہ تعالیٰ کو کیا مقصود ہے'' مومن اور کافر کے ذہنوں کے فرق کی عکاسی کرتا ہے۔ جبکہ مومن ہر شے میں اپنے رب کی شان دیکھتا ہے، کافر اول تو غور ہی نہیں کرتا اور اگر کرتا بھی ہے تو چیزوں کے روحانی پہلوؤں کی بجائے ان کے مادی پہلوؤں پر توجہ دیتا ہے، مثلاً کہے گا مکھی گندی ہے اسے کیوں بنایا؟ مچھر نقصان دہ ہے اسے کیوں بنایا؟ بڑے بڑے ستاروں کا کیا فائدہ ہے؟ اسے ان چیزوں میں کوئی اعلیٰ مقصد نظر نہیں آتا جبکہ مومن ان سب کی تخلیق میں خالق کی وحدت وحکمت کو دیکھتا ہے کہ یہ سب اللہ کے قانون کی تسبیح کرتے ہوئے انسان کی خدمت کے لئے زندہ ہیں اور یوں علیحدہ علیحدہ تشخص کے باوجود اپنے مقصد حیات میں وہ سب ایک ہی ہیں۔ کائنات میں مقاصد کی وحدت کی تلاش سائنس کی معراج ہے۔ اٹامک تھیوری میں سائنس اس نتیجہ تک تو پہنچ چکی ہے کہ مادہ اور توانائی دراصل ایک ہی ہیں اور اسی طرح ایٹم کے اندر باہر جو قدرتی قوتیں کام کر رہی ہیں ان میں بھی وحدت نظر آنے لگی ہے لیکن ابھی تک وہ وحدت کے اس منبع کو پہچان نہیں سکی جہاں مسلمان سائنسدان بہت معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔ (For more detail appendix ii)

44- مومن اور کافر کی سائیکی:-

آیات مبارکہ 27 مومن اور فاسق کی سائیکی میں فرق کو بھی واضح کرتی ہے اور بتاتی ہے کہ دراصل انسان اور انسانیت کی کامیابی کا دار و مدار اس کی سوچ کے رخ پر ہے۔ مومن رشتوں اور حقوق کو جوڑنے والا ہے جبکہ فاسق ان کو توڑنے والا ہے یوں مومن اصلاح چاہتا ہے جبکہ فاسق فساد برپا کرتا ہے فاسق کی یہ سائیکی ہے کہ وہ چیزوں کے روحانی پہلوؤں کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے ان سے مادی منفعت حاصل کرنے کا سوچتے ہیں اور فوری نتائج حاصل کرنے کے لئے چیزوں کے قدرتی حسن کو بھی تباہ کرنے سے گریز نہیں کرتے۔ اس سوچ کے نتیجہ میں مغربی اقوام نے قدرت کے لاکھوں سالوں پر محیط ذرائع کو ایک صدی سے کم عرصہ میں وہ نقصان پہنچایا ہے جس کی انسانیت کو بڑی بھاری قیمت ادا کرنی پڑے گی۔

سائنس ہی کو لیجئے۔ مسلمان اپنے زمانہ کے اول درجہ کے سائنس دان تھے لیکن ان کی سائنس کا مقصد اللہ کے قانون میں رہتے ہوئے انسانیت کی فلاح تھی۔ وہ اس میں بھی حلال اور حرام کا خیال کرتے۔ مثلاً انہوں نے زہروں کے اوپر کام کی بجائے تریاق پر ریسرچ کو ترجیح دی۔ جنگلات کو کاٹنے کی مخالفت کی لیکن مغربی سائنس کی سوچ ان سے بالکل مختلف ہے۔ مثلاً زمین کی قدرتی زرخیزی کی طرف توجہ دینے کی بجائے وہ فصلوں کے کیڑے مارنے کے لئے زہروں اور مصنوعی کھادوں کے استعمال پر زور دیتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ ایک مدت کے بعد اس سے زمین بیکار ہو جائے گی اور فصلوں پر چھڑکائے گئے زہر انسانوں اور حیوانوں کی مضر خوراک کے باعث بے شمار بیماریوں اور صحت کی پیچیدگیوں کا سبب ہیں۔ اسی طرح مومن ایک خوبصورت پھول دیکھ کر سبحان اللہ کہے گا، اس سے اس کی روح بالیدگی حاصل کرے گی لیکن مادی ذہن پھول کو شاخ سے توڑ کر اپنے کوٹ میں سجا لے گا۔ غرض مومن کی سائیکی میں آخرت کو اولین

ترجیح حاصل ہے اور فاسق کی سائیکی میں دنیا کو۔ مومن دنیا میں رہتے ہوئے آخرت کے لئے محنت کرتا ہے اور کافر آخرت سے فرار کے لئے کام کرتا ہے یعنی ایک ہی چیز سے کوئی ہدایت حاصل کرسکتا ہے اور کوئی گمراہی لیکن گمراہ ہونے والے صرف فاسقین ہوتے ہیں جن کی خصوصیات کو آیہ مبارک 27 میں بیان فرما دیا گیا ہے۔

45- الست بربکم:- (سورۃ اعراف آیت مبارکہ 172 والاعہد)

آیہ مبارک 26 میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو گمراہ نہیں کرتے مگر فاسقین کو اور آیہ مبارک 27 میں یہ بتایا گیا ہے کہ فاسقین کون ہیں۔ فرمایا... اَلْفٰسِقِیْنَ۔ اَلَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ وَیَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ یُّوْصَلَ وَیُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ سے کئے گئے عہد کو توڑتے ہیں بعد ازاسے پختہ باندھنے کے۔ یہ کون سا عہد ہے؟ قرآن کریم سے واضح ہوتا ہے کہ اس میں ایک تو وہ عہد ہے جو روحوں نے عالم ازل میں اللہ سے باندھا تھا اور دوسرا وہ جو بندہ کلمہ طیبہ **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** کے اقرار سے کرلیتا ہے درا صل **لا الہ الا اللہ** اور **محمد رسول اللہ** کی شہادت کے ساتھ اللہ اور رسول ﷺ کی طرف سے مسلمان پر بے شمار ذمہ داریاں عائد ہوجاتی ہیں، جو کوئی ان ذمہ داریوں سے پہلوتہی کرتا ہے اس کا شمار فاسقین میں ہوجاتا ہے، مثلاً **لا الہ الا اللہ** کا اعلان جھوٹے خداؤں سے آزادی کا اعلان ہے اور اس بات کا اقرار ہے کہ میں رب تعالیٰ کے بجائے کسی اور کی غلامی اختیار نہیں کرونگا اور اسکے قانون کے علاوہ کسی اور قانون کو دل سے تسلیم نہیں کرونگا، اب اگر ہم لا الہ الا اللہ پڑھتے ہوئے بھی غیر اللہ کے قوانین سے محبت رکھتے ہیں تو ہمارا شمار فاسقین میں ہو گا۔ اس طرح **محمد رسول اللہ** کی شہادت کا یہ تقاضہ ہے کہ ہم زندگی میں راہنمائی صرف آپ کی ذات مبارک میں تلاش کریں اور یہ عملی طور پر تسلیم کریں کہ ایمان رکھنے والے آپس میں سب بھائی بھائی ہیں لیکن اگر وہ عملاً دوسرے مسلمانوں کے ساتھ بھائی چارے کے تعلقات قائم نہیں کرتے تو ان کا شمار ان میں سے ہوگا جن کے بارے میں فرمایا گیا ہے، (**یقطعون ما امر للہ بہ ان یوصل و یفسدون فی الارض**) بالآخر فسق کی بیماری کے یہ مریض ناقابل تلافی نقصان میں پڑجاتے ہیں، حتیٰ کہ باری تعالیٰ کی ذات پاک اور حیات بعد موت کے بارے میں بھی شک کرنے لگتے ہیں۔ ایسے ہی ناعاقبت اندیش لوگوں کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ

-28 کیونکر تم انکار کرتے ہو اللہ کا حالانکہ تم حالت موت میں تھے پس اس نے تمہیں زندہ کیا پھر (دوبارہ) تمہیں وہ حالت موت میں

اِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ○

لے جائے گا۔ پھر (پہلے ہی کی طرح) تمہیں (دوبارہ) زندہ کرے گا۔

46- زمان ومکان میں ہمارا سفر:-

آیہ کریمہ 28 انسان کے زمان ومکان کی داستان ہے۔ وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کا انکار کرتے ہیں اور اپنے مفاد کی پرستش میں زندگی گزارتے ہیں ان کے ضمیر کو جھنجوڑا گیا ہے کہ تم جو اپنے آپ کو بڑی شے سمجھتے ہو، کیونکر اپنے عمل یا ایمان سے اپنے خالق کا بھی انکار کرتے ہو؟ زیادہ عرصہ نہیں گذرا جب تم اس دنیا میں نہیں تھے اور جلد ہی تم دوبارہ وہیں لوٹنے والے ہو جدھر سے آئے تھے، کب تک اپنے رب کو بھولے رہو گے؟ کیا تم اپنی ہستی پر غور نہیں کرتے ہو؟

موت، زندگی، موت اور پھر زندگی یہ وہ راز ہے جو آج کی سائنس ہی نہیں بلکہ ہمیشہ سے انسان اسکے حل کے لئے بے تاب ہے۔ آیہ مبارک 28 سے پتہ چلتا ہے کہ ہماری موجودہ زندگی زمان ومکان میں ہمارے سفر کی ایک کڑی ہے، اس سے پہلے بھی ہم تھے لیکن موت کے عالم میں۔ اس کے بعد بھی ہم ہوں گے مگر موت کے عالم میں۔ قرآن کریم کی سورۃ ملک آیت 2 میں جیسے فرمایا گیا ہے "خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ"، جیسے زندگی ایک تخلیقی امر ہے موت بھی ویسے ہی ایک تخلیقی امر ہے۔ یعنی اگر زندگی "ہونا" ہے تو موت بھی "انہونا" نہیں بلکہ انسان کے زمان ومکان کے سفر میں دو ادوار ہیں، جب وہ جسم میں ہوتا ہے تو ہم اسے زندہ کہتے ہیں اور جب جسم سے باہر ہو تو اسے مردہ کہا جاتا ہے۔

اس کی مثال پانی کی تین حالتوں کی ہے۔ برف، مائع، گیس، تینوں حالتوں میں پانی، پانی ہی رہتا ہے حالانکہ ان تینوں میں کوئی طبیعاتی مماثلت نہیں اور یہ بھی غور کرنے کی بات ہے کہ مائع حالت میں پانی کو قابو کرنے کے لئے برتن لازمی چاہئے اور اگر برتن ٹوٹ جائے تو پانی زمین میں جذب ہو کر یا ہوا میں اڑ کر غائب ہو جاتا ہے۔ اسی طرح انسان کو زندگی میں ایک جسم چاہئے۔ اس جسم کے بغیر وہ تحلیل ہو جاتا ہے لیکن پانی کی طرح ختم نہیں ہوتا۔

جب تک یہ جسم صحیح حالت میں ہوتا ہے انسان اس میں بیٹھا رہتا ہے اور جب یہ رہنے کے قابل نہیں رہتا مثلاً بیماری سے بکھر جائے، قتل کر دیا جائے یا بہت بوڑھا ہو کر ناکارہ ہو جائے تو پھر انسان اس کو چھوڑ دیتا ہے بالکل ایسے ہی جیسے برتن ٹوٹنے پر پانی کو باہر آنا ہی پڑتا ہے (For details please see appendix vii, viii)

اگلی آیہ کریمہ اس طرف اشارہ کرتی ہے کہ اگر تم فلسفہ حیات سمجھنے، زندگی اور موت کے تعلق سے عاری ہو تو آسمان وزمین اور کائنات کے طبیعاتی اور روحانی نظام پر ہی غور کر لو شاید اس سے تمہیں اس بات کا سمجھنا آسان ہو جائے۔ تو سنو۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۚ ثُمَّ اسْتَوٰٓی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَ هُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝

29- (مالک حقیقی جس کا تم انکار کرتے ہو) وہ ذات پاک ہے۔ جس نے پیدا کیا تمہارے لئے، جو کچھ زمین میں ہے، سب کا سب، اسی طرح اس نے توجہ فرمائی سماء کی طرف، پس ان کو آراستہ کیا سات آسمانوں میں۔ اور وہ سب کچھ جاننے والا ہے۔

47- معلوم سے نا معلوم:۔

جبکہ آیہ مبارکہ 28 حیات اور موت کے حوالہ سے اللہ تبارک تعالیٰ پر ایمان کی دعوت تھی، آیہ مبارک 29، کائنات کے حوالہ سے اللہ تبارک تعالیٰ کا تعارف ہے۔ جسطرح سائنس میں معلوم سے نا معلوم (From Known to Unknown) کو دریافت کیا جاتا ہے یعنی جن چیزوں کا پہلے سے علم ہے انکی مدد سے نامعلوم کو پہچانا جاتا ہے، اسطرح آیہ مبارکہ 29 میں بھی آدمی کو زمین و آسمان کی تخلیق پر غور وفکر کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کو پہچاننے کی دعوت دی گئی ہے۔ مطلب یہ کہ زمین و آسمان کو تو تم کسی حد تک جانتے ہی ہو کہ یہ مخلوق ہیں، اب اگر عقل رکھتے ہو تو انہی کی نسبت سے خالق کی شان کو بھی سمجھ لو۔

48- سائنس کا مقصد:۔

آیہ مبارکہ "**خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا**" میں ایک بہت بڑی سائنسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ زمین میں سب کا سب انفرادی اور مجموعی طور پر صرف انسان کی خاطر پیدا کیا گیا ہے دنیا کی تمام چیزیں جمادات، نباتات، حیوانات، پہاڑ، ہوائیں، سمندر، درخت، چرند پرند، کوئی ایسا نہیں جو انسان کے لئے نہیں حتیٰ کہ وہ چیزیں جو بظاہر نقصان دہ ہیں وہ بھی اندرون خانہ انسان کے لئے کوئی اہم خدمت ادا کر رہی ہوتی ہیں۔ سب سے خوفناک چیز موت ہے لیکن حقیقت میں وہ بھی انسان ہی کی خدمت کر رہی ہے سوچیں کہ اگر موت نہ ہوتی تو کیا زمین پر زندگی کی تازگی برقرار رہتی؟

لہٰذا آیہ مبارک 29 سائنس کے لئے اس مقصد کا تعین کرتی ہے کہ سائنسدان چیزوں کی غرض وغایت کو سمجھیں کہ وہ کیسے انسان کے مقصد حیات کو پورا کر رہی ہیں اور یہ بھی کہ سائنس کا مقصد بھی انسان ہی کی خدمت ہونا چاہیے۔ اگر ہم اس طریقہ سے قدرت پر غور

کریں گے تو چیزوں کی اصل حقیقت اور ماہیت سے بھی بہتر آگاہی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کی ایسی آیات کی روشنی میں مسلمان سائنسدانوں پر یہ لازم ہوجاتا ہے کہ وہ کائنات کو اس نظریہ کی رو سے دیکھیں اور معلوم کریں کہ کیسے ہر دور نزدیک کی چھوٹی بڑی چیز انسان کی خدمت کر رہی ہے اور انسان کا مقصدِ حیات پورا کرنے میں معاون ہے، اگر بالفرض کوئی چیز دنیا سے ناپید ہوجائے تو انسان کو اسکے کیا نقصانات ہونگے؟ آج کل ماحولیاتی سائنس کے ماہرین ان نکات پر غور کرنے لگے ہیں لیکن اصل ذمہ داری ہم مسلمانوں کی ہے کہ ہم غیر مسلم سائنسدانوں سے پہلے قرآن کریم کی روشنی میں انسان اور کائنات کے رشتہ کو واضح کریں اور آگے بڑھتے ہوئے انسان اور خالق کائنات کے تعلق کو ظاہر کریں۔

آیہ مبارکہ 29 سے کائنات میں انسان کا مقام بھی ظاہر ہوتا ہے۔ جب سب کی سب چیزیں انسان کے لئے ہیں تو قدرتی بات ہے کہ انسان ہر چیز سے بلند تر مقام پر فائز ہوگا۔ اس میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ وہ ہر چیز کو اپنے قابو میں لاکر اپنے استعمال میں لاسکتا ہے، اپنی خدمت پر لگاسکتا ہے اور یہی انسان کو کرنا چاہئے موجودہ زمانہ کی سائنس، انجینئرنگ اور ٹیکنالوجی بھی یہی کام کر رہی ہے کہ چیزوں کو انسان کی براہ راست خدمت میں لگا رہی ہے لیکن اس سے یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ اگر باقی چیزوں کا مقصدِ حیات انسان ہے تو انسان کا مقصدِ حیات کیا ہے؟ اسی سلسلہ میں قرآن کریم ہمیں بتاتا ہے کہ انسان کا مقصدِ حیات اسکا رب ہے۔ اس لئے انسان کو ماسوائے اپنے خالق کے کسی چیز سے ڈرنا نہیں چاہئے۔ اسے قدرتی عوامل کے سامنے جھکنا نہیں چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو اس کے سامنے جھکنے کے لئے بنایا ہے لہٰذا سورج چاند زمین، پہاڑ غرض ماسوائے اللہ تعالیٰ کے کسی بھی چیز کی عبادت اور پرستش بالکل بے معنی ہے۔ انسان کو صرف اور صرف اپنے رب کا ہوجانا چاہیے۔

جو اللہ تعالیٰ کا ہوجاتا ہے دنیا اسکی ہوجاتی ہے جو دنیا کے پیچھے بھاگتا ہے دنیا اسکے آگے آگے بھاگتی ہے حتیٰ کہ آدمی تھک ہار کر ہلکان ہوجاتا ہے۔ آج کے دور کا یہی سب سے بڑا المیہ ہے۔

49- سات آسمان اور کائنات:-

آیہ مبارکہ 29 کے آخر میں ایک بہت بڑی سائنسی حقیقت کی عکاسی کی گئی ہے۔ فرمایا " **ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ** " (اسی طرح اللہ تبارک تعالیٰ نے سماء کی طرف توجہ فرمائی اور انہیں سات آسمانی نظاموں میں ترتیب دیا) اگر ہم لفظ سماء پر قرآن کریم میں غور کریں تو معلوم ہوگا کہ زمین سے باہر زمان و مکان کی انتہا تک جو کچھ بھی ہے وہ سب سماء ہے۔ موجودہ سائنس نے اس میں بے شمار چھوٹے بڑے نظام دریافت کئے ہیں اور جیسے جیسے انسان کے دیکھنے کے آلات کی حد بڑھتی جاتی ہے۔ ویسے ویسے ہی سمٰوٰت کی وسعت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اور اب تو یہ کہا جاتا ہے کہ سائنس کے لئے سمٰوٰت کا احاطہ کرنا ناممکن ہے۔ اس لئے کہ سائنس کے

پاس تیز رفتار چیز روشنی ہی ہے لیکن کائنات کی وسعت کے مقابلہ میں اس کی ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سکینڈ کی رفتار بہت ہی ناکافی ہے۔ سبحان اللہ کہ انسان اپنے رب کے سامنے کس قدر لاچار ہے۔

آیہ مبارکہ یہ بھی بتاتی ہے کہ جیسے زمین پر ہر چیز قرینہ سے ڈیزائن ہوئی ہے اور بنائی گئی ہے آسمانی دنیا میں بھی ساری مخلوق ایک خاص قرینہ سے بنائی گئی ہے یعنی کائنات کوئی بے ترتیب حادثاتی نظام نہیں بلکہ جدھر بھی دیکھو گے خالق کی کاریگری نظر آئے گی۔ کائنات کی سات آسمانوں میں تقسیم بھی اس ترتیب وکاریگری کا حصہ ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ ٹوٹل تخلیق سات نظام میں منقسم کر دی گئی ہے ہماری کائنات (Universe) آسمان دنیا ہے لیکن اس سے آگے جہاں اور بھی ہیں۔ افسوس کہ انسان کائنات کے ڈیزائن کا تو قائل ہے لیکن ڈیزائنر (Designer) سے ناآشنا ہے۔ یہی اس کا المیہ ہے آیت 27-28 **كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتاً ....وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ** میں بھی اسی طرف توجہ مبذول کرائی گئی ہے۔ کائنات کے ہجوم میں انسان کائنات کے بنانے والے کو بھول جاتا ہے سبحان اللہ! وہ ہمیں نہیں بھولتا دنیا میں وہ ہمارا پالن ہار ہے اور آخرت میں ہمارے اعمال کے مطابق مقامات بخشنے والا ہے۔ وہ ہمارے خیالات اور اعمال کو خوب اچھی طرح جانتا ہے اور ایک دن ضرور وہ ہم سب کو اپنے سامنے حاضر کریگا تا کہ دیئے گئے اختیار کا حساب لیا جائے۔

نوٹ: آیہ مبارکہ 29 میں لفظ **ثُمَّ** سے ایک الجھاؤ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے زمین کو پیدا کیا اور پھر آسمانوں کو جبکہ سائنسی حقائق یہ بتاتے ہیں کہ آسمان پہلے بنے تھے کائنات کی زندگی 15 ارب سال ہے اور اسمیں ہماری زمین کی زندگی زیادہ سے زیادہ پانچ ارب سال ہے اس الجھاؤ کی وجہ لفظ **ثُمَّ** کا ترجمہ ''پھر'' کرنے کی وجہ سے ہے لیکن ہمارے نزدیک اسمیں کوئی اشکال یا الجھاؤ نہیں دراصل لفظ **ثُمَّ** ترتیب کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اور ''اسی طرح'' (Like wise) کے لئے بھی۔

(For details please see appendix xv,xvi)

50- اللہ کا حکم اور علم:-

آیۃ مبارکہ کے آخر میں اللہ تعالیٰ کے علم کا ذکر ہے۔ فرمایا **وھو بکل شی علیم** اور وہ ہر چیز کو (بلا استثناء) بہت اچھی طرح جاننے والا ہے۔ موجودہ سائنس اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ کائنات اس قدر بڑی ہے کہ اگر ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک روشنی کی رفتار سے کوئی سگنل پہنچانا ہو (یادر ہے کہ سائنس کی رو سے روشنی سے زیادہ تیز کوئی اور چیز نہیں) تو بھی پندرہ ارب سالوں سے زیادہ عرصہ لگ جائے گا لیکن چونکہ کائنات پھیل بھی رہی ہے اس لئے آخری حدود کو تو کبھی بھی نہیں چھو سکے گی۔ اس لئے طبیعاتی دنیا میں ہر چیز کا فوری علم ناممکنات میں سے ہے۔ اس نتیجہ کے پیش نظر یہ سوال پوچھا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہی وقت میں کائنات کو ایک سرے سے

دوسرے سرے تک کیسے جانتا ہے۔ اس کا آسان جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ طبیعات کا خالق ہے۔ طبیعات کا پابند نہیں۔ قدرت کے قوانین کا اطلاق مخلوقات پر ہے لیکن خالق پر نہیں۔ وہ اپنے ہی بنائے ہوئے قوانین کی قید میں نہیں آ گیا۔ روشنی اسکی بنائی ہوئی ہے اس لئے اس کے علم کا انحصار روشنی کی رفتار پر نہیں بلکہ وہ زمان و مکان پر چھایا ہوا ہے۔ یہ سب اسکے اندر ہیں **(وھوا لا ول والآخر و الظاھر والباطن)** (سورۃ الحدید آیت 3) کائنات کی مثال مچھلی اور اللہ تعالیٰ کی مثال سمندر کی مانند ہے۔ مچھلیاں سمندر کے اندر ہیں۔ لہٰذا سمندر بیک وقت تمام مچھلیوں کے حالات سے باخبر ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کسی جگہ کا پابند نہیں بلکہ وہ کائنات کے اندر باہر ہر جگہ ہر وقت ہر چھوٹی بڑی چیز میں موجود ہے لہٰذا اسے چیزوں کو کنٹرول کرنے کے لئے وقت اور ان کے حالات جاننے کے لئے کسی سبب کی ضرورت نہیں۔ دراصل اللہ تعالیٰ کا علم کلی اور مکمل (Absolute) ہے جبکہ انسان کو دیا گیا علم جزوی علم ہے لیکن یہ جزوی علم بھی اس قدر ہے کہ اس کی بھی کوئی انتہا نہیں۔ شاید اسی لئے کائنات کی عظیم وسعت کے باوجود سرور کائنات ﷺ نے اسے عالم اصغر کہا ہے اور انسان کو عالم اکبر، جس کیلئے یہ سب کچھ بنایا گیا ہے لیکن پھر بھی وہ چیزوں کی ٹوٹل حقیقت سے کبھی بھی آشنا نہیں ہو سکتا ہے۔

نہ تو زمیں کیلئے ہے نہ آسماں کیلئے
جہاں ہے تیرے لئے تو نہیں جہاں کیلئے

(For details please see appendix ii,iii,iv, and v)

اگلی آیات کائنات میں انسان کے عظیم مقام کا تعین کرتی ہیں۔ جس پر ہم سب کو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ فرمایا.....

وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْۤا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ یَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○

30- اور جب آپ ؐ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا بے شک میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔ تو وہ بولے،
کیا تو اسے بنائے گا جو
اس میں فساد برپا کرے گا، اور خون
بہائے گا؟
حالانکہ ہم مسلسل تیری حمد میں لگے ہوئے ہیں

اور ہم مسلسل تیرے لئے تقدیس کرتے
ہیں۔ اللہ نے فرمایا،
بے شک میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

51- حقیقت انساں، مقصود کائنات:-

آیہ مبارکہ 30 عجیب روحانی کیفیتوں والی آیت ہے۔ یہ اس زمانہ کی بات ہے جب حضرت انسان ابھی وجود میں نہیں آیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کے ازلی منصوبوں میں مرکزی کردار کی حیثیت رکھتا تھا۔ سرور کائنات ﷺ سے روایت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا'' میں ایک بند خزانہ کی مانند تھا، میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں اس لئے میں نے کائنات پیدا کی'' اور کائنات کا مقصود رب العزت کے عارف کا ظہور تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے کائنات میں اپنی منشا کا اظہار فرمایا کہ میں زمین پر اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی ملک کا حکمران اپنے دارالحکومت میں کسی بڑے منصوبے کا اعلان کرتا ہے۔ سب سے پہلے اس کی منصوبہ بندی ہوتی ہے پھر ڈیزائن بنتا ہے، پھر ایک ماڈل تیار کیا جاتا ہے اور پھر اس ماڈل کا خاص خاص لوگوں کے سامنے امتحان (Test) کیا جاتا ہے۔ اسی طرح اگرچہ زمین پر انسان کا ظہور بہت بعد کی بات تھی لیکن عالم باطن میں وہ کائنات سے بھی پہلے تشکیل پا چکا تھا۔ اس کا مزاج، اس کے طور طریق، اس کی فطرت، اس کے اختیارات، اس کے حقوق و فرائض اور نتائج اس کے ڈیزائن میں تعین ہو چکے تھے۔ اور یہ سب کچھ ام الکتاب (Grand Design Book of Universe) میں درج تھا۔ ہو سکتا ہے کہ فرشتے اور جنات جو آدم سے بہت پہلے کی مخلوقات ہیں وہ تجسس سے ام الکتاب کے اس باب کو پڑھتے ہوں اور انہیں احسن الخلائق حضرت انسان کی کئی چیزیں بڑی عجیب و غریب معلوم ہوتی ہوں، اگر ایک طرف اس کا مقام علیین میں نظر آتا تھا تو دوسری طرف اسفل السافلین میں بھی وہی تھا، وہ زمین میں اللہ تعالیٰ کا خلیفہ تھا لیکن فساد کرنے اور خون بہانے میں بھی وہی آگے آگے تھا، وہ جنت کا خصوصی مہمان بھی تھا اور دوزخ میں بھی وہی جل رہا تھا۔ یوں یہ مجموعہ تضادات ان کی سمجھ سے بالاتر تھا۔

52- فرشتوں کی حیرانی کا سبب:-

چنانچہ جب اللہ تبارک تعالیٰ نے اعلان فرمایا...... **اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً**۔ کہ'' میں زمین میں خلیفہ یعنی مخلوقات میں سے آخری اور مقام کے لحاظ سے اعلیٰ ترین مخلوق بنانے والا ہوں'' تو فرشتے ام الکتاب سے اخذ کئے گئے علم کی بنا پر اپنی حیرانی کا اظہار نہ روک سکے اور بولے (**اَتَجْعَلُ فِیْھَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْھَا**) (کیا تو اسے بنانے والا ہے جو زمین میں فساد برپا کرے گا؟) اور اس کے ساتھ ہی انہوں نے اپنی خوبیاں بیان کرنا شروع کیں۔ جن میں اول اللہ تعالیٰ کی مسلسل حمد بیان کرنا اور دوم ہر عیب اور برائی سے دور رہنا شامل

ہے۔ فرشتوں کی حیرانی کا ایک اور سبب بھی ہوسکتا ہے کہ وہ زمین پر پہلے سے موجود دو پاؤں والی مخلوقات کی کارگردگی کے مشاہدہ بھی کرتے آئے تھے جن کا سب سے محبوب مشغلہ دوسرے جانوروں کو ہلاک کرنا تھا چنانچہ جب انہوں نے جنت میں حضرت آدم کا ماڈل دیکھا تو سمجھے کہ شاید اللہ تعالیٰ اسی دو ٹانگوں والے زمینی حیوان ہی کو اپنا خلیفہ بنانے لگا ہے۔ (تفصیلات کے لئے آخر میں دیئے گئے ضمیمہ 1 کا مطالعہ کریں)۔

اس تشریح سے معلوم ہوگا کہ فرشتوں کا ایسا کہنا خالق کے فیصلہ پر اعتراض نہیں تھا بلکہ اپنے ناقص علم کی بنا پر حیرانی کا اظہار تھا چونکہ فرشتوں کیلئے حقیقتِ انسان کا ادراک مشکل تھا اس لئے رب تعالیٰ نے **اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ** کہہ کر انہیں چپ کرا دیا۔ حضور ﷺ کی احادیث مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حقیقتِ انسان اپنے رب کی پہچان ہے۔ آدمی کے ڈیزائن میں عارف باللہ بننے کی صلاحیت رکھ دی گئی تھی جبکہ فرشتے اس حقیقت کو نہیں جانتے تھے اور نہ ہی وہ آدم کے عرفان سے آگاہ تھے اس لئے وہ اس کے مقام کو سمجھنے سے بھی قاصر تھے۔ اور ان کا یہ کہنا بھی کہ، کمال خلافت، حمد، عبادت اور گناہ سے پاکی ہے غلط تھا۔ ان کو مطمئن کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے سب کے سامنے آدم علیہ السلام کا امتحان لیا، جس کے پاس کرنے پر انسان کی خلافت ثابت ہوگئی۔ اگلی آیات کریمہ میں اس عظیم روحانی واقعہ کا ذکر ہے۔ فرمایا......

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ	31- اور (اللہ تعالیٰ نے) آدم کو
كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ	(کائنات میں سب اشیاء کے) اسماء کا علم سکھایا
عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِىْ بِاَسْمَآءِ	پھر پیش کیا انہیں فرشتوں کے سامنے۔
هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○	پس فرمایا:
	مجھے ان تمام کے اسماء بتا دیجیے اگر تم
	اپنے دعویٰ میں سچے ہو۔

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا	32- وہ (عاجزی سے) بولے، تیری ذات ہر عیب
	سے پاک اور کمال میں بے مثال ہے،
	ہمیں کچھ علم نہیں، ماسوائے جو آپ نے

اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ○ ہمیں سکھا دیا۔

بے شک تو اور تو ہی علیم الحکیم ہے۔

53- علم انسان کی اساس ہے:-

مندرجہ بالا آیات انسانیت کیلئے قابل فخر انعامات ہیں اور انسان اور دوسری تمام مخلوقات کے درمیان فرقان کی حیثیت رکھتی ہیں فرمایا **وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا** اس میں **كُلَّهَا** کی ضمیر کائنات کی طرف ہے اور **عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ** کا مطلب یہ ہے کہ کائنات میں موجود تمام مخلوقات کی پہچان آدم علیہ السلام کو کرا دی گئی تھی۔ جب ہم کسی جگہ کا نام لیتے ہیں تو اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ ہم اسے بمع اسکے خواص کے پہچانتے ہیں یعنی اسم کسی چیز کی ماہیت، اس کی اصل حقیقت اور خاصیت کا عکس ہوتا ہے، مثلاً جب ہم کسی چیز کو لوہا کہتے ہیں تو اس چیز میں لوہے کے تمام خواص کے امتیاز کو جانتے ہوئے کہتے ہیں۔ آدم علیہ السلام کو "علم الاسماء" کا سکھانا اس بات کا ثبوت ہے کہ کائناتی علوم کا ادراک انسان کی فطرت میں لکھ دیا گیا ہے اور یوں انسان کی تقدیر خالق کی تخلیقات کی سمجھ ہے، اسلئے علم الاشیاء جسے ہم سائنس کی زبان میں فزکس، کیمسٹری، بائیولوجی وغیرہ کہتے ہیں ان پر دسترس حاصل کرنا انسان کیلئے ایک فطری عمل ہے اور اس صلاحیت میں گورے کالے پیلے ہر نسل اور قبیلہ کے لوگ برابر کے شریک ہیں یعنی آدم علیہ السلام کی ساری اولاد میں اچھا سائنس دان اور عالم بننے کی صلاحیت موجود ہے۔ یوں علم تمام انسانیت کی میراث ہے۔ یہ انکے باطن میں محفوظ ہے۔ جو کوئی بھی محنت کرے گا اس کو پا لے گا۔

عالم ہے فقط مومن جانباز کی میراث
مومن نہیں جو صاحب لولاک نہیں ہے

54- سائنسی دریافتیں اور کشفی علوم:-

قرآن کریم کی آیت **وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا** سے یہ بھی ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام پر اپنی تخلیقات کے تمام راز آشکار کر دیئے تھے۔ چونکہ انسان انہی کی اولاد میں سے ہے اس لئے ہمارے جینز میں بھی وہ صلاحیت باقی ہے۔ اس کا یہ مطلب لیا جا سکتا ہے کہ ہر چیز کا علم پہلے ہی سے ہماری فطرت (Gene) کے اندر بند ہے یعنی انسان کائنات کی کتاب ہے۔ لہٰذا جب ہم کوئی سائنسی دریافت کرتے ہیں تو یہ کوئی بیرونی دریافت نہیں ہوتی بلکہ پہلے سے موجود علم کی پہچان ہوتی ہے۔ اسی طرح پیدائشی علوم، کشف اور الہامی علوم اور انچیوشن (intuition) کی بنیاد بھی باطنی صلاحیت ہے۔ جو انسان بھی توجہ کے ساتھ محنت کرے گا وہ اپنے مقصود علم تک پہنچ جائے گا۔ اس لئے کہ علم ہر انسان کا مقدر ہے۔

کچھ لوگوں کو علم لدنی بھی حاصل ہوتا ہے یعنی وہ علم جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتاب یا استاد کی مدد کے بغیر عطا ہو جاتا ہے۔اس بات سے کہ آدم علیہ السلام کو ہر طرح کے اسماء کا علم عطا کر دیا گیا تھا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ علم لدنی کی اصل بھی ہمارے جینز (Genes) میں چھپا ہوا علم ہی ہے یعنی اگر ہم اپنے اندر کی کتاب پڑھ لینے کی صلاحیت حاصل کر لیں تو باہر کا علم خود بخود حاصل ہو جائے گا۔سائنس کی زیادہ تر دریافتیں بھی اچانک باطن کے کھل جانے پر ہوتی ہیں جو ایک طرح کا علم لدنی ہے۔اس طرح کشف اور الہام کی بنیاد بھی علم لدنی ہی ہے ان کا ماخذ بھی ہمارا ہی باطن ہے،اس لئے کہ **وَعَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ كُلَّهَا** کی یادداشت ہمارے اندر محفوظ ہے۔لہٰذا جو شخص اپنے باطن کی کتاب پڑھ سکے گا اس پر ظاہر خود بخود واضح ہو جائے گا اور یہی چیز صوفیہ کرام کے مذہب کی بنیاد ہے۔ (For details please see appendix xii, xiii, xiv)

55- نسل آدم کی حاضری:-

آیہ مبارکہ 31 میں **ثُمَّ عَرَضَهُمۡ عَلَى الۡمَلٰٓئِكَةِ** کی ترتیب بھی سمجھنے کے لائق ہے۔ایک تفسیر یہ ہے کہ **هُم** کا اشارہ چیزوں کی طرف ہے یعنی چیزوں کو فرشتوں کے سامنے لایا گیا حالانکہ چیزیں تو پہلے ہی سے اپنی اپنی جگہ پر موجود تھیں اس لئے **ثُمَّ عَرَضَهُمۡ** سے زیادہ اغلب مطلب یہ ہے کہ ھم کی ضمیر مجموعہ انسانیت کے متعلق ہے یعنی تمام نسل انسانی کی ارواح ونفوس کو فرشتوں کے سامنے لایا گیا تھا۔ بہر حال آدم علیہ السلام مجموعہ نسل انسانی کے امین تھے۔وہ سب کے باپ ہیں اور اس لحاظ سے ان کے جنتی دور کے دوران ہم بھی ان کے اندر موجود تھے۔فرشتوں کی غلط فہمی دور کرنے کے لئے انہیں کائنات کی کچھ چیزوں کے متعلق سوال کیا گیا **اَنۡۢبِـُٔوۡنِىۡ بِاَسۡمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ** جس پر انہیں اپنی کم علمی کا اعتراف کرنا پڑا اور نہایت عاجزی سے کہا **سُبۡحٰنَكَ لَا عِلۡمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَلِيۡمُ الۡحَكِيۡمُ** '' ہم کو جو کچھ آپ نے بتا دیا ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتے '' اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ انسان کا علم ملائکہ اور جنات،غرض سب مخلوقات سے زیادہ ہے۔ان کا علم محدود ہے انسان میں یہ صلاحیت لامحدود ہے۔بے شک '' ہر عالم کے اوپر ایک اور عالم ہے'' (For details please see appendix v, vii) اس علمی امتحان میں فرشتوں کی بیچارگی کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا......

قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنۡۢبِئۡهُمۡ بِاَسۡمَآٮِٕهِمۡ‌ۚ فَلَمَّاۤ اَنۡۢبَاَهُمۡ بِاَسۡمَآٮِٕهِمۡ ۙ قَالَ اَلَمۡ اَقُلْ لَّـكُمۡ اِنِّىۡۤ اَعۡلَمُ غَيۡبَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِۙ وَاَعۡلَمُ مَا تُبۡدُوۡنَ وَمَا كُنۡتُمۡ تَكۡتُمُوۡنَ ○

33- اے آدم۔تم انہیں ان (چیزوں) کے اسماء کی خبر دو پس جب آدم نے انہیں ان کے اسماء بتا دیئے تو فرمایا کیا نہیں کہا تھا میں نے تمہیں؟ بے شک میں آسمانوں اور زمین کے سب غیب جانتا ہوں، اور میں جانتا ہوں جو تم چھپاتے ہو۔

56- آدم کامیاب ہوئے:-

آدم اس یکتا امتحان میں اس لئے کامیاب ہوئے کہ زمین و آسمان کے غیوب کا علم ان کی فطرت میں پہلے ہی سے ودیعت کر دیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام، ملائکہ اور جنات کے ہجوم میں فرمایا.... **اِنِّیٓ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا کُنْتُمْ تَکْتُمُوْنَ** "یعنی آدم کو دیا گیا علم بھی میرا ہے اور" جو کچھ تم چھپاتے ہو یا ظاہر کرتے ہو وہ سب کچھ بھی میرے علم میں ہے"۔ مقصد اس اظہار کا یہ معلوم ہوتا ہے کہ مبادا علمی زعم میں کوئی غلط دعویٰ نہ کر بیٹھے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی علمی برتری ثابت کرنے کے بعد کائنات میں وہ یادگار لمحات شروع ہوتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام اور نسل انسانی کو ایسی عزت عطا فرمائی جس کا کوئی جواب نہیں۔ ہم جس قدر بھی عبادت اور ریاضت کر لیں اس کا بدلہ نہیں چکا سکتے۔ کیا عجیب منظر ہو گا جب فرمایا گیا۔

34- اور (ان عظیم لمحات کو بھی) یاد کرو،
جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا،
آدم کیلئے سجدہ کرو۔
پس سب نے سجدہ کیا، سوائے ابلیس کے۔
اس نے انکار کیا اور تکبر کیا،
اور ہو گیا وہ کافروں میں سے۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ ٭ وَکَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ ○

57- سجدہ کا اعزاز:-

سبحان اللہ، وہ کیا جلال و جمال کا وقت ہو گا جب تمام کائنات حکم باری تعالیٰ سننے کے لئے ہمہ تن گوش تھی۔ فرشتے، ارواح اور جنات سب ادب سے کھڑے تھے۔ آدمؑ علمی امتحان میں کامیاب ہو چکا تھا۔ سب سوچ رہے تھے کہ دیکھیں اب اسے کیا انعام ملتا ہے۔ حکم ہوا **"اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ"** (آدم کیلئے سجدہ کرو)۔ "اس کے سامنے جھک جاؤ، اس کی برتری تسلیم کرو اس لئے کہ میں نے اس میں اپنی روح پھونک دی ہے اور اسے اپنے علم سے نوازا ہے" جس کا ذکر سورہ سجدہ آیت مبارکہ 9 سورۃ حجر آیت مبارکہ 29 اور سورۃ ص آیہ مبارک 72 میں تفصیل سے کیا گیا ہے۔ اس فضیلت کی بنا پر وہ کائنات اور اس کے اندر موجود تمام طاقتوں کے سجدہ کا حقدار ہو چکا تھا یعنی یہ سجدہ تعظیمی آدمؑ کے جسم کو نہیں تھا بلکہ اسکے اندر اللہ تعالیٰ کی پھونکی ہوئی روح اور اس کے علمی اعجاز کو تھا، سب نے بلا چون و چرا حکم کی تعمیل کی لیکن ابلیس کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی اور انکار کر بیٹھا۔

58-ازلی دشمن سے واسطہ:-

ابلیس نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار اپنی جہالت اور غرور کی بنا پر کیا اور یوں اس کی قسمت پھوٹ گئی۔ اس کی وجہ اس کا حسد اور جھوٹا نسلی افتخار تھا۔ وہ اپنے آپ کو حضرت آدم علیہ السلام سے بہتر سمجھتا تھا کہ اسکی تخلیق آگ سے ہے جو اس کے نزدیک مٹی سے اعلیٰ تر ہے۔ اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے بغاوت کی اور راندہ درگاہ ہوگیا۔ **کان من الکافرین** ، کی ترتیب سے یوں لگتا ہے کہ وہ انکار میں اکیلا نہیں تھا بلکہ ایک گروہ جنات اس کے ساتھ تھا لیکن اس کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ قیامت تک آنے والے تمام کافرین ابلیس کے گروہ کے لوگ ہیں۔

ابلیس انکار کے بعد چپ نہیں رہا بلکہ اپنی گستاخی کی معافی مانگنے کی بجائے وہ حسد کی آگ میں بڑھتا ہی گیا۔ اپنے راندہ درگاہ ایزدی ہونے پر جو اسے قلق اور مایوسی ہوئی اسے بھی اس نے آدم علیہ السلام کے کھاتہ میں ڈال دیا اور یوں سجدہ کے عظیم اعزاز کے ساتھ ہی آدم علیہ السلام کو ایک بہت بڑے دشمن سے پالا پڑ گیا جس نے اپنی مایوسی، حسد اور غصہ کی وجہ سے اولاد آدم کو بھی رب تعالیٰ کی نگاہ سے گرانا اپنا مقصد حیات بنالیا ہے۔ اگلی آیات کریمہ ابلیس کی اس ذہنی کیفیت کو بیان کرتی ہیں اور آدم کی سادہ لوحی کو کہ وہ کس قدر جلد شیطان کے دام میں پھنس گیا۔

وَ قُلْنَا يٰاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ
الْجَنَّةَ وَ كُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا
وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ
الظّٰلِمِيْنَ ○

-35 اور ہم نے کہا، اے آدم تم اور تمہاری
زوجہ جنت میں رہو، اس میں سے دونوں کھاؤ،
جو چاہو اور جس جگہ سے چاہو،
(مگر) اس درخت کے پاس بھی نہ پھٹکنا،
ورنہ تم ظالمین (یعنی قانون خداوندی
توڑنے والوں) میں سے ہو جاؤ گے۔

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا
مِمَّا كَانَا فِيْهِ
وَ قُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ

-36 پس شیطان نے ان دونوں کو ڈگمگا دیا۔ پھر
ان دونوں کو وہاں سے نکال دیا،
جس میں وہ تھے۔
ہم نے فرمایا۔ تم سب اس مقام سے نیچے
اتر جاؤ۔

وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ○

اب تم میں سے بعض بعض کے دشمن ہوں گے،
تمہارے لئے زمین میں قیام ہوگا،
اور فائدہ اٹھانا ایک خاص مدت تک۔

59- آدم علیہ السلام کا پہلا گھر اور جنت کا کھو جانا:-

سجدہ کے عظیم اعزاز کے بعد حضرت آدم علیہ اسلام، ان کی زوجہ محترمہ اور اولادِ آدم جو ان کے باطن میں تھی سبھی کو جنت میں ٹھہرایا گیا۔ یہ کوئی زمینی باغ نہیں تھا بلکہ اصلی جنت تھی جو موت کے بعد اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کا مقام ہے۔ یہ حضرت آدم کی تربیت گاہ بھی تھی۔ انہیں حسبِ خواہش سب کچھ کھانے پینے اور لینے کی اجازت تھی لیکن ڈسپلن سکھانے کی خاطر ایک خاص درخت کے پاس جانے سے بھی منع کر دیا فرمایا **وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ** (تم اس درخت کے قریب بھی نہیں پھٹکنا ورنہ تم دونوں ظالمین میں سے ہو جاؤ گے) لیکن سادہ لوح آدم اور ان کی زوجہ عیار حاسد ابلیس کے دام میں پھنس گئے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ڈسپلن کو توڑ دیا جس کے نتیجہ میں حکم ہوا **"اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا"** (تم سب کے سب یہاں سے نیچے اتر جاؤ) لفظ جمیعا کی ترتیب میں حضرت آدم علیہ السلام، زوجہ محترمہ اور اولادِ آدم جو ابھی ان کے باطن میں تھی اور ان کے علاوہ ابلیس اور اس کے ساتھی سبھی شامل ہیں۔ یوں انسان کی زمینی حیات کے سفر کا آغاز ہوا جہاں ہم میں سے ہر ایک کو صرف ایک مخصوص عرصہ تک ٹھہرنا ہے۔ یہ اصلاح احوال کا ایک موقع ہے تا کہ ہم دوبارہ کھوئی ہوئی جنت کے حق دار بن سکیں جو ہم سب کا پہلا گھر تھا۔

(For more details please see appendix vii, viii)

60- وارننگ......خبردار:-

آیہ مبارکہ 36 میں یہ ارشاد کہ **بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ** "تم میں سے بعض بعض کے دشمن ہوں گے" معاشرتی سائنس کے لئے ایک نہائت اہم موضوع ہے اور ہمارے لئے ایک بڑی سبق آموز بات ہے۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ کوئی انسان ایسا نہیں ہوگا جسکا کوئی دشمن نہیں ہوگا۔ اسلئے زندگی کو حکمت، ہوشمندی اور کھلی آنکھوں سے گذارو اور اپنے دوستوں اور دشمنوں کو پہچاننا سیکھو۔ انسان کا اولین دشمن شیطان ہے جو جنت ہی سے ہمارے پیچھے لگ گیا تھا۔ اس نے ہمیں وہاں بھی دھوکا دیا اور یہاں بھی دھوکا دیتا ہے تا کہ دوبارہ جنت میں نہ جا سکیں۔ انسان کا دوسرا دشمن خود انسان ہی ہے۔ زندگی کی اعلیٰ ترین اقدار کے ساتھ ساتھ رقابت، رنجش نفرت بھی اس کی فطرت کا حصہ ہیں جن سے مغلوب ہو کر انسان، انسان کی دشمنی پر اتر آتا ہے۔ دراصل یہ فطری خصوصیات زمین پر ہمارے امتحان کے پرچہ میں کچھ

مشکل سوالات ہیں، اور ہمارا امتحان ان پر قابو حاصل کر کے باہمی محبت اور یگانگت کو اجاگر کرنا ہے۔ انکے علاوہ حیواناتی اور نباتاتی انواع میں سے بھی ہمارے بے شمار دشمن ہیں جن سے احتیاط اور بچاؤ کی تدابیر کرنا بھی ہمارا امتحان ہے۔ جسقدر کوئی معاشرہ ان سے بہتر طور پر عہدہ براہونے کی صلاحیت رکھتا ہے اسی قدر وہ مطمئن ہوتا ہے۔

ظاہر ہے حضرت آدم اور ان کے ساتھی جنت میں **اھبطوا** کے حکم ملنے پر انتہائی پشیمان اور پریشان ہوں گے۔ بار بار عرش الٰہی کی طرف نظر اٹھتی ہوگی لیکن کچھ سمجھ نہیں آتا ہوگا کہ کیا کہیں۔ پھر رحمت خداوندی جوش میں آئی اور انہیں خود ہی وہ الفاظ سکھا دیئے جن سے معافی مل گئی۔ اگلی آیہ کریمہ 37 میں اس واقعہ کا ذکر ہے۔

فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○

37- پس سیکھ لئے آدم نے، اپنے رب سے کچھ کلمات، تو اللہ نے اس کی توبہ قبول فرمائی، بے شک وہ بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

61- توبہ کے الفاظ اور معافی:-

رب تعالیٰ کی مہربانی اور بخشش کے صدقے جائیں۔ آدم علیہ السلام نے شیطان کے دھوکے میں آکر حدود اللہ کو توڑ ڈالا اور جس بات سے منع کئے گئے تھے اس کو کر دیا جوان کے مقام کے لحاظ سے بہت بڑا جرم تھا، لیکن خالق کائنات کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے۔ آدم علیہ السلام کی پشیمانی اور پریشانی دیکھتے ہوئے خود ہی انہیں معافی کے الفاظ سکھائے جس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں وہیں معاف فرما دیا۔ بعض تفاسیر میں ہے کہ غلطی سرزد ہونے کے بعد حضرت آدم علیہ السلام اور اماں حوا علیہ السلام کو زمین پر پھینک دیا گیا اور وہ سینکڑوں سال سرگرداں اپنے گناہ پر روتے رہے آخر کار اللہ تعالیٰ نے انہیں مکہ کے نزدیک مقام عرفات میں ملا دیا اور معاف بھی کر دیا لیکن ہمارے نزدیک یہ کہانی قرآنی شواہد کے مطابق نہیں جو کچھ ہوا جنت میں ہوا اور جنت میں ہی معافی مل گئی۔

جہاں تک یہ سوال کہ معافی کے وہ کیا الفاظ تھے انہیں سورہ اعراف آیت مبارکہ 23 میں رب تعالیٰ نے سرور کائنات ﷺ کی امت کو بھی بتا دیئے ہیں۔ گنہگار سے گنہگار انسان جب ان الفاظ کے ساتھ پشیمانی کے عالم میں اپنے مالک حقیقی کی طرف رجوع کرے گا تو انشاء اللہ اس کے گناہوں کی معافی ہو جائے گی۔ وہ انتہائی قیمتی کلمات یہ ہیں: **ربنا ظلمنا انفسنا و ان لم تغفرلنا و ترحمنا لنکونن من الخٰسرین** ۔" اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر بڑا ظلم کیا ہے اور اگر آپ ہمیں معاف نہیں فرماتے اور ہم پر

رحم نہیں کرتے تو یقیناً ہم انتہائی نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے"۔ آیہ مبارک میں جمع کا صیغہ نوٹ فرمائیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہے معافی مانگتے وقت حضرت آدمؑ اکیلے نہیں تھے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ اور انکی اولاد کو معاف کر دیا اور ہر بچہ معصوم پیدا ہوتا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کے واقعہ سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ بڑے سے بڑے آدمی کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کے حکم اور اسکی حدود کو توڑنے کی قطعاً گنجائش نہیں۔ دیکھیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو خاص اپنے ہاتھوں سے بنایا، ان میں اپنی روح پھونکی، اپنی طرف سے ہر چیز کا علم عطا فرمایا، فرشتوں سے سجدہ کروایا، جنت میں رکھا، اس سے بڑی فضیلت کی اور کیا بات ہو سکتی ہے لیکن جیسے ہی انھوں نے اللہ تعالیٰ کی حد کو توڑا تو فوری سزا کا حکم سنا دیا۔ (استغفر اللہ)

62- عیسائیوں کا باطل نظریہ:۔

آیہ مبارک 37 عیسائیوں کے نظریہ گناہ کو بھی باطل کرتی ہے۔ جس کے مطابق حضرت آدمؑ کا ہر بچہ ان کی غلطی کا گناہ اٹھائے پیدا ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ" آدم علیہ السلام کی غلطی کی تلافی کے لے حضرت عیسیٰؑ نے سولی پر چڑھ کر اپنی جان دی اور کفارہ ادا کیا۔ اس لئے اب جو کوئی بھی حضرت عیسیٰ علیہ لسلام کو مانے گا وہ اس کا بھی کفارہ ادا کریں گے، ان کے علاوہ باقی سب لوگ جہنم میں جائیں گے"۔ درحقیقت عیسائیوں کا" بنیادی گناہ کا یہ نظریہ (Original Sin) انسانیت کی تذلیل ہے۔ حضرت مسیح سے پہلے پیدا ہونے والے تمام انسان جن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام بھی شامل ہیں اور جن کا عیسائیوں کے ہاں بھی بڑا درجہ ہے، کیا وہ سب بھی گناہ ہی میں مر گئے؟ یہ باطل نظریہ اصول انصاف کی دھجیاں اڑانے کے بھی مترادف ہے۔ حقیقت وہی ہے جو آیہ مبارک 37 میں ظاہر کر دی گئی ہے **فَتَابَ عَلَيْهِ** کہ آدم علیہ السلام اور اولاد آدم سب کی توبہ قبول کر لی گئی اس کے بعد کسی پر بھی کوئی پیدائشی گناہ نہیں ہے اور ہر بچہ معصوم پیدا ہوتا ہے۔ (شکر الحمد للہ)

63- دنیا کی طرف سفر:۔

گناہ کی معافی کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کو دنیا کی طرف بھیج دیا گیا۔ یہ اندازہ لگانا ممکن نہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کتنا عرصہ جنت میں رہے اور کتنا عرصہ جنت کے نچلے مقام میں اپنی روحانی حالت میں ٹھہرے لیکن اہم بات یہ نہیں کہ وہ کہاں اور کتنا عرصہ ٹھہرے، نہ ہی یہ کہ ان کی حیات روحانی تھی یا جسمانی، بلکہ سوچنے کی بات یہ ہے کہ ہم نے اس واقعہ سے کیا سبق سیکھا۔ اگلی آیہ کریمہ اسی

سلسلہ کی کڑی ہے۔ فرمایا......

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○

38- ہم نے کہا تم سب کے سب (جنت سے نیچے) اتر جاؤ،
پھر اگر میری طرف سے تمھاری طرف کوئی ہدایت آئے، تو جو اس کی پیروی کرے گا،
اسے کسی طرح کا خوف ہوگا نہ غم۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○

39- البتہ، وہ جنہوں نے ہماری ہدایت سے انکار کیا،
اور اسے جھٹلایا،
وہی آگ کے ساتھی ہوں گے۔
اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

64- اللہ کی ہدایت ...... نہ خوف نہ غم:-

آیہ مبارک ہماری اس طرف رہنمائی کرتی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اعتراف گناہ کے بعد معافی مل گئی لیکن تقدیر نہیں بدلی۔ ارضی حیات کی طرف روانگی کا حکم برقرار رہا۔ زمین ہمارے لئے امتحان گاہ مقرر ہو چکی تھی۔ اس امتحان کے اصول بھی وضع کر دیئے گئے اور بھیجتے وقت تسلی بھی دے دی **فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ** یعنی "میں ہر قوم کی طرف ہدایت بھیجتا رہوں گا جو بھی اس پر عمل کریگا اسے کوئی غم فکر نہیں ہونا چاہئے۔ معافی کے بعد اب تم پر کوئی فطری گناہ نہیں البتہ جنہوں نے ہدایت آنے کے بعد بھی تکذیب کی وہ یقیناً دوزخ میں جائینگے جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے"۔ نبی پاک ﷺ اس سلسلہ کی آخری کڑی تھے، اور قرآن کریم اس ہدایت کا تاقیامت مخزن ہے، جو کوئی اس پر عمل کرے گا اسکے کے لئے کسی طرح کے ڈر خوف اور غم کی بات نہیں۔

65- حضرت آدم کے ظہور کے مختلف ادوار:-

یہ سوال دلچسپ بھی ہے اور اپنی جگہ بڑا اہم بھی کہ حضرت آدم علیہ السلام کا ظہور کب ہوا؟ اسرائیلی روایات کے مطابق حضرت آدمؑ کا زمینی ظہور صرف سات آٹھ ہزار سال پہلے ہوا ہے لیکن سائنس بھی اس مسئلہ میں بری طرح الجھی ہوئی ہے (دیکھیں ضمیمہ 1) اس سائنسی کہانی کے مطابق موجودہ انسان کے متعلق پرانے سے پرانے تاریخی ماخذ صرف بیس سے تیس ہزار سال تک ہیں۔ فرانس میں کچھ غاروں میں پائی جانے والی تصاویر اور ترکی میں تاریخی زمانہ سے قبل کی قبروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاید موجودہ انسان جسے Homo Sapien کہتے ہیں، تیس پینتیس ہزار سال پہلے ظاہر ہوا ہوگا لیکن جہاں تک دو ٹانگوں پر چلنے والے حیوان کا تعلق ہے اسکی پچاس لاکھ سال پرانی ہڈیاں بھی ملی ہیں۔ عام اندازہ یہ ہے کہ وہ بن مانسوں کی کوئی ترقی یافتہ نوع تھا لیکن موجودہ انسان سے اسکی کوئی نسبت نہیں ملتی شاید فرشتوں نے اس انسان نما حیوان کی درندگی کو ہی دیکھتے ہوئے کہا تھا کہ آدم بھی خون بہائے گا۔ اگر ہم قرآن کریم کی آیات سے راہنمائی لیں تو یہ پتہ چلتا ہے حضرت آدم کے ظہور کے مندرجہ ذیل ادوار ہیں۔

1- آدم علیہ السلام اور مجموعہ انسانیت کا ڈیزائن کائنات کے ظہور سے پہلے ہو چکا تھا اور کائنات کا ڈیزائن حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے لوازمات کے طور پر تھا۔

2- فرشتے اور جنات حضرت آدم سے پہلے وجود میں آچکے تھے اسی طرح کائنات بھی اپنے وجود میں پہلے آچکی تھی۔

3- عالم بالا میں حضرت آدم کا پہلا ظہور وہیں ہوا جہاں فرشتے رہتے تھے۔ یہ جنت کے مقامات میں سے کوئی مقام ہے۔

4- فرشتوں اور جنات کے لئے حضرت آدم اجنبی تھے لیکن اللہ کی طرف سے وہ خلیفہ الارض مقرر ہو چکے تھے۔

5- عالم بالا ہی میں حضرت آدم کو علم عطا کیا گیا، علمی مقابلہ ہوا، ان کو سجدہ کرایا گیا، ابلیس نے ان سے حسد کیا۔

6- وہ جس جنت میں رہتے تھے وہ عالم بالا والی جنت تھی، اس میں کتنا عرصہ رہے اللہ ہی جانتا ہے۔ وہیں آپ سے شجر والی غلطی ہوئی۔

7- غلطی پر حضرت آدم علیہ السلام جنت سے عالم ارواح میں اتار دیئے گئے۔ وہیں معافی ملی۔ نسل آدم کو وہیں **"الست بربکم"** (سورۃ اعراف آیت 172) کا خطاب ہوا، وہیں تمام انبیاء سے میثاق لیا گیا جس کا ذکر سورہ عمران کی آیت مبارکہ 81 میں آیا ہے۔

8- عالم بالا سے اترنے کا حکم دو مرحلوں میں ہوا۔ پہلے مرحلے کا ذکر آیت مبارکہ (36)2 میں ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام جنت سے عالم ارواح میں اتر گئے۔ وہیں آپ کو معافی کے الفاظ سکھائے گئے اور آپ کو معاف فرما دیا گیا (37)2۔ معافی مل جانے کے بعد آپکو دوبارہ اترنے کا حکم ہوا (38) اس درمیان مقام کو (Intermediate Repository) عالم اروح کہا جاتا ہے جہاں سے اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق اپنی اپنی باری پر تمام انسان زمینی حیات کیلئے اترتے رہیں گے۔

9- عالم ارواح ہی میں انہیں زمین میں محدود وقت تک رہنے کا پروگرام ملا۔ وہیں آنے والے نبیوں اور رسولوں کی ہدایت کے بارے میں بتایا گیا۔

10- عالم ارواح میں لوگ حالت موت میں ہوتے ہیں۔ یعنی نفس بلا جسم ہوتا ہے وہاں سے نفوس اپنی اپنی باری پر ارضی حیات کی طرف اترتے رہتے ہیں اور انسانی جسم کو اپنا گھر بناتے ہیں جب جسم مرجاتا ہے تو نفس کو اسے چھوڑنا پڑتا ہے اور واپس وہ موت کی حالت میں پلٹ جاتا ہے یہ دوسری موت والی حالت ہے۔ موت کی اس حالت کو قبر کی برزخی زندگی بھی کہا جاتا ہے یہ بلا جسم حالت ہے اس میں نفوس تا قیامت رہتے ہیں۔

11- قیامت کے بعد حساب کتاب کیلئے تمام نفوس میدانِ حشر میں جمع کر دیئے جائیں گے۔ حساب کتاب وہیں ہوگا۔

12- حساب کتاب کے بعد انہیں جزا و سزا کے قانون کے تحت جنت یا جہنم میں بھیج دیا جائے گا۔ عالم جزا میں ہر ایک کو جسم عطا کر دیا جائے گا یہ ان کی دوسری زندگی ہوگی۔ یوں ہر انسان کی دو اموات اور دو زندگیاں ہیں۔

(نوٹ: حضرت انسان کے ظہور کی تفصیلی سائنسی کہانی اس سورۃ کے اخیر میں ضمیمہ-1 میں دیکھیں)

قرآن کریم میں مختلف مقامات پر انسان کی تخلیق اور اس کے انجام کے متعلق جو آیات آئی ہیں ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انسان نفس اور جسم کا مرکب ہے۔ جیسے پہلے کہا گیا ہے آدم علیہ السلام کا ڈیزائن اور ان کی تخلیق جنت میں ہوئی جب کہ انسان کے جسم کی تکمیل زمین پر ہوئی۔ یعنی قرآن پاک میں حضرت آدم علیہ السلام کا جو واقعہ بیان کیا گیا ہے وہ ہمارے روحانی سلسلہ کی تفصیل ہے اور سائنس جو تحقیقات کر رہی ہے وہ جسمانی سلسلہ کی ترقی کے مختلف ادوار کو ڈھونڈنے کی کوشش ہے اس لحاظ سے دونوں میں کوئی تضاد نہیں۔ جسمانی لحاظ سے زمین پر انسان کا آغاز نفس واحدہ سے ہوا اور اسی نفس واحدہ سے تمام دیگر جاندار مخلوقات بنیں ارتقاء کے اس سفر کی معراج انسانی جسم کی تخلیق ہے جو اپنی تقویم اور بناوٹ (Design and Construction) میں بہترین ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ** ہماری ساری ہستی (Existance) میں ہمارا زمینی قیام مختصر ترین وقفہ ہے جو نسبتاً شاید ٹوٹل حیات کے مقابلہ میں ایک سیکنڈ کا کھرباں حصہ ہو یا اس سے بھی کم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہمارے اوپر یہ انتہائی مہربانی ہے کہ امتحان کی گھڑیاں اتنی کم

رکھی ہیں ۔ (For more details please see appendix vii, viii)

66- بنی اسرائیل کی تاریخی مثال (Case History) بحیثیت ایک کردار:-

آیہ مبارک 38 میں اولادِ آدم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کی خوشخبری تھی۔ فرمایا ''اگر تمھاری طرف میری طرف سے کوئی ہدایت آئے، جوکوئی اس کی پیروی کرے گا اسے کسی طرح کا کوئی خوف ہوگا نہ غم....'' یہ ایک طرح سے اللہ تعالیٰ کی جانب سے آدم علیہ السلام اوران کی اولاد کیلئے براہ راست پیغام ہے جو بوقت وداع دیا گیا ۔حسب وعدہ اللہ تعالیٰ ہر قوم کی طرف اپنے نبی بھیجتا رہا ہے جو انہیں اللہ تعالیٰ کے پیغام پہنچاتے رہے ہیں۔اس سلسلہ میں اگلی آیات کریمہ میں تاریخ عالم کی ایک نہایت اہم روئداد (Case History) کا ذکر ہے۔جسکا ذکر قرآن کریم میں بار بار آتا ہے یہ کہانی قوم یہود کی ہے جن کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ متواتر اپنے جلیل القدر پیغمبر بھیجتا رہا، ان پر بڑے بڑے احسان فرماتا رہا، انہیں فرعون کی غلامی سے نجات دلائی لیکن اتنی بڑی مہربانیوں کے باوجود بھی وہ پے در پے نبیوں کی مخالفت کرتے رہے، یہاں تک کہ بعض کو انہوں نے قتل بھی کیا۔یوں اپنے پیچھے وہ اقوام عالم کے لئے عبرت کا نشان چھوڑ گئے ہیں جن پر غور کرنے سے انسان بہت سی غلطیوں سے بچ سکتا ہے۔قرآن کریم میں جس طرح بار بار بنی اسرائیل کا ذکر آتا ہے وہ بذات خود ایک بڑی غور طلب بات ہے۔دراصل یہ ماضی کی ایک قوم کے حوالہ سے انسان کے مستقبل کا ذکر ہے۔ خصوصاً مسلمانوں کے لئے ان کے حوالہ سے زبردست تنبیہ (Warning) ہے کہ وہ ہرگز ہرگز یہود کی اتباع نہ کریں یعنی یہودی ایک کردار (character) کا نام ہے جو ہر انسان کے اندر بستا ہے اور انسان کی بقا اسی میں ہے کہ وہ اپنے نفس میں سے اس کردار کو نکال دے۔اگلی آیات کریمہ اس کردار کی نشاندہی کرتی ہیں۔فرمایا....

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ○

40- اے بنی اسرائیل، یاد کرو میری نعمت کو، جو میں نے تمہیں انعام فرمائی۔ اور تم میرے ساتھ (کئے گئے) وعدہ کو پورا کرو۔ میں بھی تمہارے ساتھ کئے گئے وعدہ کو پورا کروں گا، اور خاص مجھی سے ڈرو۔

وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهٖ ۠ وَلَا تَشْتَرُوْا

41- اور ایمان لاؤ اس پر جو (اب) میں نے نازل کیا ہے، وہ جو اس کی تصدیق کرتا ہے جو تمہارے پاس پہلے سے تھا

خبردار کفر میں پہل نہ کرنا،

بِاٰیٰتِیۡ ثَمَنًا قَلِیۡلًا ۫ اور میری آیات کے بدلے میں حقیر قیمت نہ لینا،

وَّ اِیَّایَ فَاتَّقُوۡنِ ○ اور تم خاص مجھی سے ڈرتے رہنا۔

بنی اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کو کہتے ہیں یہ لوگ حضرت یوسفؑ کے عہد حکومت میں مصر میں جا بسے اور خوب پھلے پھولے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر بڑا فضل فرمایا، انہیں ذہانت اور حکمت میں دوسری اقوام سے ممتاز کیا، انہیں شکل وصورت بھی خوبصورت دی اور ان کی طرف اپنے بہت سے پیغمبر بھیجے اور یوں انہیں دیگر اقوام کیلئے ہدایت کی ذمہ داری بھی دی گئی لیکن وقت کے ساتھ ساتھ جب انہوں نے اللہ کی ہدایت کو چھوڑ دیا تو ان میں نفاق داخل ہو گیا۔ فراعنہ مصر نے انہیں اپنا غلام بنالیا، وہ ان سے بیگار لیتے اور طرح طرح کی سختیاں کرتے۔ بالا آخر اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی حالت زار پر رحم کھاتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا رسول بنا کر بھیجا جنہوں نے انہیں فرعون سے نجات دلائی۔ یوں اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو پھر سے آزادی دی، سیدھے راستہ پر ہدایت کی، اپنے برگزیدہ بندوں میں شامل کیا اور اقوام عالم کی رہنمائی کا موقع دیا لیکن یہ قوم اپنے رویہ میں نہائت متلون مزاج رہی۔ اور عارضی مفادات کے لئے کبھی سیدھے راستہ پر آجاتی اور کبھی واپس کفر کی طرف لوٹ جاتی۔

67- نعمت کا شکرانہ :-

آیۃ مبارکہ 40 میں اللہ تعالیٰ یہود کو اپنی نعمتوں کی یاددہانی کرا رہے ہیں تاکہ وہ راہ راست پر آجائیں۔ اس میں ہمارے لئے یہ سبق ہے کہ ہم بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرتے رہیں اور ہر دم اسکے شکرگزار بندے بن کر زندگی گذاریں۔ شکر کی ایک علامت اللہ تعالیٰ کی دل سے عبادت اور اسکی محبت اور اسکے دین کی تبلیغ ہے تاکہ انسانیت جہنم میں گرنے سے بچ جائے۔ یہودی کردار کو پس پشت رکھتے ہوئے چاہیے کہ ہمارے اسلاف پر جو اللہ نے فضل کیا اور مسلمانوں کو عروج دیا ان واقعات کو یاد کر کے ہم رب العالمین کا شکر یہ ادا کرتے رہیں اور اپنی کوتاہیوں سے توبہ کرتے رہیں تاکہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے حقدار ہوں۔

68- بندے کا اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ :-

آیۃ مبارکہ ۴۰ میں ایک نہایت اہم بات یہ کہی گئی ہے کہ "تم میرے ساتھ کئے گئے وعدہ کو پورا کرو، میں تمہارے ساتھ کئے گئے وعدہ کو پورا کروں گا اور خاص مجھی سے ڈرو" فرمایا وَاَوۡفُوۡا بِعَهۡدِیۡۤ اُوۡفِ بِعَهۡدِكُمۡ وَاِیَّایَ فَارۡهَبُوۡنِ یہ ایک عمومی حکم ہے جو ہر

انسان اور ہر معاشرہ کے لئے ہے۔ مسلمان کلمہ طیبہ پڑھتے وقت وعدہ کرتا ہے کہ "اللہ کے سوا کوئی اور الہ نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں"۔ یہ ایک وعدہ ہے اور اس ایفائے عہد کا ایک تقاضہ زمین پر اور اپنے آپ پر اللہ کی حاکمیت کا نفاذ ہے اور دوسرے تمام خداؤں کی نفی ہے اس کا یہ بھی مطلب ہے کہ **لا الہ الا اللہ** کہنے والے سب آپس میں بھائی بھائی ہیں اور سب کا رہنما اور قابل تقلید ہستی خاتم النبین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں اب اگر ہم اس وعدہ کی تکمیل کے لئے جدوجہد کریں، اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں، اسی پر توکل کریں، اسی سے ڈریں اور محمد مصطفیٰ ﷺ کو ہی اپنا راہبر و رہنما مانیں تو ہم نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ ایسے وعدہ وفاؤں کے لئے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ وہ انہیں دنیا و آخرت میں ہر قسم کے خوف اور رنج والم سے آزادی عطا فرمائے گا، دنیا میں انہیں عزت عطا فرمائے گا، ان کے دشمنوں پر ان کی دھاک بٹھا دے گا، ان کو نیکی پر چلنے کی مزید توفیق دے گا، اور آخرت میں ان کو جنت عطا فرمائے گا۔ لیکن اگر ہم کلمہ طیبہ کی شہادت کے بعد بھی زندگی کو اپنے نفس کی سفلی خواہشات کے مطابق گذارتے ہیں تو ہم بھی یہود کی طرح ہو گئے جو اللہ تعالیٰ کی کتاب تو پڑھتے تھے لیکن اس پر عمل نہیں کرتے تھے۔

69- ختم الرسل پر ایمان:۔

آیہ مبارکہ 41 میں قوم یہود کے لئے بالخصوص اور عام انسانیت کے لئے بالعموم حکم ہے **وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ** کہ "ایمان لاؤ اس پر جو میں نے نازل کیا ہے......" یہ محمد ﷺ کی نبوت پر ایمان لانے اور قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ کی کلام سمجھتے ہوئے اس کی پیروی کرنے کا حکم ہے۔ یہ اس بات کی بھی یاد دہانی ہے کہ دراصل حضور نبی کریم ﷺ کی نبوت پہلے انبیاء کرام کا ہی تسلسل ہے اور قرآن کریم اللہ کی آخری کتاب ہے جو اس سے پہلے نازل ہونے والی کتابوں مثلاً تورات، انجیل وغیرہ سب کی تصدیق کرتی ہے۔ اب یہی معیار حق ہے۔ مسلمان وہ ہیں جو اس کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھال لیں، اور اس کا یہ بھی تقاضہ ہے کہ حضور ﷺ سے پہلے گزرے ہوئے پیغمبروں پر بھی ایمان لایا جائے اور تمام مذاہب کی عزت کی جائے۔ یوں اسلام تمام اقوام عالم کے لئے قدرتی دین ہے۔

آیہ مبارکہ میں اہل کتاب سے خصوصی خطاب ہے کہ "خبردار کفر میں پہل نہ کرنا" اس لئے کہ وہ بھی وحی کے حامل ہیں اور ان کی کتابوں میں نبی آخر ﷺ کی بعثت کی خوشخبریاں موجود ہیں لہٰذا انہیں تو سب سے پہلے اسلام کا ساتھ دینا چاہئے۔ اگر پھر بھی وہ نہیں مانتے تو انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ جان بوجھ کر جرم کرنا جرم کی نوعیت کو مزید سنگین بنا دیتا ہے۔ لیکن افسوس کہ یہود اور نصاریٰ اسلام میں بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔

آیہ مبارک 41 میں یہ حکم کہ "میری آیات کے بدلے میں حقیر قیمت نہ لو" **وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِىْ ثَمَنًا قَلِيْلًا** بہت اہم ہے کہ ہم

اسلام کے اعلیٰ ترین اصولوں کو دنیا کے چھوٹے چھوٹے مفاد پر قربان نہ کریں۔ افسوس کہ آج کل لوگ اس طرف خیال نہیں کرتے، چھوٹی چھوٹی باتوں پر جھوٹ بولتے ہیں، بے ایمانی کر بیٹھتے ہیں، اللہ پر توکل چھوڑ دیتے ہیں۔ یہودی بھی یہی کرتے آئے ہیں اور اب مسلمان بھی یہی کر رہے ہیں۔ یہ سب یہودی کریکٹر ہے جس سے بچ کر ہی ہم اسلام پر قائم رہ سکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی بڑی سے بڑی دولت بھی آخرت کے مقابلہ میں ہیچ ہے لیکن افسوس کہ دنیا کے چندروزہ مفادات کی خاطر انسان اپنے ضمیر کو کچل دیتا ہے۔ اگلی آیات کریمہ اس خطرناک صورت حال سے بچنے کی تلقین کرتی ہیں اور خاص طور پر جن باتوں سے احتیاط کرنی ہے ان کی وضاحت کرتی ہیں۔ فرمایا ......

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ○	42-	اور تم حق پر باطل کا لبادہ نہ چڑھاؤ، اور (یوں) حق کو نہ چھپاؤ، حالانکہ تم (اسے) جانتے ہو۔
وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرّٰكِعِينَ ○	43-	اور صلوۃ کو قائم کرو، اور زکوۃ دو۔ اور رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔

70- حق پر باطل کی ملمع سازی:-

اللہ تعالیٰ کا حکم ہے **وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ** ..... حق پر باطل کی ملمع سازی کرنا تا کہ عام آدمی کے لئے حق اور باطل میں فرق کرنا مشکل ہو جائے، یہ یہودی ذہن (Jewish Mentality) کا ایک بڑا فتنہ ہے۔ مثلاً یہود اللہ کے رسول محمد ﷺ کی خوشخبریوں کے متعلق تورات اور انجیل میں جو آیات ہیں ان کو وہ چھپاتے تھے اور بعد میں انہیں اپنی کتابوں سے بالکل ہی حذف کر دیا اور جو باقی رہ گیا ہے اس کو بھی یہ مختلف معنی دیتے ہیں نہ صرف یہ بلکہ اللہ تعالیٰ کی حقیقت پر بھی پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں، مثلاً فطرت (Nature) کو اللہ تبارک کے ساتھ ملا کر کہتے ہیں کہ فطرت ہی خدا ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ کی جگہ سود کو لے آئے ہیں۔

افسوس کہ آج بہت سے مسلمان بھی یہی کر رہے ہیں۔ اپنی خواہشات کو دین بنا دیا ہے اور دین حق جو سادہ ہے اس پر رسم و رواج کے لبادے چڑھا دیئے ہیں یوں اب وہ بھی بہت ساری برائیاں یہود کی طرح مذہب کے نام پر کرتے ہیں۔ اسکے علاوہ جو خود اچھے مسلمان

ہیں وہ بھی اپنے فرقہ کے مطابق اسلام پرست بن چکے ہیں جبکہ پرستش صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات کیلئے ہے۔ بنی اسرائیل بھی مذہب پرستی میں کم نہیں تھے لیکن اللہ تعالیٰ کی پرستش پر رسم ورواج کی پرستش کو ترجیح دیتے تھے۔ ان حالات میں ہر اچھے مسلمان کو چاہیے کہ وہ حق پر باطل کے اثرات نہ پڑنے دے اور حق کے اوپر رسم ورواج اور فرقہ پرستی کی پردہ پوشی نہ ہونے دے۔ امت محمدیہ ﷺ کا مقصد ہی عالم انسانیت پر حق کو ظاہر کرنا اور باطل کو واضح کرنا ہے تا کہ لوگ حق و باطل میں تمیز کرتے ہوئے کھوئی ہوئی جنت کو پالیں۔

71- حقیقی دین کا پیغام:-

اس ضمن میں آیۃ مبارکہ 43 کا حکم وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ حقیقی دین کی شکل کو واضح کرتا ہے۔ اسکے دو حصے ہیں ایک اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ یعنی حقوق اللہ کا پورا کرنا اور دوسرا اٰتُوا الزَّكٰوةَ یعنی حقوق العباد کا پورا کرنا، جب کہ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ کا مطلب یہ ہے کہ دین تنظیم سے مکمل ہوتا ہے۔ صلوٰۃ اور زکوٰۃ کی ادائیگی فرداً فرداً ہو سکتی ہے لیکن اعلیٰ ترین شعار یہ ہے کہ باجماعت ہو مثلاً نماز باجماعت کا ثواب فرداً فرداً نماز سے 27 گنا زیادہ ہے۔ گویا مسلمانوں کا باہم منظم ہونا دین کی شان وشوکت کیلئے ضروری ہے۔ ملکی سطح پر نظام اسلام کے نافذ کرنے کی کوششیں بھی دراصل "وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ" کے حکم کی تکمیل کی طرف ہی ایک قدم ہے۔ لیکن یہودی ذہن دین کے ان پہلوؤں کو چھوڑ کر خود ساختہ رسم ورواج والے شخصی دین کا پیروکار ہے ان کا کہنا ہے کہ دین ایک ذاتی معاملہ (Personal Affair) ہے لیکن یہ انکی شیطانی سوچ کا نتیجہ ہے۔ وہ اگرچہ پیغمبروں کی تعلیمات کی بنا پر ان باتوں کو سمجھتے ہیں لیکن دوغلہ پن کا شکار ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے ارشاد ہے۔ فرمایا......

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○	44-	کیا تم حکم کرتے ہو لوگوں کو نیکی کا، اور بھول جاتے ہو اپنی ذات کو، حالانکہ تم الکتاب (بھی) پڑھتے ہو۔ کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے۔
وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ○	45-	اور مدد طلب کرو، صبر سے اور صلوٰۃ سے، اور بے شک وہ بڑی بھاری بات ہے۔ مگر (ان کے لئے نہیں) جو عاجزی کرنے والے ہیں۔

46- (جو) یقین رکھتے ہیں، کہ وہ ملاقات کرنے والے ہیں اپنے رب سے اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَ اَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝

72- خود را فضیحت:-

آیۃ کریمہ 44 کا خطاب **اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ** ''کیا تم حکم کرتے ہو لوگوں کو نیکی کا اور بھول جاتے ہو اپنی ذات کو.....'' انسانی ضمیر کیلئے چیلنج ہے۔ گوکہ اس کے اولین مخاطب یہودی قوم اور یہودی ذہن والے لوگ ہیں جو دوسروں کو تو نیکی کا پرچار کرتے ہیں لیکن خود اپنی ذات کے لئے پرواہ نہیں کرتے لیکن انہی میں وہ تمام بے عمل ناصح اور خطیب بھی شامل ہیں جو کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ ہیں۔ ان کے بارے حضورﷺ نے خبر دی ہے کہ ''معراج کی رات میرا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جس کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے میں نے جبرائیل علیہ السلام سے ان کے متعلق پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیا کرتے تھے لیکن اپنے آپ کو بھلائے رکھتے تھے حالانکہ وہ کتاب کی تلاوت بھی کرتے تھے۔''

دراصل لوگوں کو اچھی اچھی باتیں بتانا اور خود ان پر عمل نہ کرنا ایک شیطانی ذہنی بیماری ہے جس سے لوگ نکھٹو اور جھوٹے ہو جاتے ہیں۔ افسوس کہ آج کل یہ بیماری عام ہے جس میں بہت سے خطیب، علماء، دانش ور، شاعر، ادیب اور سیاستدان بھی خطرناک حد تک مبتلا ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ ایک بہت بڑا گناہ ہے۔ اور یہ ایک ایسی بیماری ہے جو اندر ہی اندر انسان کی دیگر نیکیوں کے ساتھ ساتھ ہے اور بالآخر انسان کی عقل کو بھی کھا جاتی ہے۔

73- نسخہ کیمیاء:-

آیۃ کریمہ 45 اس قبیح بیماری سے نکلنے کا نسخہ بتاتی ہے۔ پہلی بات تو ہے کہ اس سے بچنے کا ارادہ کیا جائے اور پھر توبہ کے ساتھ دعا کی جائے کہ رب العالمین مجھے نیکی کی توفیق دے۔ **لاحول ولاقوۃ الا باللہ** کا اکثر ذکر کیا جائے۔ بے شک ''اس کی مدد کے بغیر کچھ بھی نہیں ہوسکتا''۔ یہ تو ایمان کی بات ہے۔ عملی بات یہ بتائی گئی ہے کہ مدد لو صبر سے اور صلوٰۃ سے **وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ**۔ یعنی انسان صبر کے ساتھ کوشش کرتا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ دعا اور صلوٰۃ پر قائم رہے۔ دراصل اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کرنے کیلئے اور برائی سے بچنے کے لئے باقاعدہ نماز بہت ہی ضروری ہے۔ ''بے شک صلوٰۃ ہر برائی اور فحش سے روکتی ہے'' آیہ مبارک 45 کے آخر میں فرمایا گیا ہے کہ ''گو یہ مشکل امر ہے لیکن خاشعین کے لئے نہیں'' اس کا یہ مطلب ہے کہ نفس کی یہ خطرناک بیماری فوری دور نہیں ہوگی بلکہ اسکے لئے صبر سے محنت کرنا پڑیگی۔

آیۃ مبارکہ 45 میں اللہ کی مدد حاصل کرنے کیلئے ''صلوٰۃ اور صبر'' کا جو نسخہ دیا گیا ہے۔ وہ زندگی کے تمام مسائل کیلئے اکسیر ہے۔ صلوٰۃ کا مطلب کلی طور پر اپنے آپ کو اللہ کے ساتھ جوڑ دینے کا ہے اور صبر اس کی راہ میں ڈٹے رہنے کا نام ہے۔ جب بھی کوئی مسئلہ پیش آئے، تو حکم ہے کہ اچھی طرح وضو کر کے، دو رکعت نماز نفل پڑھ کر قبلہ رو بیٹھ کر، اللہ رب العزت سے خشوع وخضوع اور یقین کے ساتھ مدد مانگی جائے۔ انشاء اللہ وہ مسئلہ باحسن طریقہ حل ہو جائیگا اور جب تک مسئلہ حل نہیں ہوتا صبر کے ساتھ انسان جدوجہد کرتا رہے، اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتا رہے، دل نہ چھوڑے، اس کی رحمت پر پورا یقین رکھے اور ہرگز مایوس نہ ہو۔

74- خاشعین :-

آیۃ مبارکہ 45 میں خاشعین کی تعریف کی گئی ہے کہ ان کیلئے صلوٰۃ اور صبر مشکل کام نہیں۔ خاشعین وہ لوگ ہیں جن کی طبیعت میں غرور اور تکبر نہیں۔ وہ اپنے رب سے ڈرنے والے، آخرت پر پورا یقین رکھنے والے اور اپنے مالک وخالق رب کائنات سے ہر دم دعا مانگتے رہنے والے ہیں۔ اور انہیں اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یقین ہوتا ہے اس لئے نتائج کے لئے بے صبری نہیں کرتے۔ خاشعین کے برعکس متکبر اور مغرور لوگ ہیں دراصل انسان بہت ساری غلط باتیں اپنے غرور اور تکبر میں کرتا رہتا ہے اور یہ دونوں نفس کی بڑی بیماریوں میں سے ہیں۔ غرور اور تکبر کے مریض نہ اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعا کرتے ہیں اور نہ ہی آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ وہ یہ بھی نہیں سوچتے کہ بالآخر انہیں اپنے رب کریم کے حضور حاضر ہونا ہے۔ اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور کہتے ہیں کہ ''یہ جہاں مٹھا او جہاں کس ڈٹھا''، یعنی یہ دنیا مزیدار ہے آخرت کی دنیا کس نے دیکھی ہے؟

آیۃ مبارکہ 46 سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ موت کے بعد ہر آدمی کی ''رب تعالیٰ سے ملاقات ہوگی۔ لیکن یہ ملاقات انسان کے اعمال کے مطابق ہوگی۔ خشوع وخضوع والے صالح اور متقی لوگوں کے لئے یہ ملاقات انعام پانے کے لئے ہوگی، گنہگاروں اور مغرور لوگوں کیلئے سزا پانے کیلئے۔ جس کے بعد فرشتے سب کو انکے مقامات کی طرف لے جائیں گے۔ جنتیوں کا یہ اعزاز ہوگا کہ رب کائنات اکثر انہیں اپنے دیدار کا اعزاز بخشے گا اور اس میں اس قدر مزا ہوگا کہ جنتی دیدار الٰہی کیلئے بیتابی سے دعا کرتے رہیں گے۔

اگلی آیات کریمہ دوبارہ بنی اسرائیل کے متعلق کچھ غیر معمولی فضائل اور انعام اکرام کی یاددہانی کرواتی ہیں جو ان پر اللہ تعالیٰ نے کئے تھے لیکن وہ ناشکری قوم ہے اور باوجود اتنی نعمتوں کے ابھی تک راہ راست پر نہیں آئی۔ فرمایا......

يٰبَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ○

47- اے بنی اسرائیل، یاد کرو میری نعمت کو، جو میں نے تمہیں عطا فرمائی، اور بے شک میں نے تمہیں تمام کائنات پر فضیلت دی۔

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا
وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ
وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ
وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ○

48- اور ڈرو اس دن سے، جس دن نہ بدلہ دے سکے گا کوئی، اور نہ قبول کی جائے گی اس سے سفارش، اور نہ لیا جائے گا اس سے کوئی معاوضہ، اور نہ ہی وہ مدد کئے جائیں گے۔

75- عالمی فضیلت اور ذمہ داری:-

عالمین میں بنی اسرائیل کی فضیلت ان کے نبیوں کی وجہ سے تھی ورنہ بلاتفریق رنگ اور نسل، انسان کائنات میں ہر چیز پر افضل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آدم کی اولاد کو مکرم بنا دیا ہے فرمایا "**ولقد کرمنا بنی آدم**" (سورہ بنی اسرائیل آیت 70) لیکن بنی اسرائیل پر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عام انسانوں پر بھی فضیلت بخشی۔ ان کو اس قدر علم و فضل عطا کیا کہ کسی قوم کو ان سے پہلے نہیں دیا گیا تھا۔ ان میں اتنے پیغمبر مبعوث ہوئے جتنے کسی اور قوم میں نہیں ہوئے اور ان کو اپنی محبوبیت کا شرف عطا فرمایا لیکن وہ ان نعمتوں کا حق ادا نہ کر سکے۔

جب انہوں نے اپنے مقام فضل کو کھو دیا تو پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھیجا اور کچھ عرصہ ان کے پیروکار اس فضل کے حقدار رہے، جب انہوں نے بھی اپنے دین کو کھو دیا تو سرتاج انبیاء و سرور کائنات حضور ﷺ تشریف لائے اور تمام عالمین پر فضیلت کا تاج آپ کے سچے خادموں کے سر پر رکھ دیا گیا اور اب قیامت تک وہی اس میراث کے حقدار ہیں۔ یہود اور نصاریٰ اور دیگر مذاہب کو ماننے والے بھی اگر اسلام قبول کر لیتے ہیں تو ان کو بھی عالمین پر فضیلت حاصل ہو جائے گی۔ مسلمانوں میں سے بھی جو گروہ اسلام کی اس نعمت کی قدر نہیں کرتے تو وہ بھی یہود کی طرح مقام فضل سے گر جائیں گے۔ آیہ مبارک 48 میں ایسی ہی گراوٹ کے نتائج کی طرف تنبیہ (Warning) فرمائی گئی ہے۔ افسوس کہ ایسے لوگ یوم حساب سے بھی نہیں ڈرتے جبکہ وہ بالکل تنہا ہونگے۔

76- یوم حساب اور بیچارگی:-

آیہ مبارک 48 میں بتایا گیا ہے کہ یوم حساب بڑا سخت دن ہے۔ اس دن کائنات میں ہر جگہ سے لوگ میدان حشر میں جمع ہونگے۔ بڑے بڑے مجرموں میں وہ لوگ ہونگے جنہوں نے اللہ کی نعمتوں کے باوجود اس کی ناشکری کی ہوگی۔ اس اصول کے مطابق کہ جو کسی کی مطابقت کرتا ہے وہ اسی کے ساتھ ہوتا ہے، اس دن سب ناشکرے قافلہ یہود کے ساتھ ہوں گے اور اپنے جرائم کے نتائج کے خوف سے کانپ رہے ہوں گے۔ آیہ مبارک 48 ان لوگوں کے لئے جو دنیا میں اپنی طاقت اور پیسے کے گھمنڈ میں سب کچھ کر سکنے کا دعویٰ کرتے

ہیں زبردست تنبیہ ہے۔فرمایا وَاتَّقُوا يَوْمًا لَّا تَجْزِي نَفْسٌ عَن نَّفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ۔ دنیا میں وہ حکام کو دے دلا کر، یا اپنی طاقت اور پیسے کے بل بوتے پر بچ جایا کرتے تھے لیکن اس دن ان سے کوئی معاوضہ قبول نہ ہوگا، ان کی کوئی سفارش نہیں چلے گی، نہ کوئی حمایتی ان کے کسی کام آئے گا، صرف وہ ہوں گے اور ان کے اعمال اور سامنے جہنم کے شعلے نظر آ رہے ہونگے۔اس سے زیادہ تنہائی وکرب کا کوئی اور دن نہیں ہوگا۔

77- شفاعت :-

آیہ مبارک میں ''ولا یقبل منها شفاعة'' سے بعض لوگ حق شفاعت کے انکاری ہوجاتے ہیں یا شک میں پڑجاتے ہیں۔ان کے لئے عرض ہے کہ یہ آیات خاص بنی اسرائیل اور انہی کے قماش کے دوسرے لوگوں کے بارے میں ہیں۔بے شک ان کے لئے شفاعت قبول نہ ہوگی۔ان کے لئے شفاعت کرے گا بھی کون؟ جہاں تک اللہ تعالیٰ کے سیدھے سادے مسلمان بندوں کا تعلق ہے ان کیلئے سرور کائنات رحمت اللعالمین ﷺ کی شفاعت مسلمہ ہے۔حتیٰ کہ آپ کی برکت اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے حضور ﷺ کے کئی غلاموں کو بھی یہ حق نصیب ہوگا جس پر متواتر کئی احادیث ثبوت فراہم کرتی ہیں۔

بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ نے جو احسان کئے ان میں ایک احسان یہ بھی تھا کہ انہیں فرعون کی غلامی سے نجات دلائی۔اگلی آیت کریمہ میں اسی عظیم واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔جس میں تمام نوآزاد مملکتوں کے لئے گہرا سبق ہے۔ فرمایا......

49- وَإِذْ نَجَّيْنَاكُم مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ ۚ وَفِي ذَٰلِكُم بَلَاءٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ ○

اور یاد کرو جب ہم نے تمہیں
نجات بخشی، آل فرعون سے۔
جو پہنچاتے تھے تمہیں سخت عذاب،
ذبح کرتے تھے تمہارے بیٹوں کو،
اور تمہاری عورتوں کو زندہ رہنے
دیتے تھے،
اور اس میں بہت بڑی آزمائش تھی
تمہارے رب کی طرف سے۔

وَ اِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَ اَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ۝

50- اور یاد کرو وہ وقت جب ہم نے تمہارے لئے سمندر کو پھاڑ دیا، پس تمہیں نجات دی ہم نے، اور قوم فرعون کو غرق کر دیا، اور (اس وقت) تم کنارے پر کھڑے، دیکھ رہے تھے۔

78- بنی اسرائیل کا عروج وزوال:-

حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد جسے بنی اسرائیل کہا جاتا ہے حضرت یوسف علیہ السلام کے عہد میں مصر میں آباد ہوئی اور ابتدا میں ان کا مصری دربار میں بڑا اثر ورسوخ رہا اور انہوں نے اللہ کا دین پھیلانے میں بھی بڑا اہم کام کیا۔ جب تک وہ اللہ والے بن کر رہے اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں بڑی عزت عطا فرمائی لیکن جب وہ دنیاداری میں پڑ گئے، اسلام کو بھول گئے تو رب تعالیٰ نے بھی انہیں چھوڑ دیا اور آل فرعون کے حوالہ کر دیا جوان سے بیگار کا کام لیتے۔ جیسا کہ آیہ مبارک 49 سے ظاہر ہے کہ ان کے لئے یہ بڑا پر آشوب دور تھا ایک وقت ایسا بھی آیا کہ آل فرعون بنی اسرائیل کے نوجوانوں کو قتل کر دیتے اور ان کی عورتوں کو اپنے لئے زندہ رکھتے۔ غلامی کا یہ دور سینکڑوں سالوں پر محیط تھا۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان پر دوبارہ رحم فرمایا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا رسول بنا کر بھیجا تا کہ وہ آل فرعون کو اللہ سے ڈرائیں اور بنی اسرائیل کو ان کے ظلم سے آزادی دلائیں۔ یہ ایک لمبی جدوجہد تھی۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کو فتح عطا فرمائی۔

79- سمندر کا پار کرنا:-

جب قوم حضرت موسیٰ پر ایمان لے آئی اور آل فرعون پر ہدایت پہنچانے کی حجت پوری ہوگئی تو ایک رات آپ نے سب کے ہمراہ مصر سے نکلنے کا عزم کیا۔ آپ کی منزل کنعان یعنی موجودہ اردن اور فلسطین کا علاقہ تھا۔ جلد ہی خبر پھیل گئی۔ بادشاہ فرعون (رعمیس) بذات خود اپنی فوجوں کی قیادت کرتے ہوئے انہیں پکڑنے کے لئے نکل آیا۔ آگے سمندر، پیچھے نہایت ظالم اور طاقتور دشمن، اہل ایمان اپنے رب سے سوال کرتے تھے کہ اب کیا ہوگا؟ اچانک معجزہ ہوا، اللہ تعالیٰ کی مدد آگئی اور سمندر دو حصوں میں پھٹ گیا، درمیان کی زمین اُٹھ گئی جیسے ایک قدرتی دیوار ہو اور سمندر کا پانی اس کے دونوں طرف ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا نام لیکر اپنی قوم کے ساتھ اس معجزاتی پل پر چل کر سمندر پار کر گئے۔

80- فرعون کی غرقابی:-

فرعون نے بھی آؤ دیکھا نہ تاؤ، ان کے تعاقب میں چڑھ نکلا۔ پیچھے پیچھے اس کی فوج تھی۔ لیکن جیسے ہی وہ آدھ سمندر میں پہنچے زمین ہلی اور قدرتی پل بیٹھ گیا۔ دونوں طرف سے پانی دوبارہ مل گیا اور یوں دیکھتے ہی دیکھتے فرعون (رعمیس) بمع اپنی فوج کے سمندر میں ڈوب گیا اور یہ سب کچھ قوم اسرائیل کے سامنے ہوا۔ جدید تحقیق کے مطابق یہ واقعہ 1447 قبل مسیح کو پیش آیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس مغرور بادشاہ کی لاش کو نشان عبرت کے طور پر محفوظ کر دیا جو 1920 میں دریافت ہوئی اور آج کل قاہرہ میوزیم میں رکھی ہوئی ہے۔ اسکے جسم کے ساتھ کافی سمندری نمک لگا ہوا تھا جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ وہی فرعون ہے جو سمندر میں غرق ہوا۔ یوں اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی سچائی کو بھی ثابت کر دیا اور اس مردود کو دنیا کے سامنے نشان عبرت کے لئے بھی ظاہر کر دیا۔

آیہ مبارک 49 اللہ تعالیٰ کے تمام بندوں کے لئے پیغام ہے کہ اللہ تعالیٰ مظلوموں کے ساتھ ہے اگر وہ ہمت کریں گے تو اللہ تعالیٰ کی مدد معجزاتی طور پر آئے گی اور ان کے بڑے سے بڑے دشمن تنکوں کی طرح اڑ جائیں گے۔ شرط صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ، اس کے دین کے لئے گھر سے نکلنا اور صبر و صلوٰۃ کے ساتھ اس سے مدد مانگنا ہے۔

81- سمندر میں راستہ کیسے بنا؟

سمندر کے پھٹنے کا یہ واقع کیسے ہوا؟ اللہ تعالیٰ جو چاہے کر سکتا ہے۔ یہ ایک معجزہ تھا جس کیلئے وجوہ کی تلاش ضروری نہیں۔ دراصل معجزہ زمان و مکاں میں ایک غیر معمولی واقعہ ہوتا ہے جسکا تعلق طبیعات کی بجائے مابعد طبیعات کے قوانین سے ہے اور یہاں عام سائنسی قوانین کا اطلاق نہیں ہوتا۔ لیکن ذہن کے اطمینان کیلئے سائنسی پہلوؤں سے سوچا جائے تو جدید تحقیق نے ثابت کیا ہے کہ سطح سمندر کا اٹھ کر سمندر کو دو حصوں میں بانٹ دینا اور ایک عارضی پل کا بن جانا کسی بہت بڑے زلزلہ کے نتیجہ کے طور پر عین ممکن ہے۔ جیسے پہلے بھی کہا گیا ہے، تاریخی جائزے اسی طرف جا رہے ہیں کہ اس زمانہ میں اس سمندری علاقہ میں ایک بہت بڑا زلزلہ آیا تھا جسکے نتیجے میں زمین اٹھ گئی تھی۔ (مرکز زلزلہ پر زمین کا اٹھ جانا کئی دفعہ ملاحظہ کیا جا چکا ہے۔ پچھلے دس سالوں میں دو دفعہ تو چین ہی میں دیکھا گیا ہے کہ زلزلہ کی وجہ سے کس طرح دریا کا پاٹ اٹھ گیا اور پانی نے ارد گرد سیلاب سے تباہی مچا دی لہٰذا سمندر کا زلزلہ کی بناء پر اٹھ جانا اور پھر بیٹھ جانا عین ممکن ہے)

82- فراعنہ کا ظلم:-

آیہ مبارک 49 میں آل فرعون کے ایک بہت بڑے ظلم کا ذکر ہوا ہے کہ وہ لوگ بنی اسرائیل کے لڑکے ذبح کر دیتے تھے اور انکی عورتوں کو زندہ رکھتے تھے۔ اس سے قوم فرعون کے ظلم اور ان کی اخلاقی حالت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ دراصل کفر ہمیشہ سے ہی بڑا

ظالم رہا ہے اور آج کے دور میں بھی جو ظلم بے دین اور مشرکین کر رہے ہیں وہ فرعونوں کے دور سے کم نہیں مصر کے فراعنہ اپنے مخالفین کو صرف جسمانی طور پر ختم کر دیتے تھے جبکہ آج کے فراعنہ انہیں ذہنی طور پر بھی ختم کر دیتے ہیں جیسے ارشاد ہے "کہ فتنہ قتل سے بد تر ہے" دراصل اذہان کی موت جسمانی موت سے بھی بدتر ہے کہ اس سے پوری کی پوری قوم مرجاتی ہے۔ اس سے بچنے کا طریقہ اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کی راہ میں صلوٰۃ، زکوٰۃ، صبر اور جہاد ہی ہے۔

بنی اسرائیل پر جو کڑا وقت تھا اس کا احساس مشکل نہیں ہونا چاہئے لیکن جب ان کو آزادی مل گئی تو وہ جلد ہی یہ سب کچھ بھول گئے بلکہ اپنے پرانے دشمن آقاؤں کے راہ و رسم پر بھی چلنے لگے۔ بالکل ایسے ہی جیسے پاکستانیوں نے انگریزوں کو ایک صدی سے زیادہ کی جدوجہد کے بعد نکالا لیکن آزادی حاصل کرنے کے پچاس سال بعد بھی انہی کے طور طریقے عزیز ہیں۔ اس یہودی طرز عمل کے متعلق آگے آنے والی آیات نہایت قابل غور ہیں۔ فرمایا......

وَ اِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰۤى اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ اَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ○

51- اور اس واقعہ پر غور کرو جب ہم نے وعدہ فرمایا موسیٰ سے چالیس رات کا بعد ازیں تم نے (ان کے پیچھے) بچھڑے کو (معبود) بنالیا اور تم بڑا ہی ظلم کرنے والے تھے۔

ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○

52- اس (شرک) کے بعد بھی ہم نے تمہیں پھر سے معاف فرمادیا تا کہ تم (پھر سے) شکر گزار بندے بن جاؤ۔

83- غلامی کے اثرات اور باقیات:-

اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے مقصد کشور کشائی ہوتا تو فرعون اور اس کی افواج کی تباہی کے بعد وہ مصر واپس چلے جاتے اور اپنی حکومت قائم کر لیتے لیکن یہاں تو بات ہی اور تھی۔ مصر نا قابل اصلاح ہو چکا تھا وہاں کی باقیات بھی خطرناک تھیں۔ مسلمانوں کا گروہ ان کے ساتھ تھا جس کی تربیت مقصود تھی اور مصر واپس جانا ان لوگوں کے لئے زہر کھالینے کے مترادف ہوتا۔ اس لئے فرعون کی ہلاکت کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس مصر نہیں گئے بلکہ وہ پیغمبروں کی سرزمین شام کی طرف ہجرت کر گئے اور قوم کی تعلیم و تربیت کا انتظام کرنے

لگے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ وہ لوگ جس جذبہ کے ساتھ اپنے آباؤاجداد کے وطن آئے تھے اسی جذبہ سے ان کی تعلیمات کی پیروی کرتے لیکن ایسا نہ ہوا اندر سے بنی اسرائیل کے اکثر لوگوں کے ہیرو (Hero) اب بھی فراعنہ ہی تھے اور انہیں پرانے آقاؤں کے طور طریقے ہی محبوب تھے۔ جدید تحقیقات سے ثابت ہوتا ہے کہ قدیم مصری بھی ہندوؤں کی طرح گائے کی پرستش کرتے تھے۔ ان کا معبود بیل تھا جو ان کی زراعت کے لئے طاقت کا بنیادی ذریعہ تھا۔ اس لئے بنی اسرائیل میں بھی کچھ لوگ اپنے آقاؤں کی وجہ سے اس کو مقدس سمجھتے تھے۔ اگرچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات اور زبردست شخصیت کے زیر اثر ظاہراً تو وہ تائب ہو گئے لیکن ان کے باطن میں اب تک گائے کی محبت مچلتی تھی۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام چالیس رات کے لئے کوہ طور پر رب کائنات کا ذکر اور شکر ادا کرنے اور وحی کی ہدایات لینے کے لئے چلے گئے تو ان کے پیچھے بہت سے بنی اسرائیل آل فرعون کی فرسودہ روایات وعبادات کی طرف پلٹ گئے۔ سامری جو ایک چالاک منافق تھا اس نے اس بات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے لوگوں سے ان کے زیورات طلب کئے اور انہیں پگھلا کر بچھڑے کی شکل میں سونے کا بت بنایا اور اس میں کچھ اسطرح کے آلات لگا دیئے کہ وہ ہلانے پر آوازیں بھی نکالتا تھا۔ سامری نے انہیں بتایا کہ یہ تمہارا حاضر خدا ہے جبکہ موسیٰ کا رب تو کوہ طور پر ہے۔ باوجود کہ ان میں حضرت ہارون علیہ السلام موجود تھے لیکن کمزور عقیدہ کے لوگ انہیں چھوڑ کر سامری کی طرف ہو گئے اور کھلا شرک کرنے لگے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب کوہ طور سے کتاب اور فرقان کے ساتھ لوٹے تو بگڑے ہوئے حالات کو دیکھ کر بہت ناراض ہوئے۔ اپنے بھائی کو بھی ڈانٹا کہ انہیں گمراہ کیوں ہونے دیا۔ سامری کا انجام بھی قابل عبرت تھا اسے ایک ایسی ذہنی بیماری لاحق ہو گئی کہ وہ لوگوں کے لمس سے ڈرتا تھا اس لئے جب کسی کو دیکھتا تو دور بھاگتا۔ جیسے دولت مندوں کو ذہنی بیماری ہے کہ وہ عام لوگوں سے دور بھاگتے ہیں۔ بالآخر اسے کوڑھ ہو گیا اور بہت بری موت مرا۔

اس واقعہ میں ان قوموں کے لئے بہت بڑا سبق ہے جنہوں نے نوآبادیاتی نظام سے نجات حاصل کی ہے۔ جیسے ہی ان کے عظیم لیڈر جنہوں نے زندگی بھر کی جدوجہد کے بعد آزادی دلائی، فوت ہو گئے اکثر قومیں واپس پرانے آقاؤں کے طور طریقوں پر آ گئی ہیں۔ کالے انگریز کی اصطلاح ایسے ہی لوگوں کے لئے استعمال ہوتی ہے اور جو تباہی انہوں نے مچائی ہے وہ سب کے سامنے ہے۔ ایسے لوگ سامری کی قوم ہیں۔ انہوں نے بھی سونے کے بچھڑے کو اپنا خدا بنایا ہوا ہے اور پیسے کی پرستش کرتے ہیں اور غریبوں سے دور رہتے ہیں۔ آیہ مبارک میں اس بات کو 'ظلم عظیم' کہا گیا ہے۔ اس گناہ سے نجات کا ذریعہ صرف توبہ ہی ہے۔ اگر وہ توبہ نہیں کرتے تو ان کا حشر بھی سامری کے ساتھ ہو گا۔

آیہ کریمہ 52 میں توبہ کی ابتدائی قبولیت کے بعد اس کے پختہ کرنے کا ذکر ہے۔ اس کا طریقہ 'شکر' ہے کہ ہم پہلے تو اس بات پر اللہ کا شکر ادا کریں کہ وہ توبہ قبول فرماتا ہے اور پچھلے جرائم کو ختم کر دیتا ہے اور دوسرے ہم اس بات کا شکر ادا کریں کہ وہ باوجود ہمارے

گناہوں اور زیادتیوں کے اپنی نعمتیں پھر بھی دیتا رہتا ہے۔فرمایا.....

وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ○

53- اور (وہ زمانہ یاد کرو) جب دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور حق وباطل میں فیصلہ کرنے کا معیار، تا کہ تم راہ راست پر رہو۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ۭ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○

54- (اور یاد کرو وہ وقت بھی) جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا، اے میری قوم، بے شک تم نے اپنے اوپر بڑا ظلم کیا بچھڑے کو اختیار کر کے، پس چاہیئے کہ تم توبہ کرو اپنے خالق کے حضور۔ پھر اپنے انفاس کو مارو۔ یہ تمہارے لئے بہت بہتر ہوگا تمہارے خالق کے نزدیک پھر وہ تمہارا قصور معاف فرمادے گا، بے شک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا، ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔

84- سچی توبہ کا طریقہ:-

موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے سامنے اللہ تعالیٰ کی کتاب اور فرقان کو پیش کیا اور انہیں سمجھایا کہ بچھڑے کو معبود بنا کر انہوں نے اپنے آپ پر بہت ظلم کیا ہے۔توبہ کا حکم دیا اور کہا کہ اپنے نفوس کو مارو۔ **فاقتلوا انفسکم** ۔اصلاح احوال کے لئے یہ حتمی نسخہ ہے، جس نے اپنے نفس پر قابو حاصل کر لیا اس نے ہر برائی پر فتح حاصل کر لی۔ چونکہ انسان کو برائی پر نفس ہی بہکاتا ہے اس لئے اصلاح احوال کے لئے نفس ہی کو سزا ملنی چاہیئے۔اس کا طریقہ یہ ہے کہ نفسانی کمزوریوں کی مخالفت کی جائے اور نفس کو جو مرغوب چیزیں ہیں انہیں چھوڑ دیا جائے، مثلاً نفس کو کھانے پینے میں فرحت ملتی ہے اس لئے روزے رکھے جائیں، نفس کو مال ودولت سے محبت ہے اس لئے صدقہ اور قربانی دی جائے، نفس جرم کو چھپانے کی ترغیب دیتا ہے اس لئے سچ بولا جائے نفس کو آرام پسند ہے اس لئے نوافل اور ذکر واذکار کو زیادہ کر دیا جائے یعنی جس کمزوری کی بناء پر انسان کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اس وجہ اور کمزوری سے کنارہ کشی کی جائے اور اس کے الٹ نیک عمل کر کے اپنی توبہ کو مضبوط بنایا جائے اور جو ہو چکا ہے اس پر شرم ساری ہو۔ یہ توبہ کا صحیح طریقہ ہے۔

85- التواب الرحیم :-

آیت مبارک 53 کے آخر میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ **التواب الرحیم** ہے۔التواب کا مطلب ہے ''بہت ہی زیادہ توبہ قبول کرنے والا''۔التواب کے ساتھ الرحیم کا مطلب یہ ہے کہ ''جب وہ توبہ قبول کر لیتا ہے تو انسان کو اس گناہ سے معصوم کر دیتا ہے۔اس پر پہلے کی طرح رحم وکرم کر دیتا ہے''اس لئے بڑے سے بڑے گنہگار کو بھی رب تعالیٰ سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہئے اگر وہ توبہ کرے اور گناہ کے لوازمات اور وجوہ کو چھوڑ دے تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کے گناہوں کو معاف فرما کر اپنی آغوش رحمت میں جگہ دے گا۔انشاءاللہ!

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی بھی توبہ قبول کر لی اور انہیں معاف فرما دیا۔لیکن گھٹی میں پڑا ہوا کفر جلدی نہیں جاتا۔اب انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے یہ تقاضا شروع کر دیا کہ ہمیں اپنا پروردگار دکھاؤ۔اگلی آیہ کریمہ ان کے اس مطالبہ کے متعلق ہے۔فرمایا

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ
حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ
وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ○

55- اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب تم نے کہا۔اے موسیٰ،
ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے واسطے تمہارے حتیٰ کہ
ہم خود دیکھ لیں اللہ کو ظاہری طور پر۔پس
(اس گستاخی پر) آلیا تم کو، بجلی کی ہولناک کڑک نے۔
اور تم یہ دیکھ رہے تھے۔

ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ
تَشْكُرُوْنَ ○

56- پھر ہم نے تمہیں دوبارہ کھڑا کر دیا، موت (مدہوشی)
کے بعد۔ تا کہ تم شکر گزار بندے بن کر رہو۔

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ
الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ
كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ
وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ○

57- اور ہم نے تمہارے اوپر ابر کا سایہ کر دیا۔
اور ہم نے تمہارے اوپر من وسلویٰ اتارا۔
کھاؤ ان پاکیزہ چیزوں سے جو ہم نے تم کو دی ہیں۔
اور ہم نے ان پر کوئی زیادتی نہ کی بلکہ
وہ اپنی ہی جانوں پر ظلم وزیادتی کرنے والے تھے۔

86- اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا مطالبہ:-

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سمجھانے بجھانے کے بعد کچھ عرصہ تو قوم یہود دوبارہ صراط مستقیم پر آ گئی لیکن پھر اپنے پرانے طریقوں پر لوٹنے لگے۔ جیسے فرعون نے ہامان سے کہا تھا کہ ''اے ہامان میرے لئے ایک اونچا محل بناؤ تا کہ میں موسیٰ کے رب کو دیکھ لوں'' بنی اسرائیل نے بھی حضرت موسیٰ سے نہایت گستاخانہ مطالبہ کر دیا کہ ہم ہرگز تمہاری بات نہیں مانیں گے جب تک خود اللہ کو دیکھ نہ لیں۔ آیات کریمہ 54اسی واقعہ کو بیان فرماتی ہے۔ مجبور کرنے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام مان گئے اور بنی اسرائیل کے ستر سر کردہ آدمی اپنے ساتھ لے کر کوہ طور پر پہنچ گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام انہیں سمجھاتے جاتے تھے کہ وہ اپنے اس گستاخانہ مطالبہ سے باز آ جائیں لیکن وہ پھر بھی اپنی بات پر بضد تھے۔

اس معمولی انسان کی خالق کائنات کے سامنے کیا مجال، آسمانی بجلی کا ایک دھماکہ ہوا اور وہ گستاخ اسرائیلی تاب نہ لا کر موت کی بے ہوشی میں چلے گئے۔ دراصل اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا مطالبہ اسکی ذات پاک کے متعلق غلط تخیلات کا نتیجہ ہے۔ بنی اسرائیل اپنے تصور میں رب کائنات کو ایک بہت بڑا انسان سمجھتے تھے۔ عیسائی بھی اسی طرح کے طفلانہ تصورات رکھتے ہیں اور اپنے چرچوں میں رب تعالیٰ کو ایک بڑے سائز کے داڑھی والے بوڑھے مرکزی کردار والی تصویر سے دکھاتے ہیں اور اسی غلط تصور کے نتیجہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رب کا بیٹا سمجھتے ہیں۔ جبکہ حقیقت اس کے بالکل الٹ ہے۔ لاانتہا کائنات کا رب اپنے ہی بنائے ہوئے ایٹمی ذرات کا مجموعہ کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ تو ایسا ہے جیسے قرآن کریم میں بتایا گیا ہے کہ انسانی ذہن اسکا ادراک تک نہیں کر سکتے۔ اسکی ذات کا عکس ہر چیز میں موجود ہے لیکن خود وہ چیزوں سے ماوراء لاانتہا(infinite) حقیقت ہے جس نے زمان و مکان کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ وہی اول، وہی آخر، وہی ظاہر، وہی باطن ہے اس جیسا کوئی اور نہیں۔ انسان کے حواس اور آلات اس قابل نہیں کہ وہ اپنے مالک کا ادراک کر سکیں اس لئے بہت بہتر ہے کہ ہم اسکی تخلیقات پر غور و خوض کریں اور خالق کو اسکی تخلیق سے پہچانیں۔

(For more details please see appendix ii,iii,iv)

87- بنی اسرائیل پر مہربانیاں، من و سلویٰ اور بادلوں کا سایہ:-

سبحان اللہ کہ اپنی لاانتہا ہستی کے باوجود اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت ہی مہربان ہے۔ وہ ان کے مسائل کو اہمیت دیتا ہے، ان سے پیار کرتا ہے، اسے ان کو سزا دینا مقصود نہیں بلکہ اپنی طرف ہدایت دینا ہے۔ چنانچہ کئی دنوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے سرداروں کو اس بے ہوشی کی موت سے اٹھایا اور اس مردہ قلب قوم کو پھر سے ہدایت کی دولت عطا فرمائی۔ اس حیات نو کے مژدہ کے ساتھ ہی انہیں شکرگزار بن کر رہنے کی تلقین کی گئی جس کا انہوں نے وعدہ بھی کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ان پر بادلوں کا سایہ بھی فرما دیا

تاکہ وہ صحرا کی چلچلاتی دھوپ سے محفوظ رہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ صحرا میں انہیں تلاش رزق کی زحمت سے بھی بچادیا اور آسمان سے ان پر ایک ایسا کھانا اترتا جو نہایت شیریں اور فرحت بخش تھا۔ یہ ایسے گرتا جیسے برف پڑتی ہے۔ کاربوہائیڈریٹ کی ضرورت اس سے پوری کی اور پروٹین (لحمیات) کی ضرورت کے لئے بٹیر نما پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ ان کے علاقے میں بھیجے جانے لگے جنہیں وہ نہایت آسانی سے پکڑ لیتے تھے۔ لیکن یہود ان کمال مہربانیوں کے باوجود بھی خوش نہیں تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اپنے فطری لالچ کی بنا پر مزید مطالبات کرنے لگے جن کا ذکر اگلی آیہ کریمہ میں آرہا ہے۔ درحقیقت اس طرح کے مطالبات در مطالبات سے وہ اپنا ہی نقصان کررہے تھے اور یونہی اکثر لوگ اپنی جانوں پر خود ہی ظلم کرتے رہتے ہیں۔

88- شدید شور کے ماحول پر خطرناک نتائج:-

آگے بڑھنے سے پہلے یہاں ایک دو سائنسی نکات پر بھی غور کرنا فائدہ مند ہوگا۔ آیہ مبارک 55-54 میں فرمایا گیا ہے کہ صاعقہ جس کا مطلب شدید ہولناک بجلی کی کڑک ہے نے ان لوگوں کو بے ہوش کردیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ شور کا انسانی اعصاب پر برا اثر پڑتا ہے۔ اس سے ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ بے ہنگم شور وغوغا انسانی صحت کے لئے مضر ہے۔ خصوصاً دماغی خلیات پر ان کا اثر نہایت خراب ہوگا اور اگر بہت شدید اچانک گرج ہو تو انسان اپنے ہوش وحواس بھی کھودیں گے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ آیہ کریمہ کی روشنی میں شور اور ماحول پر اسکے اثرات کے موضوع پر تحقیق کی جائے۔

89- اظہار باری تعالیٰ:-

آیہ مبارک ۵۴ میں بتایا گیا ہے کہ باری تعالیٰ نے اپنی ذات کا اظہار بجلی اور اسکے ساتھ پیدا ہونے والی ہولناک کڑک سے کیا۔ ایک زبردست چمک اور گرج کی لہر آئی، اور وہ بیہوش ہوگئے۔ (ایٹم بم بھی جب پھٹتا ہے تو توانائی کا اخراج شدید برق، چمک، گرج اور گرمی کی لہر کی صورت میں ہوتا ہے) اسی موضوع پر قرآن پاک کی اگر دیگر آیات پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اللہ تبارک تعالیٰ کی ذات کا اظہار اسکی توانائی سے ہوتا ہے۔ سرورِ کائنات سے روایت ہے اللہ تعالیٰ ستر پردوں میں چھپا ہے اگر ایک پردہ بھی اتار دے تو اسکی توانائی سے زمین راکھ ہوجائے۔ کائنات کی بنیادی اکائی بھی توانائی ہی ہے اور مادہ کی کثیف شکلیں بھی توانائی کا مجسم جامد اظہار ہیں۔ توانائی بذات خود کیا ہے؟ سائنس اسے کام کرنے کا ذریعہ سمجھتی ہے لیکن یہ تعریف بھی اسکے کام سے اس کی پہچان ہے، اصلیت کو نہیں بتاتی۔ قرآن کریم سے یہ پتہ چلتا ہے کہ توانائی اپنے رب کے امر کا اثر ہے۔ کن فیکون کا عملی مظاہرہ ہے۔ موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی اس عملی مظاہرہ کو برداشت نہ کرسکے اور بے ہوش ہوگئے۔

90- نہ ظلم کرو ، نہ کیئے جاؤ:-

آیہ مبارک 56 کے آخر میں عمرانیات کے ماہرین کیلئے ایک عمومی اصول دیا گیا ہے، فرمایا " وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ " یعنی اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ انسان خود ہی اپنے اوپر ظلم کرنے والا ہے۔ اس پر جس قدر آفات، مصائب، رنج والم آتے ہیں وہ خود اسکے اپنے اعمال اور نیتوں کا نتیجہ ہوتے ہیں، لہٰذا اگر کسی معاشرہ کی بہتری مطلوب ہے تو انسانوں پر محنت کی جائے کہ وہ اپنی ذات اور دوسروں پر ظلم کرنا چھوڑ دیں اور اپنے اعمال بہتر کرلیں۔ اگر وہ ایسا کرلیں گے تو ہر طرح کی آفات سے بچ جائیں گے، اس لئے کہ جن کو وہ قدرتی آفات کہتے ہیں وہ بھی انہی کے اعمال کا ردعمل ہوتی ہیں۔ دوسری یہ بات بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا جتنا زیادہ شکر یہ ادا کیا جائے اتنا ہی کم ہے۔ اس شکر کے نتیجہ میں انشاء اللہ نعمتوں میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ لیکن قوم یہود تو بنیادی طور پر ناشکری قوم تھی۔ انہوں نے من وسلویٰ اور غمام جیسی بیش بہا نعمتوں کی قدر نہ کی اور موسیٰ علیہ السلام سے صحرا کی آزاد کھلی فضا کو چھوڑ کر کسی شہر میں جا بسنے کا نیا تقاضا شروع کردیا۔ اگلی آیات کریمہ انہی واقعات کی یاددہانی ہیں۔ فرمایا......

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ۚ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ○

58- اور (یاد کرو وہ وقت بھی) جب ہم نے کہا، تم اس بستی میں داخل ہو جاؤ، وہاں جو چاہو رغبت سے کھاؤ۔ لیکن ضروری ہے کہ داخل ہو (شہر پناہ کے) دروازے سے سجدہ کرتے ہوئے، اور کہو، اے اللہ ہمارے گناہ معاف فرما۔ ہم تمہاری خطائیں معاف فرمادیں گے، اور ہم محسنوں کو تو اس سے مزید بھی عطا کریں گے۔

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِىْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ○

59- پس بدل ڈالا ان میں سے جو ظالم تھے اس بات کو اس سے جس کا انہیں حکم نہیں دیا گیا تھا، سو ہم نے ظالموں پر اتارا آسمان سے عذاب، اس وجہ سے کہ وہ متواتر نافرمانی کرنے والے تھے۔

91- کامیابی اور خوشی کے موقع پر طرز عمل:-

جب یہود نے حضرت موسیٰ سے مطالبہ کیا کہ ہمیں کسی شہر لے چلو تو اللہ تعالیٰ نے انکی یہ فرمائش بھی پوری کر دی اور ایک شہر (غالباً بیت المقدس) کی طرف کامیابی سے رہنمائی فرمائی۔ صرف یہ حکم دیا کہ شہر میں عاجزی سے اللہ کی حمد وثناء کے ساتھ داخل ہونا، پرانی خطاؤں سے معافیاں مانگتے ہوئے آگے بڑھنا تا کہ اللہ تعالیٰ تم پر مزید انعام واکرام کرے۔ لیکن وہ یہاں بھی نفس کے بندے نکلے، توبہ اور حمد وثناء کی بجائے فرعونیوں کی طرح شور شرابہ، نعرے بازی، گانے بجانے غرض ہر قسم کی نامعقولات حرکتیں کرتے ہوئے شہر میں داخل ہوئے۔ وہ نافرمان تو تھے ہی لیکن اب حد ہو چکی تھی جسکے نتیجہ میں آسمان سے ان پر سخت عذاب نازل ہوا (استغفر اللہ)۔

ہمیں اس سے سبق حاصل کرنا چاہیے کہ کامیابی اور خوشی کو منانے کا طریقہ عاجزی اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء ہے اور غرباء کی امداد ہے۔ اس کی اعلیٰ ترین مثال فتح مکہ کے موقع پر سرور کائنات ﷺ نے اپنے مبارک طرزِ عمل سے لوگوں کو سکھائی۔ دس ہزار قدسیوں کی فوج آپ کے ساتھ تھی۔ آپ کی اتباع میں سب کے سب سر جھکائے، اللہ کی حمد وثناء کرتے ہوئے، استغفار پڑتے ہوئے شہر میں داخل ہوئے۔ دراصل کامیابی اور خوشی کے موقع پر ڈھول ڈھمکا، شور وشغب، شراب کباب وغیرہ ناشکرے یہود کے طریقے ہیں جن سے مسلمانوں کو بچنا چاہیے۔

92- آسمانی عذاب اور اخلاقی پستی:-

آیۂ مبارکہ میں ایک اہم غور طلب نکتہ عذاب کی نوعیت کے متعلق ہے فرمایا... "فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ"، پس جن لوگوں نے ظلم کیا تھا، ان پر ہم نے آسمان سے عذاب نازل فرمایا"۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ دنیا میں رنج وغم اور عذاب انسان کے اپنے کرتوں کی وجہ سے ہیں یعنی قدرتی آفات کا تعلق انسان کی اخلاقی گراوٹ سے ہے۔ اس سے ہم یہ نتیجہ بھی اخذ کر سکتے ہیں کہ طبیعات کو چلانے والی طاقت مابعد الطبیعات ہے۔ جب کوئی معاشرہ گناہوں میں بڑھتا جاتا ہے، خاص طور پر جب ظلم اور استحصال کی زیادتی ہو جاتی ہے تو ایک حد کے بعد عذاب کا حکم ہو جاتا ہے، اور ایسا عذاب آسمان کی طرف سے نازل ہوتا ہے جس میں زیادہ بارشیں، خشک سالی، شہاب ثاقب کا گرنا، فضائی شعائیں بہت زیادہ گرمی یا سردی، طوفانی ہوائیں اور آندھیوں کا عذاب وغیرہ سبھی شامل ہیں۔ آج کل اوزون (Ozone) کی تہہ ٹوٹ جانے سے بعض علاقوں میں جو سورج کی خطرناک شعائیں پہنچنا شروع ہوئی ہیں وہ بھی کسی بڑے عذاب کا پیش خیمہ ہے۔ اس لئے غیر معمولی آسمانی آفات کو ہمیشہ ہی نہائت سنجیدگی سے لینا چاہیے اور اپنے گناہوں سے توبہ کرتے رہیں۔ اس سلسلہ میں ہماری کتاب (Cosmology and Human Destiny) کا مطالعہ فائدہ مند رہے گا۔

93- گنہگاروں پر خوشحالی ڈھیل کی علامت ہے:-

اگر ہم بنی اسرائیل کی داستان (Case History) پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ خوشحالی اور بدحالی دونوں ہی آزمائش کیلئے ہیں۔ اگر چہ بنی اسرائیل متواتر گنہگار تھے، لیکن اللہ تعالیٰ انہیں پھر بھی اپنی نعمتوں اور فضل سے نوازتا رہا، کبھی سختی کرتا کبھی نرمی۔ یوں حالات میں اتار چڑھاؤ آتا رہا، لیکن جب انہوں نے نافرمانیوں کی انتہا کردی تو پھر اچانک آسمان سے عذاب نازل ہوا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کبھی دے کر اور کبھی لے کر، لوگوں کو شکریہ کا موقع فراہم کرتا ہے۔ گنہگار لوگوں پر اگر خوشحالی ہے تو یہ صرف انہیں شکر گزاری کے لئے ایک مہلت دی گئی ہے۔ اگر پھر بھی وہ گناہوں سے باز نہیں آتے تو یہ ظاہراً خوشحالی ان کے لئے آخری تباہی Ultimate Catasrophy کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ اس لئے توبہ کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے لئے شکر ادا کرتے رہنا چاہئے۔ کسی بھی قوم میں جب تک کچھ لوگ توبہ کرنے والے باقی ہیں وہ آسمانی عذاب سے بچی رہتی ہے۔

عذاب کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام بچے لوگوں کو صحرا کی طرف واپس لے آئے تا کہ ان کی مزید تربیت ہو۔ وہاں ان کی دعاؤں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے پھر ان پر بہت کرم کئے جن کا ذکر آگے آنے والی آیات میں کیا جا رہا ہے۔ فرمایا......

وَ اِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۖ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۖ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۖ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَ لَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝

60- اور (یاد کرو وہ وقت بھی) جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لئے پانی کی دعا مانگی، تو ہم نے فرمایا اپنے عصا سے چٹان کو مارو۔ پس اس سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔ تمام لوگوں نے اپنے اپنے گھاٹ پہچان لئے۔ (ہم نے حکم دیا) کھاؤ پیو، اللہ کے رزق سے اور نہ پھرو زمین میں فساد برپا کرتے ہوئے۔

وَ اِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَ قِثَّآئِهَا

61- اور (یہ بھی یاد کرو) جب تم نے (موسیٰ سے) کہا۔ یا موسیٰ ہم صبر نہیں کرسکتے ایک ہی کھانے پر، پس تم اپنے رب سے ہمارے لئے دعا کرو

وَ فُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ
الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ ؕ
اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ
وَ ضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ وَ الْمَسْكَنَةُ ۚ
وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ
وَ یَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ الْحَقِّ ؕ
ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا یَعْتَدُوْنَ ۟

کہ وہ نکالے ہمارے لئے وہ چیزیں جن کو زمین اگاتی ہے، مثلاً ساگ پات اور ککڑی اور گیہوں اور لہسن اور مسور (دالیں) اور پیاز۔ موسیٰ نے کہا، کیا تم بہتر کو ادنیٰ سے بدل لینا چاہتے ہو؟ تو جاؤ واپس مصر جاؤ، تمہیں مل جائے گا وہاں جو تم مانگتے ہو۔ پس مسلط کر دی گئی ان پر ذلت اور غربت، اور وہ مستحق ہو گئے غصب الٰہی کے۔ یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ وہ مسلسل اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کا انکار کرتے رہے، انبیاء (اکرام) سے ناحق لڑتے رہے۔ یہ اس لئے تھا کہ وہ نافرمان تھے، اور حد سے بڑھ جانے والے تھے۔

94- کوشش دعا کے لئے حیلہ ہے:-

آیہ مبارک 60 کوشش اور تقدیر کے مسئلہ کو واضح کرتی ہے۔ اگرچہ قوم نافرمان، حجت باز اور ناشکر گزار تھی لیکن جب شہر سے دوبارہ صحرا میں آنا پڑا تو ان کی حالت زار کے پیش نظر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے لئے پانی کی دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ **فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ۔ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَیْنًا۔** ''کہا چٹان کو اپنے عصا سے مارو۔ پس نکل پڑے اس میں سے بارہ چشمے''۔ اس میں قابل غور بات یہ ہے کہ اگرچہ یہ معجزہ دعا کے نتیجہ میں ہوا لیکن اس کے لئے بھی کوشش کو ضروری قرار دیا۔ ظاہر ہے کہ عصا چٹان کو توڑ نہیں سکتا تھا لیکن پھر بھی حکم ہوا ''اپنے عصا سے چٹان کو مارو'' یعنی دعا کے ساتھ ساتھ کوشش کو لازمی قرار دے دیا۔ چنانچہ خالی خولی دعا جس میں انسانی محنت شامل نہ ہو کی قبولیت اللہ کی سنت نہیں۔ وہ جو چاہے کر سکتا ہے لیکن اس کا اصول یہی ہے کہ ''دعا کو اپنی محنت کے پر لگاؤ''۔ یعنی دعا کے ساتھ ساتھ جس قدر ہو سکے کوشش بھی کرتے رہو۔ دراصل کوشش حیلہ ہے سبب نہیں اور دعا میں اخلاص کا عملی ثبوت ہے۔ کام تبھی ہوتا ہے جب اللہ چاہے لیکن رب العزت اپنے بندے کو اپنے کاموں میں شامل کرنا چاہتا ہے تاکہ اسکی بھی عزت افزائی ہو جائے۔ سبحان اللہ، کہ وہ کتنا قدر دان ہے۔

(For more details please see appendix)

95- فساد سے اجتناب اوراحترام الارض:-

حضرت موسیٰ کی قوم 12 قبیلوں پر مشتمل تھی۔ ہر قبیلہ کو ایک ایک پانی کا چشمہ الاٹ کر دیا گیا تا کہ پانی پر باہمی نزاع نہ کھڑا کریں۔اس مہربانی کے ساتھ ہی انہیں حکم دیا گیا۔ **ولا تعثوا فی الارض مفسدین** " اور زمین میں فساد مچاتے نہ پھرو"۔ یہ دنیا بھر کے انسانوں کے لئے ایک عمومی حکم ہے کہ زمین کا احترام کرو۔ زمین کا احترام یہ ہے کہ اس میں امن قائم کرو، اس کی پیٹھ پر کوئی غیر فطری کام نہ کرو، ظلم اور زیادتی سے بچو اور اس پر قائم شدہ توازن کو خراب نہ کرو۔ مثلاً اس کے درختوں کو خواہ مخواہ نہ کاٹو، اس کے پانیوں کو ضائع نہ ہونے دو، اس کی فضاؤں کو صاف ستھرا رکھو، اس پر رہنے والی مخلوقات کو تنگ نہ کرو، اس پر رہتے ہوئے شرعی قوانین کو نہ توڑو، غرض ہر قسم کے فساد سے بچو۔ حضور سرور کائنات ﷺ سے روایت ہے کہ زمین سے ڈرو، یہ اپنے اوپر کئے ہوئے ہر گناہ کی گواہ ہے اور سورۃ زلزال میں ارشاد ہے کہ روز قیامت زمین اپنے اندر سے سب کچھ نکال کر باہر رکھ دے گی۔

(For more details please see appendix x,xi)

96- ناشکری اور طمع کی سزا:-

آیہ مبارک 61 ایک دفعہ پھر یہود کے حوالہ ہی سے کچھ بڑے اہم اصولوں کی طرف توجہ مبذول کراتی ہے اور اس کے خوفناک نتائج سے ہمیں متنبہ کرتی ہے۔ **وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۔ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ** یعنی اس آیہ مبارک میں معاشرتی علوم (Socialogy) کی سائنس کے متعلق بڑے اہم قانون واضح کر دیئے گئے ہیں اور قوموں کے زوال کی وجوہات کھول کر رکھ دی گئی ہیں۔ اس میں اہم ترین بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آیات سے کفر نہ کیا جائے۔ اس میں قرآن پاک کی آیات اور کائنات کی آیات سبھی شامل ہیں۔ جو قوم اللہ تعالیٰ کی ان آیات پر غور و فکر اور عمل نہیں کرتی وہ بالآخر ذلیل و خوار ہو جائے گی۔ دوسری اہم بات یہ فرمائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حدود کو توڑنے سے بچا جائے اور اس کے نبیوں سے جنگ نہ کی جائے۔ مثلاً قرآن پاک میں یہ کھل کر بتایا گیا ہے کہ سود کھانا اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے کے مترادف ہے لیکن اکثر مسلمان جانتے بوجھتے اس حکم سے اجتناب کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ آیہ مبارک 61 اس بات پر بھی تنبیہ کرتی ہے کہ قوم اسرائیل کی طرح نہ ہو جاؤ جو ہر وقت مزید کی خواہش کرتے رہتے اور ہوس کی وجہ سے کسی بات پر مطمئن نہیں ہوتے تھے۔ بالکل آج کل کے لوگوں کی طرح کہ اللہ تعالیٰ نے جو دیا ہے اس کا شکر نہ ادا کرنا لیکن جو اوروں کے پاس ہے اس کی طمع کرتے رہنا۔ جس قوم میں بھی یہ باتیں ہوں گی وہ ذلت اور غربت کا شکار ہو جائے گی۔ اگلی آیہ کریمہ میں یہود کی غلط روی اور غلط نظریات کے خلاف لوگوں کو صحیح طرز زندگی اپنانے کی ہدایت کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ مذہب پرستی کوئی چیز نہیں اصل مذہب اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اسکے احکام پر عمل میں ہے۔ یہ آیت کریمہ نوع انسانی کیلئے ایک تحفہ ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِیْنَ هَادُوْا
وَ النَّصٰرٰی وَ الصّٰبِـِٕیْنَ
مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ
وَ عَمِلَ صَالِحًا
فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ
وَ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ○

62- بے شک جو ایمان لائے ہیں، یعنی مسلمان ہوئے، اور وہ جو یہود اور نصاریٰ اور دیگر مذاہب والے ہیں، جو کوئی بھی (ان میں سے سچے دل سے) ایمان لایا، اللہ پر اور یوم الآخرت پر، اور نیک عمل کرتا رہا، پس ان کے لئے اجر ہے، ان کے رب کے پاس۔ اور نہیں ان کے لئے کوئی خوف اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔

97- فلاح پر کسی مذہب کی اجارہ داری نہیں:-

آیہ مبارک 62 اس بات کا اعلان ہے کہ اللہ کی رضا پر کسی مذہب کی اجارہ داری نہیں۔ اپنے نام کے ساتھ کسی بھی مذہب کا لیبل لگالیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا، اصل بات ایمان اور صالح عمل ہے ۔ یہودی کہتے ہیں کہ وہ اللہ کا مخصوص گروہ ہیں، برہمن کہتے ہیں کہ وہ سب سے اعلیٰ ہیں، عیسائی کہتے ہیں کہ صرف عیسائی ہونے میں نجات ہے، مسلمانوں میں بھی ایسے ہیں جو محض اپنے فرقہ کے نام پر جنت کی ٹھیکیداری کا دعویٰ کرتے ہیں، غرض دنیا میں ہر مذہب کے ماننے والے اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ وہ صرف اپنے مذہب کی بنا پر اللہ کو راضی کرلیں گے اور جنت صرف انہی کیلئے ہے۔ آیہ مبارک 62 ان سب کی نفی کرتی ہے۔ فرمایا" **مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ۔ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ** یعنی جو کوئی بھی سچے دل سے اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر یقین لایا اور زندگی میں نیک عمل کرتا رہا" اس کا بیڑا پار ہوگیا۔ وہ کامیاب ہوگیا، اس نے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کر لی اور اس کو کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں۔

دراصل اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ وہ کسی پر اسکی استطاعت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ مثلاً، ایک آدمی ایسے معاشرہ میں رہتا ہے جہاں اسلام کی روشنی نہیں پہنچی تو اسلام اسکی استطاعت سے باہر ہے، یا ایک ایسا شخص ہے جسے کبھی اسلام کی دعوت ہی نہیں دی گئی جس وجہ سے وہ اسلام سے محروم ہے۔ آیہ مبارک 62 کے نفس مضمون سے ظاہر ہوتا ہے کہ انشاء اللہ ایسے لوگ بھی قابل معافی ہیں بشرطیکہ وہ خلوص کے ساتھ اپنے نبی کی شریعت کے کاربند ہوں۔ لہٰذا عین ممکن ہے کہ جنت میں ہمارے کئی غیر متوقع پڑوسی ہوں۔ اصل مسئلہ مذہب پرستوں کا ہے وہ سخت دھوکے میں ہیں وہ مذہب کے نام پر اللہ تعالیٰ کی ذات پاک سے شرک کرتے رہتے ہیں حالانکہ مذہب پرستی دین نہیں بلکہ فساد ہے۔ اصل دین جیسے فرمایا گیا ہے اللہ تعالیٰ پر سچے دل سے ایمان، اسکی رضا کے لئے عمل صالح اور اسکے نام پر اطاعت ہے۔

98- کیا دیگر مذاہب کے لوگ بھی جنت میں جائیں گے:-

یہ سوال اکثر پوچھا جاتا ہے کہ ان لوگوں کا کیا ہوگا جو اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب میں پیدا ہوتے ہیں؟ ہم چونکہ فیصلہ کرنے والے نہیں اسلئے صحیح جواب تو یہی ہے کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے ۔لیکن آیہ مبارک 62 ہماری رہنمائی کرتی ہے کہ اگر وہ لوگ اللہ تعالیٰ اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں اور اپنے نبی کی شریعت کے مطابق اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر نیک اعمال کرتے ہیں تو ان کیلئے کوئی خطرہ نہیں، بشرطیکہ انہیں حضورﷺ کی رسالت کا علم نہ ہو، اسلئے کہ پہلے نبیوں کا دین بھی اسلام ہی تھا۔

اللہ تعالیٰ کا یہ اصول ہے کہ وہ انسان کا حساب اس کی استطاعت کے مطابق ہے ۔ آیۃ مبارکہ (286)2 میں فرمایا ......
لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۔لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ..... یعنی اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی استطاعت اور قابلیت سے زیادہ امتحان میں نہیں ڈالتا۔ لہٰذا اگر کسی آدمی تک دین اسلام پہنچایا ہی نہیں گیا تو وہ کافر نہ ہوا۔ کافر تو تب ہوتا جب دین پہنچایا جاتا اور وہ انکار کرتا۔ ایسا آدمی اگر اپنے نبی کی شریعت پر عمل پیرا ہو کر اللہ تعالیٰ اور آخرت کو مانتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے تو ہم اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑتے ہیں اور امید رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اسے بخش دیں گے۔ لیکن موجودہ معلوماتی دور (information age) میں شاید اب یہ حجت باقی نہیں رہی۔ لہٰذا کافر جس پر حضور سرورِ کائنات ﷺ کی رسالت کا پیغام اچھی طرح پہنچ چکا ہے لیکن پھر بھی وہ صراط مستقیم پر نہیں آتا تو اس کی بخشش نہیں ہوگی (الا ماشاء اللہ)۔

حقیقت یہ ہے کہ **اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ** ۔(سورۃ عمران آیت 19)۔ ''بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے''۔ تمام نبیوں کا دین بھی اسلام ہی تھا لہٰذا یہ مسلمانوں کا فرض ہے کہ دنیا کے ہر انسان تک اللہ کے دین کی دعوت کو اچھی طرح پہنچائیں۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو انسانیت کا ان پر حق رہ جاتا ہے جس کے لئے وہ قابل مواخذہ ہوں گے۔ ہوسکتا ہے کہ آج کے مسلمانوں پر بہت سے مصائب کی وجہ بھی یہی ہو کہ وہ اپنا فرض تبلیغ ادا نہیں کررہے۔ اس میں مسلمانوں کے لئے بھی ایک سبق ہے کہ اسلام کسی مذہب کا نام نہیں، بلکہ اسکا مطلب ہے ''اللہ تعالیٰ کی غلامی (Submission to Allah) قبول کرنا اور اسکا دوسرا مطلب ہے امن (peace)۔ اس لئے اگر ہماری عبادات اور رسومات ہمیں اللہ تعالیٰ کا عبد نہیں بناتیں اور ہم معاشرہ میں فتنہ پیدا کرنے کا باعث ہوتے ہیں تو پھر ہم اسلام نہیں بلکہ اپنے ہی کسی خود ساختہ مذہب کی پیروی کرتے ہیں۔ جس کا ہوسکتا ہے کچھ بھی بدلا نہ ملے۔

99- غم فکر اور ایمان کی پہچان:-

آیۃ مبارکہ میں ایمان اور اعمال کے صحیح ہونے اور ان کی مقبولیت کے جانچنے کا فارمولا بھی دیا گیا ہے۔ اکثر کہا جاتا ہے کہ یہ تو مرنے کے بعد ہی پتہ چلے گا کہ کوئی کہاں تک مسلمان ہے۔ ہاں یہ ٹھیک ہے کہ موت انسان کو حق الیقین اور عین الیقین کی حدود تک لے جاتی ہے لیکن زندگی میں بھی حق اور ناحق کا کسی حد تک پتہ چل جاتا ہے۔ جس کا فارمولا **''وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ''** ہے

بلا شبہ یہ آیہ مبارک حیات بعد الموت میں مومنین کے حالات کے متعلق خوشخبری ہے لیکن اسکے اثرات دنیا میں بھی ظاہر ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔یعنی مومنین اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے والے ہوتے ہیں اس لئے بلا وجہ خوف، بے اطمینانی اور غم سے بچے رہتے ہیں۔اگر دل پر دنیاوی پریشانیوں کا بوجھ رہتا ہے، بلا وجہ پریشانیاں ہیں اور طبیعت ہمیشہ مکدر رہتی ہے تو ہو سکتا ہے کہ ہمارے ایمان اور عمل کی کمزوری کی وجہ سے ہو۔دل میں جس قدر دنیاوی چیزوں کا ہیجان برپا ہے اسی قدر ایمان کی کمی ہوتی ہے۔یہ نہیں کہ مومن کو تکالیف نہیں، بلکہ ایمان کے امتحان کی وجہ سے کچھ زیادہ ہی ہوتی ہیں لیکن فرق یہ ہے کہ مومن کی تکالیف اس کی روح کو پراگندہ نہیں کرتیں۔وہ واویلا نہیں کرتا، صبر اور شکر کے ساتھ جو کچھ پیش آتا ہے اسے برداشت کرتا ہے، بلکہ مشکل حالات میں تو اسکا دل اللہ تعالیٰ کی طرف اور زیادہ متوجہ ہوتا ہے۔اس لئے تکلیف کے باوجود اس کی روح خوف اور غم سے آزاد رہتی ہے۔اگلی آیات کریمہ ایمان اور اعمال کے امتحان کے متعلق ہیں۔روئے سخن اگرچہ یہود کی طرف ہے لیکن احکامات کا اطلاق تمام انسانیت پر ہوتا ہے۔فرمایا......

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَ رَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَاۤ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّ اذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ○

63- اور یاد کرو (وہ واقعہ بھی) جب ہم نے تم سے پکا وعدہ لیا اور کوہ طور کو ہم نے تمہارے اوپر بلند کیا، (اور حکم دیا) پکڑلو مضبوطی سے جو ہم نے تمہیں دیا ہے، اور ان (احکام کو) یاد کرتے رہو تا کہ تم متقی بن جاؤ۔

ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ○

64- اس کے بعد بھی تم پھر گئے اپنے وعدہ سے (یادرکھو) اگر اللہ تعالیٰ کا تم پر خصوصی فضل نہ ہوتا، اور اس کی خاص رحمت نہ ہوتی؛ تو تم لازمی سخت نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوتے۔

وَ لَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ ○

65- اور تم یقیناً جانتے ہو انہیں بھی، جنہوں نے نافرمانی کی تھی تم میں سے سبت (ہفتہ کے دن) کی، تو ہم نے حکم دیا ان کے لئے "ہو جاؤ بندر ذلیل وخوار"۔

فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَ مَا خَلْفَهَا وَ مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ○

66- اسطرح ہم نے بنادیا اس (واقعہ) کو اس زمانہ کے لوگوں اور انکے بعد آنے والوں کیلئے عبرت کا نشان؛ اور ڈرنے والوں کیلئے نصیحت۔

100- پکا وعدہ:-

آیتہ مبارکہ 63 میں بنی اسرائیل کی تاریخ کے ایک عظیم واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ یہ ان دنوں کا واقعہ ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل ہو چکی تھی لیکن قوم اس پر عمل کرنے سے انکاری تھی۔ آپ نے قوم اسرائیل کو کوہ طور کے سائے میں اکٹھا کیا۔ یہ بلند پہاڑ ان کے اوپر جھکا چاہتا تھا۔ ایسے لگ رہا ہوگا کہ ابھی ان پر گرنے والا ہے۔ اس پر شکوہ ماحول میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے مقدس تورات پر مضبوطی سے عمل پیرا ہونے کا وعدہ لیا تا کہ وہ ایک متقی قوم بن جائیں۔ آج یہی حکم مسلمانوں کے لئے ہے کہ وہ قرآن حکیم کو مضبوطی سے پکڑے رکھیں۔ یعنی اپنی زندگیوں میں اسکے احکامات، ارشادات اور فلسفہ حیات پر سختی سے کاربند رہیں۔ یعنی خالی تلاوت یا ختم پر ختم سے بات نہیں بنے گی۔ شرط نصیحت پکڑنا اور پھر اس نصیحت پر عمل کر کے متقی بن جانا ہے یہودی بھی تورات کو بہت پڑھتے تھے لیکن آیات کی حسب مرضی تاویلیں کر لیتے تھے مثلاً انہیں واضح طور پر معلوم تھا کہ خاتم النبیین ﷺ آنے والے ہیں اور آپ ﷺ کے آنے کا انہیں ہی سب لوگوں سے زیادہ انتظار بھی تھا لیکن جب آپ ﷺ بنی اسرائیل کی بجائے بنی اسماعیل میں سے ظاہر ہوئے تو ماننے سے صاف انکار کر دیا۔ اسی طرح سود کی حرمت ہے۔ یہود بھی سختی سے سود خوری سے منع کئے گئے تھے لیکن انہوں نے غیر یہود سے سود خوری کو جائز بنا لیا۔ صرف باہمی سود کو حرام سمجھا۔ اسی طرح کئی ایک حلال چیزوں کو انہوں نے اپنے لئے حرام کر لیا اور کئی ایک حرام چیزوں کو حلال بنا لیا۔ افسوس کہ آج کل مسلمان بھی یہود کی طرح سود کھاتے ہیں اور دین کی من پسند تاویلات کرتے ہیں یہ اتنے بڑے گناہ گار ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کا ہم پر خاص فضل نہ ہوتا تو اس گستاخی کی بنا پر بہت بڑا عذاب آ چکا ہوتا۔

101- انہیں اللہ تعالیٰ کیلئے فرصت نہیں:-

آیتہ مبارکہ 65 میں یہود کی سبت کی حرمت کو توڑنے کی سزا کا ذکر ہے۔ اگر چہ اللہ تعالیٰ کا حق بندے پر ہے کہ وہ ہمیشہ اس کی بندگی میں زندگی گزارے۔ جیسے ارشاد ہے **"وما خلقت الجن ولا نس الا لیعبدون"** "ہم نے جن وانس کو نہیں پیدا کیا مگر عبادت کے لئے" چنانچہ شریعت موسیٰ علیہ السلام میں بھی یہی تھا کہ یہود اللہ کی ہر روز عبادت کریں لیکن انہوں نے کاروبار اور مال و دولت کے بہانے یہ کہا کہ ہم چھ دن کاروبار کریں گے اور ساتویں دن یعنی سبت کے دن عبادات کیا کریں گے۔ لیکن وہ اپنے اس وعدہ کو بھی نبا نہ کر سکے۔ کاروباری اور دنیاداری مصروفیات میں الجھ کر سبت کے دن بھی اللہ تعالیٰ کے لئے وقت نہ نکالتے بالکل ایسے ہی جیسے آج کل بہت سے مسلمان پانچ وقت نماز تو دور کی بات ہے جمعہ پڑھنے کے لئے بھی فارغ نہیں ہوتے۔

102- شکلوں کا مسخ ہو جانا:-

جب کوئی انسان آخری حد تک دنیاداری میں پھنس جاتا ہے تو وہ انسانیت کے درجے سے بہت نیچے گر جاتا ہے اور اسے مقصد انسانیت سے دور دور کا بھی واسطہ نہیں رہتا۔ ایسے لوگوں کی روح تو کیا شکلیں بھی مسخ ہونے لگتی ہیں۔ انہی کے لئے حکم ہے **"كُونُوا قِرَدَةً"**

خٰسِئِیْنَ ''ہوجاؤ بندر ذلیل وخوار''اس حکم کے ساتھ ہی یہود میں سے ایک نافرمان گروہ جن کا باطن تو پہلے ہی سے بندروں کی طرح ذلیل تھا، اب لوگوں نے ان کے ظاہر کو بھی ایسا ہی دیکھ لیا۔ ان کی شکلیں مسخ ہوگئیں اور وہ واقعی بندروں کی طرح ہو گئے۔ یہ ایک نہایت عبرت ناک سزا تھی تاکہ دوسرے لوگ اللہ کے احکامات کو مذاق نہ سمجھیں۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان کے اعمال کے مطابق ہی انسان کی شخصیت بنتی ہے۔ اگر اعمال میں لالچ، حرص، ظلم درندگی زیادہ ہے تو پہلے وہ اپنے باطن میں درندہ بن جاتا ہے پھر شکل سے درندگی ٹپکنے لگتی ہے۔ چالاک جھوٹے اور مکار لوگ لومڑی کی شکل کے ہو جاتے ہیں، لوگوں کو چھپ کر کاٹنے والا سانپ کی طرح بن جاتا ہے، بے حیا مانند سؤر ہو جاتے ہیں، لالچی لوگ بندروں کے سے ہو جاتے ہیں۔ اگر کوئی دیکھنے والی آنکھ ہو تو یقیناً اسے بازاروں میں آج کل انسان تو خال خال ہی نظر آئیگا۔

قبر میں جاتے ہی ظاہر مٹ جاتا ہے اور باطن کھل جاتا ہے وہاں لوگ اپنے اپنے اعمال کی شکلوں میں چلے جاتے ہیں کاش کہ جب تک اس دنیا میں پردہ پوشی ہے، ہم سدھر جائیں۔ مشہور نومسلم عالمِ قرآن اور محدّث محترم محمد اسد لیوپولڈ اپنے اسلام لانے کے واقعہ میں لکھتے ہیں کہ وہ ٹرین میں بیٹھے قرآن کریم کی انہی آیات پر غور کر رہے تھے کہ ان پر باطن ظاہر ہو گیا اور ٹرین میں اب انہیں وہاں کوئی انسان نظر نہیں آ رہا تھا بلکہ مختلف قسم کے درندے بیٹھے نظر آ رہے تھے۔ وہ ڈر کر اگلے ہی سٹیشن پر اتر گئے اور اسکے تھوڑے دنوں بعد باقاعدہ اسلام قبول کرلیا۔ بندر جیسی شخصیت کی نمایاں بات چالاکی، حجت بازی اور ڈھٹائی ہوتی ہے اور یہودی ذہن کا بھی یہی خاصہ ہے۔ اگلی آیات کریمہ ایسے ہی لوگوں کے مختلف ذہنی پہلوؤں کو اجاگر کرتی ہیں۔ پورا واقعہ نہائت قابل غور ہے اور حجت باز لوگوں کیلئے تو خصوصاً سبق آموز ہے۔ اس سورۃ کا نام بقرہ بھی انہی آیات کی وجہ سے ہے، جن سے ان کی اہمیت مزید واضح ہو جانی چاہیے۔

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ○	67-	(اور یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا' اللہ تمہیں ایک گائے کے ذبحہ کرنے کا حکم دیتا ہے' کہنے لگے' کیا تم ہم سے مذاق کرتے ہو؟ (موسیٰ نے) کہا' میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ جاہلوں کی سی بات کروں۔
قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّ لَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ؕ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ○	68-	کہنے لگے آپ اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں بتائے کہ کیسی ہے وہ گائے؟ (موسیٰ نے) کہا، کہ وہ فرماتا ہے ''وہ ایک گائے ہے، جو نہ بوڑھی ہے، نہ بالکل بچہ ہے (بلکہ) درمیانی عمر کی ہے پس تم بجالاؤ جو حکم تمہیں دیا جارہاہے''۔
قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ	69-	وہ کہنے لگے، اپنے رب کو پکارو ہمارے لئے کہ وہ ہمیں بتائے کہ اس کا رنگ کیسا ہے؟ موسیٰ نے کہا ''ایک گائے ہے، خوب گہرے زرد رنگ کی گائے ہے،

لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ○

دیکھنے والوں کو بھلی معلوم ہوتی ہے"
(لیکن حجت بازی سے وہ پھر بھی باز نہ آئے)۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ؕ وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ○

70- بولے کہ اپنے رب کو پکارو ہمارے لئے کہ کھل کر بیان کرے کہ وہ گائے کیسی ہے؟ بے شک گائے میں ہمیں شک پڑ گیا ہے۔ اور بے شک اگر اللہ نے چاہا تو ہم ضرور ہدایت پائیں گے۔

قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ؕ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ؕ فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ○

71- موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ (اللہ) فرماتا ہے کہ "وہ گائے ہے، جس سے خدمت نہیں لی گئی زمین میں ہل چلانے کی، اور نہ کھیتی کو پانی دینے کی، وہ (گائے) بے عیب ہے۔ اس میں کوئی داغ نہیں"۔ (بالآخر) وہ کہنے لگے، اب آپ لائے صحیح پتہ۔ پھر انہوں نے (اسے) ذبح کیا، حالانکہ وہ ایسا نہیں کرنا چاہتے تھے۔

103- دین میں حجت بازی:-

مندرجہ بالا آیات منافقین کے ذہن کی عکاسی کرتی ہیں۔ بات سیدھی سادی تھی۔ موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنی قوم کو گائے کی قربانی کا کہہ رہے تھے لیکن وہ ایسا نہیں کرنا چاہتے تھے۔ ابھی تک وہ اپنے پرانے آقاؤں کے رسم و رواج اور مذہب کو اپنے دل سے نکال نہیں سکے تھے۔ جیسے کہ پہلے بھی ذکر ہوا ہے فرعون گائے کو مقدس سمجھتے تھے اور ہندوؤں کی طرح اس کے ذبح کرنے کے خلاف تھے۔ اسرائیلی باوجود کہ وہ اب دین حق میں داخل ہو چکے تھے لیکن گائے کا تقدس بدستور ان کے دلوں میں موجود تھا۔ تھوڑا ہی عرصہ پہلے انہوں نے سامری کے پیچھے لگ کر بچھڑے کو معبود بنا لیا تھا۔ اب جب اس تقدس کو ختم کرنے کے لئے کہا گیا کہ گائے کو ذبح کرو تو وہ یہ کرنا نہیں چاہتے تھے، نہ ہی ان میں انکار کی ہمت تھی۔ اس لئے انہوں نے حجت بازی شروع کر دی اور طرح طرح کے فضول سوال کرنے لگے۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام صبر و تحمل کے ساتھ ان کی ایک ایک بات کا جواب دیتے رہے۔ بالآخر جب انکے پاس کوئی چارہ نہ رہا تو وہ گائے کو ذبح کرنے پر تیار ہوئے۔ حالانکہ وہ ایسا نہیں کرنا چاہتے تھے۔

آیہ مبارک سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ دین کے مسائل میں خواہ مخواہ حجت بازی اور بے فائدہ سوالات کرنے کی بجائے جو حکم ہو اس پر بلا چون و چرا عمل کیا جائے۔ فضول سوالات اکثر انہی کا شیوہ ہے جو حکم پر عمل سے دل چراتے ہیں اور یہ یہودی کریکٹر کی ایک نشانی ہے

104- مبلغین اور علماء کیلئے مثال:-

ان آیات میں مبلغین، علماء اور اساتذہ کرام کے لئے بھی سبق ہے کہ جاہلوں کے ساتھ بحث مباحثہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح بردباری کا ثبوت دینا چاہیے۔ اگرچہ معلوم بھی ہو کہ سوال کرنے والے کی نیت میں فتور ہے پھر بھی تحمل سے بات سنی جائے اور صبر کے ساتھ اس کا جواب دیا جائے۔ غور فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ کس قدر بردبار اور تحمل والے ہیں۔ سبحان اللہ کہ دلوں کا بھید جانتے ہیں لیکن پھر بھی بنی اسرائیل کو مطمئن کرنے کے لئے ان کے ایک ایک سوال کا جواب دیتے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ آیات کریمہ مقتدی اور مقتدا دونوں ہی کے لئے نہایت قابل غور ہیں اور ان میں بہت بڑا سبق ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ مضمون کی اہمیت کے پیش نظر قرآن کریم کی اس عظیم سورت کا نام گائے کی نسبت سے البقرہ رکھا گیا ہے۔ اگلی آیات کریمہ انہی آیات کا تسلسل ہیں۔

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ؕ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝

72- اور (تم اس بات کو بھی یاد کرو) جب تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا۔ پھر اس میں ایک دوسرے پر الزام تراشی کرنے لگے، اور اللہ تعالیٰ اس کو باہر نکالنے والا تھا جو کچھ تم چھپاتے تھے۔

فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝

73- پس ہم نے فرمایا، اسے ضرب مارو اس کے کسی حصہ سے۔ اور اللہ تعالیٰ یونہی مردوں کو زندہ کرتا ہے۔ اور وہ تمہیں دکھاتا ہے اپنی نشانیاں، تا کہ تم عقل پاؤ۔ تفکر و تدبر سے کام لو۔

105- قتل ناحق:-

کسی معاشرہ کے بگاڑ کی انتہا یہ ہے کہ وہاں کوئی قتل ہو جائے اور لوگ اصل قاتل کو چھپانے کی خاطر ایک دوسرے پر الزام تراشی شروع کر دیں اور قاتل کی بجائے دوسرے لوگوں کو پھنسانے کی کوشش کریں۔ بنی اسرائیل میں کچھ ایسا ہی معاملہ ہوا۔ ان میں ایک آدمی مارا گیا لیکن منافقت کی بنا پر انہوں نے باہمی جھگڑے فساد اور ایک دوسرے پر الزام تراشی سے معاملہ کو اس قدر الجھا دیا کہ قاتل کو ڈھونڈنا ناممکن ہو گیا لیکن اللہ تعالیٰ کا قانون عدل ہے کہ قتل چھپا نہیں رہتا۔ بعض اوقات تو مقتول کے شواہد خود بولتے ہیں کہ اصل قاتل کون ہے یہ اور بات ہے کہ بگڑے ہوئے معاشرہ میں بدنیتی کی بناء پر ادھر توجہ نہیں دی جاتی۔

106- قتل بولتا ہے:-

آیتہ مبارکہ سے پتہ چلتا ہے کہ جب یہود نے قتل کے معاملہ کو انتہائی پیچیدہ بنا دیا تو ایک معجزہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ مقتول کے جسم کے کسی حصہ کو ضرب دو۔ ایسے ہی جیسے ہم کسی کو گہری نیند سے جگانے کے لئے کرتے ہیں۔ یہ بات کہ چوٹ کس چیز سے لگائی گئی قرآن کریم سے پتہ چلتا ہے کہ یہ اس گائے کے جسے ذبح کرنے میں یہود تامل کر رہے تھے، اسی کے ایک ٹکڑے سے لگائی گئی تھی۔ بہر حال معجزہ معجزہ ہوتا ہے۔ اس میں ذرائع اہم نہیں ہوتے۔ وہ مقتول اٹھ پڑا اور اس نے خود اپنے قاتل کا نام بتایا۔ یوں لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی دو نشانیوں کو ملاحظہ کیا۔ ایک یہ کہ قتل کبھی چھپتا نہیں اور دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مردہ کو زندہ کرنا کس قدر آسان کام ہے اور یہ کہ آخرت میں بھی وہ مخلوق کو ایسے ہی زندہ کر دے گا جیسے کسی کو نیند سے جگاتے ہیں۔

107- سائنس کی ترقی اور مردوں کا زندہ ہونا:-

یہاں ایک اہم سائنسی نکتہ یہ ہے کہ اسباب کی دنیا میں یہ واقعہ کیسے رونما ہوا؟ یہ ایک سائنسی بات ہے جس پر غور کرنا چاہیے۔ ہوسکتا ہے کہ گائے کے بعض حصوں میں انسانی قبولیت ہو اور حیوانات کے اعضا کی انسان کے جسم میں پیوند کاری کی سائنس شاید گائے سے شروع ہو۔ یہ ایک خیال ہے۔ لیکن جیسے کہا گیا ہے معجزہ معجزہ ہی ہوتا ہے اور وہاں اسباب کا اصول ضروری نہیں۔

جہاں تک حیات بعد الموت کا تعلق ہے اگرچہ بیک وقت تمام مردوں کا زندہ ہونا تو قیامت کو ہی ہوگا لیکن اس دنیا میں بھی کبھی کبھی اللہ تعالیٰ نے مردوں کو زندہ کیا ہے۔ لہٰذا مردہ کا زندہ ہونا کوئی امر محال نہیں۔ چونکہ اب کوئی نبی نہیں آئے گا اس لئے اب معجزات کا زمانہ نہیں رہا۔ لیکن یہ ہوسکتا ہے کہ سائنسی ترقی سے بھی ایسا ہی کوئی معجزہ ہو جائے اور سائنس دان کسی مردہ کو زندہ کر لیں۔ اگر ایسا ہوتا ہے تو یہ بالکل انہی واقعات کا اعادہ ہوگا جو پہلے بھی ہو چکے ہیں اور حیات بعد الموت کا اٹل ثبوت ہوں گے۔ موجودہ سائنس اس کوشش میں ہے کسی مردہ کے جسم کے ذرات (Cells) کو لیا جائے اور جیسے بیج کو پانی اور مٹی میں اگایا جاتا ہے اسی طرح اس سیل (Cell) کو بھی مناسب ماحول مہیا کر کے لیبارٹری میں پرورش کا موقع دیا جائے جیسے باپ کا جرثومہ ماں کے پیٹ میں بڑھنے لگتا ہے۔ یہ عین ممکن معلوم ہوتا ہے کہ ایسا ہو کر رہے تو یہ قرآن حکیم کی سچائی کا ایک اور ثبوت ہوگا لیکن یہ حیات بعد الموت بھی عارضی طور پر ہوگی مستقل حیات بعد الموت صرف اور صرف یوم الدین کے وقت ہی ہوگی۔

For detail please see appendix xiv,xii

جیسا کہ آیتہ مبارکہ 73 میں فرمایا گیا ہے۔ قرآن کریم کی ایسی نشانیاں انتہائی قابل غور اور سبق آموز ہیں لیکن ان سے صرف وہی لوگ سبق لیں گے جو واقعی عقل سلیم رکھتے ہیں۔ بے شمار لوگ تو ایسے ہیں جن پر ایسی باتوں کا کوئی بھی اثر نہیں ہوتا۔ اگلی آیہ کریمہ میں ایسے ہی لوگوں کا ذکر ہے جن کے دل مردہ ہو جاتے ہیں۔ فرمایا.......

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ
فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ۚ وَاِنَّ مِنَ
الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ۚ وَاِنَّ
مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ۚ وَ
اِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۚ وَ
مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○

74- پھر اس کے بعد بھی تمہارے قلوب سخت ہو گئے،
جیسے کہ وہ پتھر کے تھے، بلکہ سختی میں ان سے بھی
بڑھے ہوئے، اور بے شک پتھروں میں تو کئی
ایسے بھی ہیں جن سے نہریں پھوٹ پڑتی ہیں۔
اور کوئی ان میں ایسا بھی ہے کہ پھٹ پڑتا ہے، اور
نکلتا ہے اس میں سے پانی۔ اور کوئی ان میں سے
ایسا بھی ہے کہ گر پڑتا ہے، اللہ کے خوف سے۔
اور جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ اس سے غافل نہیں۔

108- دلوں کی سختی:-

آیۃ مبارکہ 74 کافر اور منافق شخص کی سرشت (Psychology) کا نہایت ہی خوبصورت نقشہ پیش کر رہی ہے۔ یہ ان آیات میں سے ہیں جن کے مطالب بیان نہیں ہو سکتے صرف محسوس ہی کیئے جاسکتے ہیں اور وہ بھی ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ بعض انسان سنگ دل ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت کہ ہدایت ان کے اوپر اثر نہیں کرتی۔ باوجود کہ حیات بعد الموت ایک کھلی حقیقت ہے، وجود باری تعالیٰ پر ذرہ ذرہ گواہ ہے، قرآن اور صاحب قرآن کی سچائی کا دشمن بھی اعتراف کرتے ہیں لیکن ان سخت دلوں کو کوئی حقیقت متاثر نہیں کرتی۔ مسلسل انکار اور حیل وحجت سے وہ اس حد تک پہنچ جاتے ہیں کہ پتھر بھی ان سے اچھے ہیں۔ البتہ اگر ایمان کی رمق باقی ہو تو کبھی کبھی یہ پتھر دل بھی پگھل جاتے ہیں۔

رسول پاک ﷺ سے روایت ہے کہ آدمی جب گناہ کرتا ہے تو ہر گناہ کالے دھبہ کی طرح قلب پر جمتا جاتا ہے حتیٰ کہ سارا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر سچے دل سے توبہ کی جائے تو یہ داغ دھبے دور ہو جاتے ہیں۔ آیہ مبارک کے آخر میں بتایا گیا ہے کہ پتھر بھی اللہ تعالیٰ سے خوف کھاتے ہیں۔ لہٰذا دلوں کی سختی دور کرنے کا طریقہ اللہ تبارک تعالیٰ کا احساس، اسکے ذکر اور اس سے ڈرنے میں ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اکثر رب العزت کے نام کا ذکر کرتے رہیں تاکہ دل سخت نہ ہونے پائیں۔

109- قلب کیا ہے؟

آیۃ مبارکہ 74 میں "پھر تمہارے قلب سخت ہو گئے جیسے کہ وہ مثل پتھر کے ہوں" سے ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ قلب ہے کیا چیز؟ کیا یہ وہی ہے جسکو ہم دل (Heart) کہتے ہیں یا یہ دماغ کا کوئی حصہ ہے یا کوئی اور چیز؟ اس بات پر بہت اختلاف ہے اور یہ اختلاف صرف مفسرین ہی میں نہیں بلکہ پوری سائنس ابھی تک Mind اور Brain کے فرق کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ جب سے جین (Gene) کی

دریافت ہوئی ہے اور یہ پتہ چلا ہے کہ ہر جرثومہ (Cell) بذات خود انسان کی شخصیت کا ڈیزائن ہے۔ جس میں وہ ایسے ہی بند ہے جیسے بیج کے اندر پورا درخت، ایسے معلوم ہوتا ہے کہ قلب جین کی شعوری کیفیت کا نام ہے چونکہ ہر انسان کھربوں جینز (Genes) کا مجموعہ وامتزاج ہے اسلئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان کھربوں جینز کا مجموعی شعور انسانی قلب ہے جو انسان کی پوری شخصیت کی عکاسی کرتا ہے اور اسکا مرکز دل ہے۔ جینز (Genes) کی مثال کمپیوٹر کے سافٹ ویر (Software) سے دی جاتی ہے۔

یہ کہ جینز سے ہدایات جسم کو کیسے ملتی ہیں اس سوال کا تعلق ہارمونز (Hormones) سے ہے یہ کچھ ایسے کیمیکل اجزا ہیں جن کا خون کے ذرات کے ساتھ بہت گہرا تعلق ہے۔ سارا خون ہارمون سے بھرا پڑا ہے۔ جن کی جسم میں ہارمونز کی حیثیت نامہ بر (Messenger) کی سی ہے۔ یہ سارے جسم کی خبریں لیکر قلب سے گزرتے ہیں، دماغ سے ہوتے ہوئے بھی قلب میں واپس آتے ہیں یوں قلب ہارمونز کے جنرل ہیڈ کوارٹر (GHQ) کی سی حیثیت رکھتا ہے اسی لئے قلب کے معاملات کا ذہن سے گہرا تعلق ہے۔ ان جدید دریافتوں سے قلب کی اہمیت واضح تر ہوتی جاتی ہے کہ یہ محض خون کے لئے ایک مکینیکل پمپ نہیں بلکہ انسانی شخصیت میں نہائت اہم مقام ہے بلکہ دماغ کے کام کرنے کا انحصار اس پر ہے۔

چونکہ دل (Heart) میں سے ہر آن انسان کے اربوں خلیات خون کی شکل میں گزرتے ہیں جن میں جینز، ہارمونز اور پتہ نہیں کیا کیا کچھ ہوتا ہے اس لئے دل خود بخود قلب کی نشست گاہ (Seat) کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے اور یوں سارے جسم پر دماغ سمیت دل کی حکومت ہے۔ ان دریافتوں کی بنا پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ قلب محض کسی گوشت کے لوتھڑے کا نام نہیں بلکہ یہ انسان کی پوری شخصیت کی کتاب ہے جس کے الفاظ خون میں جینز ہیں، ان الفاظ کے معانی کے نامہ بر ہارمونز ہیں اور اس کی نشست انسان کا دل (Heart) ہے۔

(For more detail please see appendix xiii, xii)

110- ہر ایٹم قلب رکھتا ہے:-

آیہ مبارک 74 میں چیزوں کے خواص سمجھنے کے لئے ایک نئی سمت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے...... سائنس نے بھی پچھلے چند سالوں میں اس طرف دیکھنا شروع کیا ہے۔ فرمایا کہ "پتھروں میں بھی تو کچھ ایسے ہیں جو اللہ کے خوف سے نیچے گر پڑتے ہیں" اس سے صاف ظاہر ہے کہ پتھر جنہیں ہم جمادات میں شمار کرتے ہیں اور بے جان سمجھتے ہیں انہیں بھی اللہ تعالیٰ کی ہستی کا شعور حاصل ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے بھی ہیں اور اس کے خوف سے بعض اوقات اپنی جگہ سے گر بھی جاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ بے جان سے بے جان چیز تک کے ذرات (Atoms) میں اپنے خالق کا شعور ہے، وہ اس کے بنائے ہوئے قوانین کو یاد رکھتے ہیں اور دیئے گئے فرائض کی ادائیگی میں ہر دم مستعد ہیں۔ یہ نظریہ کہ نیم ایٹمی ذرات (sub atom particles) کی یادداشت ہے 1935 میں پیش کیا گیا تھا اور 1985 میں پیرس یونیورسٹی میں آلین آسپکٹ (Alain Aspect) سائنس دان نے تجرباتی طور پر یہ ثابت کیا کہ اگر دو ذرے

کروڑں میلوں تک بھی علیحدہ علیحدہ کر دیئے جائیں وہ پرانی رفاقت کو نہ صرف یاد رکھتے ہیں بلکہ کسی غیر مرئی طاقت کے بل پر جانتے ہیں کہ انکا دوست ذرہ اس وقت کیا کر رہا ہے (Ref. New Scientist Sept.1987)

کائنات اور مافیہا کو سمجھنے کی طرف یہ ایک بہت بڑی ذہنی جست ہے۔ اسکا صاف مطلب ہے کہ اس دنیا میں کوئی بے جان اور بے شعور نہیں بلکہ جس طرح انسان ایک قلب کا مالک ہے جس سے وہ شعور کی آگاہی رکھتا ہے ویسے ہی ہر ایٹم کا اپنا قلب ہے جس سے وہ قوانین قدرت کا شعور رکھتا ہیں اور ان کی پابندی کرتا ہے۔ اگر زندگی شعور کا نام ہے تو اس حقیقت کے پیشِ نظر اپنے اپنے طریقہ سے ہر چیز زندہ ہے۔ اور موت کے بعد بکھرے ہوئے اجزا یادداشت کے برقرار رہنے کی وجہ سے باآسانی اکٹھے ہو کر دوبارہ زندہ جسم بن سکتے ہیں۔ (For detail see Appendix -IX) کاش کہ ہم بھی اپنے رب کی اسی طرح تسبیح کرتے رہیں جس طرح کائنات میں باقی چیزیں اپنے رب کی تسبیح کرتی ہیں۔ یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ''جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سبھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں''۔ اللہ سے دعا کریں کہ وہ اپنے راستہ میں ہمارے دلوں کو نرم رکھے اور انہیں ہر قسم کی سختی سے بچائے۔ اس حوالہ سے مندرجہ ذیل آیات سخت دل لوگوں کے رویہ کے متعلق ہیں تا کہ ہمیں ان کی پہچان ہو۔ فرمایا......

75- اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ یَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ○

کیا تم اس بات کا طمع رکھتے ہو کہ یہ لوگ تمہارے لئے ایمان لے آئیں گے؟ ان میں سے ایک گروہ ایسا ہے کہ اللہ کا کلام سنتا ہے، پھر سمجھ لینے کے بعد جان بوجھ کر اسے بدل دیتا ہے اور وہ (یہ بات) اچھی طرح جانتے ہیں۔

76- وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْۤا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْۤا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ لِیُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○

جب مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں، ہم ایمان لائے۔ اور جب آپس میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں، کیا تم ان (مسلمانوں) کے سامنے وہ کچھ بیان کر دیتے ہو جو صرف اللہ تعالیٰ نے تم پر ہی ظاہر کیا ہے، تا کہ وہ تمہارے رب کے حضور تم پر حجت کریں پس کیا تمہیں عقل نہیں؟

أَوَلَا يَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ○

77- کیا انہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے، جو کچھ وہ چھپاتے ہیں، اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں۔

111- منافقین نا قابل اصلاح ہیں:۔

حضور سرور کائنات ﷺ تمام انسانیت کی طرف سے فکر مند رہتے تھے کہ لوگ اپنے غلط عقائد اور اعمال کی وجہ سے جہنم میں نہ چلے جائیں اور یہی فکر آپؐ کے ہر سچے پیروکار کی ہے لیکن رحمت العالمین حضور ﷺ کے سامنے یہود کا یہ وطیرہ تھا کہ صبح اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرتے اور شام کو مرتد ہو جاتے یا مسلمانوں کے سامنے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے لیکن اپنے لوگوں میں جا کر اسلام کا مذاق اڑاتے۔ افسوس کہ یہود و نصاریٰ کی یہ منافقت ابھی تک جاری ہے۔ مسلمانوں کے دلوں سے پھر بھی ان کیلئے دعا نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت دے اور وہ اپنے غلط رویہ سے توبہ کر کے سچے دین کی طرف آ جائیں لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان میں سے بہت سے ایسے ہیں جن سے یہ توقع بے سود ہے۔ وہ ہمیشہ سے ایسے ہی چلے آ رہے ہیں۔ جہاں تک انکے علماء کا تعلق ہے وہ حقائق کو توڑنے موڑنے میں زیادہ ہی ماہر ہیں۔ مثلاً وہ تورات میں اللہ کے آخری نبی ﷺ کی بشارتیں پڑھتے تو ہیں لیکن انکے معنی بدل دیتے ہیں اور یوں وہ اپنے عوام الناس کی گمراہی کا بھی سبب ہیں۔

112- اللہ کے بندوں سے ڈرنا اور اللہ سے بے باکی:۔

جب مسلمان طاقت میں تھے تو کفار اور منافقین کا طرزِ عمل ان سے نہایت عیارانہ تھا۔ خصوصاً یہودی اس معاملے میں بہت ماہر تھے۔ بعض اوقات مسلمانوں کو خوش کرنے کے لئے کبھی کبھی وہ سچی بات بھی منہ پر لے آتے اور حضور نبی کریم ﷺ کی تصدیق کرتے اور اپنی کتاب تورات سے بعض اوقات آپؐ کی بشارت کے متعلق آیات بھی پڑھ کر سناتے۔ لیکن بعد میں جب وہ اپنے لوگوں سے ملتے تو اس بات پر باہم جھگڑا کرتے کہ ایسا کیوں کہا۔ وہ کہتے ''مسلمان تو دنیا و آخرت میں اس بات سے ہم پر حجت قائم کریں گے اور ہمارے پاس رب العزت کے دربار میں کیا جواب ہوگا''؟ گویا وہ سمجھتے تھے کہ اللہ تبارک تعالیٰ کو ان کی اندرونی حالت کا پتہ نہیں اور مسلمانوں کو بتانے سے ان پر عذاب نازل ہوگا۔ یوں کافر کی یہ سائیکی (نفسیات) ہے کہ وہ بندے سے تو ڈرتا ہے لیکن اللہ سے نہیں ڈرتا حالانکہ اللہ تعالیٰ ظاہر، باطن سب سے واقف ہے اور قیامت کے دن لوگوں کو ان کی نیتوں کے مطابق پکڑے گا۔ (استغفراللہ)

اگلی چند آیات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے بے باکی کے معاملے میں پڑھے لکھے اور ان پڑھ منافقین سب برابر کے شریک ہیں۔ فرمایا...

وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتٰبَ إِلَّآ أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ○

-78 اور ان میں کچھ اُمی (ان پڑھ) بھی ہیں، جو اللہ کی کتاب کو نہیں جانتے، مگر اپنی ذہنی اختراعوں اور جھوٹی امیدوں اور وہم وگمان کی پیروی کرتے ہیں۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتٰبَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُونَ ○

-79 پس ان کے لئے بہت بڑی تباہی ہے جو لکھتے ہیں کتاب خود اپنے ہاتھوں سے، پھر کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے، تاکہ حاصل کرلیں اس کے عوض تھوڑے سے دام، سو ہلاکت ہے ان کے لئے بوجہ اس کے جو بناوٹی باتیں انہوں نے اپنے ہاتھوں سے لکھیں، اور ہلاکت ہے ان کیلئے بوجہ اس کے جو انہوں نے کمایا۔

113- اُمی (Gentiles):-

آیہ نمبر 75 سے 77 تک ان یہودی منافقین کا ذکر تھا جو عالم وفاضل ہیں اور توریت پڑھتے ہیں۔ وہ بزعم خود محبوب خدا ہیں اور دوسرے لوگوں کو وہ اُمی کہتے ہیں، جس کا مطلب ان کے نزدیک اجڈ، جاہل، ان پڑھ وغیرہ ہے۔ جدید اصطلاح میں انہیں جنٹائل (Gentile) کہتے ہیں اور آج کل ان کا نام بنیاد پرست (Fundamentalists) رکھ دیا ہے۔ حضور ﷺ سے پہلے بہت سے عرب بھی جن کو اگرچہ یہودامی کہتے ان کے حلقہ ارادت میں آ گئے تھے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے آج کل، برہمن اگرچہ اپنے آپ کو محبوب خدا اور شودروں کو راندہ درگاہ سمجھتے ہیں لیکن شودر پھر بھی انہی کے دین کو نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ یہودی امیوں کو تورات پڑھنے کی اجازت نہیں دیتے تھے لیکن اپنے مفادات کی خاطر ان کو وہ وظائف اور جنتر منتر وغیرہ سکھا دیتے تھے جسے وہ دین سمجھتے۔ وہ لوگوں کو تعویذ گنڈے لکھ کر دیتے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہیں اور یوں جھوٹ بول کر کچھ مالی فوائد بھی اٹھا لیتے۔ بالکل ایسے ہی جیسے مکار اور جھوٹے لوگ پیر بن کر آج کل جاہل مسلمانوں کو خود ساختہ ولایت کے نام پر لوٹتے ہیں۔

اس قماش کے لوگ خواہ وہ یہودی ہوں یا مسلمان، ایک ہی ہیں۔ یہ اللہ کی کتاب سکھانے کی بجائے اپنے مفادات کی تسکین کیلئے خود ساختہ روایات مشہور کرتے رہتے ہیں اور چالاک مرید بزنس بڑھانے کیلئے مارکیٹنگ کرتے رہتے ہیں۔ اور سب مل کر گنڈے، تعویذ اور وظائف وغیرہ لکھ کر خوب دولت کماتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے نام پر بناوٹی باتیں لکھتے ہیں اور اس دھوکا دہی سے کچھ دنیاوی فوائد حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آیت مبارکہ 79 میں فرمایا گیا ہے کہ ایسے لوگوں کے لئے بہت بڑی تباہی ہے۔

مذہب کے نام پر دھوکا دینے والوں میں ایک مشترک بات یہ بھی ہے کہ وہ اپنے آپکو اللہ تعالیٰ کا خصوصی نمائندہ بنا کر پیش کرتے ہیں۔ان میں سرفہرست وہ یہود تھے جو یہ دعویٰ کرتے کہ بنی اسرائیل اللہ کی پیدا کردہ مخصوص قوم ہے۔انہی کی طرح ہندوؤں میں برہمن ہیں، وہ بھی اپنے آپ کو خصوصی تخلیق سمجھتے ہیں۔آج کل اسی گروہ میں کچھ کذاب مسلمان بھی شامل ہیں جو اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے نام پر جھوٹ بول کر اپنی جھوٹی شان بڑھاتے ہیں۔اس قماش کے لوگوں کے متعلق فرمایا گیا ہے......

وَ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَةً ؕ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ یُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗۤ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○

80- اور انہوں نے کہا، ہرگز نہ چھوئے گی ہمیں آگ (عذاب دوزخ)، (اگر ایسا ہوا بھی تو) صرف چند دن کے لئے۔ آپ فرما دیجئے کیا (اس بات پر) تم نے اللہ سے کوئی وعدہ لے رکھا ہے، تب تو اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرے گا، یونہی تم اللہ کے متعلق ایسی باتیں کہتے ہو جن کا تمہیں خود بھی علم نہیں۔

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَیِّئَةً وَّ اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِیْٓــٴَـتُهٗ فَاُولٰٓىٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ○

81- ہاں، جس نے جان بوجھ کر برائی کمائی، اور اس کے گناہ نے گھیرے رکھا اسے، (یعنی توبہ نہیں کی) اور گناہ پر گناہ کرتا رہا، تو ایسے لوگ جہنم کی آگ کے ساتھی ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓىٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ○

82- اور جو لوگ ایمان لے آئے، اور عمل صالح کرتے رہے، وہ جنت کے ساتھی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

114-جنت کے ٹھیکیدار:-

آیت مبارک 80 مذہبی اجارہ داریوں کے خلاف اللہ کی طرف سے سرزنش ہے۔ یہود اپنے آپ کو محبوب الٰہی سمجھتے اور یہاں تک کہتے کہ بفرض محال اگر بد اعمال کے نتیجہ میں انہیں دوزخ میں جانا بھی پڑا تو یہ محض چند دن کے لئے ہوگا۔ یہود کی طرح مسلمانوں میں بھی کچھ لوگ اپنے آپ کو برگزیدہ ثابت کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں، گویا وہ جنت کے ٹھیکیدار ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جنت بنائی ہی ان

کے لئے ہے۔ اپنے ناموں کے ساتھ وہ محبوب رحمانی، اعلیٰ حضرت اور پتہ نہیں کون کون سے خودساختہ القاب لگا کر لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں اور اپنے مریدوں میں جنت الاٹ کرتے پھرتے ہیں۔ جب بھی ان کی بداعمالیاں سامنے آجائیں تو پھر لوگوں کو مطمئن کرنے کے لئے کہتے ہیں "انسان خطا کا پتلا ہے۔ اول تو فلاں فلاں کے صدقے ایسا ہوگا نہیں، بفرض محال اگر ہم دوزخ میں گئے بھی تو صرف چند روز کے لئے ایسا ہوگا"۔ ان باطل نظریات کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ ہمیں سکھاتا ہے کہ ہم ان سے پوچھیں، کیا ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ سے کوئی وعدہ لے رکھا ہے۔ اگر واقعی ایسا ہے تو ٹھیک ہے کہ وہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔ بصورتِ دیگر عذاب کے لئے تیار رہیں۔

115- فیصلہ کن بات:-

آیۃ مبارکہ 81 اور 82 حق و باطل کے نتائج کے بارے میں فیصلہ کن اعلان ہے کہ بلا لحاظ مذہب وملت، قبیلہ، نسل اور رنگ، جس کسی نے بھی برائی کمائی اور مرتے وقت تک توبہ نہ کی وہ آگ کا ساتھی بن گیا اور وہاں ہمیشہ رہے گا، الا ماشاءاللہ، اور جو بھی اللہ اور محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لایا اور عمل صالح کرتا رہا وہ جنتی ہوگا (انشاءاللہ)۔ یوں اللہ تعالیٰ کے نزدیک بنی اسرائیل اور امیان (Jews and Gentiles)، برہمن اور شودر بحیثیت انسان سبھی برابر ہیں۔ سب کا انسانی حق یہ ہے کہ انہیں ان کے اعمال کا صحیح بدلہ ملے اور دنیا کے خودساختہ مذاہب، فضیلتوں کے بہانے، مصنوعی اونچ نیچ سب ملیامیٹ کردی جائیں۔ الحمدللہ کہ اسلام انسان کے اس حق کی ضمانت دیتا ہے۔

116- دوزخ کی سزا:-

آیۃ مبارکہ 81 میں گناہ گاروں کے لئے دوزخ میں قیام ہمیشہ کے لئے بتایا گیا ہے۔ یہ حکم ہر طرح کے مجرموں کیلئے نہیں بلکہ جہنم میں ہمیشہ وہی رہیں گے جن کو ہمیشگی کی سزا ہوگی۔ آیہ مبارکہ 81 میں ایسے مجرموں کے متعلق بتادیا گیا ہے کہ یہ وہ کافر لوگ ہیں جو جان بوجھ کر مسلسل گناہ کرتے رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے حوالے سے جھوٹ بولتے رہتے ہیں اور اپنے انہی قبیح افعال پر مرتے دم تک قائم رہتے ہیں۔ ایسے لوگ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آگ کے ساتھی ہوں گے۔ یعنی دائمی سزا ان کیلئے ہے جو جان بوجھ کر گناہ کبیرہ کرتے رہے اور توبہ نہ کی اور اپنے کفر پر ہی مرگئے۔ لیکن اسلام لانے والے اگرچہ کبیرہ گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں بھیجے جائیں گے لیکن اپنی سزا کاٹنے کے بعد جنت کے کسی نہ کسی درجہ میں بھیج دیئے جائیں گے۔ (انشاءاللہ)

117- جن کی قسمت میں دوزخ ہوجاتی ہے:-

انسان کے بارے میں فیصلہ کن بات رب تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے کہ **بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ**۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ برائی انسان سے ہوسکتی ہے اور توبہ وندامت پر معافی بھی مل جاتی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ غلطی کے بعد توبہ کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں لیکن مجرم وہ ہیں جنہوں نے برائی کی اور پھر اس برائی کے ساتھ چمٹے رہے، ان کے لئے

دوزخ لازمی ہے۔ (For more details please see appendix VII - VIII)

اگلی آیات مبارکہ میں جنت والے کچھ اعمال کا ذکر ہے۔ یہی اعمال کسی بھی احسن معاشرہ کی بنیاد ہیں اگر اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ان پر عمل کیا جائے تو بفضل حق تعالیٰ یہ جنت کے لئے کافی ہیں۔ (انشاء اللہ العزیز)۔

83- وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۗ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ○

اور (یاد کیجئے اس وقت کو) جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا، کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ اور والدین کے ساتھ نیکی کرو۔ اور جن سے قریبی تعلق ہے اور وہ جو یتیم ہیں: اور وہ جو مساکین ہیں ان سب سے احسان کرو۔ اور لوگوں سے خوش اخلاقی سے بات کرو، اور نماز قائم کرو، اور زکوٰۃ دو۔ (لیکن) کچھ عرصہ بعد تم اس (عہد) سے پھر گئے اور تم (میں سے اکثر) تو پھرنے ہی والے ہیں۔

118- انسان کے بنیادی حقوق وفرائض:-

آیہ مبارک میں بنی اسرائیل کے حوالہ سے کچھ ایسی نیکیوں کا ذکر ہے جو دراصل تمام مذاہب میں مشترکہ ہیں یہ بنیادی انسانی حقوق وفرائض ہیں۔ ان میں سب سے بنیادی بات اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اور اس کی بلا شرط اور بلا شرکت غیرے عبادت کرنا ہے۔ افسوس کہ یو۔این۔او کے بنیادی حقوق وفرائض میں انسان کے اس اہم ترین حق اور فرض کا ذکر تک نہیں۔ جبکہ انسان کی دنیا وآخرت میں کامیابی اسی حق میں مضمر ہے۔ افسوس کہ اس ایک حق کو پورا نہ کرنے کی وجہ سے انسان جہنم کی آگ میں اتر جائے گا اور وہاں سے نکلنے کا ماسوائے اللہ تعالیٰ کی مہربانی کے اور کوئی طریقہ نہیں۔ یہ آدمی کا آدمی پر فرض اور حق ہے کہ وہ ایک دوسرے کو رب تعالیٰ کے متعلق بتائے۔ یہ ہر انسان کی ذاتی ذمہ داری بھی ہے اور اجتماعی بھی۔ چاہیے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے کرے، کسی ذاتی مفاد کو بیچ میں نہ لائے۔ اس کی عبادت اس لئے کی جائے کہ وہ ہے ہی عبادت کے لائق۔ اس لئے کہ بندہ، بندہ ہے اور رب، رب ہے۔ ہر ماں باپ کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے بچوں کو سب سے پہلے رب تعالیٰ کے متعلق تعلیم دیں اور ان کی پیدائش پر ان کے کانوں میں جو پہلی آواز پہنچے وہ اللہ تعالیٰ کے نام کی ہو۔ یعنی ہر بچے کا یہ پیدائشی حق ہے کہ اس کے کانوں میں پیدائش کے فوراً بعد اذان کہی جائے۔

''عبادت'' کا لفظ ''عبد'' سے ہے۔ جس کے معنی غلام کے ہیں۔ لہٰذا ''اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو''۔ کا مطلب یہ ہے کہ آدمی صرف اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو تسلیم کرے اور اس کے احکام کو پورا کرے اور ''**اللھم لبیک ، اللھم لبیک** میں حاضر ہوں

میں حاضر ہوں" کی عملی تصویر بن جائے اور حضور اکرم ﷺ کی مکمل اتباع کرے۔

آیہ مبارک 83 کے مزید احکامات سے ثابت ہوتا ہے کہ حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد بھی اتنے ہی اہم ہیں۔ان میں اولین اہمیت والدین کے حقوق کی ہے کہ انسان اپنے والدین کا فرمانبردار ہو۔انکے ساتھ حسن سلوک کرے۔انکے بعد قریبی رشتہ داروں کے حقوق ہیں کہ آدمی اپنے قریبی عزیزوں کے ساتھ مہربانی سے پیش آئے۔انکے علاوہ ہر شخص پر معاشرہ کے کمزور طبقات کے بھی کچھ حقوق وفرائض ہیں۔ان میں اولین فرض یتیم بچوں کی کفالت ہے۔اسکے بعد معاشرہ میں محروم لوگوں کی دست گیری ہے اور تمام انسانوں کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آنا ہم سب پر ایک عمومی فرض ہے۔جس پر عمل کرنا عبادت کا سا درجہ رکھتا ہے۔

119- خوش اخلاقی ، بنیادی انسانی حقوق وفرائض میں سے ایک فرض:-

آیہ مبارک 83 کا حکم "اور لوگوں سے خوش اخلاقی سے بات کرو"۔ عالمی درس اخلاق ہے۔ایک انسان کا دوسرے انسان پر کم از کم حق یہ ہے کہ وہ اس سے خوش اخلاقی سے پیش آئے اور بات چیت میں نرمی اختیار کرے۔خود سرور کائنات ﷺ نے اسکی اعلیٰ مثال قائم کی۔آپؐ کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ "آپ ﷺ بہت مسکرانے والے، نہائت تواضع کرنے والے اور دوسروں کی عزت کرنے والے تھے"۔آپؐ نے کبھی کسی کی عزت نفس مجروح نہ کی۔کبھی کسی کی چغلی نہ کھائی اور نہ ہی کبھی کسی کا دل توڑا۔اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے بارے میں فرمایا ہے کہ "آپؐ اخلاق کا اعلیٰ ترین نمونہ ہیں"۔آپؐ کے امتیوں سے بھی یہی توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ عام آدمیوں کی نسبت اخلاق میں کہیں بڑھ کر ہوں۔مومنین کا یہ فرض بنتا ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آئیں اور تکبرانہ گفتگو سے اجتناب کریں۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ "اچھی بات کرنا صدقہ ہے"۔

اسلام کی خوبصورتی یہ ہے کہ اس میں جو ایک کا فرض ہے وہ دوسرے کا حق ہے۔یعنی حقوق اور فرائض دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہیں جبکہ مغربی دنیا میں حقوق کا تو ذکر ہوتا ہے، فرائض کا نہیں۔دونوں تہذیبوں میں یہ ایک واضح فرق ہے۔

120- صلوٰۃ وزکوٰۃ ، حقوق اللہ اور حقوق العباد کا جوڑا:-

جو چیزیں انسان کے بنیادی حقوق وفرائض میں شامل ہیں ان میں نماز اور زکوٰۃ کا ذکر اہم ترین ہے۔دراصل یہ دونوں حقوق اللہ اور حقوق العباد کی عملی شکلیں ہیں۔صلوٰۃ کا قیام، حقوق اللہ کا پورا کرنا اور زکوٰۃ کا قیام، حقوق العباد کو پورا کرنا ہے اور یہ ہر صاحب نصاب پر واجب ہے جسکی مالیت ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت ہے۔(بخاری مسلم۔ابن ماجہ) زکوٰۃ دینے سے مال پاک وصاف ہو جاتا ہے۔انسان کا بخل جاتا رہتا ہے اور دوسروں کے لئے اس کے دل میں ہمدردی پیدا ہوتی ہے۔ نفس کے تزکیہ کا تعلق بھی زکوٰۃ سے ہی ہے یعنی نفس کی برائیوں کو دور کرنے کا بہترین طریقہ صدقات اور زکوٰۃ ادا کرنا ہے۔

عملی طور پر اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کے مال میں ایک حصہ دوسروں کا بھی ہے۔اس کی کم سے کم حد ایک ہزار میں چالیس روپے یعنی 2.5 فیصد ہے۔ یہ کوئی ٹیکس نہیں بلکہ یہ اپنی دولت اور اثاثوں کو حلال اور پاکیزہ رکھنے کے لئے ایک لازمی عبادت ہے۔ جس طرح خون کو صاف رکھنے کے لئے آکسیجن ضروری ہے، جسم کو صحت مند رکھنے کے لئے ورزش کے ذریعے جسم کی چربی جلانا لازمی ہے، اور کنویں کو صاف رکھنے کیلئے اس میں سے پانی نکالنا ضروری ہے، اسی طرح رزق اور مال و دولت کی صفائی کے لئے زکوٰۃ ضروری ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر زکوٰۃ ادا نہ کی جائے تو مال و دولت میں برکت نہیں رہتی اور وہ راحت کی بجائے زحمت کا باعث بن جاتا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس مال میں سے زکوٰۃ نکلتی رہے وہ ضائع ہونے سے محفوظ رہتا ہے اور یہ بھی کہ زکوٰۃ و صدقات سے مال کم نہیں ہوتا بلکہ یہ اسکو بڑھانے کا باعث ہیں۔ مال و دولت کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ باقی نعمتوں پر بھی زکوٰۃ واجب ہے مثلاً جسم کی زکوٰۃ دوسروں کی خدمت کرنا، علم کی زکوٰۃ دوسروں کو تعلیم دینا اور ایمان کی زکوٰۃ، تبلیغ دین میں ہے۔

انسانی حقوق و فرائض

حقوق اللہ: عبدیت، حج، صوم وصلوٰۃ واذکار، جہاد

حقوق العباد: عدل، احسان، زکوٰۃ وصدقات، خوش اخلاقی

121- دائمی اصولوں کے توڑنے کی سزا:-

آیت مبارک کے آخر میں خصوصی طور پر بنی اسرائیل اور عمومی طور پر تمام لوگوں کے لئے حکم ہے کہ قبول مذہب سے تم اللہ تعالیٰ کے کائناتی اصولوں کے پابند ہونے کا وعدہ تو کر لیتے ہو لیکن تم میں سے اکثر اس کی پابندی نہیں کرتے۔ خصوصاً موجودہ مغربی لادین تہذیب نے تمام رشتوں کو توڑ کر انسان کو تنہا کر دیا ہے اور اللہ کی غلامی سے نکل کر وہ سینکڑوں بتوں کی غلامی میں چلے گئے ہیں لہٰذا آج انسان کے دکھوں کا سبب مادی ذرائع کی کمی نہیں بلکہ آیہ مبارک میں بتائے گئے فرائض کی ادائیگی نہ کرنا ہے۔ ان شخصی حقوق و فرائض کے علاوہ معاشرتی اعمال ہیں جن کا تحفظ نہایت ضروری ہے۔

مندرجہ ذیل آیات میں ان احکام کا بنی اسرائیل کے حوالہ سے ذکر فرمایا گیا ہے اس لئے کہ یہ وہ قوم ہے جس نے ان احکام کو پامال کیا جسکی وجہ سے اسے دنیا میں شدید مصائب کا سامنا کرنا پڑا ہے اور آخرت میں بھی اس کے لئے کوئی حصہ نہیں۔ انسانیت اس کے حالات پڑھ کر بہت زیادہ عبرت حاصل کر سکتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جنگ عظیم دوم میں تباہی کے بعد ان کی موجودہ خوشحالی بھی صرف ایک عارضی وقفہ ہے۔ ان کی تاریخ میں کئی بار ایسا ہوا ہے کہ تباہی کے بعد اللہ تعالیٰ نے خوشحالی عطا کر کے سنبھلنے اور توبہ کرنے کا موقع دیا لیکن

انہوں نے سبق سیکھا نہ شکر ادا کیا، اور نافرمانی کی روش پر قائم رہنے کی وجہ سے پہلے سے بھی شدید تر عذاب کی لپیٹ میں آ گئے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ ان کی تاریخ سے سبق حاصل کریں اور اپنی اصلاح کی طرف مسلسل توجہ دیتے رہیں ایسا نہ ہو کہ وہ کہیں یہودیوں کی طرح خود بھی نشان عبرت بن جائیں۔ فرمایا.....

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ
دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ
دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ○

84- اور تم وہ وقت بھی یاد کرو، جب ہم نے تم سے پکا وعدہ لیا، کہ تم آپس میں خون نہ بہانا، اور اپنے لوگوں کو بستیوں سے نہ نکالنا، پھر تم نے اس (وعدہ کا) اقرار کیا، اور تم اس پر خود گواہ تھے۔

ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ
تُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ
عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ؕ وَاِنْ
يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ
وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ؕ
اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ
بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ
اِلَّا خِزْيٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ

85- (لیکن اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد) تم پھر سے قتل و غارت کرنے لگے، اور ایک گروہ دوسرے کو گھروں سے نکالنے لگا، اور تم اس گناہ اور زیادتی کی پشت پناہی کرتے تھے، اور اگر (ان نکالے گئے لوگوں میں) کوئی قیدی ہو کر تمہارے پاس آتا، (تو اپنے دوغلے پن کی وجہ سے) تو پھر تم ان کیلئے فدیہ بھی ادا کرتے، حالانکہ تم پر ان کا (گھروں سے) نکالنا ہی حرام تھا۔ کیا تم کتاب الٰہی کے کچھ حصے مانتے ہو؟ اور کچھ سے انکار کرتے ہو؟

يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝

پس جو کچھ تم کر رہے ہو اس کا بدلہ (اس کے علاوہ) کیا ہو سکتا ہے، کہ دنیا کی زندگی میں ذلت و رسوائی ہو، اور قیامت کے دن تم سخت عذاب کی طرف دھکیل دیئے جاؤ۔ اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے ہرگز غافل نہیں۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ؗ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝

86- یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے آخرت کے بدلہ میں دنیاوی زندگی کا (عارضی) عیش و عشرت خرید لیا، لہٰذا ان پر نہ عذاب میں کمی آئے گی، نہ ہی ان کی کوئی مدد کی جائے گی۔

122- حق ملکیت اور تحفظ ملکیت:-

آیۃ مبارکہ 85-84 اس بات کی طرف توجہ مبذول کراتی ہیں کہ معاشرہ کا اہم ترین حق یہ ہے کہ لوگ باہمی امن سے رہیں اور ایک دوسرے کے حق ملکیت کو تسلیم کریں اور کوئی شخص کسی دوسرے کو اسکے گھر اور شہر سے بے دخل نہ کرے۔ اس سلسلہ میں یہود کی سخت مذمت کی گئی ہے چونکہ ان میں سے طاقتور اپنے ہی برادری کے لوگوں کی جائیداد ہتھیانے کے لئے یا باہمی دشمنی کی بنا پر حق ملکیت سے محروم کر دیتے اور انہیں گھروں سے نکال دیتے اور بعض اوقات تو وطن سے نکلنے پر بھی مجبور کر دیتے۔ گو کہ کچھ لوگ اس ظلم میں براہ راست شریک نہیں ہوتے تھے لیکن چونکہ وہ اپنے سامنے ہوتے ہوئے ظلم کو روکنے کے لئے بھی کچھ نہ کرتے اس لئے ان کی یہ خاموشی بھی ظالم کی پشت پناہی کرنے کے مترادف تھی۔ اس طرح پوری قوم یہود گنہگار تھی۔

آج کل مسلمانوں میں بھی کئی قبضہ گروپ ہیں جنہیں اللہ کا خوف ہے نہ آخرت کی فکر۔ ایسے لوگوں کا عمل یہود سے کم برا نہیں۔ اسی طرح ہم میں سے بھی کئی ایسے لوگ ہیں جن کیلئے گناہ سے دوسروں کو روکنے کی تو دور کی بات ہے الٹا گنہگاروں اور ظالموں کی پشت پناہی کرتے ہیں۔ مقام فکر ہے کہ کہیں ہمارا حساب کتاب بھی قوم یہود کے طرح نہ ہو اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائے۔

123- ظلم و زیادتی کے باوجود قومی حمیت کی پاسداری:-

غرض یہود کا معاشرہ مفاد پرستی اور باہمی لوٹ مار کا معاشرہ تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان میں قومی حمیت بھی تھی۔ اگر ان کی قوم کا کوئی فرد، اگرچہ انہوں نے خود ہی اسے کیوں نہ نکالا ہوتا، جب کسی دوسری قوم کے ہتھے چڑھ جاتا تو پھر وہ اس کی حمایت کرتے اور اسکا

خود فدیہ ادا کر کے آزاد بھی کرواتے۔ اس اچھے کام کے پیچھے ان کے قومی وقار کا جذبہ ہوتا۔ حالانکہ نیکی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے کی جائے۔ اس لئے ایسے لوگوں کی نیکی بھی قبول نہیں ہوتی اور بالآخر یہ معاشرے دنیا میں بھی ذلیل و رسوا ہو جاتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی کتاب میں سے من پسند حصوں پر تو عمل کرتے ہیں اور باقی کو چھوڑ دیتے ہیں۔

124- آج کل کے قبضہ گروپ:-

افسوس کہ یہود جیسی باہمی ظلم وزیادتی کا رواج آج کل ہمارے معاشرہ کے اندر بھی عام ہو گیا ہے جبکہ حکم ربی ہے کہ "مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے" لیکن کچھ لوگ دوسروں کی جائیداد پر زبردستی قبضہ کر لیتے ہیں اور ڈرا دھمکا کر سینہ زوری کی بنا پر انہیں گھروں اور گاؤں سے نکلنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ کتنے ہی لوگ ہیں جو چودھریوں، وڈیروں اور رسہ گیروں کے ظلم کی وجہ سے اپنے گھر بار چھوڑ کر دوسرے مقامات کی طرف ہجرت کر چکے ہیں۔ آیہ مبارک 85 کے آخر میں ایسے ظالم لوگوں کا انجام کھل کر بیان کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سے غافل نہیں۔ وہ دنیا میں بھی اپنے ظلم کی بنا پر ذلیل و خوار ہوں گے اور آخرت میں تو انہیں شدید تر عذاب دیا جائے گا اور اس میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ ایسے ظالموں کے سامنے لوگ اپنی اپنی سزا بھگت کر دوزخ سے نکلتے جائیں گے لیکن وہ ہمیشہ کے لئے اپنے ظلم کے باعث گلتے سڑتے رہیں گے۔ اس کی وجہ آیہ مبارک 86 سے صاف ظاہر ہے کہ انہوں نے دنیا کے عارضی فوائد کے لئے آخرت کے دائمی اصولوں کو ٹھکرا دیا تھا۔ دنیا میں انہیں اپنے حمایتوں پر بڑا ناز تھا وہ بڑے جتھے دار تھے لیکن وہاں ان کی کوئی حمایت کرنے والا نہیں ہوگا، وہ اکیلے ہی اپنے ظلم کی سزا پاتے رہیں گے اور مظلوم کو بھی دینے کے لئے ان کے پاس کچھ نہیں ہوگا کہ اپنا جرم معاف کروا کر دوزخ سے باہر آ جائیں۔ بلکہ دادرسی کے طور پر ان کی نیکیوں میں سے کچھ نیکیاں ان لوگوں کو دی جائیں گی جن پر وہ ظلم کرتے تھے اور اگر پھر بھی حساب برابر نہ ہوا تو پھر مظلوموں کے گناہ ان کے کھاتے میں ڈال دیئے جائیں گے۔

125- نامکمل دین، منزل محال:-

آیۃ مبارک 85 میں یہ فرمان کہ "تم کتاب الٰہی کے کچھ حصے مانتے ہو اور کچھ سے انکار کرتے ہو" نہایت قابل غور ہے۔ "کچھ ماننا اور کچھ نہ ماننا" گویا پورے دین کی تکذیب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ "دین میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ"۔ اس لئے دین میں اپنی مرضی نہیں چلتی۔ اللہ کی کتاب کسی منزل کی طرف جانے والی سیدھی سڑک کی مانند ہے۔ جس پر اللہ کی حدود و قیود کے پل ہیں۔ برابر ہے کہ سارے پل ٹوٹے ہوں یا ایک پل ٹوٹ گیا ہو۔ اگر آپ منزل کا حصول چاہتے ہیں تو تمام پل سلامت رہنے ضروری ہیں۔ اسکی مثال مندرجہ ذیل میں دی گئی ہے کہ اگر کسی سڑک پر کئی پل ہوں اور ان میں سے ایک بھی پل ٹوٹا ہوا ہو تو منزل پر پہنچنا کسی بھی صورت ممکن نہیں۔

سالم پل۔ منزل آسان

شکستہ پل۔ منزل محال

ایک بھی پل ٹوٹنے سے منزل کا حصول محال بلکہ ناممکن

126- دنیاوی زندگی کی ذلت و رسوائی کا علاج:۔

آیتہ مبارک ۸۳ میں فرمانِ ربی کہ "جو کچھ تم کر رہے ہو اسکا بدلہ (اسکے علاوہ) کیا ہو سکتا ہے کہ دنیا کی زندگی میں ذلت و رسوائی ہو اور قیامت کے دن تم سخت عذاب کی طرف دھکیل دیئے جاؤ" دلوں کو ہلا دینے والی خبر ہے اور ہم سب کیلئے ایک زبردست انتباہ ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے اگر دنیا میں کسی معاشرے اور قوم کیلئے ذلت و رسوائی ہے تو یہ انہی کے اعمالِ بد کا نتیجہ ہے۔ لہٰذا دوسروں کو اپنی بدقسمتی کا قصوروار ٹھہرانے سے پہلے بہت بہتر ہوگا کہ لوگ اپنے اندر جھانک کر دیکھیں خصوصاً وہ قرآن کریم کی آیات مبارک 86-83 میں دیئے گئے احکام کے مقابلہ میں اپنی اپنی حالت کا موازنہ کریں۔ اس سے انہیں معلوم ہوگا کہ قوموں کی بدبختی اور رسوائی اللہ تعالیٰ کے احکام کی عدم ادائیگی کے باعث ہے۔ خصوصاً جس معاشرہ میں لوگوں کے انسانی حقوق محفوظ نہ ہوں انکو انصاف نہ ملے اور انکے حقوق ملکیت کا تقدس نہ ہو اس معاشرہ کی موت قریب آجاتی ہے۔ اسلئے اہل حکومت اور اصلاح احوال کیلئے کام کرنے والی جماعتیں ان احکام کی ادائیگی کی طرف توجہ دیں جنکا ذکر ان آیات میں فرمایا گیا ہے۔ اسی میں انکا علاج ہے۔ اگلی آیہ مبارک 87 ایسے ہی عالمی اصولوں (Universal Truths) کو عیسائیوں اور دیگر مذاہب کے حوالے سے بیان کرتی ہے۔

-87

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ
بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ۙ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ
الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۭ
اَفَكُلَّمَا جَاۗءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى
اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ
فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ۡ
وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ○

اور بے شک ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب عطا فرمائی،
اور ان کے بعد بھی متواتر رسول بھیجتے رہے،
اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) کو واضح دلائل عطا کیے،
اور ہم نے روح القدس کے ذریعے ان کی مدد فرمائی۔ (لیکن اے قوم اسرائیل تمہارا حال یہ ہے) کہ جب بھی تمہارے پاس کوئی رسول آیا، اور اس نے تمہاری نفسانی خواہشات کے خلاف تعلیم دی تو تم نے تکبر کیا۔

اور یوں تم نے (نبیوں میں سے) کچھ کو
جھٹلایا
اور کچھ سے تم نے مقاتلہ (جنگ) کیا۔

وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ
بَلْ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ
فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ ○

88- اور (یہود نے) کہا
ہمارے قلوب تو غلاف میں (محفوظ) ہیں،
حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کی انکے کفر
کی بناء پر،
پس ان میں سے بہت تھوڑے ایمان
والے ہیں۔

وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ
مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ
وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ
عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُمْ
مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهٖ
فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِينَ ○

89- اور جب ان کے پاس وہ کتاب آئی،
تصدیق کرتی ہے اس کی جو ان کے پاس ہے۔
حالانکہ اس سے پہلے یہ لوگ (آنے والے
نبی کے وسیلہ سے) کافروں پر فتح حاصل کرنا
چاہتے تھے۔
پس جب وہ تشریف لائے،
جنہیں وہ پہچانتے تھے تو (انہیں ماننے سے)
انکار کر دیا۔
پس (ایسے) کافروں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ

90- بہت بری چیز ہے جس کے بدلے
انہوں نے اپنی جانوں کا سودا کیا۔
جو اللہ نے نازل کیا اس کا انکار کیا، اپنی

اَنۡ یَّکۡفُرُوۡا بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ بَغۡیًا
سرکشی کی بناء پر۔

اَنۡ یُّنَزِّلَ اللّٰہُ مِنۡ فَضۡلِہٖ عَلٰی مَنۡ یَّشَآءُ
کہ اللہ نازل کرتا ہے اپنا فضل (وحی)

مِنۡ عِبَادِہٖ
جس پر چاہتا ہے اپنے بندوں میں

فَبَآءُوۡ بِغَضَبٍ عَلٰی غَضَبٍ
پس یہ لوگ اپنے کفر کی وجہ سے
اللہ کے غیض وغضب کا شکار ہوئے۔

وَ لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَذَابٌ مُّہِیۡنٌ ۝
اور ایسے کافروں کیلئے نہایت ذلت والا عذاب ہے۔

127- نفسانی دین:-

آیہ مبارک ۸۷ میں سے نوع انسانی کی اس بری عادت کو اجاگر کیا گیا ہے کہ لوگوں میں سے اکثریت نفسانی خواہشات کی پیروی کرتی ہے۔ فرمایا۔ اَفَکُلَّمَا جَآءَکُمۡ رَسُوۡلٌۢ بِمَا لَا تَہۡوٰۤی اَنۡفُسُکُمُ اسۡتَکۡبَرۡتُمۡ جہاں دین ان کے نفس کو بھایا وہاں سب اچھا ہے، جہاں یہ ان کی نفسانی خواہشات سے ٹکرایا وہاں اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ اس بات میں یہود ونصاریٰ پیش پیش ہیں۔ آیہ مبارک میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی وساطت سے ان کے پیروکاروں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان پر بھی اللہ تعالیٰ نے بڑی مہربانیاں فرمائی تھیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بڑے منفرد معجزے عطا فرمائے تھے لیکن عیسائی مذہب کے ماننے والوں نے ان کی تعلیمات کی دھجیاں اڑادی ہیں۔ جوان کے دلوں کو اچھا لگتا ہے وہ تو قابلِ قبول دین ہے اور جہاں یہ ان کی نفسانی خواہشات کے خلاف گیا وہ دین نہیں انہی میں سے کچھ بدبختوں نے قوم لوط کے فعل کو بھی جائز قرار دیا ہے، سود کو یہ حلال سمجھتے ہیں، بے حیائی اور فحاشی کو یہ کلچر کہتے ہیں، کمزور اقوام پر ظلم ان کا انصاف ہے اور تکبر میں یہ سب سے آگے ہیں۔ یہود ونصاریٰ کا یہ وطیرہ کوئی نئی بات نہیں بلکہ یہود کا تو یہ حال تھا کہ وہ نبیوں سے بھی یہ توقع رکھتے تھے کہ وہ ان کی خواہشات کے مطابق دین کی تعلیم دیں۔ چنانچہ انہوں نے نبیوں کو جھوٹا بھی کہا اور ان سے جنگ بھی کی۔ اب جبکہ نبیوں کا سلسلہ منقطع ہوگیا ہے یہ کام امتِ محمدیہ (ﷺ) کے علماء کے ذمہ ہے کہ لوگوں کو سیدھے راستے کی تعلیم دیں تو افسوس کہ ان میں سے بھی بعض نے دین کو لوگوں کی خواہش کے تابع کر دیا ہے اور حکمرانوں کی خواہش کے مطابق تشریح وتاویل کرتے ہیں۔ اس لئے کہ انہیں موت کے بعد والی زندگی کا شعور نہیں اور وہ اپنے انجام سے بے خبر ہیں۔ آیہ مبارکہ 87 میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ دین کو جھٹلانے کی سب سے بڑی وجہ تکبر ہے جس کی انتہا یہودی طبقہ میں پائی جاتی ہے۔ اس کا ذکر اگلی آیت میں ہے۔

128- خودساختہ مقدس لوگ:-

جیسا کہ آیات کریمہ 88-90 سے ظاہر ہے تباہی کا بدترین راستہ وہ ہے جب کچھ لوگ اپنے آپ کو مقدس اور مخصوص افراد سمجھنے

لگیں مثلاً جب سرور کائنات ﷺ لوگوں کو بتار ہے تھے کہ ہر گناہ قلب پر ایک سیاہ دھبہ کی مانند ہے جب انسان گناہ کرتا جاتا ہے تو بالآخر سارے قلب پر گناہوں کی سیاہی جم جاتی ہے اس وقت یہود نے اس عظیم اصلاحی نکتہ سے سبق سیکھنے کے بجائے یہ بات گھڑ لی کہ ان کے قلوب غلافوں میں بند ہیں۔ان تک گناہ کے اثرات پہنچتے ہی نہیں۔آیہ مبارک 88 میں بتایا گیا ہے ایسے خودسر لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔دراصل یہ لوگ اپنے آپ ہی کو دھوکا دے رہے ہوتے ہیں اپنی غلطی کبھی نہیں مانتے،توبہ کرتے نہیں ہیں بلکہ اپنے گناہ پر الٹا اصرار کرتے جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ" کچھ نہیں ہوتا یہ سب راہبوں، پادریوں اور مولویوں کی گھڑی ہوئی باتیں ہیں" وغیرہ وغیرہ۔یوں ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنت اور ذلت وخواری میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اور بالآخر اپنے گناہوں کے ساتھ مر جاتے ہیں۔ان کا باطن اس قدر خراب ہو چکا ہوتا ہے کہ جہنم کی آگ بھی ان کے اعمال کی بدبو اور خرابی کو نہیں دھوسکتی اس لئے وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں ہی رہیں گے۔**اِلّا ماشاالله**۔

129-یہود کی طرف سے آخری نبی کا انتظار اور ان کی آمد کے بعد ان کا انکار:-

آیہ مبارک 89 تمام یہود وہنود و نصاریٰ اور دنیا کے بقیہ سبھی لوگوں کے لئے قابل غور ہے۔سب آسمانی کتابوں میں نبی آخرالزماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بعثت کی خوشخبری دی گئی تھی اور تمام مذاہب کے لوگ حضور ﷺ کی آمد کا شدت سے انتظار کرتے تھے خصوصاً یہود تو مدینہ منورہ میں اپنے مخالف قبائل سے یہاں تک کہا کرتے تھے کہ عنقریب ہماری مذہبی کتابوں کے مطابق اللہ کا آخری نبی آنے والا ہے اور ہم ان پر ایمان لا کر تم پر حکمرانی کریں گے۔یہی وجہ ہے کہ اہل مدینہ کو جیسے ہی حضور ﷺ کی آمد کا علم ہوا وہ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے لیکن یہود کی قسمت پھوٹ گئی۔چونکہ ان کی دینداری کا مقصد دنیا کا حصول تھا۔اسلئے جب وہ اللہ کے نبی ﷺ کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال نہ کر سکے تو آپ کے مخالف بن گئے۔آج بھی یہود اور عیسائی آپ کی عظمت اور بعثت کی سچائی کے تو قائل ہیں لیکن ہٹ دھرمی اور دنیاوی تکبر کی وجہ سے وہ آپ پر ایمان نہیں لا رہے۔(Ref.....100 Great) ہندوؤں کی کتابوں میں بھی آپ کا ذکر ہے لیکن برہمن آپ کے متعلق دی گئی خوشخبریوں کو چھپاتے ہیں۔لوگوں کو آپ کی طرف آنے سے روکتے ہیں۔ (Ref."Muhammad" by K.S.Ramakrishna Rao) یہ لوگ بلاشک وشبہ اللہ تعالیٰ کی لعنت کے مستحق ہو چکے ہیں لیکن اب یہ مسلمان دانشوروں پر منحصر ہے کہ یہود وہنود اور نصاریٰ کی کتابوں کا بغور مطالعہ کر کے ان کی کتابوں میں نبی آخرالزمان ﷺ کی آمد کے بارے میں دی گئی خوشخبریوں کو منظر عام پر لائیں تا کہ انسانیت آپ کو پہچان کر حق کی طرف آ جائے اور یوں جہنم میں گرنے سے بچ جائے۔اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو وہ بھی دعوت حق نہ دینے کے باعث گنہگار رہوں گے۔

آیہ مبارک 90 بتاتی ہے کہ لوگوں کا اسلام قبول نہ کرنا ان کی نفسانی خواہشات کی وجہ سے ہے۔مسلمانوں میں سے بھی جو لوگ اسلام کے اندر مکمل طور پر داخل نہیں ہوئے اور نبی پاک ﷺ کی سنت کا اتباع نہیں کرتے اس کی وجہ بھی نفس کی غلامی ہے۔اسلامی تعلیمات

کی پابندی ان پر گراں گذرتی ہے، ان کے دنیاوی مفاد قرآن وسنت کے احکام سے ٹکراتے ہیں اس لئے وہ کئی بہانوں سے ان کی مخالفت کرتے ہیں۔ آیہ کریمہ 90 کے آخر میں ایسے تمام بدظنوں کا فیصلہ سنادیا گیا ہے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے غیض وغضب کا شکار ہوں گے، نہ ان کو دنیا میں چین ہوگا اور نہ آخرت میں۔ (استغفراللہ)

اگلی آیہ کریمہ 91 میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اسلام کی مخالفت کی وجہ لوگوں کا تعصب ہے خطاب گو کہ بنی اسرائیل کیلئے ہے لیکن مدعا سب کیلئے ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ
قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا
وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ۗ وَهُوَ الْحَقُّ
مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ۗ
قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ
مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○

-91 اور جب ان سے کہا جاتا ہے
ایمان لاؤ اس پر جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے،
تو کہتے ہیں ہم صرف اسے مانیں گے
جو ہم پر نازل ہوا ہے۔
اور اسکے علاوہ جو کچھ ہے اس کے منکر ہیں،
حالانکہ وہ حق ہے۔
تصدیق کرتا ہے جو ان کے پاس ہے۔
آپ کہیئے، اگر تم مومنین تھے
تو پھر اس سے پہلے تم اللہ تعالیٰ کے
انبیاء کو کیوں قتل کرتے تھے؟

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ
ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ
مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ○

-92 اور جب موسیٰ (علیہ السلام) تمہارے
پاس کھلے دلائل کیساتھ آئے تھے،
تو اس وقت تم نے بچھڑے کو (معبود)
پکڑ لیا تھا۔ اور تم ظالم تھے۔

130- تعصب اور حق کی مخالفت :-

ہمیشہ ہی سے حاسد اور متعصب طبقہ سچائی کی مخالفت میں ہراول دستہ ہوتا ہے جو اپنے مفادات اور فرسودہ خیالات کے علاوہ اور کچھ سننے، سیکھنے اور سمجھنے کی ہمت نہیں رکھتا۔ یہی حال اس وقت یہود کا تھا اور آج بھی ہے، جب نبی آخر الزمان ﷺ تشریف لے آئے تو انکی اپنی کتابوں کی پیشگوئیوں کے مطابق انہیں معلوم تھا کہ آپؐ نبی آخرزمان ہیں لہٰذا ان پر لازم تھا کہ وہ انکی پیروی کرتے ،لیکن انہوں نے صاف انکار کر دیا اور کہنے لگے کہ ہم تو صرف اپنی کتاب کو مانتے ہیں حالانکہ انکی اپنی کتاب کے مطابق آپ ﷺ خاتم النبیین تھے اور آپؐ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور باقی تمام پیغمبروں کی تصدیق کی اور انکے ادیان کو حق ثابت کیا تھا۔ جبکہ یہود نے ان میں اکثر انبیا کی تکذیب کی تھی اور کئی ایک کو قتل بھی کیا تھا۔ یہی حال موجودہ زمانہ کے یہود اور انہی جیسے دوسرے لوگوں کا ہے۔ اگر یہ مخلص ہوتے تو وہ اپنے آباؤ اجداد کے ان قبیح افعال کو برا کہتے لیکن وہ تو ان پر فخر کرتے ہیں اور ہمیشہ ہی سے اپنے روایتی تعصب کی بنا پر اللہ تعالیٰ کے نبیوں سے جنگ کرتے آرہے ہیں اور اپنے آباؤ اجداد کے جرائم کی مذمت کی بجائے انہی کی طرح یہ اب نبی آخر الزمان ﷺ کی تکذیب کرتے ہیں لیکن انکی ہٹ دھرمی کوئی ایسی بات بھی نہیں عام لوگوں کی سمجھ میں نہ آسکے۔ آیہ مبارک 92 میں بتایا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جنہوں نے بنی اسرائیل کو فرعون جیسے ظالم سے نجات دلائی تھی انکی موجودگی ہی میں بھی ان لوگوں نے سامری کے کہنے پر بچھڑے کو اپنا معبود بنالیا تھا۔ دراصل مسلسل کفر اور تکبر کی وجہ سے ان میں سے اکثریت کی فطرت خراب ہو چکی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے آباؤ اجداد کی طرح موجودہ زمانے کے یہود و نصاریٰ بھی اسلام کا انکار کر رہے ہیں لیکن ابھی بھی انکے پاس اپنی اصلاح کے لئے وقت ہے۔ اگلی آیات کریمہ یہودیوں کو ان کے پچھلے قابل مذمت کرتوت یاد دلا کر اسلام کی دعوت دیتی ہیں، اس لئے کہ ان کے بڑوں سے تو جو غفلت ہوئی سو ہوئی اب یہ تو اپنی آخرت خراب نہ کریں۔ فرمایا......

93- اور (اس بات کو یاد کرو)، جب ہم نے (دامن طور میں) تم سے پکا وعدہ لیا، اور ہم نے طور پہاڑ کو تمہارے سروں پر بلند کیا، یہ کہ جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اسے مضبوطی سے پکڑ لو، اور خوب غور سے سنو۔ انہوں نے کہا۔ ہم نے سنا اور نہ مانا

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ
وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ
خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ
وَّاسْمَعُوْا ۭ قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا
وَاُشْرِبُوْا

فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ؕ
قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖۤ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ
مُّؤْمِنِيْنَ ○

اوران کے کفر کے باعث ان کے
دلوں میں
بچھڑے کی محبت رچ گئی تھی۔
آپ ان کو بتائیے کہ، تمہارا ایمان تمہیں
کیسی بری باتوں کا حکم دیتا ہے،
اگر تم واقعی ایمان والے ہو۔

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ
اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ
فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○

-94 آپ انہیں بتائیے کہ اگر (بقول تمہارے)
آخرت کا گھر واقعی تمہارے ہی لئے ہے،
باقی لوگوں کے لئے نہیں،
تو پھر تم موت کی تمنا کرو،
اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔

وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا
بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ
وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ ۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ○

-95 اور وہ کبھی بھی اس کی تمنا نہیں کریں گے
ان بداعمالیوں کے سبب جو وہ کرتے ہیں
اور اللہ خوب جانتا ہے ظالموں کو۔

وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ
وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ
يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ

-96 اور آپ یقیناً ان کو پائیں گے
زندگی کے لئے سب لوگوں سے زیادہ
حریص۔
اور مشرکوں میں سے تو ہر ایک کی خواہش
ہے،

وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝

کہ وہ ہزار برس جیئے۔
حالانکہ (اتنی مدت) جینا بھی نہیں بچا سکتا ان کو عذاب سے۔
اور اللہ سب کچھ دیکھنے والا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔

131- پکا وعدہ اور پہاڑوں کی گواہی:-

آیہ مبارک 93 میں تاریخ عالم کے ایک نہایت اہم موڑ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے ساتھ کوہ طور کے دامن میں کھڑے تھے۔ اس کی فلک بوس چوٹیاں ان پر جھک رہی تھیں، اس پرشکوہ ماحول میں انہوں نے کوہ طور کو گواہ بناتے ہوئے بنی اسرائیل سے اس بات کا وعدہ لیا کہ "وہ اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے تھامے رکھیں گے اور اس کے احکامات پر عمل کریں گے" لیکن ان کی ڈھٹائی کی حد ہو چکی تھی بولے" ہم نے سن لیا لیکن نہیں مانتے" انکار کی وجہ یہ تھی کہ ایمان کے لئے ان کے دل میں کوئی جگہ نہیں تھی۔ ان کے دل بچھڑے کی محبت میں گرفتار تھے اور جب دل میں غیر اللہ کی محبت سمائی ہوئی ہو تو وہاں ایمان داخل نہیں ہو سکتا۔ افسوس کہ یہی حال آج کل کے بے شمار کلمہ گو مسلمانوں کا ہے، شہادت تو لا الا اللہ محمد رسول اللہ کی دیتے ہیں لیکن اس شہادت کے عملی تقاضے پورا نہیں کرتے۔ اس لئے کہ ان کے دل بھی سونے کے بچھڑوں (مال و دولت وغیرہ) کی محبت میں گرفتار ہیں افسوس کہ سامری کے یہ پیروکار باتیں بنانے میں سب سے پیش پیش ہوتے ہیں۔ یاد رکھیں کعبہء دل میں اگر رب تعالیٰ کو بٹھانا ہے تو جھوٹے خداؤں سے اسے خالی کرنا پہلی شرط ہے۔

132- منافق زندگی کیلئے سب سے زیادہ حریص ہیں:-

آیہ مبارک 94 ان نام نہاد نیک لوگوں کی غلط فہمی دور کرتی ہے جو اپنے آپ کو محبوب ربانی اور پتہ نہیں اور کیا کچھ سمجھتے ہیں۔ ان کو بتایا جا رہا ہے کہ اگر تم واقعی اللہ تعالیٰ کے محبوب ہو اور جنت تمہارے ہی لئے ہے تو پھر موت کی تمنا کرو تا کہ وہاں پہنچ کر ہر طرح کی راحت پاؤ۔ یہی حکم سورۃ جمعہ کی آیہ مبارک 6 میں دہرایا گیا ہے۔ لیکن ہر ظالم موت سے گھبراتا ہے اور لمبی زندگی کی آرزو کرتا رہتا ہے۔ آیہ مبارک 96 ظالموں کی اس خصلت کو بیان کرتی ہے کہ یہ لوگ زندگی کے لئے بڑے حریص ہوتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر وہ ہزار سال بھی زندہ رہیں تو بھی موت کے پنجے سے بچ نہیں سکتے بلکہ ان کی لمبی عمر زیادہ گناہ اکٹھے کرنے کا باعث بنتی ہے۔ عذاب ان کا منتظر ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے ایک لمحہ بھی غائب نہیں ہو سکتے وہ ہر وقت ان ظالموں کے کرتوت دیکھ رہا ہے، ان کی ایک ایک حرکت اس کے علم میں ہے۔ یہ ہزار سال بھی جی لیں بالآخر انہیں اپنے کیے کا جواب دینا ہوگا۔ ان کے برعکس اللہ تعالیٰ کے سچے اور نیک بندے ہیں ان کے لئے دنیا ایک

قید خانہ ہے اور موت آزادی کا پروانہ، جو کچھ رب تعالیٰ نے دیا اس پر وہ خوش ہیں اس لئے وہ دنیا اور آخرت دونوں کی بھلائی کی دعا مانگتے ہیں۔(آیہ 201) حضورﷺ نے مومنوں کو سکھایا ہے کہ وہ دعا کریں۔''اے اللہ مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جب تک یہ زندگی میرے لئے بہتر ہے اور اس وقت موت دے جب تو اس کو میرے لئے بہتر سمجھے''۔گویا مومن زندگی اور موت دونوں میں اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی ہے۔

133- لمبی عمر اور سائنس:-

آیۃ مبارک 96 ایک خاص سائنسی نکتہ کی طرف اشارہ کرتی ہے۔وہ یہ کہ یہود اور مشرکین جن میں نصاریٰ بھی شامل ہیں زندگی کی مدت بڑھانے کیلئے جستجو کرتے رہیں گے اور ان کی ریسرچ بارآور ہوسکتی ہے چونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان کبھی جھوٹا نہیں ہوسکتا اسلئے مستقبل قریب میں ممکن ہے کہ انسانی عمر ایک ہزار سال کے لگ بھگ ہو جائے۔انسان کے ابتدائی زمانہ میں بھی عمریں بہت لمبی ہوتی تھیں مثلاً حضرت نوح علیہ السلام 950 برس سے زیادہ عرصہ زندہ رہے لیکن برے آدمی کے لئے لمبی عمر اس کے بداعمال کی زیادتی اور نتیجتاً اس کے عذاب میں اضافہ کا سبب بنتی ہے۔سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰﷺ کے اس فرمان کا پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے۔''مومن کے لئے دنیا مانند جیل ہے'' وہ جلد از جلد اس سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا ہے اس کا دل اپنے رب کی محبت میں بے تاب رہتا ہے۔اسی لئے مومن موت کو عزیز رکھتا ہے وہ تمنائے شہادت کے ساتھ جیتا ہے لیکن کافر کے لئے قبر آگ کے تندور کی مانند ہے۔اس لئے وہ دنیا کی زندگی کے لئے حریص ہے۔

(For more detail see page Appendix - XIV)

اگلی آیات کریمہ میں یہود کی حضرت جبرائیل علیہ السلام سے بلاجواز دشمنی کا حال بیان کیا گیا ہے۔فرمایا......

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ
فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ
بِاِذْنِ اللّٰهِ
مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ
وَهُدًى وَّبُشْرٰى
لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝

97- آپﷺ ان سے کہیں بھلا وہ کون ہے جو جبرائیل کا دشمن ہے؟ (جبرائیل) تو وہ ہے (جسکی وساطت سے) نازل ہوا (قرآن) آپ کے قلب پر، اللہ تعالیٰ کے حکم سے، یہ (قرآن) تصدیق کرنے والا ہے، ان کتابوں کی جو اس سے پہلے نازل کی گئیں، اور سراپا ہدایت ہے اور بشارت ہے مومنین کے لئے۔

مَنۡ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓٮِٕكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبۡرِيۡلَ وَمِيۡكٰٮلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلۡكٰفِرِيۡنَ ○

98- پس جو کوئی دشمن ہو اللہ تعالیٰ کا اور اس کے فرشتوں کا،
اور اس کے رسولوں کا اور جبرائیل اور میکائیل کا،
تو اللہ تعالیٰ بھی دشمن ہے ایسے کافروں کا۔

وَلَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ‌ۚ وَمَا يَكۡفُرُ بِهَاۤ اِلَّا الۡفٰسِقُوۡنَ ○

99- اور یقیناً ہم نے نازل فرمائیں تمہاری طرف روشن آیات۔
اور نہیں ان کا انکار کرتے مگر بدکردار لوگ۔

134- اللہ کے فرشتوں سے دشمنی:-

جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کے سردار ہیں اور ان کے ذمہ اللہ تبارک تعالیٰ کا کلام نبیوں تک پہنچانا تھا۔ یہ اس لیے تھا کہ کسی آدمی کے بس کی یہ بات نہیں تھی کہ وہ بشری حالت میں براہ راست خالق کون ومکان سے بات چیت کر سکے، دیکھ سکے یا ملاقات کر سکے۔ حضرت موسیٰؑ کا کلیم اللہ ہونا پس حجاب تھا۔ سرور کائنات ﷺ کی معراج کے موقع پر جو ملاقات ہوئی وہ انتہائی غیر معمولی اور خصوصی واقعہ ہے۔ جس کی وضاحت سورۃ بنی اسرائیل اور سورۃ نجم میں آئے گی۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی وحی کا نزول ہمیشہ حضرت جبرائیلؑ کے واسطہ سے نبیوں کے قلوب پر ہوا۔

جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے یہود ونصاریٰ نبی آخر الزمانؐ کا انتظار کیا کرتے تھے۔ لیکن بنی اسرائیل اس غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ سرور کائنات ﷺ ان کے قبیلہ سے ہونگے۔ لیکن یہ عزت اولاد اسماعیلؑ کے لیے لکھ دی گئی تھی اور یہ بات نسلی تعصب کی وجہ سے یہود کے لیے ناقابلِ برداشت بات تھی۔ چنانچہ انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ جبرئیلؑ سے غلطی ہوئی لیکن جوں جوں وہ اپنے کفر میں بڑھتے گئے ان کا انکار دشمنی میں بدلتا گیا حتیٰ کہ وہ حضرت جبرئیلؑ کو برا بھلا کہنے لگے کہ اس نے بنی اسمٰعیل کے ایک فرد کو شرارت سے نبی آخر الزمانؐ بنا دیا ہے۔ (اعوذ باللہ من ذالک)

135- تعصب انسان کو اندھا کر دیتا ہے:-

آیہ کریمہ 98,97 ظاہر کرتی ہیں کہ تعصب اور تکبر انسانی سوچ کو ختم کر دیتا ہے۔ مسلمان جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تو بہت مفلوک الحال تھے لیکن تھوڑے ہی عرصہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کی غربت کو خوشحالی میں بدل دیا۔ لیکن یہود کے لیے یہ بھی ناقابل

برداشت تھا۔ چونکہ رزق کی تقسیم حضرت میکائیلؑ کے ذمہ ہے اس لیے وہ اس جلیل القدر فرشتہ کے بھی خلاف ہو گئے۔ لہٰذا فرشتوں سے ان کی دشمنی بھی خاتم النبیینؑ سے حسد اور بغض کی بنا پر تھی۔ بیوقوف بھول رہے تھے کہ جبرائیل اور میکائیل تو اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور اسی کا حکم پورا کرتے ہیں، اس لیے ان کی دشمنی سے گویا وہ ان کے مالک (اللہ تعالیٰ) کی دشمنی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ افسوس کہ کچھ نام نہاد مسلمان فرقہ بندی اور اپنی جہالت کی بنا پر یہود جیسے ہی خیالات رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی جگہ کسی اور کو نبی بننا تھا لیکن جبرائیلؑ سے غلطی ہوئی۔ اللہ ایسے لوگوں کو ہدایت دے۔

آیہ مبارک 99 کا یہ ارشاد کہ ..... **وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ** سرور کائناتؐ کی سچائی کے شواہد اور قرآن کریم کے منجانب اللہ ہونے پر شک کرنے والا یا تو کلی طور پر جاہل ہے ، جیسے ابو جہل یا وہ انتہائی متعصب ہے جیسے شیطان۔ ورنہ حق و باطل میں فرق روز روشن کی طرح روشن ہے۔

136- قلب پر وحی الٰہی کا نزول (الہام اور القاء):-

آیہ مبارک 97 کا ارشاد کہ **فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ** "یقیناً جبرئیلؑ نے اللہ تعالیٰ کے اذن کے ساتھ حضورؐ کے قلب پر قرآن حکیم نازل کیا"۔ ایک ایسی آیت ہے جس کا ادراک کرنا عقل و شعور کے بس کی بات نہیں۔ شاعر مشرق علامہ محمد اقبالؒ سے کسی نے ایک دفعہ پوچھا کہ کیا آپ حضور پاکؐ کے قلب پر وحی کے نزول کو مانتے ہیں تو علامہ صاحب نے جواب دیا۔ "حضور پاک ﷺ کی ذاتِ مبارک کا کیا کہنا۔ وہ تو اشرف الانبیا ہیں۔ مجھ جیسے معمولی انسان کے قلب پر شعر کا نزول ہوتا ہے"۔ قلب پر نزول کی ایک حالت کو جس کا ادراک اکثر لوگوں کو ہوگا، سائنسی اصطلاح میں (Intution) کہتے ہیں۔ جس کے قریب ترین اردو کا لفظ الہام ہے۔ سائنس کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے۔ بڑی بڑی دریافتیں، دقیق نکات کے حل اور غیب کے کئی راز جو تجربہ میں نہیں آ سکتے تھے، کیسے اچانک کسی سائنسدان مفکر، فلاسفر یا دانشور کے دل پر اتر گئے اور تحقیق جو رکی ہوئی تھی پھر سے متحرک ہو گئی۔ آیت الکرسی کا فرمان **لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ۗ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَىْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ** ۔(وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور کوئی اس کے علم میں سے کسی چیز کا ادراک نہیں کر سکتا مگر جتنا وہ چاہے) ظاہر کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جیسے چاہے اور جس کو چاہے، اپنے بندوں میں سے کسی کے قلب پر اپنے علم میں سے کچھ نازل فرما دیتا ہے۔ جن سے علم کی جزئیات آگے بڑھتی جا رہی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے نبی اور رسول وہ چنیدہ ہستیاں ہیں جن کے ذمے اللہ تعالیٰ کا پیغام اس کی مخلوق تک پہنچانا ہوتا ہے۔ ان پر القاء، الہام اور وحی کے دروازے غیر معمولی طور پر کھول دیے جاتے ہیں۔ جبرئیل علیہ السلام اس کام کیلئے مقرر کیے گئے ہیں تا کہ اس پاک علم کی ترسیل میں شیطان، جنات اور سفلی ارواح کسی طرح کی آمیزش نہ کر سکیں۔ اس لیے نبی پر جو کچھ اترتا ہے وہ یقیناً وہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی

طرف سے بھیجا جاتا ہے۔ اس کے برعکس عام آدمیوں پر جو الہام یا القاء ہوتا ہے۔ انکے لیے اس طرح کی حفاظت کے انتظامات نہیں ہوتے۔ اس لئے ان کے صحیح ہونے پر شک کی گنجائش باقی رہتی ہے۔ ان میں شیطانی وسوسوں کا بھی دخل ہوسکتا ہے۔ لہٰذا ان کے سچ ہونے کی کسوٹی بھی قرآن کریم ہی ہے۔ اگر الہام یا القاء، اللہ کی کتاب اور شریعت محمدؐ کے مطابق ہو تو یہ صحیح ہوسکتا ہے ورنہ اس کو رد کرنے میں ہی عافیت ہے۔

پوچھا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی ترسیل میں حفاظتی تدابیر وغیرہ کی کیا ضرورت ہے۔ مثلاً بعض احادیث مبارکہ میں آتا ہے کہ فلاں آیت یا فلاں سورت جب نازل ہوئی تو اسکی معیت میں اتنے فرشتے تھے۔ اسکا ایک جواب یہ ہے کہ یہ ان سورتوں اور آیات کی عظیم شان اور عزت واحترام کو ظاہر کرتا ہے اور دوسرا یہ کہ وحی کے ساتھ شیطانی وسوسوں کی ملاوٹ کے امکان کو روکا جائے۔ اس بات کو اگر بعض لوگوں کے لئے سمجھنا مشکل ہے تو وہ لاسلکی نظام (WIRELESS SYSTEM) کے ذریعہ پیغامات کی ترسیل مثلاً ریڈیو، ٹیلی ویژن وغیرہ کے طریقوں اور ان پر فضا میں موجود بجلی کے طوفانوں کے اثرات مثلاً بادلوں کی گرج چمک وغیرہ کم کرنے کے حفاظتی نظام پر غور کریں تو یہ مسئلہ آسانی سے سمجھ میں آجائے گا۔ مثلاً جب بھی بادلوں میں بجلی کڑکتی ہے تو سگنل خراب ہوجاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اصل سگنل پر بادلوں کی بجلی کا سگنل چڑھ جاتا ہے چنانچہ آج کل آواز یا تصویر کے سگنل کو ٹرانسمٹ (Transmitt) کرنے سے پہلے ان پر حفاظتی سگنل (Modulated Signal) چڑھا دیئے جاتے ہیں۔ اگر یہ عام انسانی حفاظتی تدابیر کی بات ہے تو شیطانوں سے وحی کی حفاظت کے خصوصی انتظام پر شک کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

137- ماہیت قلب:۔

قلب کیا ہے؟ قلب اور دماغ میں کیا فرق ہے؟ کیا دل جو انسانی خون کو پمپ کرتا ہے وہی قلب ہے؟ کیا وحی یا الہام دماغ کو ہوتا ہے یا قلب کو؟ ان سوالات کے جواب علمی تشنگی بجھانے کے لئے اہم ہیں لیکن ایمان اور تقویٰ کے لحاظ سے کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ لیکن چونکہ فی زمانہ انسان کی سرشت میں جستجو ہے اس لئے ایسے سوالوں کو مناسب اہمیت دی جانی چاہیے۔

ہم پہلے بھی اسی سورت میں ہارمونز اور خون کے ذرات کے حوالہ سے انسانی دل بحیثیت آلہ جذبات کے متعلق کچھ بحث کرچکے ہیں۔ اسی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہیں گے کہ دراصل قلب انسانی شخصیت کا مرکزی نکتہ (Nucleous) ہے۔ بیالوجی کے طلباء جانتے ہیں کہ انسان کا جسم کھربوں خلیات (Cell) کا مجموعہ ہے لیکن یہ تمام خلیات اپنی بناوٹ میں ایک ہی کلیہ کے مطابق ہیں۔ ہر خلیہ کے اندر ایک مرکز (Nucleous) ہوتا ہے اور اس مرکز میں ڈی۔این۔اے ہوتے ہیں اور ڈی این اے میں جینز (Genes) کا فارمولہ ہوتا ہے اور انسان کی شخصیت اور اسکے اعضاء اس فارمولہ کے مطابق تشکیل پاتے ہیں۔ اس کلیہ کے مطابق انسان کا بھی بحیثیت مجموعی ایک مرکز (Nucleous) ہوتا ہے جسے ہم قلب کا نام دیتے ہیں۔ یہ اسکی پوری شخصیت کا مرکزی مقام ہے۔

جہاں تک دماغ کا تعلق ہے اسکا قلب سے بڑا گہرا ناتا ہے۔ اگر قلب بادشاہ ہے تو دماغ وزیر ہے۔ بیالوجی کی رُو سے انسانی جسم کے روئیں روئیں میں تاروں کا ایک جال بچھا ہوا ہے جسے نروس سسٹم (Nervous System) کہتے ہیں۔ یہ تاریں ایسے ہی ہیں جیسے کسی بڑے شہر کا بجلی کا نظام، جو ہر گھر کی طرف گرڈ سٹیشن (Grid Station) سے نکل کر بجلی کی ترسیل کا کام کرتی ہیں۔ دماغ کی مثال کمپیوٹر کے ساز وسامان (Hardware) کی سی ہے۔ وہ قلب کی طرف سے دی گئی ہدایات (Software) کے مطابق کام کرتا ہے۔ لیکن دونوں ہی ایک دوسرے کے لئے لازم وملزم ہیں۔ انگریزی زبان میں قلب کا قریب ترین ترجمہ لفظ مائنڈ (Mind) ہو سکتا ہے۔ (واللہ اعلم)۔
(For more details pleae see appendix xii, xiii)

138- وحی کی کیفیات:۔

حضورﷺ کے قلب مبارک پر وحی کا نزول ہمیشہ غیر معمولی طور پر ہوتا تھا۔ جب آپؐ پر وحی نازل ہوتی تو آس پاس کے لوگوں کو فوری طور پر پتہ چل جاتا تھا۔ متعدد احادیث مبارکہ میں نزول وحی کی کیفیات کو بیان کیا گیا ہے۔ مختصراً یہ کہ یہ امر حضور سرور کائناتﷺ کے لئے آسان نہیں تھا کہ ایک بات دل میں آ گئی اور کہہ دی بلکہ جب وحی نازل ہوتی تھی تو سخت سردیوں کے دنوں میں بھی آپؐ پسینہ پسینہ ہو جاتے۔ بعض اوقات آپ پر غنودگی کی سی کیفیت طاری ہو جاتی اور آپ لمبے لمبے سانس لینا شروع کر دیتے جس طرح کوئی آدمی حالت نیند میں لیتا ہے۔ اگر آپ گھوڑے اور اونٹ پر سوار ہوتے تو متعلقہ سواری وحی کے بوجھ سے بیٹھ جاتی۔ اس سے حضور پاکﷺ کی بلند عظمت اور عالی مرتبے کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آپ وحی کا بہت گراں بوجھ برداشت کر لیتے۔ ورنہ قرآن پاک کی عظمت کا اندازہ اس آیہ کریمہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ ”اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر نازل کرتے تو آپ دیکھتے کہ یہ (پہاڑ) خشیت الٰہی سے دبا جاتا اور پھٹا جاتا“ (سورۃ حشر آیت مبارکہ 2)

139- شان وحی:۔

یہ تو صاحبِ وحی کی کیفیات کا بیان تھا لیکن کلام وحی بذات خود بھی یکتا ہے۔ اس کی خوبصورتی اور معنی کی شان بھی بے مثل ہے۔ کوئی دوسرا آدمی اپنے ذہن سے ایسا کلام پیدا نہیں کر سکتا اور قرآن کریم کا یہ چیلنج چودہ سو سالوں سے اب تک اپنی جگہ پر قائم ودائم ہے کہ اگر کوئی قرآن پاک کی مثل کوئی چھوٹی سے چھوٹی سورت بھی بنا سکتا ہے تو بنا کر دکھائے۔

وحی کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کے الفاظ سرور کائناتؐ کے قلب پر ثبت ہو جاتے اور آپ انہیں حرف بہ حرف، لفظ بہ لفظ بغیر کسی کوشش کے بیان فرما دیتے۔ اس طرح آپ قرآن کریم کے قدرتی حافظ تھے اور اس کی تمام جزئیات آپؐ کے ذہن مبارک میں محفوظ تھیں۔ بے شک قرآن کریم اللہ کی طرف سے دیا گیا ایک عظیم معجزہ ہے اور یہ کسی انسان کے بس کی بات نہیں کہ وہ اس طرح کا کلام بنا سکے۔

اگلی آیات کریمہ میں وحی الٰہی پر فاسقین، مشرکین اور منافقین کے ردعمل کو اجاگر کیا گیا ہے تاکہ مومنین اپنے ایمان کی حفاظت کر سکیں۔ فرمایا......

أَوَكُلَّمَا عَاهَدُوا عَهْدًا
نَّبَذَهُ فَرِيقٌ مِّنْهُم ۚ
بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ○

100- کیا یہ نہیں کہ انہوں (فاسقوں) نے جب کبھی وعدہ کیا تو انہی میں سے ایک گروہ نے اسے توڑ ڈالا؟
بلکہ ان میں سے کچھ لوگ تو ایمان ہی نہیں لاتے۔

وَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ
مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ
نَبَذَ فَرِيقٌ مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ كِتَابَ
اللَّهِ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ○

101- اور جب انکے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول آیا، تصدیق کرنے والا اس کتاب کی جو ان کے پاس تھی، تو جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی، تو ان کے ایک گروہ نے اللہ کی کتاب کو پس پشت ڈال دیا گویا کہ وہ اس کو جانتے ہی نہیں۔

140- بدعہدوں کا معاشرہ فاسق معاشرہ ہوتا ہے :-

کسی اچھے معاشرہ کی طاقت اس بات میں ہے کہ اس میں لوگ وعدہ وفا ہوں۔ اس کے برعکس فاسق معاشرہ کی اولین نشانی یہ ہے کہ وہ وعدہ وفا نہیں ہوتا۔ آیہ مبارک 100 میں کیا خوب بتایا گیا ہے۔ ''ان فاسقوں نے جب کبھی وعدہ کیا تو انہی میں سے ایک گروہ نے اسے توڑ ڈالا''۔ یوں ان میں بہت سے معاہدے ہوتے رہتے ہیں اور توڑے جاتے ہیں اور معاشرہ میں کسی کو کسی کی بات کا پاس نہیں رہتا اور آخر کار بے یقینی اور بے اعتباری کی فضا میں یہ لوگ تباہ و برباد اور ذلیل و خوار ہو جاتے ہیں۔ آیہ مبارک یہ بھی بتاتی ہے کہ فاسق کی نشانی یہ ہے کہ وہ وعدہ کر کے پورا نہیں کرتے۔ دنیا کے معاملات تو اپنی جگہ، وہ دین کے معاملات میں بھی کئے گئے وعدے پورے نہیں کرتے۔ مثلاً

دین اسلام کو ماننے کا مطلب ہے کہ اس کے سارے احکام کو ماننے کا گویا وعدہ کر لیا گیا۔ اب دیکھیں، ہم میں سے کتنے لوگ ہیں جو اس وعدہ پر قائم ہیں۔ جگہ جگہ ہمارے ایمان اور اعمال کے پل ٹوٹے ہوئے ہیں اور پھر بھی اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ جنت میں پہنچ جائیں گے۔

آیتِ مبارک 101 پھر سے اسلام کی اس خاص بات کا اعادہ کرتی ہے کہ یہ سارے ادیان کی سچائی کا گواہ ہے۔ قرآن پاک تمام الہامی کتابوں کی کتاب ہے اور سب کی تصدیق کرتی ہے اور ان الہامی کتابوں میں بھی آخری نبی پاکؐ کی بعثت کی خوشخبری موجود ہے اور تمام انبیا نے یہ خوشخبری دی تھی کہ محمد رسول اللہ ﷺ سب نبیوں کی بنیاد اور تکمیل ہیں۔ لہٰذا حضور نبی کریم ﷺ پر ایمان لانا گویا تمام مذاہب اور تمام انبیا پر ایمان لانا ہے اور ایک امت واحدہ بن کر اللہ کے احکام کے مطابق زندگی گزارنا ہے۔ لیکن افسوس کہ اکثر مذہبی لوگ ایک دوسرے کی تکذیب کرتے ہیں۔ اگرچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی بنی اسرائیل ہی کے نبی تھے پھر بھی یہود، نصاریٰ کی اور نصاریٰ، یہود کی تکذیب کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی کتابوں کو پس پشت ڈال چکے ہیں گویا وہ انہیں جانتے ہی نہیں۔ مسلمانوں میں بھی کچھ فرقے ایسے ہیں جو ایک دوسرے کی تکذیب کرتے ہیں حالانکہ سبھی ایک خدا، ایک رسولؐ اور ایک کتاب کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ افسوس کہ اس گناہ میں بعض علماء بھی پیش پیش ہیں۔

جہاں تک عوام کا تعلق ہے، دین کے کچھ نام نہاد ٹھیکیداروں نے انہیں غیر اسلامی مشغلوں میں لگا رکھا ہے۔ انہی مشغلوں میں جادو ٹونے اور تعویذ گنڈے شامل ہیں۔ یہود تو اس میں بہت ہی آگے تھے۔ ان کے علماء نے یہ بات گھڑ لی تھی کہ جادو حضرت سلیمان علیہ السلام پر اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے اس طرح جادو ٹونے کو دین کا حصہ بنا کر لوگوں کو لوٹتے تھے۔ اگلی آیہ کریمہ میں اس جھوٹ کا پول کھولا گیا ہے۔ فرمایا......

102- اور وہ ہدایت کی بجائے اس کی پیروی کرتے ہیں۔ جو حضرت سلیمانؑ کے ملک میں شیاطین پڑھا کرتے تھے، حالانکہ سلیمانؑ نے کفر نہیں کیا تھا، بلکہ شیاطین ہی نے کفر کیا تھا۔ کہ لوگوں کو سکھاتے تھے جادو جو بابل میں دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر اترا تھا،

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۗ

وَمَا أُنزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ
هَارُوتَ وَمَارُوتَ ۚ
وَمَا يُعَلِّمَانِ مِنْ أَحَدٍ
حَتَّىٰ يَقُولَا إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۖ
فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ
بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ ۚ
وَمَا هُم بِضَارِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ
وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ ۚ
وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي
الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۚ
وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهِ أَنفُسَهُمْ ۚ
لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ○

حالانکہ وہ دونوں کسی کو نہ سکھاتے تھے، حتیٰ کہ وہ
یہ کہتے! "ہم تو خود آزمائش میں مبتلا ہیں۔ پس تم
کفر نہ کرو" (لیکن یہ لوگ ان کی نصیحت پر توجہ نہ
کرتے) ان سے وہ کچھ سیکھتے جو میاں بیوی کے
درمیان جدائی ڈالتا ہے،
حالانکہ وہ اس سے کسی کو بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے
مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔
اور وہ سیکھتے ہیں،
جو انہی کو نقصان پہنچانے والا ہے،
اور ہرگز نفع دینے والا نہیں ہے۔
اس لیے کہ جس نے یہ سیکھا
اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔
واقعی یہ بہت برا ہے،
جس کے عوض انہوں نے اپنے آپ کو بیچ دیا ہے
کاش وہ یہ جانتے ہوتے!

وَلَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَمَثُوبَةٌ
مِّنْ عِندِ اللَّهِ خَيْرٌ ۖ
لَّوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ○

103- اگر وہ ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے
تو ضرور ان کو اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت اچھا
ثواب ملتا۔
کاش انہیں (اس کا) علم ہوتا۔

141- جادو کی حقیقت اور جادوگر کا انجام:۔

آیات مبارکہ 3-102 سے ثابت ہوتا ہے کہ جادو ایک علم تو ضرور ہے لیکن حتمی نہیں، لوگ اسے دوسروں کو نقصان پہنچانے کے لئے سیکھتے ہیں لیکن اس کا سیکھنا، پڑھنا اور عمل میں لانا اسلام میں حرام ہے۔ اس کو سیکھنے اور کرنے والے کے تمام نیک اعمال اکارت جائیں گے اور جیسا کہ آیہ نمبر 102 میں ارشاد ہے **وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ** "یہ ایک خطرناک نقصان دہ علم ہے اور اسکے سیکھنے والے کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا"۔ وہ سیدھا جہنم واصل ہوگا۔

آخرت کی خرابی تو اپنی جگہ ایک حقیقت ہے لیکن جادوگر کی دنیا بھی تباہ ہو جاتی ہے۔ حضور ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ جادو کرنے والے۔ جادو سیکھنے والے اور کرانے والے دونوں جہانوں میں ذلیل وخوار ہونگے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس علم کی بنیاد ہی دوسرے انسانوں کو نقصان پہنچانا ہے اور اس میں کوئی بھلائی نہیں بعض لوگ اس کا استعمال لوگوں کے درمیان دشمنی خصوصاً میاں بیوی کے درمیان جدائی ڈالنے اور باہمی تعلقات خراب کرنے کیلئے کرتے ہیں۔ لیکن یہ گناہ کبیرہ ہے

142- جادو کیوں اور کیسے اثر انداز ہوتا ہے؟

جادو کے اثرات لوگوں کے ذہنوں (MINDS) پر پڑتے ہیں جس کے باعث وہ بیمار ہو جاتے ہیں، ذہنی تناؤ میں آ جاتے ہیں اور غصہ اور نفرت سے ان کے دل بھر جاتے ہیں۔ جس کے نتیجہ میں وہ ایسے فیصلے کر بیٹھتے ہیں جو انہیں تباہی و بربادی کی طرف لے جاتے ہیں اور یوں جادو کرنے اور کرانے والے کا مقصد پورا ہو جاتا ہے۔

انسانوں کے ذہنوں پر جادو کیوں اور کیونکر اثر انداز ہوتا ہے؟ آیت کریمہ 102 سے صاف ظاہر ہے کہ اس کی وجہ شیاطین ہیں جو ہمارے اردگرد لاکھوں، کروڑوں کی تعداد میں موجود رہتے ہیں۔ یہ غیر مادی مخلوق ہیں ایسی ہی غیر مادی مخلوق جس طرح کہ ہماری روح ہے۔ ان کا کام انسان دشمنی ہے لیکن نقصان پہنچانے کی قوت صرف ذہنی وسوسوں کی حد تک ہے۔ اغلب یہ ہے کہ وہ یہ وسوسے ذہن میں چلنے والی برقی لہروں پر اپنی توانائی کی لہروں کے اثرات سے پیدا کرتے ہیں۔ جدید سائنس کے مطابق ذہن میں آنے والے خیالات دماغ میں موجود اربوں نیوران (Neurons) کے درمیان توانائی کے ردوبدل کا عکس ہیں۔ شیاطین جب ہمارے اذہان کی توانائی کی لہروں پر اثر انداز ہوتے ہیں تو ذہنی کشمکش دباؤ، تناؤ، نفرت، حسد، غیبت، برائی، دشمنی جیسے خیالات جنم لیتے ہیں۔ اس عمل کی مثال یوں سمجھ لیں کہ ریڈیو پر آپ دلکش آواز سن رہے ہیں اچانک بادلوں میں بجلی چمکنے لگے یا گھر کی بجلی کی تاروں کے درمیان کہیں معمولی سا شعلہ (Short) پیدا ہونے لگے تو اس کے اثرات سے ریڈیو میں شور پیدا ہونے لگتا ہے۔ اس طرح شیاطین اپنے ناری شور سے ہمارے ذہن کے برقی نظام کے سکون کو برباد کرنے کی کوشش کرتے ہیں جنہیں ہم وسوسے یا مختلف برے خیالات کا نام دیتے ہیں لیکن اگر انسان

مضبوط اعصاب کا مالک ہو یا نیت کرلے کہ وہ اپنے ذہن پر شیطانی اثرات کو غالب نہیں آنے دے گا تو پھر شیطان اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے یہی وجہ ہے کہ جنات اور شیاطین عموماً کمزور ارادے والوں یا ان پر جو خود شیطانی خیالات کی آبیاری کرتے ہیں زیادہ اثر انداز ہوتے ہیں۔

143- جادو کے الفاظ اور ان کے اثرات:-

اب جادو کے الفاظ کی طرف آئیے۔ کیا وجہ ہے کہ کچھ بے معنی سے الفاظ کے مرکبات انسانی ذہن کو پریشان کر کے رکھ دیتے ہیں؟ یا کچھ اوٹ پٹانگ تحریریں انسان کو کشمکش میں ڈال دیتی ہیں؟ ایک نارمل آدمی عجیب عجیب حرکات کرنا شروع کر دیتا ہے۔ ان اوٹ پٹانگ الفاظ یا تحریروں کی طاقت کا راز کیا ہے؟ جس طرح کہ پہلے بتایا گیا ہے، دراصل جادو ایک شیطانی عمل ہے جادو کے الفاظ جو ہمارے لیے بے معنی ہو سکتے ہیں دراصل وہ شیطانوں کی زبان کے الفاظ ہیں جن کو وہ سمجھتے ہیں۔ جادو کرنے والا اپنی قوت ارادی اور نفس امارہ یعنی نفس کی برائی والی قوت کے زور سے شیطانوں کو پکارتا ہے اور انہیں جادو کے الفاظ میں دی گئی ہدایات کے مطابق مفعول پر حملہ کیلئے اکساتا ہے۔ چونکہ انسان دشمنی شیطانوں کا محبوب مشغلہ ہے اس لئے ان الفاظ کی ہدایات کے مطابق وہ مفعول کے ذہن پر اثرات ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں اور اگر وہ کمزور ذہن کا مالک ہو تو جلد ہی اس پر غالب آجاتے ہیں اور یوں وہ آدمی شیاطین کے زیر اثر جادو کرنے اور کروانے والے کی حسب خواہش ردعمل ظاہر کرتا ہے۔ اگر وہ آدمی مضبوط اعصاب کا مالک ہے تو شیاطین کتنا بھی زور لگا لیں اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ کچھ لوگ آسانی سے جادو کا شکار ہو جاتے ہیں اور کچھ لوگوں پر اسکے اثرات کم پڑتے ہیں۔

144- جادو سے بچنے کا طریقہ:-

جیسے کہا جاتا ہے کہ پرہیز علاج سے بہتر ہے۔ جادو سے بچنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ انسان اپنی شخصیت کو مضبوط بنائے اور جادو کو وقعت نہ دے۔ اپنی مدد کیلئے وہ اللہ تعالیٰ کی پناہ کی تلاش میں رہے۔ باوضو رہے اور رحمانی کلمات **"اعوذ باللہ من الشطین الرجیم" "لا حول ولا قوۃ الا باللہ"** -**سورۃ الفلق** اور **سورۃ الناس** اکثر پڑھتا رہے۔ آیۃ الکرسی کے ورد میں خصوصی طور پر جادو اور شیطان کے شر سے بچاؤ ہے۔

اللہ تعالیٰ کے کلام کے اثرات سے انشاء اللہ آدمی جادو کے اثرات سے محفوظ ہو جائے گا لیکن اگر جادو کا حملہ بہت سخت ہو تو پھر ذاتی کوشش جاری رکھتے ہوئے ان لوگوں کی مدد بھی ضروری ہو جاتی ہے جو اپنی پرہیز گاری اور شیطان دشمنی میں بلند مقام پر ہیں۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے بیماری کے حملہ سے پہلے حفاظتی تدابیر مفید ہوتی ہیں لیکن بیماری کے بعد ماہر ڈاکٹروں کے پاس جانے کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔

145- حضورﷺ پر جادو ، ایک غلط فہمی کا ازالہ:-

یہاں جادو ہی کے سلسلہ میں ایک بہت بڑی غلط فہمی کا ازالہ ضروری ہے ۔ بعض ضعیف قسم کی روایات کے زیر اثر یہ مشہور ہو گیا ہے سرور کائنات، انبیاء کے سردار اور محبوب رب کائنات ﷺ پر کسی یہودی نے جادو کر دیا تھا جس کے زیر اثر آپ چیزوں کو بھولنے لگے تاوقتیکہ ایک کنویں میں سے جادو کا ٹونہ مل گیا اور اس کو تباہ کر دیا گیا۔

حضورﷺ پر جادو کرنے کی بات ہم مانتے ہیں کہ کفار، منافقین اور یہود کی زندگی کا مقصد ہی یہی رہ گیا تھا کہ آپ ﷺ کو وہ کسی طرح نقصان پہنچائیں ۔ اسلئے ایک دفعہ نہیں کئی دفعہ انہوں نے ایسی مذموم کوششیں کی ہونگی ۔ جادو تو جادو انہوں نے تو آپ کو شہید کرنے کی بھی کوششیں کیں، آپ کو زہر دیا تاہم اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ آپ کی حفاظت فرمائی، لیکن یہ کہ آپ پر جادو کا اثر ہو گیا یہ روایت صحیح نہیں ہو سکتی ۔ حضور پاک ﷺ تو اپنی روحانی اور بشری حقیقت میں اسقدر بلند پایہ ہیں کہ دنیا کا کوئی دوسرا آدمی آپ کے ہم پلہ نہیں اور اس بات کا اعتراف آپ کے کٹر سے کٹر مخالفین بھی کرتے ہیں کہ آپ کا سا کوئی دوسرا انسان نہیں تو بھلا ایسے مضبوط ترین اعصاب اور ذہنی قوتوں کے مالک اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک معمولی یہودی کے جادو ٹونے یا پھر شیاطین وغیرہ کیسے غالب آ سکتے ہیں؟

ویسے بھی تمام انبیاء علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے مخصوص بندے ہوتے ہیں جن کی شیطانوں سے خصوصی حفاظت کی جاتی ہے، جس کے لئے ان پر ملائکہ مقرر ہوتے ہیں لہٰذا شیاطین ان کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتے اس لیے کہ جس قلب پر وحی کا ظہور ہوتا ہے اس قلب کی حفاظت ناگزیر ہو جاتی ہے ۔ اس سلسلہ میں سرور کائنات، رحمۃ العالمین ﷺ جو کون و مکاں کا سبب ہیں، کے لئے یہ کہنا کہ آپؐ جادو سے مغلوب ہو گئے تھے انتہائی غیر مناسب بات ہے ۔ آپ ﷺ کے مقام کو جو سمجھتا ہے وہ اس طرح کی باتوں کو سنتے ہی رد کر دے گا لیکن ان لوگوں کا کیا کریں جو بڑے مزے لے لے کر ایسی باتوں کا ذکر کرتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جادوگر کچھ نہ بگاڑ سکے سجدے میں گر گئے تھے ۔ (سورہ اعراف آیت 120) تو سرور کائنات اثر الانبیاء حضورﷺ کے اوپر انکا جادو کیسے اثر کر سکتا ہے؟

دراصل منافقین نے یہودی علماء کی ساز باز سے مسلمانوں میں شکوک و شبہات ڈالنے اور یہودیوں کی برتری ثابت کرنے کے لئے اسلام کے اولین دور میں کئی ایک بے سروپا روایات اپنی طرف سے گھڑ کر اسلامی کتابوں میں داخل کر دیں جو بعد میں ان کا مستقل حصہ بن گئیں جن کی بنا پر مسلمانوں کو بڑا نقصان ہوا ہے ۔ اگرچہ آج کل یہودی اور نصاریٰ علماء قرآن کریم اور صاحب قرآن ﷺ کے خلاف لکھتے رہتے ہیں لیکن اب ان کی شرارتیں اور سازشیں جلد ہی پکڑی جاتی ہیں ۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ مسلمان محققین کو ہمیشہ ہی سے اس بات کا بڑا احساس رہا ہے اور اس ضمن میں محدث امام زھری اور دیگر مولفین نے ان سازشوں کو بے نقاب کرنے میں بڑا اہم کام کیا ہے ۔

146- مسئلہ تقدیر:-

آیتہ مبارک 102 میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ "وہ جادو سے کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر اللہ تعالیٰ کی اجازت سے" اس چھوٹے سے جملہ میں تقدیر کے اہم مسئلہ کی طرف اشارہ ہے۔ مالک کون مکان کو اختیار کل حاصل ہے، پتہ پتہ اسی کے حکم سے ہلتا ہے۔ ایٹموں کے اندر کی حرکات بھی اسی کے اذن سے ہیں۔ ہمارے اچھے برے حالات اسی کے حکم سے ہیں۔ ہمارے نیک و بد اعمال بھی اسی کی مرضی کے تابع ہیں غرض اس کے حکم کے بغیر کوئی چیز حرکت نہیں کر سکتی اور اس کی اجازت کے بغیر کوئی بھی متحرک چیز قیام نہیں کر سکتی۔ اس کی اجازت ہی ہر چیز کی تقدیر ہے۔ ہمیں چاہئے کہ بھلائی پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں اور برائی پر اس سے معافی مانگیں۔ (For more details please see appendix x,xi)

اس کائنات میں ہر چیز ایک حساب مقرر سے چل رہی ہے جو اسکی تقدیر ہے۔ مثلاً "**الشمس و القمر بحسبان**" ایٹم کے اندر کا نظام بھی ایک مقرر حساب سے چل رہا ہے۔ روشنی کے فوٹون (Photon) کا بھی اپنا حساب ہے۔ یوں اللہ تعالیٰ نے چیزوں کے اندر تقدیر ڈال کر انہیں چھوڑ دیا ہے اور سب اپنے رب کی مقرر شدہ تقدیر کے اندر اپنا اپنا کام کر رہے ہیں مثلاً زہر اور تریاق دونوں ہی اللہ کی تقدیر کے مطابق کام کر رہے ہیں۔

چنانچہ ہر واقعہ بے شمار عوامل کی تقدیر کا مجموعہ ہوتا ہے اور جتنے بڑے واقعات ہونگے اتنے ہی زیادہ عوامل کی مجموعی تقدیر اسکا سبب ہوتی ہے۔ مثلاً ہائیڈروجن، آکسیجن، نائیٹروجن، فاسفورس، کاربن اور کچھ اور عناصر جب ایک خاص ترکیب سے اکٹھے ہوتے ہیں تو پروٹین بن جاتے ہیں یعنی پروٹین کی تقدیر ان عناصر کی انفرادی تقدیر کا حاصل جمع ہے۔ یوں اللہ تعالیٰ کے نظام میں ہر چیز اس کی مرضی کے مطابق حرکت کرتی ہے۔ اسکی مثال کسی ملک میں شہریوں کے اختیار کی ہے بظاہر وہ سب با اختیار ہیں لیکن اس وقت تک اور محض اس حد تک، جس حد تک ملک کے حاکم نے انہیں اجازت دے رکھی ہے۔ اس مسئلہ کو سمجھنے کے کسی چوک میں کھڑے ٹریفک کے سپاہی ہی کی مثال لے لیں اس کے پاس اختیار ہے کہ وہ گاڑیوں کو روک سکتا ہے۔ ان کا رخ بدل سکتا ہے۔ ان کو پکڑ سکتا ہے۔ اس لئے اگر وہ اپنا اختیار استعمال نہیں بھی کرتا اور گاڑیوں کو گزرنے دیتا ہے تو یہ گزرنا بھی اس کی مرضی سے ہے ڈرائیوروں کی مرضی سے نہیں۔

ان مثالوں سے سمجھا جاسکتا ہے کہ دنیا میں جو کچھ اچھا یا برا ہو رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی سے ہو رہا ہے، اسکے سامنے ہو رہا ہے، اگر وہ انہیں ہونے دیتا ہے تو یہ بھی اس کی مرضی ہے اور اگر وہ روک دیتا ہے تو یہ بھی اسکی مرضی ہے۔ جادو، کفر، ایمان، زندگی، موت، قتل، ظلم، مہربانی، غرضیکہ ہر چیز اسکی اجازت سے ہو رہی ہے اس لئے کہ یہ سب اس کے سامنے ہو رہے ہیں اور وہ انہیں ہونے دیتا ہے لیکن جب چاہے وہ انہیں روک بھی سکتا ہے اور روک بھی دیتا ہے۔ جب ایک بندہ اپنے رب سے کسی ناگوار واقعہ سے حفاظت یا کسی خواہش کی تکمیل کیلئے دعا مانگتا ہے تو مالک یوم الدین اپنے اس بندہ کی دعا قبول کرتے ہوئے ان عوامل کو تبدیل کر دیتا ہے۔ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی تقدیر کا

پابند نہیں البتہ سب چیزیں اسکی دی ہوئی تقدیر کی پابند ضرور ہیں آیہ مبارک میں جادو کے متعلق بھی یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور حساب کے اندر اپنا اثر دکھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کے کلام سے اس کے اثرات کو ختم کیا جاسکتا ہے۔

147- مواقع تقدیر:۔

علامہ اقبالؒ مسئلہ تقدیر کو بڑی خوش اسلوبی سے واضح کرتے ہیں۔

ؔ تقدیر کے پابند، نباتات و جمادات

مومن فقط احکام الٰہی کا ہے پابند

جناب عبدالرحمٰنؓ بن قسادہ اسلمی روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضور پاک ﷺ سے سنا کہ آپؐ نے فرمایا۔ "اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو پیدا کر کے مخلوق کو ان کی پشت سے نکالا" اور پھر ارشاد ہوا۔ "یہ جنت میں جائیں گے اور مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ یہ دوزخ میں جائیں گے اور مجھے کوئی پرواہ نہیں"۔ حضور پاک کی یہ بات سن کر مجلس میں سے ایک شخص نے عرض کی۔ یارسول اللہ! اگر یہی بات ہے تو پھر عمل کس بنا پر کریں تو حضور پاکؐ نے فرمایا کہ مواقع تقدیر کی بنا پر یعنی اللہ تعالیٰ کے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے تحت اپنے لیے بہتری تلاش کریں۔ مطلب یہ ہے کہ دعا، عبادت اور عمل سے تقدیر بدل بھی جاتی ہے۔ لیکن یہ سب بھی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق ہی سے ہوتا ہے۔

اس سلسلہ میں خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ جب دوسری بار ملک شام تشریف لے گئے اس وقت طاعون کی وبا پھوٹ پڑی تھی۔ طاعون کے بارے میں فرمان نبویؐ ہے کہ "جس بستی میں طاعون پھوٹ پڑے وہاں کے لوگ اس بستی سے باہر نہ جائیں اور باہر سے کوئی اس بستی میں داخل نہ ہو" (متعدی بیماریوں کے پھیلاؤ کو رکنے کے لئے کیا خوبصورت سائنسی فارمولا ہے) آپ نے جناب ابوعبیدہؓ سالار لشکر کو مشورہ دیا کہ وہ کسی صحت افزاء مقام پر چلے جائیں اور خود بھی ملک شام میں داخل نہ ہوں جب آپؓ نے واپس مدینہ منورہ کا ارادہ کیا تو جناب ابوعبیدہؓ نے عرض کی کہ اے امیر المومنین آپ تقدیر سے بھاگ رہے ہیں تو حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ "نہیں۔ میں تقدیر سے تقدیر کی طرف جا رہا ہوں۔ ایک ندی کے اگر دو کنارے ہوں ایک خشک اور دوسرا سرسبز ہو تو انسان سرسبز کنارے کی طرف جاتا ہے۔ "قارئین! اسلام نے تقدیر کا مسئلہ بڑی خوبصورتی سے حل کر دیا کہ ہر موقع پر اللہ تعالیٰ کے احکام کے تحت اپنے لیے بہتری تلاش کرو۔ تقدیر بنانے والا تقدیر بدلنے پر بھی قادر ہے۔ (For details appendix ii,viii, xii)

آیتہ مبارک 103 دنیا کے ہر انسان کے لئے ایک بہت بڑی خوشخبری بھی ہے وہ یہ کہ اگر وہ ایمان لے آتا ہے اور تقویٰ اختیار کرتا ہے تو اس کے لئے بہت بڑا اجر ہے اگر چہ وہ جادوگر ہی کیوں نہ ہو۔ اگر وہ سچے دل سے توبہ کر لے اور توبہ کے بعد اپنے پرانے طرز عمل پر شرمندہ رہے اور اعمال صالحہ میں لگا رہے تو یقیناً اللہ تعالیٰ کی رحیم و کریم ذات اس کی قدر افزائی کرے گی اس کی آخرت کو سنوار دے گی۔ کاش کہ انسان اگر جوانی میں نہیں تو بڑھاپے ہی میں یہ بات سمجھ لے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت کے سایہ میں پناہ لے لے۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اس سے مغفرت کے طالب ہیں ان کے کردار کی ایک اعلیٰ خاصیت حضور نبی کریم ﷺ سے محبت اور ان کی اتباع ہے۔ اگلی آیت مبارک اس بات کی تعلیم دیتی ہے کہ اگر گناہ، جادو، شیطانی شر اور عذاب سے محفوظ رہنا چاہتے ہو تو حضور ﷺ کی طرف متوجہ رہو۔ فرمایا......

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا
وَ قُوْلُوا انْظُرْنَا وَ اسْمَعُوْا ؕ
وَ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○

104- اے ایمان والو۔ تم (حضور پاک کو مخاطب کرتے ہوئے) 'راعنا' مت کہو، بلکہ "انظرنا" (یعنی ہماری طرف توجہ فرمایئے) کہو، اور آپ کی بات کو نہایت توجہ سے سنو۔ اور انکار کرنے والوں کے لئے الم ناک عذاب ہے۔

مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ
وَ لَا الْمُشْرِكِيْنَ
اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ
وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ
وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ○

105- اور وہ لوگ جو اہل کتاب یا مشرکوں میں سے کفر پر بضد ہیں، وہ نہیں چاہتے کہ اترے تم پر کوئی بھلائی تمہارے رب کی طرف سے، حالانکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنی رحمت کے لیے مخصوص کر لیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بہت زیادہ فضل والا ہے۔

148- آدابِ محفلِ سرورِ کائنات ﷺ:-

آیتہ مبارک 104 میں مومنوں کو آداب سکھائے جا رہے ہیں کہ وہ حضور پاک ﷺ کو کیسے مخاطب کریں اور آپ کی باتیں کیسے سنیں یہود اور منافقین آپ کو متوجہ کرنے کے لیے "راعنا" کہتے جو ذو معنی لفظ ہے۔ جس کے ایک معنی "اے ہمارے چرواہے" بھی ہیں اور پھر وہ اپنی اندرونی خباثت کی بنا پر ہنستے۔ اس لیے مومنین کو سمجھایا گیا وہ آپ ؐ کو انظرنا! کہہ کر متوجہ کریں جس کا مطلب ہے ہماری طرف توجہ فرمایئے۔ سبحان اللہ خالق کون و مکان کو اپنے پیارے نبی کا ادب اس قدر ملحوظ ہے کہ آپ کی شان میں ان الفاظ کو بھی برداشت نہیں کیا جن

سے غلط معنی نکالے جاسکتے ہیں اور ایسے لوگوں کو جو ادب ملحوظ نہیں رکھتے ان کیلئے عذاب الیم مقرر کر دیا۔لہٰذا ہر انسان کو چاہئے کہ آپ کا اسم مبارک سنتے وقت یا لیتے وقت انتہائی پیار اور ادب کا اظہار کرے اور احادیث مبارکہ میں دی گئی آپ کی باتوں کو توجہ سے سنے اور خود پڑھے انہی ہدایات کو سورۃ نسا کی آیۃ مبارکہ 46 میں مزید تاکید سے دہرایا گیا ہے۔

149- کفار سے خیر کی توقع نہیں:-

آیۃ مبارکہ 105 میں مسلمانوں کی بین الاقوامی اور داخلی سیاست۔کے لئے ایک رہنما اصول بیان فرمایا گیا ہے۔جس پر غور کرنے سے ہم یہود و ہنود و نصاریٰ اور دیگر غیر مسلم اقوام کی سیاست کو سمجھ سکتے ہیں اور ان کی سازشوں سے بچ سکتے ہیں۔فرمایا .. مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ لَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ۔ ''کفار کبھی بھی یہ پسند نہیں کریں گے کہ اہلِ ایمان کو کوئی فائدہ پہنچے''۔اس لیے ان سے خیر کی توقع رکھنا بے سود بلکہ انتہائی حماقت اور خلافِ قدرت بات ہوگی۔اگر وہ ایسی توقع رکھیں گے تو ضرور مایوس ہونگے۔

ہماری پچھلے چودہ سو سال کی تاریخ اس آیہ مبارک کی تفسیر ہے۔جس کی واضح ہدایت سرور کائناتﷺ کے اس فرمان میں ہے کہ ''تمام کفر اسلام کے خلاف اکٹھا ہے''۔لیکن افسوس کہ مسلمان ان سے خیر کی توقع پر دوستی کرتے ہیں،اپنے ذرائع آمدنی ان کی ملٹی نیشنل کمپنیوں کو دے دیتے ہیں،آپس میں دشمنیاں کرتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ وہ غیر مسلموں کے سامنے مفلوج ہو کر رہ گئے ہیں۔کاش کہ وہ اللہ کی کتاب میں سے حقیقتِ حال کو پہچانتے اور کفار کی دوستی پر بھروسہ نہ کرتے اب بھی اگر ہم ان کے چنگل سے نکلنا چاہتے ہیں تو چاہئے کہ وہ خالص اللہ تبارک تعالیٰ سے رحمت طلب کریں اور اس یقین دہانی پر پختہ یقین رکھیں کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندے بن جائیں تو پھر چاہے تمام عالم کفر مل کر بھی کوشش کرلے وہ ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔وہ اللہ کی رحمت کو ہم سے روک نہیں سکتے،اس لیے ہمیں کفار سے،بہتری کی طلب کی بجائے اللہ تعالیٰ سے اس کی نصرت اور فضل کی بھیک مانگنی چاہئے۔یاد رکھیں کہ'' کفار کو ہمارے دین کے جو طریقے ناپسند ہیں وہی ہمارے لئے صحیح راستے ہیں''

اگلی آیۃ کریمہ کائنات میں چند ایسی نشانیوں کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ کی شان کریمی کو ظاہر کرتی ہیں۔کچھ لوگ ان سے قرآن کریم میں نسخ کی دلیل لیتے ہیں حالانکہ یہ آیات کریمہ اپنے معنی میں کائناتی (Universal) ہیں اور آسمان و زمین میں تخلیق کے جاری و ساری عمل کی طرف توجہ مبذول کراتی ہیں اور پرانے مذاہب کو منسوخ کرتی ہیں۔فرمایا ......

مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ اٰیَةٍ اَوۡ نُنۡسِهَا نَاۡتِ بِخَیۡرٍ مِّنۡهَاۤ اَوۡ مِثۡلِهَا ؕ اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ○

106- ہم جو کچھ نسخ (زائل) کرتے ہیں کسی آیت (نشانی) میں سے، یا ہم اسے فراموش کراتے ہیں، تو ہم اس سے بہتر یا اس جیسی اور لے آتے ہیں۔ تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے؟

اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَمَا لَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مِنۡ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیۡرٍ ○

107- کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اللہ ہی کے لیے ہے؟ اور اللہ کے علاوہ تمہارا نہ کوئی دوست ہے نہ مددگار۔

150- خوب سے خوب تر کائنات:-

قرآن حکیم میں لفظ ''آیت'' کا مطلب ''اللہ تعالیٰ کی نشانی'' ہے۔ چنانچہ آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق اسکی سب سے بڑی نشانی ہے، جس کا آیت 107 میں تذکرہ کیا گیا ہے فرمایا '' آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اللہ ہی کیلئے ہے'' اس طرح وحی الٰہی کو بھی آیت کہا گیا ہے۔

اپنے کائناتی معنوں میں یہ فرمان..... **مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ اٰیَةٍ اَوۡ نُنۡسِهَا نَاۡتِ بِخَیۡرٍ مِّنۡهَاۤ اَوۡ مِثۡلِهَا**۔ کہ ''ہم جو کچھ نسخ کرتے ہیں کسی آیت میں سے یا پھر اسے فراموش کر دیتے ہیں تو ہم اس جیسی یا اس سے بہتر اور آیت لے آتے ہیں'' دراصل اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اظہار ہے اور زمان و مکان میں ہمیشہ جاری رہنے والے متحرک عوامل (Dynamism) کی نشاندہی ہے، جس کو دیکھ کر آج کی سائنس بھی حیران ہے۔ وہ جدھر بھی دیکھتی ہے کائنات کی کسی آیت میں کوئی جمود نظر نہیں آتا بلکہ جیسا کہ فرمایا گیا ہے۔ **''کل یوم ھو فی الشان''** (سورۃ رحمٰن آیۃ مبارکہ 29)۔ ہر سمت، ہر آن ایک الگ شان کا ظہور ہوتا نظر آتا ہے۔ کچھ بن رہا ہے کچھ مٹ

رہا ہے اور کچھ قصہ پارینہ بن چکا ہے۔ سبحان اللہ کہ آیت مبارک 106 کے چند الفاظ میں پوری کائنات کی ماضی، حال اور مستقبل کی تاریخ دکھادی گئی ہے، جس کے مناظر نے سائنسدانوں کو حیران کر دیا ہے۔

مالک کون ومکاں ایک دفعہ چیزوں کو بنا کر تھک نہیں گیا کہ تخلیقات جمود پذیر ہو جائیں بلکہ یہ اس کی صناعی کا تقاضا ہے کہ بہتر سے بہتر تخلیق کا عمل ہمیشہ جاری رہے۔ آیۃ مبارک 107-106 سے یہ بھی انکشاف ہوتا ہے کہ زمین وآسمان میں کسی ایک آیت کے زائل یا منسوخ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ بالکل ختم ہوگئی بلکہ اللہ تعالیٰ اس سے کہیں بہتر یا اس سے ملتی جلتی ایک اور نشانی پیدا کر دیتا ہے۔ چنانچہ سائنس دان دیکھتا ہے کہ اگر ایک ستارہ تباہ ہوتا ہے تو اسی کے ملبہ سے ایک دوسرا ستارہ پیدا ہو جاتا ہے جو ہو سکتا ہے پہلے سے بھی اعلیٰ تر ہو۔ مثلاً اپنے سورج ہی کو لے لیں یہ بھی جدید ماہرین فلکیات کے مطابق کئی ستاروں کی تباہی کے بعد معرض وجود میں آیا تھا۔ اپنی اپنی اجل کے مطابق جب ستارے آہستہ آہستہ بوڑھے ہو کر نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں تو ان کا یہ بڑھاپا کسی نئی نوع کی آمد کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ یوں نسخ اور منسوخ کا یہ عمل کائنات کو بلند سے بلند تر مقامات تک لے کر جا رہا ہے اور رب کائنات ہر دم تعمیری عمل میں مصروف ہے۔ بقول اقبالؒ:

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید

کہ آرہی ہے دمادم صدائے کن فیکون

اگر کوئی نشانی منسوخ ہو جاتی ہے تو اس سے بہتر ظہور پذیر ہو جاتی ہے جیسے حیات، موت کا پیش خیمہ ہے۔ موت زندگی کی نوید ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

151- نسخ توریت اور انجیل:-

یہ تو آیۃ مبارک 106 کا سائنسی ادراک تھا لیکن اگر کسی کو پھر بھی یہی اصرار ہے کہ مذکورہ آیت کریمہ قرآن کریم کی آیات کے نسخ کے متعلق ہی بتاتی ہیں تو ان کی تسلی کے لیے عرض ہے کہ نسخ قرآن کا نہیں بلکہ یہاں توریت، انجیل اور تمام دوسرے مذاہب کی کتابوں کے نسخ کا ذکر ہے اس لئے کہ نبی آخر الزمان ﷺ کی بعثت کے بعد آپؐ سے پہلے آنے والے تمام انبیا کی شریعتوں کا منسوخ ہونا لازمی امر تھا۔ ان میں سے بیشتر تو ایسی بھی ہیں جو مدتوں انسانی حافظہ سے بھی مفقود ہو چکی ہیں۔ لیکن پادریوں، اور پروہتوں کے زیر اثر لوگ ان مذاہب کو زندہ رکھے ہوئے ہیں۔ یہود و نصاریٰ بھی کہتے ہیں کہ توریت اور انجیل کے ہوتے ہوئے قرآن الحکیم کی کیا ضرورت ہے؟ حالانکہ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اصل کتابیں ضائع ہو چکی ہیں اور ان کے پاس بری طرح تحریف شدہ تراجم ہیں۔ آج حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دیگر پیغمبروں کی اصل تعلیمات تو ایک طرف ان زبانوں کا بھی وجود تک نہیں رہا جو اس وقت بولی جاتی تھیں۔ لہٰذا یہ سب کچھ منسوخ ہو چکا ہے، اب انہیں قرآن کریم کی طرف آنا چاہیے جو تمام سابقہ انبیا اور ان کی تعلیمات کی تصدیق کرتا ہے۔

152- نسخ آیات کے متعلق روایات، محض بہتان تراشی:-

نسخ آیات کے متعلق صحیح صورتِ حال پوری وضاحت کے ساتھ اوپر بیان کر دی گئی ہے۔اس کے باوجود جو لوگ ان سے قرآن کریم کی آیات کی منسوخی پر بضد ہیں وہ ہمارے خیال میں سخت غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اٹل ہے اور اس کا کلام بھی۔وہ ذات پاک جس کا علم مکمل ہے، وہ جو اول و آخر، ظاہر و باطن ہے جس کے سامنے ماضی، حال اور مستقبل ایک کھلی کتاب کی طرح ہیں اس سے بھلا کیسے توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ پہلے کوئی بات کہے اور پھر اس میں ترمیم کر دے کہ مذکورہ بات صحیح نہیں تھی۔اگر کلام پاک حضورﷺ کا کلام ہوتا تو یقیناً وقت کے ساتھ تبدیلی کی ضرورت پڑتی رہتی اور یوں آیت در آیت نسخ ہوتا رہتا لیکن یہ کلام بشر کا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔جس کے علم پر کوئی شک نہیں، وہ نہ صرف علیم و خبیر ہے بلکہ ارض سماوات کا خالق بھی ہے اس لیے قرآن کریم میں کسی طرح کے نسخ یا کمزوری کا سوچنا بہت بڑی غلطی ہے۔

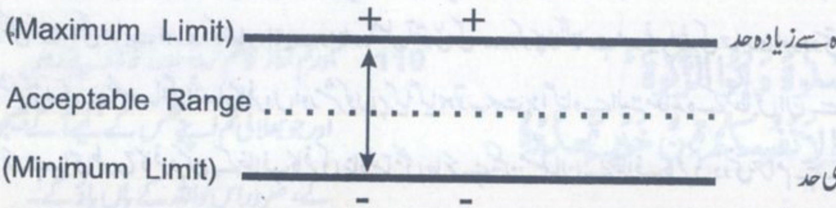
کچھ مستشرقین کا نسخ کی تشریح میں خیال ہے کہ چونکہ رسول اللہﷺ کے سامنے اسلامی معاشرہ ارتقاء پذیر تھا اس لئے آیات کا نسخ ارتقاء کے تقاضوں کے مطابق ہے۔اگر ان کی یہ دلیل مان لی جائے تو پھر پچھلے چودہ سو سالوں میں معاشرہ کا جو ارتقاء ہوا ہے اس کی نسبت سے تو بہت سارا قرآن کریم منسوخ ہو جانا چاہئے۔(نعوذ باللہ) لیکن یہ دلیل ہی غلط ہے۔قرآن کریم معاشرتی ارتقاء کا پابند نہیں بلکہ اس ارتقاء کو اس کا پابند ہونا چاہئے۔ایسے لوگوں پر افسوس ہے جو خود تو بدلتے نہیں اللہ تعالیٰ کی کتاب کو اپنے حال کے مطابق بدلنا چاہتے ہیں۔

153- نسخ قرآن حکیم، ایک بہت بڑی غلط فہمی:-

سوال پوچھا جاسکتا ہے کہ پھر یہ کیسے مشہور ہو گیا کہ قرآن میں نسخ ہے اور بہت سی آیات منسوخ ہو گئیں اور اللہ نے ان کی جگہ نئی آیات اتار دیں؟ یہ جو کہتے ہیں کہ فلاں آیت فلاں کا نسخ ہے اس کی بنیاد کیا ہے؟ ان سوالات کی اہمیت کے پیش نظر انکا تفصیلی جواب میری کتاب ''قرآن پاک کے نئے نئے سائنسی معجزات'' میں مفصل دیا گیا ہے۔یہاں یہی کہنا کافی ہوگا کہ یہ منافقین اور یہود کی سازش کا نتیجہ ہے جنہوں نے قرآن پاک کے متعلق نسخ اور منسوخ کے مسئلے کو غلط رنگ دے دیا۔ ان کے اعتراض کی بنیاد یہ ہے کہ قرآن کریم کے بعض شرعی احکام تدریجی ہیں۔توریت کی مانند بیک وقت نہیں اترے۔مثلاً شراب کے متعلق امتناعی حکم، یا نماز تہجد کے حکم یا وصیت اور وراثت کے ضوابط کے متعلق احکامات پر ان کا اعتراض یہ ہے کہ یہ احکام اپنی آخری شکل میں ایک ہی دفعہ کیوں نہیں اتارے گئے۔اس کے جواب میں کچھ لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ایک ہی موضوع پر بعد میں آنے والی آیت پہلی والی آیت کو منسوخ کر دیتی ہے اور یوں یہ باتیں اسلامی روایات کا حصہ بنتی گئیں حالانکہ ایسا سوچنا اللہ تعالیٰ کے علم پر اعتراض کرنا ہے۔

154- نسخ نہیں بلکہ یہ قبولیت کے معیار ہیں:-

حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم کی ہر آیت کریمہ اپنی جگہ مستقل حکم رکھتی ہے البتہ ایک ہی موضوع پر اعلیٰ سے اعلیٰ تقویٰ کے معیار کا تعین ضرور ہے۔ مثلاً سورۃ مزمل کے شروع میں حکم کہ ''دو تہائی یا اس سے زیادہ یا اس سے کم صلوٰۃ میں کھڑے رہو'' اور اسی سورۃ کے آخر میں ''جتنا چاہے کا حکم'' نسخ نہیں بلکہ اسکا مطلب یہ ہے کہ تقویٰ کا اعلیٰ ترین معیار تو دو تہائی یا اس سے قریب قریب عبادت ہی ہے لیکن اس سے کم بھی اجازت ہے جو کہ دوسرے درجہ کا مقامِ تقویٰ ہے یعنی ایسی آیات کریمہ ایک دوسرے کو منسوخ نہیں کرتیں بلکہ تقویٰ کے معیار کی حدود کا تعین کرتی ہیں۔ انجینئرنگ کی زبان میں یہ کوالٹی کے معیار کی برداشت (Tolerance Limits) ہیں یعنی یہ وہ زیادہ سے زیادہ اور کم سے کم حدود ہیں جن کے اندر اندر عمل کو ہونا چاہیے۔ اگر کوئی آدمی شوقیہ طور پر مقرر شدہ حدود سے زیادہ عبادت کرتا ہے تو وہ بھی ٹھیک نہیں اور اگر کم سے کم حد سے بھی کم کرتا ہے تو یہ بھی غلط ہے۔ نیچے دی گئی شکل میں اعمال کے معیار کی حدود کو دکھایا گیا ہے۔ ان حدود سے باہر عمل قابل قبول نہیں۔ انجینئرنگ کی زبان میں انکو برداشت (Tolerance) کی حدود (Limits) کہا جاتا ہے۔ اگر کوئی چیز ان حدود کے اندر اندر رہی ہے تو قابل قبول ہے ورنہ رد کردی جاتی ہے۔



155- اللہ، پوری کائنات کا سچا بہی خواہ:-

آیۃ مبارکہ 106 میں یہ ارشاد ربانی ہے کہ ''اللہ تعالیٰ ہر کام کرنے پر قادر ہے'' کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ سائنس کے قوانین کا خالق ہے ان کا پابند نہیں۔ وہ جو چاہے کرسکتا ہے اور اس سے ہمیں یہ سبق لینا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ دیتا ہے اسے بلا چون و چرا قبول کیا جائے اور بدلتے ہوئے حالات پر شکایت کی بجائے اللہ ہی پر بھروسہ کیا جائے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ہمارے حالات کو خوب جانتا ہے اور جو کچھ بھی کرتا ہے انسانیت کی بھلائی کے لئے ہی کرتا ہے اور یہ کہ ہمیں اس کی رحمت پر توکل کرتے ہوئے بہتری کی طرف کوشش جاری رکھنی چاہیے۔ اور مدد کے لئے دعا کرتے رہیں۔ اگر ہماری دعا ہمارے حق میں ہے تو عطاء کردی جائے گی ورنہ اسے آخرت کیلئے محفوظ کرلیا جائے گا۔

156- اللہ کا ولی:-

آیۃ مبارک 107 ہمیں یہ بھی باور کراتی ہے کہ جب کوئی آدمی صدق دل سے مسلمان ہوجاتا ہے تو اسے پھر اللہ تعالیٰ ہی کو حقیقی ولی اور مددگار سمجھنا چاہیے اسے صرف اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ کافر کو یہ ڈھیل اور رعایت حاصل ہے کہ بے شمار شیاطین اس کے دوست

ہوتے ہیں جو اسکی نفسانی خواہشات کی تکمیل میں اسکی مدد کرتے رہتے ہیں جن کی وجہ سے اکثر کفار دنیاوی زندگی میں زیادہ کامیاب نظر آتے ہیں۔ لیکن مومن کو سمجھ لینا چاہئے کہ ایمان لانے کے بعد اب اللہ تعالیٰ کے علاوہ تمہارا نہ کوئی دوست ہے اور نہ مددگار ہوگا۔ دراصل کلمہ کی شہادت کے بعد شیطین اسکے دشمن بن جاتے ہیں اور ہر مقام پر اسکی مخالفت کرنے لگتے ہیں لہٰذا مسلمان کا اللہ ہی سچا دوست ہے۔ یوں یہ آیت اللہ تعالیٰ اور مسلمان کے درمیان تعلقات کی ایک عجیب جہت کا اعلان ہے اور ہمیں دعوت دیتی ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ تمہارا ولی ہے اس لئے اب تم بھی آگے بڑھ کر اس کے ولی بن جاؤ۔ یوں یہ آیہ مبارک ہر مسلمان کے لئے ولایت کے مقام تک پہنچنے کی بھی دعوت ہے۔ یہ کتنی بڑی خوش قسمتی کی بات ہے کہ خود ربِ کائنات اپنے آپ کو دوستی کے لئے پیش کر رہا ہے (سبحان اللہ)۔ وہ ہمارا بہترین مددگار ہے۔ ہر دکھ درد، غم اور خوشی میں وہ ہمارے ساتھ شریک ہے۔ افسوس کہ پھر بھی ہم اپنی فطری ولایت کو نظر انداز کر کے ادھر ادھر کے ولیوں کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔

157- اللہ کی دوستی:-

"وَمَا لَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ" کا یہ بھی مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسرے ذرائع اور اسباب پر توکل کرنا، انکی حمایت اور مدد کو زیادہ اہمیت دینا دراصل تقویٰ کی حدود کو پھلانگنا ہے اور غیر اللہ کی حمایت اور دوستی پر انحصار اللہ تعالیٰ کی ناشکر گزاری ہے خصوصاً اگر انحصار کافروں اور مشرکوں پر کیا گیا ہو تو یہ بہت بڑا گناہ ہے البتہ معاہدہ کے مطابق ان سے مدد لینا یا انہیں مدد دینا جائز ہے۔ اسی طرح کافر دشمن کے خلاف کافر کی پناہ لینا بھی جائز ہے لیکن مسلمان کے خلاف کافر کی دوستی حرام ہے۔

اگلی آیات کریمہ بالخصوص یہود و نصاریٰ کی مدد اور ان کی دوستی کی قلعی کھول رہی ہیں اور حضور پاک ﷺ کی ذات مبارک کی اتباع اور پیروی کی دعوت دیتی ہیں۔ صرف اسی سے مسلمانوں کا حال و مستقبل محفوظ ہوگا۔ فرمایا گیا ہے۔

أَمْ تُرِيدُونَ أَن تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ
كَمَا سُئِلَ مُوسَىٰ مِن قَبْلُ
وَمَن يَتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ
فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ○

108- کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تم اپنے رسولؐ سے ایسے سوال کرو
جیسے اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھے جاتے رہے؟
اور (خبردار) جو بدل لیتا ہے ایمان کو کفر سے، پس وہ راہ راست سے بھٹک گیا۔

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ
لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْ بَعْدِ إِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚ
حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا
تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ
فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَأْتِيَ اللّٰهُ بِأَمْرِهٖ ؕ
إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

109- اے مسلمانو! اہلِ کتاب میں سے بہت سے یہ چاہتے ہیں کہ وہ کسی طرح تمہیں ایمان کے بعد کفر کی طرف پھیر دیں۔
ان کی یہ آرزو ان کے حسد کی وجہ سے ہے جو ان کے نفوس میں سمایا ہوا ہے۔
جب کہ حق ان پر خوب ظاہر ہو چکا ہے۔
پس تم معاف کرتے رہو اور درگزر کرتے رہو، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا امر نافذ کر دے۔
بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

وَأَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ
وَمَا تُقَدِّمُوْا لِأَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ
عِنْدَ اللّٰهِ ؕ
إِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝

110- اور تم نماز قائم کرو، اور زکوٰۃ دیتے رہو
اور جو بھلائی تم اپنے نفس کے لیے آگے بھیجو گے، ضرور اس کو اللہ کے ہاں پاؤ گے۔
بے شک تم جو کچھ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔

158- کامیابی کا بہترین اصول:-

مندرجہ بالا آیات مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی کامیابی کے اصول متعین کر رہی ہیں۔ آیۃ مبارک 108 اس بات کا بیان ہے کہ سوال کرنے سے پہلے خوب سوچو۔ یونہی بلا سوچے سمجھے پے در پے سوالات نہ کرتے جاؤ بلکہ جو کچھ کہا جاتا ہے اس پر عمل کرنے کی طرف توجہ دو اور پیارے حبیب ؐ کی بلا تامل اتباع کرو۔ قومِ موسیٰ کی طرح نکتہ چیں نہ بنو کہ وہ خواہ مخواہ تنگ کرنے کے لئے سوال کرتے رہتے۔ مثلاً حکم دیا گیا کہ "گائے ذبح کرو"۔ لیکن عمل کرنے کی بجائے پیغمبر علیہ السلام پر سوالوں کی بوچھاڑ کر دی۔ جو آدمی اس طرح کی نکتہ چینیوں میں الجھا رہتا ہے بحکم آیۃ مبارک 108 "پس وہ راہ راست سے بھٹک گیا"۔ درحقیقت دین میں موشگافیاں ڈھونڈنا ذمہ داریوں سے بچنے کے حیلے بہانے ہیں اور نیت کے فتور کی علامت ہیں۔ مسلمانو! اسطرح کی باتوں سے بچو اور **"سمعنا و اطعنا"** "ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی" کی عملی تفسیر بن جاؤ۔ اسی میں خیر ہے۔

159- یہود ونصاریٰ کی اسلام دشمنی کے خلاف مومنوں کا طرزِ عمل:-

آیۃ مبارک 109 میں یہ رہنما اصول بتایا گیا ہے کہ مسلمانوں کو چاہیئے وہ یہود ونصاریٰ کی سازشوں سے بچ کر رہیں اور اپنے دین کو ان کی سازشوں سے بچائیں اور الجھنے کی بجائے انہیں معاف کرتے رہیں اور عفوودرگزر سے کام لیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان **وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا۔** ہنود، یہود اور نصاریٰ وغیرہ کی سیاست کو سمجھنے کیلئے رہنماء اصول ہے۔ ان میں سے اکثر کی یہ خواہش ہے کہ کسی طرح مسلمان اسلام سے منحرف ہو جائیں۔ اگر ایسا نہیں تو سیکولر بن جائیں لیکن پکے اور سچے مسلمان ان کے لئے ناقابل برداشت ہیں۔

یہودی اور عیسائی تو ہمیشہ ہی سے اسلام کے خلاف کام کرتے آئے ہیں لیکن آج کل ریسرچ کے نام پر کئی نام نہاد مسلمان دانشور بھی ان کے پیچھے لگ کر سیکولرازم کی تعلیم پھیلا رہے ہیں اور ذہنی انتشار پیدا کر رہے ہیں۔ یہودی سرپرستی میں چلنے والے علمی ادارے ایسے لوگوں کی خاص طور پر حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ شروع ہی سے دینِ محمدیؐ سے حسد کرتے آئے ہیں۔ خود حضور پاک ﷺ سے ان کی مخالفت بھی حسد پر مبنی تھی کہ آپ کی ولادت بنی اسرائیل کی بجائے اولادِ اسماعیل میں ہوئی یہ بات ان کے خون میں رچ بس چکی ہے اس لئے آج کل کے بہت سے یہود ونصاریٰ بھی اپنے آباؤ اجداد کی طرح یہی چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کو راہِ حق سے پھیر دیں۔ اس لئے وہ اپنے جیسے بے دین مسلمانوں کی تعریف وتوصیف کرتے ہیں اور جو سچے باعمل مسلمان ہیں ان کی تضحیک کرتے ہیں۔ وہ تو ہیں ہی مسلمانوں کے دشمن، لیکن افسوس تو ان مسلمانوں پر ہے جو ان کے آلہ کار بنے ہوئے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے تھوڑے سے فوائد کے لئے اپنی دنیا اور آخرت کو ضائع کر دیا۔

160- درگزر اور معافی:-

آیۃ مبارک 109 دشمنوں کی دشمنی اور ان کے حسد کے مقابلہ میں مسلمانوں کو برداشت کی تعلیم دیتی ہے۔ فرمایا "پس تم معاف کرتے رہو اور ان سے درگزر کرتے رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا امر نافذ کر دے"۔ اس تعلیم کا نچوڑ یہ ہے کہ حاسدین کو زیادہ اہمیت نہ دی جائے اور نہ ہی ان کا مقابلہ دشمنی یا نفرت سے کیا جائے بلکہ انہیں مجبورِ محض سمجھتے ہوئے معاف کر دیں اور ان کی غلطیوں سے درگزر کرتے رہیں تا کہ ان کاموں میں وقت ضائع کرنے کی بجائے آپ وہی وقت اور صلاحیتیں اسلام کی مضبوطی اور سربلندی پر صرف کریں۔ اس صورت میں اللہ تعالیٰ جل جلالہ خود ہی کفار سے نمٹ لے گا۔

معلوم ہونا چاہیے کہ حاسد کو حسد کی بیماری کھا جاتی ہے جبکہ محسود درگزر کرنے کی وجہ سے دنیا وآخرت میں ترقی کرتا رہتا ہے لیکن جب معاملہ حسد سے بڑھ جائے تو مسلمانوں کو مقابلے کی بھی اجازت ہے اور جب مقابلہ ہو گیا تو پھر اس وقت تک جہاد جاری رہنا چاہئے جب تک فتنہ کی وجہ ختم نہیں ہو جاتی۔ آیہ مبارک "یہاں تک کہ خود اللہ تعالیٰ اپنا امر ظاہر کر دے" اس طرف اشارہ ہے کہ اگر مسلمان اللہ تعالیٰ کے احکام پر صبر سے ڈٹے رہیں تو بلآخر انشاء اللہ وہ جیت جائیں گے اور ان کے مخالف کفار تباہ وبرباد ہو جائیں گے۔

161-دین میں پختگی:-

آیۃ مبارک 110 ہماری اس طرف رہنمائی کرتی ہے کہ عیسائی یہود اور دیگر مذاہب کی اسلام دشمنی اور حسد کے مقابلہ میں مسلمان کا ردعمل یہ ہونا چاہیے کہ وہ ان سے دوستیاں نہ کریں۔ آپس میں بھائی چارہ مضبوط کریں، دین حق پر ڈٹ جائیں اور نظام صلوٰۃ اور نظام زکوٰۃ کو مضبوط تر بنیادوں پر قائم کرنے کے لئے اپنی کوشش تیز تر کردیں یہ دونوں دین کی بنیاد ہیں۔ جب تک ہم نماز اور زکوۃ پر قائم رہیں گے انشاء اللہ کبھی گمراہ نہیں ہوں گے اور اللہ ہمارے دشمنوں کو ذلیل وخوار کردے گا۔

162- نیکی کبھی ضائع نہیں جاتی:-

آیۃ مبارک 110 میں خوشخبری سنائی گئی ہے "جو بھلائی اپنے نفس کیلئے آگے بھیجو گے تم ضرور اسکا بدلہ اللہ تعالیٰ کے ہاں پاؤ گے" یعنی ہم جو بھلائی بھی کرتے ہیں وہ ہمارے ہی نفس کیلئے ہے۔ (سبحان اللہ) اگرچہ وہ بھلائی دوسروں کے ساتھ ہی کیوں نہ کی گئی ہو ہمیں اس کا فائدہ ضرور ملتا رہے گا۔ اللہ کا قانون یہ ہے کہ "نیکی کبھی ضائع نہیں ہوتی"۔ رب العزت انسان کی تمام نیکیوں کو ہر لحہ شمار کرتے رہتے ہیں۔ اس لیے انکا اجر کہیں نہ کہیں ہمیں ضرور مل کر رہے گا اور یہی حال برائی کا ہے آپ اسے لاکھ چھپائیں لیکن اللہ تعالیٰ سے کچھ بھی مخفی نہیں۔ اگر توبہ نہیں کی تو گناہوں کی سزا لازمی ملے گی۔ اسی حوالہ سے آیۃ مبارک 111 میں ان قوموں کا ذکر ہے جو برائی میں بہت آگے جا چکی ہیں لیکن ان کی ڈھٹائی کا حال یہ ہے کہ اپنے آپ کو محبوبِ الٰہی اور جنت کا ٹھیکیدار سمجھتی ہیں۔

وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ ۗ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ ۗ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ○

111- اور وہ کہتے ہیں کہ یہود ونصاریٰ کے علاوہ کوئی جنت میں داخل نہیں ہوگا
یہ محض ان کی آرزوئیں ہیں،
آپ ان سے کہیں (اپنے اس دعویٰ پر) کوئی دلیل لاؤ، اگر تم سچے ہو۔

بَلَىٰ ۚ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِنْدَ رَبِّهِ

112- ہاں (جو حق بات ہے وہ یہ ہے کہ) جس کسی نے بھی اپنی ذات کو اللہ کے سپرد کردیا،

وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○

اور وہ نیکوکار بھی ہو، تو پس اس کا اجر اس کے رب کے پاس ہے،
اور ایسے لوگوں پر نہ کوئی خوف ہوگا،
اور نہ کوئی غم۔

163- یہود و نصاریٰ کی خوش فہمیاں :-

گمراہ لوگوں کا یہ وطیرہ چلا آ رہا ہے کہ وہ اپنی گمراہی کا کوئی نہ کوئی جواز ڈھونڈ لیتے ہیں اور پھر اپنے آپ کو حق پر سمجھنے لگتے ہیں، عالم غیب میں اپنی کامیابی کے دعوے کرتے ہیں اور یہاں تک کہنے لگتے ہیں کہ ان کے علاوہ ہرگز کسی اور مذہب والے جنت میں نہیں جائیں گے۔ گویا جنت صرف ان کے لئے ہے۔ اس بات میں سب سے آگے نصاریٰ اور یہود ہیں۔ نصاریٰ نے تو عجیب سی منطق گھڑ لی ہے کہ حضرت عیسیٰ نے اپنا خون دے کر اپنے ماننے والوں کے گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا ہے اس لیے اگر وہ گناہ وغیرہ بھی کرتے ہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے دن جنت کے دروازے پر کھڑے ہوں گے اور انہیں بخشوا کر جنت میں لے جائیں گے۔ عیسائیوں کا یہ عقیدہ یہود کے اس پرچار کے مقابلہ میں تھا کہ وہ خالق وکون ومکان کے محبوب ترین بندے ہیں اور خدا انہیں کسی بھی صورت جہنم میں نہیں جانے دے گا لیکن جو صاحب عقل ہیں وہ ان کی خام خیالی سے خوب واقف ہیں۔ یہ لوگ نہ صرف اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی دھوکہ دے کر اپنے جال میں پھنساتے ہیں۔ حالانکہ یہود و نصاریٰ کا اپنے پیغمبروں کی تعلیمات سے دور دور کا بھی واسطہ نہیں اور ان کے پاس اپنے اس دعوے کی حمایت میں کوئی بھی ٹھوس دلیل نہیں۔ البتہ یہ ان کی خواہش ہو سکتی ہے تاہم اسکی کوئی اہمیت نہیں آج مسلمانوں میں بھی ایسے بہت سے ہیں جو عمل کی طرف توجہ دینے کی بجائے ایسی خوش فہمیوں میں مبتلا رہتے ہیں۔ ان کی بھی یہ خام خیالی ہے۔

164- نجات کا راستہ :-

نجات کا راستہ صرف وہی ہے جو آیۃ مبارک 112 میں بتا دیا گیا ہے کہ "اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دو اور اس کے بندوں کے ساتھ احسان کرو"۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام ہوں یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام، اللہ تعالیٰ کے تمام انبیا کی یہی تعلیم تھی کہ ہر طرف سے کٹ کر صرف اللہ تعالیٰ کے ہو جاؤ۔ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دو اور اس بات کو اپنے اخلاق اور عمل سے ثابت کرو۔ انہوں نے واضح الفاظ میں بتایا کہ نجات کا صرف یہی راستہ ہے باقی سب خرافات ہیں۔ اب اگر لوگ اپنے انبیاء کی تعلیمات پر عمل کریں گے تو زندگی اور آخرت کے ہر موڑ کو بلا خوف و خطر عبور کرتے جائیں گے۔ چونکہ ان پیغمبروں کی اصل تعلیمات میں خود ان کے پیروکاروں نے بہت زیادہ ترامیم و اضافے کر دیئے ہیں لہٰذا اب انسانیت کیلئے صحیح اور سچا راستہ صرف راہِ اسلام ہے جو تمام انبیاء کی تعلیمات کا نچوڑ بھی ہے اور ان کی تصدیق

بھی کرتا ہے۔ مسلمانوں پر افسوس ہے کہ ان کے ذمہ یہ کام لگایا گیا تھا کہ وہ اس پیغام کو عالمی سطح پر پھیلا دیں لیکن وہ بھی آج کل یہود و نصاریٰ کی طرح اپنے خول میں بند ہو گئے ہیں۔ دوسروں کو جہنم سے تو کیا بچانا، اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے خود جنت ان کی پہنچ سے باہر ہوتی جارہی ہے۔ جبکہ اللہ کے حبیبؐ نے اپنی دختر پاک، خاتون جنت، محترمہ حضرت فاطمہ الزہرہؓ سے فرمایا کہ "محض نبی کی بیٹی ہونے کی وجہ سے وہ جنت میں نہیں جاسکے گی۔ وہاں صرف اپنا ایمان اور اپنے عمل ہی کام آتے ہیں"۔ ایسے نیک مومنین کے لئے وہاں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ کوئی غم۔ اگلی آیۃ مبارک 113، مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے آپس کے اختلافات کو عیاں کرتی ہے۔ فرمایا......

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَىْءٍ ۖ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَىْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ○

113- اور یہودی کہتے ہیں کہ نصاریٰ کسی چیز پر نہیں، اور نصاریٰ کہتے ہیں یہود کسی چیز پر نہیں۔ حالانکہ وہ سب کتاب (صحیفہ حق تعالیٰ) پڑھتے ہیں۔ یونہی جاہل لوگ بھی انہی کی سی باتیں کرتے ہیں، پس اللہ تعالیٰ روزِ قیامت ان کے درمیان فیصلہ کردے گا جس بات میں وہ اختلاف کرتے تھے۔

165- ایک دوسرے پر الزام تراشی:-

آیۃ مبارک 113 مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے آپس میں اختلافات کو ظاہر کرتی ہے۔ کسی نہ کسی شکل میں یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کو ماننے کا اعلان کرتے ہیں، اسی کی عبادت کا دعویٰ کرتے ہیں، اپنے آپ کو اللہ والے کہتے ہیں لیکن پھر بھی ایک دوسرے کے ساتھ جھگڑا کرتے ہیں۔ مثلاً یہود، نصاریٰ سے کہتے ہیں کہ وہ ہدایت پر نہیں اور نصاریٰ بھی ان سے یہی کہتے ہیں۔ یہی حال مسلمانوں میں بھی کچھ جاہل لوگوں کا ہے۔ وہ سب اگرچہ ایک اللہ، ایک رسول اور ایک قرآن کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن ایک دوسرے پر اللہ، رسول اور قرآن کے نام پر ہی دشنام طرازی کرتے ہیں اور مختلف فرقوں میں بٹ چکے ہیں۔ یہ ایک بہت بڑی جہالت ہے۔ بقول اقبالؒ:

ایک ہی سب کا نبی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی، ہوتے جو مسلمان بھی ایک

آیتہ مبارک 113 میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے اختلافات کو قیامت کے دن سب کے سامنے ظاہر کردے گا۔حق یہ ہے اگر واقعی یہ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھنے والے ہوتے تو یہ سب ایک ہوتے۔انکے باہمی اختلافات کی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نہیں بلکہ اپنی انا کی پوجا کرنے والے ہیں۔توریت ہو یا انجیل یا قرآن پاک، ایسے لوگ ان مقدس کتابوں کو اپنے حق میں دلیل ڈھونڈنے کیلئے استعمال کرتے ہیں۔یوں یہ لوگ مذہب کے نام پر فساد کرتے رہتے ہیں۔ایسے فرقہ پرست لوگ قیامت کے دن گروہ در گروہ دوزخ میں گرتے جائیں گے۔

افسوس کہ ان میں سے بعض لوگ اختلافات کو یہاں تک لے جاتے ہیں کہ ایک دوسرے کو اپنی عبادت گاہوں میں نماز بھی نہیں پڑھنے دیتے۔انکے اس ظلم کا حال اگلی آیہ کریمہ میں کھول کر بیان کیا گیا ہے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ
اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِىْ خَرَابِهَا ۭ
اُولٰۗىِٕكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا
خَاۤىِٕفِيْنَ ڛ
لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ
عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○

114- اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا، جو منع کرتا ہے اللہ کی مسجدوں میں اللہ کے نام کا ذکر کرنے سے، اور ان کی ویرانی کی کوشش کرتا ہے۔ان کے لیے تو ہرگز نہیں مگر یہ کہ ان میں داخل ہوتے ہوئے ڈریں۔ایسے لوگوں کے لیے دنیا میں ذلت ہے، اور آخرت میں ان کے لیے عذاب عظیم ہے۔

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۤ
فَاَيْنَـمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۭ
اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ○

115- اور مشرق و مغرب سب اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔تم جدھر بھی رخ کرو، ادھر اللہ تعالیٰ ہی کو پاؤ گے۔بے شک اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا اور بے مثل علم والا ہے۔

166- مساجد میں لڑائی جھگڑے اور ان کی ویرانی سے ممانعت:-

آیتہ مبارک 114 ان لوگوں کی طرف توجہ مبذول کرواتی ہے سب سے بڑے ظالم وہ ہیں جو لوگوں کو مساجد میں جانے سے روکتے ہیں اور انکی ویرانی کا باعث بنتے ہیں۔ان میں سے ایک تو اسلام دشمن قوتیں ہیں، مثلاً سپین میں عیسائیوں نے جو کچھ کیا یا ترکی میں خود ایک مسلمان کے ہاتھوں ہوا یا جو کچھ آج کل ہندو، ہندوستان میں کر رہے ہیں لیکن دوسرے خود مسلمان ہیں جن کے مذہبی اختلافات بھی مسجدوں کی ویرانی کا باعث بنتے ہیں۔ مجوسیوں اور دہریوں کی حد تک تو یہ بات عیاں ہے لیکن افسوس کہ مذاہب کے نام پر راہب اور پادری بھی یہ ظلم ہمیشہ سے کرتے آئے ہیں اور کر رہے ہیں۔ مسلمانوں میں بھی کچھ لوگوں نے اپنے اپنے فرقہ کے نام پر مساجد بنائی ہوئی ہیں جہاں غیر فرقہ کا آدمی نماز ادا نہیں کر سکتا۔

مسجدوں کے نام بھی ایسے رکھ لئے جاتے ہیں جن سے فرقہ بندی ظاہر ہوتی ہے حالانکہ کسی کو کسی بھی مسجد میں نماز پڑھنے اور ذکرو اذکار سے روکا نہیں جا سکتا۔ جو ایسا کرے گا وہ بہت بڑا ظالم ہوگا۔ انہی ظالموں میں وہ دہشت گرد بھی شامل ہیں جو مسجدوں میں بم رکھ دیتے ہیں یا نمازیوں پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ یہ سب پکے جہنمی ہیں۔

آیتہ مبارک کا یہ فرمان ''کہ لوگوں کے لئے نہیں مگر یہ کہ ان میں ڈرتے ہوئے داخل ہوں'' اس بات کا حکم ہے کہ مومنین اپنے آپ کو اتنا مضبوط بنائیں کہ کوئی بھی شخص مسجدوں کو ویران کرنے کی جرات نہ کر سکے۔ اسکے علاوہ یہ آیت مبارکہ مسجد کے آداب کو بھی واضح کرتی ہے۔ یعنی مسجد میں داخل ہوتے وقت انسان اپنے دل میں یہ خوف پیدا کرے کہ وہ اللہ کے گھر میں داخل ہو رہا ہے۔ اللہ کی عظمت کا احساس پیدا کرے اور نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ وہاں اللہ تعالیٰ کو یاد کرے۔ مسجدوں میں جھگڑنے والے، بم پھینکنے والے اور ان میں اختلافی مسائل کھڑے کر کے مخلص مسلمانوں کو متنفر کرنے والے آج ان کی ویرانی کا باعث ہیں۔ کیا وہ اپنے اعمال کی سزا نہیں بھگتیں گے؟۔

آیتہ مبارک 114 سے ظاہر ہے کہ تمام مخلص مسلمانوں، حکومتِ وقت اور صاحبِ اقتدار لوگوں کا فرض ہے کہ وہ مساجد کی بے حرمتی نہ ہونے دیں۔ خرابی پیدا کرنے والے حضرات کو، خواہ وہ نام نہاد علماء ہی کیوں نہ ہوں انہیں اس ظلم سے روکیں اور سمجھائیں کہ وہ اس فعل سے باز آ جائیں اور مسجدوں کو اپنے قبیح سیاسی یا فرقہ ورانہ عزائم کے لئے استعمال نہ کریں۔ اگر وہ پھر بھی باز نہیں آتے تو پھر انہیں طاقت سے روک دیں۔

مسجدوں کی ویرانی میں ان لوگوں کا بھی حصہ ہے جنہوں نے نظام تعلیم کو بالکل بے دین (Secular) بنا دیا ہے۔ اسی طرح وہ والدین بھی ذمہ دار ہیں جو بچوں کو مسجدوں میں لے کر نہیں جاتے۔ عام طور پر ویرانی کے ان پہلوؤں کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے حالانکہ یہ بھی قبیح گناہ ہیں جن کا بدلہ پورے معاشرے کو بھگتنا پڑیگا۔

مسجدوں کی رونق کیا چیز ہے؟ ۔اسے سمجھنا ہے تو سرور کائنات کی مسجد کا نقشہ ذہن میں لائیں۔ نماز پنجگانہ کے علاوہ یہ مسجد اسلام کی طاقت کا سرچشمہ تھی۔ حکومت کی نشست گاہ تھی، اسلام کی یونیورسٹی تھی، بیت المال کا نظام یہیں قائم تھا، یہی ہائی کورٹ تھی، یہی جی ایچ کیو تھا، یہیں ایک طرف تیر بنانے کا کارخانہ تھا تو اس کے دوسری طرف ہسپتال تھا۔ یہ تھی شان اللہ کے نبی ﷺ کی مسجد کی۔ اب اپنی مسجدوں کی حالت دیکھ لیں اور پھر خود ہی ان کی رونقوں اور بربادیوں کا اندازہ لگالیں۔

167- دنیا میں رسوائی:-

حاصل بحث یہ ہے کہ جولوگ کسی بھی طریقہ سے مسجدوں کی ویرانی کا باعث بنتے ہیں آیۃ مبار 114 میں ان کے بارے میں بتا دیا گیا ہے کہ وہ بہت بڑے ظالم ہیں، رب العزت ایسے لوگوں کو دنیا میں ذلیل وخوار کرے گا اور آخرت میں انہیں سخت عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا۔ آیت مبارک 114 کا یہ حصہ کہ ''ان کیلئے دنیا میں ذلت ہے''۔ نہایت قابل غور ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ آج مسلمان دنیا میں اس لیے ذلیل وخوار ہیں کہ انہوں نے بھی اپنی اپنی علیحدہ مسجدیں بنا ڈالی ہیں اور ایک دوسرے کو اپنی مسجدوں میں نماز نہیں پڑھنے دیتے۔ اس کے علاوہ یہ بھی کہ مسجد کا جو مقام قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کے اندر تھا وہ چھین لیا گیا ہے اور اب یہ بھی دوسرے مذاہب کے معبدوں کی طرح محض عبادت گاہیں بن کر رہ گئی ہیں۔ سوچئے! شاید ہم صحیح نتیجہ پر پہنچ سکیں۔

168- مشرق ومغرب سب اللہ کے لئے ہیں:-

یہ بحث کہ اللہ کی عبادت کے لئے کس طرف منہ کیا جائے، اس کی وضاحت آیت 115 میں کر دی گئی ہے۔ ''مشرق ومغرب سب اللہ تعالیٰ کے لئے ہی ہیں۔ تم جدھر بھی منہ کرو گے ادھر اللہ تعالیٰ ہی کو پاؤ گے'' اس کے لیے کوئی مخصوص سمت نہیں۔ ہر سُو وہی ہے اس لئے عبادت کے لئے کسی مخصوص سمت کے سلسلے میں جھگڑنے والی کوئی بات نہیں۔ مسلمانوں کے لیے خانہ کعبہ کی سمت مقرر کر دی گئی ہے جو امت کی وحدت کی نشانی (Symbol) ہے اور ان پر لازم ہے کہ وہ اس طرف منہ کر کے نماز پڑھیں۔ (نماز کے لئے ماسوائے حالت مجبوری کے، قبلہ کی طرف منہ کرنا نماز کے ارکان میں شامل ہے)۔ لیکن دراصل مقصود نہ تو کعبہ ہے اور نہ ہی بیت المقدس۔ مقصود تو رب العزت کی ذات ہے جو ہر سمت اور ہر جگہ یکساں موجود ہے۔

169- ایک سائنسی نکتہ:-

یہ اہم حقیقت کہ ''مشرق ومغرب اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں۔ تم جدھر بھی منہ کرو گے اللہ ہی کو پاؤ گے۔ اور وہ واسع علیم ہے'' اللہ تعالیٰ کی بے مثل صفات کا اظہار ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی ذات محدود ہوتی تو اسکی کوئی سمت بھی ہوتی لیکن چونکہ وہ خود غیر محدود اور ہر انتہا سے ماورا (infinite) ہے اور سائنس یہ جانتی ہے کہ غیر محدود اور لا انتہا ہستی کے لئے سب سمتیں برابر ہوتی ہیں اور حقیقتاً یہ اسکے اندر ہی ہوتی ہیں یعنی وہ سمتوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ مشرق ومغرب اور شمال وجنوب، سبھی اسکی ذات کے اندر مقید ہیں۔

آیتہ مبارک 115 کائنات کی بناوٹ کے متعلق بھی واضح سائنسی انکشاف ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سمتوں (Dimensions) کے عندیے سب نسبتی (Relative) تقاضے ہیں یعنی مشرق ومغرب حقیقت میں کوئی حقیقت نہیں۔ ہمارے لیے جو خاص سمت مشرق ہے کسی اور کے لیے وہی سمت مغرب ہوسکتی ہے۔ آئن سٹائن کی تھیوری (Theory of Relativity) کی بنیاد بھی یہی نکتہ ہے کہ سمتوں کی اہمیت نسبتی ہے۔ اس طرح یہ آیہ مبارک آج سے چودہ سو سال پہلے یہ حیرت انگیز انکشاف بھی تھا کہ زمین پر خانہ کعبہ کچھ لوگوں کے لئے مغرب میں ہے اور کچھ کے لئے مشرق میں ہے۔ اب ہم جانتے ہیں کہ خط استوا کے شمال میں رہنے والوں کے لئے قبلہ مغرب کی سمت میں ہے اور جنوب میں رہنے والوں کے لئے یہ مشرق میں پڑتا ہے۔

(For more detail please see appendix v,xxi)

170- چاند پر ذاتِ باری تعالیٰ کیلئے نماز:-

مسلمانوں کے لئے حکم ہے کہ جہاں کہیں بھی ہوں نماز میں اپنا منہ کعبتہ اللہ کی طرف کریں اس لئے نماز کے لئے اپنے علم اور حساب کے مطابق خانہ کعبہ کی طرف اپنا رخ کرنا نماز کے ارکان میں شامل ہے لیکن آیہ مبارک 115 سے یہ سہولت میسر ہے کہ کعبہ کی سمت کے سلسلے میں بہت زیادہ غلو کرنا بھی ضروری نہیں۔ صرف احتیاط لازم ہے اور بعض لوگ حجت بازی کرتے ہیں کہ چاند پر ہم کس طرف منہ کر کے نماز پڑھیں گے۔ اس کا جواب آیہ مبارک میں دے دیا گیا ہے کہ "تم جدھر بھی منہ کرو گے اللہ ہی کو پاؤ گے"۔ یعنی یہ مسئلہ نیت کا ہے اس لیے ہم پر لازم ہے کہ ایسی باتوں میں الجھنے کی بجائے دل وجان سے اللہ تعالیٰ ہی کے ہو جائیں۔ اپنے قلوب میں اس کی عظمت و کبریت محسوس کریں کہ وہ ذاتِ عظیم جو کائنات کی خود خالق ہے، کائناتی قدروں کی پابند کیسے ہوسکتی ہے۔ ہر نکتہ اسی کا مرکز ومحور ہے اور ہر سمت اسکی اپنی سمت ہے۔ وہ واحد، احد اور بے مثل ہے، جس کا نہ کوئی بیٹا نہ باپ، اس کی عظمت کے سامنے ان چیزوں کی کوئی حقیقت نہیں۔ لہٰذا رب العالمین کو انسانی پیمانوں سے تولنا اس کی بے مثل شان میں گستاخی ہے۔ اس سلسلہ میں عیسائی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مالکِ کون ومکاں کا بیٹا کہتے ہیں گمراہی کی آخری حدوں کو چھوتے ہیں (For more detail please see appendix ii) آیہ مبارک 116 میں عیسائیوں کے ایسے جھوٹے مفروضوں کو رد کیا گیا ہے۔ فرمایا ......

وَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ○

116- اور انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے کوئی بیٹا بنالیا ہے۔ حالانکہ وہ (ایسی باتوں سے) پاک ہے، بلکہ جو کچھ بھی زمین وآسمان میں ہے، سب اسی کا ہے۔ سب اسی کے حضور گردن جھکائے ہوئے ہیں۔

بَدِیۡعُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ
وَاِذَا قَضٰۤی اَمۡرًا فَاِنَّمَا یَقُوۡلُ لَہٗ کُنۡ
فَیَکُوۡنُ ○

117- وہ آسمانوں اور زمین کا ایجاد کرنے والا ہے،
اور اس کی شان تو یہ ہے کہ وہ جب کسی
بات کا فیصلہ کرلیتا ہے تو فرماتا ہے "ہوجا"
تو وہ ہوجاتی ہے۔

وَقَالَ الَّذِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ لَوۡلَا
یُکَلِّمُنَا اللّٰہُ اَوۡ تَاۡتِیۡنَاۤ اٰیَۃٌ ؕ
کَذٰلِکَ قَالَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ مِّثۡلَ
قَوۡلِہِمۡ ؕ
تَشَابَہَتۡ قُلُوۡبُہُمۡ ؕ
قَدۡ بَیَّنَّا الۡاٰیٰتِ لِقَوۡمٍ یُّوۡقِنُوۡنَ ○

118- اور جو لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے کہتے
ہیں، ہم سے اللہ تعالیٰ کلام کیوں نہیں کرتا؟
یا ہمارے لیے کوئی نشانی کیوں نہیں لاتا؟
ان سے پہلے بھی کچھ لوگ یہی کہتے آئے
ہیں۔ دراصل ان گمراہوں کے قلوب
ایک دوسرے سے مشابہ ہیں۔ بے شک
ہم نے خوب وضاحت کردی ہے
اپنی آیات کی یقین رکھنے والوں کے لئے۔

171-سب سے بڑا جھوٹ:-

عیسائیوں کا یہ نظریہ کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنا بیٹا بنالیا ہے سب سے بڑا جھوٹ ہے۔اس لئے کہ ربِ کائنات کی ذات پاک کو یہ نظریہ عیب دار بنا دیتا ہے۔آیتہ مبارک 116 میں فرمایا گیا ہے "اور وہ (عیسائی) کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے بنالیا ہے بیٹا حالانکہ وہ ذات پاک ہے" اگر اس کا بیٹا ہے تو اس کا کوئی باپ بھی ہوگا۔کوئی آباؤ اجداد بھی ہوں گے اور پھر اس کے بیٹے کی بھی کوئی اولاد ہوگی، اس کی بیوی بھی ہونی چاہئے، اس کے بھائی بہن بھی ہوسکتے ہیں۔اس کی خلق اور ملک میں شریک بھی ہونے چاہئیں اسے حمایتیوں اور مددگاروں کی بھی ضرورت ہوگی یعنی پھر تو اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں مکمل نہ ہوا (نعوذ باللہ)۔مالک کون ومکاں خالق آسمان وزمین، واحدہٗ لاشریک کی حیثیت کسی قبیلے کے سردار جیسی ہوگی جو خواہ کتنا ہی طاقتور کیوں نہ ہو اسکی طاقت کا انحصار بہر حال اپنے بیٹوں اور بھائی بندوں پر ہوتا ہے۔لہٰذا یہ ماننا کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی بیٹا ہے، رب کائنات پر بہت بڑا بہتان باندھنا اور دیدہ دلیری ہے۔ اس گمراہ کن نظریہ کو ثابت کرنے کے لئے عیسائی پادریوں نے انجیل مقدس کو بھی بدل ڈالا اور اپنی طرف سے کئی اضافے بھی کردیئے یہی وجہ ہے کہ آج کل بازار میں کئی مصنفین کے ناموں والی کئی ایک انجیل ملتی ہیں۔

172-آسمانوں اور زمین کی ایجاد، ایک سائنسی نکتہ:-

عیسائیوں کے باطل عقیدہ کہ ''حضرت عیسیٰ اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں'' کے جواب میں فرمایا گیا ہے کہ'' یہ اس کی شان نہیں وہ تو آسمانوں اور زمین کا موجد اور خالق ہے''۔ یہ اللہ کی واحدانیت پر بڑی زبردست دلیل ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ ایک بہت بڑی سائنسی حقیقت بھی ہے کہ کائنات ایک تخلیق ہے اس لئے اس کا کوئی آغاز بھی ہوگا۔ آج سے پچاس ساٹھ سال پہلے تک کائنات کے متعلق سائنسی نظریہ ہیشگی کا تھا۔ یعنی کائنات ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی اس تھیوری کا نام (Steady State Universe) ''ہیشگی کی تھیوری'' تھا۔ لیکن بعد کی دریافتوں نے قرآن پاک کی حقانیت کو سچ ثابت کیا کہ کائنات ایک ایجاد ہے یعنی یہ ہمیشہ سے نہیں نہ ہی زمان و مکان کا وجود ہمیشہ سے ہے بلکہ یہ سب اچانک ظہور پذیر ہوئے۔ ان سے پہلے ایک انہونی کیفیت تھی۔ اس انہونی (Nothingness) سے سب کچھ ہوگیا۔ اس نئی تھیوری کا نام بگ بینگ (Big Bang) تھیوری ہے جو کائنات کے بارے میں معتبر ترین تھیوری سمجھی جاتی ہے۔ عقل حیران ہے کہ سائنس ایک لمبے سفر کے بعد اس حقیقت تک پہنچی ہے جو قرآن کریم میں صدیوں پہلے ان واشگاف الفاظ کے ساتھ بتائی جاچکی تھی کہ ''اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے''۔ یعنی کائنات ایک ایجاد ہے اور ایجاد کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہمیشہ سے نہیں ہے اور اس سے پہلے بھی ویسی کوئی چیز نہیں تھی۔ (For details please see appendix IV , V , XXII)

173-کن فیکون، تخلیقی امر کا اصول:-

آیۂ مبارک 117 ہی میں آسمانوں وزمین یعنی کائنات کی ایجاد اور تخلیق کے ذکر کر کے فوراً بعد بتایا گیا ہے کہ یہ کیسے ہوا ہوگا۔ فرمایا ''اس کی شان تو یہ ہے کہ جب وہ کسی بات کا حکم فرماتا ہے تو کہتا ہے **کن** (ہوجا) اور **فیکون** (پس ہوجاتا ہے) یعنی زمین وآسمان (کائنات) کا وجود بھی اس اصول کے مطابق اچانک معرض وجود میں آیا تھا۔

اپنے عام معنی میں اس آیہ مبارک سے یہ سائنسی نکتہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ تخلیقی امر ہمیشہ ہی اچانک اور فوری ہوتا ہے۔ اس میں کوئی وقت اور کوشش نہیں لگتی۔ کہا اور ہوگیا۔ یعنی بگ بینگ اللہ تعالیٰ کا ایک حکم تھا اور اس وقت سے تا قیامت کائنات میں تخلیقی امر اسی اصول کے پابند ہیں۔ جیسے ہی اس نے 'کن' کہا۔ ایک بالکل نئی تخلیق معرض وجود میں آگئی۔ کن فیکوں وقت کا محتاج نہیں بلکہ وقت (Time) بھی اس کی تخلیق ہے جیسے مکان (Space) اس کی تخلیق ہے۔ نہ ہی اسے کسی چیز کو بنانے کے لئے پہلے سے موجود مادے (Materials) کی ضرورت ہے۔ نہ ہی اسے انجام دینے کے لئے وقت چاہئے۔ بلکہ 'کن' کے امر کے ساتھ ہی تمام طرح کے اسباب بھی پیدا ہوجاتے ہیں۔

تخلیقی اوامر کے اچانک معرض وجود میں آنے کی بات ایک بہت بڑی سائنسی حقیقت ہے۔ جس کی دریافت پر جدید سائنس فخر کرتی

ہے۔اور یہ کوانٹم تھیوری (Quantum Theory) کی بنیاد ہے، اس کے مطابق نئی چیزوں کا ظہور آہستہ آہستہ نہیں بلکہ فوراً وقوع پذیر ہوتا ہے۔اسی طرح ایک حالت سے دوسری حالت میں تغیر بھی اچانک چھلانگ (Quantum Jump) سے ہوتا ہے جیسے کسی نے حکم دیا "ہوجااور وہ ہوگیا"۔

افسوس کہ سائنس ایجاد وتخلیق کے عمل کو سمجھ چکی ہے لیکن موجد اور خالق کی حقیقت سے نا آشنا ہے۔چنانچہ آیہ مبارک 118 میں فرمایا گیا ہے کہ ایسے حقیقت نا آشنا اس سلسلہ میں رب السموات والارض کے بارے میں عجیب عجیب خودساختہ نظریئے رکھتے ہیں۔کبھی وہ اتحاد ثلاثہ (Trinity) باپ ماں اور بیٹے کے باطل نظریہ کا پرچار کرتے ہیں، کبھی اللہ تعالیٰ کوایک نہایت قد کاٹھ والے انسان کی صورت میں تصور کرتے ہیں، کبھی اس کا انکار کردیتے ہیں، کبھی اس سے ہم کلام ہونا چاہتے ہیں، کبھی اس سے معجزات کا مطالبہ کرتے ہیں، جیسے رب تعالیٰ بھی انہی جیسی کوئی طاقت ہے جسے ان کی خواہشات کا احترام کرنا چاہئے۔یہ سب لوگ گمراہ ہیں اور ہر دور اور ہر خطہ میں ان کی سوچ مزاج اور شخصیت ایک سی رہی ہے۔وہ اپنے آپ کو ترقی پسند کہتے ہیں لیکن درحقیقت ان سے بڑا قنوطیت پسند اور جاہل کوئی نہیں ہوسکتا۔اس لئے کہ کفر دور قدیم سے چلا آرہا ہے۔اگرچہ وہ اپنے تجربات اور حساب سے وہی کچھ دریافت کررہے ہیں جو قرآن پاک کی آیات میں چودہ سو سال قبل بتادیا گیا تھا، لیکن افسوس کہ وہ ابھی تک مخزن حقائق پر ایمان نہیں لائے۔

174- عظیم تر سبب (Super Dimension):-

آیۂ مبارک **کن فیکون** سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ہر واقعہ کے پیچھے رب العزت کی ذات پاک ہے۔سائنسی زبان میں کسی بھی واقعہ کے ظہور پذیر ہونے کے لئے دو بنیادی سبب درکار ہیں ایک وقت (Time) اور دوسرا مکان (Space)۔ان میں (space) یعنی مکان کی تین بنیادی سمتیں (Dimension) ہیں یعنی طول، عرض اور موٹائی۔یہ تینوں بنیادی سبب ہر چیز کے وجود کے احاطہ کے لئے لازمی شرط ہیں۔ان میں سے اگر ایک بھی نہ ہو تو کوئی مادی وجود ممکن نہیں۔مثلاً صرف طول اور عرض خواہ کس قدر ہی بڑے ہیں اگر موٹائی نہیں تو کوئی چیز بھی معرض وجود میں نہیں آسکتی۔لیکن واقعہ کے ظہور پذیر کے لئے طول وعرض اور موٹائی بھی کافی نہیں۔اس کے لئے ایک چوتھا بنیادی سبب (Fourth Dimension) بھی چاہئے۔جو وقت ہے۔صفر وقت (Zero Time) میں کسی واقعہ کا ہونا ناممکن ہے۔لیکن آیہ مبارک 116 سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان چاروں اسباب کے اوپر ایک اور عظیم تر سبب بھی ہے اور وہ رب تعالیٰ کا امر ہے۔جب تک امر ربی نہ ہوگا زمان ومکان بھی حرکت نہیں کریں گے۔لہٰذا یہ وہ سپر ڈائمنشن (Super Dimension) ہے، جس نے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے۔**واللہ محیط علی کل شیی**۔اللہ کے فرشتے، غیبی طاقتیں اور غیبی اسباب اس عظیم تر سبب کے ذیلی اسباب (Minor Dimensions) ہیں۔یہ بات خوش کن ہے کہ جدید سائنس نے اب زمان ومکان کی چار سمتوں کے علاوہ بھی سوچنا شروع کیا ہے اور بعض سائنس دانوں کا خیال ہے کہ کائنات میں درجنوں اور بنیادی اسباب ہوسکتے ہیں۔کاش کہ انہیں مسبب

الاسباب کی بھی سمجھ آجائے۔ (For more detail please see appendix ii,iii,iv,v)

آگے آنے والی آیات واضح کرتی ہیں کہ رب کائنات کے بارے میں جو کچھ قرآن حکیم میں فرمایا گیا اس کے علاوہ باقی سب عقیدے باطل ہیں اور باطل عقیدوں کے ماننے والے ہمیشہ مسلمانوں اور اسلام کی مخالفت کریں گے۔ اس لئے مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ نہ صرف اپنے آپ کو باطل عقیدہ والوں کے اثرات سے بچا کر رکھیں بلکہ ساری دنیا کو گمراہی سے بچانے کے لئے اسلام کے نور کی روشنی کو پھیلائیں۔ فرمایا......

إِنَّآ أَرْسَلْنَٰكَ بِٱلْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۖ وَلَا تُسْـَٔلُ عَنْ أَصْحَٰبِ ٱلْجَحِيمِ ۝

119- بے شک ہم نے آپؐ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ خوشخبری سنانے والے، اور عذاب سے ڈرانے والے، اور آپؐ سے دوزخ والوں کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا۔

وَلَن تَرْضَىٰ عَنكَ ٱلْيَهُودُ وَلَا ٱلنَّصَٰرَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۗ قُلْ إِنَّ هُدَى ٱللَّهِ هُوَ ٱلْهُدَىٰ ۗ وَلَئِنِ ٱتَّبَعْتَ أَهْوَآءَهُم بَعْدَ ٱلَّذِى جَآءَكَ مِنَ ٱلْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ ٱللَّهِ مِن وَلِىٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۝

120- اور (یاد رکھئے) یہود و نصاریٰ آپؐ سے ہرگز راضی نہ ہونگے۔ جب تک کہ آپؐ ان کے دین کی پیروی نہیں کرتے۔ لہٰذا آپؐ فرما دیجئے، بے شک اللہ کی ہدایت ہی حقیقی ہدایت ہے۔ اور اگر آپؐ نے ان کی خواہشات کی پیروی کی بعد اس کے کہ آپؐ کے پاس علم یعنی (وحی الٰہی) آچکا ہے، تو پھر آپ کا (بھی) اللہ کی طرف سے کوئی دوست اور مددگار نہ ہوگا۔

ہے۔اور یہ کوانٹم تھیوری (Quantum Theory) کی بنیاد ہے،اس کے مطابق نئی چیزوں کا ظہور آہستہ آہستہ نہیں بلکہ فوراً وقوع پذیر ہوتا ہے۔اسی طرح ایک حالت سے دوسری حالت میں تغیر بھی اچانک چھلانگ (Quantum Jump) سے ہوتا ہے جیسے کسی نے حکم دیا ''ہوجااور وہ ہوگیا''۔

افسوس کہ سائنس ایجاد وتخلیق کے عمل کو سمجھ چکی ہے لیکن موجد اور خالق کی حقیقت سے نا آشنا ہے۔چنانچہ آیہ مبارک 118 میں فرمایا گیا ہے کہ ایسے حقیقت نا آشنا اس سلسلہ میں رب السموات والارض کے بارے میں عجیب عجیب خودساختہ نظریے رکھتے ہیں۔کبھی وہ اتحادثلاثہ (Trinity) باپ ماں اور بیٹے کے باطل نظریہ کا پرچار کرتے ہیں،کبھی اللہ تعالیٰ کوایک نہایت قد کاٹھ والے انسان کی صورت میں تصور کرتے ہیں،کبھی اس کا انکار کردیتے ہیں،کبھی اس سے ہم کلام ہونا چاہتے ہیں،کبھی اس سے معجزات کا مطالبہ کرتے ہیں،جیسے رب تعالیٰ بھی انہی جیسی کوئی طاقت ہے جسے ان کی خواہشات کا احترام کرنا چاہئے۔یہ سب لوگ گمراہ ہیں اور ہر دور اور ہر خطہ میں ان کی سوچ مزاج اور شخصیت ایک سی رہی ہے۔وہ اپنے آپ کو ترقی پسند کہتے ہیں لیکن درحقیقت ان سے بڑا قنوطیت پسند اور جاہل کوئی نہیں ہوسکتا۔اس لئے کہ کفر دور قدیم سے چلا آرہا ہے۔اگرچہ وہ اپنے تجربات اور حساب سے وہی کچھ دریافت کررہے ہیں جو قرآن پاک کی آیات میں چودہ سو سال قبل بتادیا گیا تھا،لیکن افسوس کہ وہ ابھی تک مخزن حقائق پر ایمان نہیں لائے۔

174- عظیم ترسبب (Super Dimension):-

آیہ مبارک **کن فیکون** سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ہر واقعہ کے پیچھے رب العزت کی ذات پاک ہے۔سائنسی زبان میں کسی بھی واقعہ کے ظہور پذیر ہونے کے لئے دو بنیادی سبب درکار ہیں ایک وقت (Time) اور دوسرا مکان (Space)۔ان میں (space) یعنی مکان کی تین بنیادی سمتیں (Dimension) ہیں یعنی طول،عرض اور موٹائی۔یہ تینوں بنیادی سبب ہر چیز کے وجود کے احاطہ کے لئے لازمی شرط ہیں۔ان میں سے اگر ایک بھی نہ ہو تو کوئی مادی وجود ممکن نہیں۔مثلاً صرف طول اور عرض خواہ کس قدر ہی بڑے ہیں اگر موٹائی نہیں تو کوئی چیز بھی معرض وجود میں نہیں آسکتی۔لیکن واقعہ کے ظہور پذیر کے لئے طول وعرض اور موٹائی بھی کافی نہیں۔اس کے لئے ایک چوتھا بنیادی سبب (Fourth Dimension) بھی چاہئے۔جو وقت ہے۔صفر وقت (Zero Time) میں کسی واقعہ کا ہونا ناممکن ہے۔لیکن آیہ مبارک 116 سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان چاروں اسباب کے اوپر ایک اور عظیم ترسبب بھی ہے اور وہ رب تعالیٰ کا امر ہے۔جب تک امر ربی نہ ہوگا زمان ومکان بھی حرکت نہیں کریں گے۔لہٰذا یہ وہ سپر ڈائمنشن (Super Dimension) ہے جس نے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے۔**واللہ محیط علی کل شیی**۔اللہ کے فرشتے،غیبی طاقتیں اور غیبی اسباب اس عظیم ترسبب کے ذیلی اسباب (Minor Dimensions) ہیں۔یہ بات خوش کن ہے کہ جدید سائنس نے اب زمان ومکان کی چار سمتوں کے علاوہ بھی سوچنا شروع کیا ہے اور بعض سائنس دانوں کا خیال ہے کہ کائنات میں درجنوں اور بنیادی اسباب ہوسکتے ہیں۔کاش کہ انہیں مسبب

الاسباب کی بھی سمجھ آجائے۔ (For more detail please see appendix ii,iii,iv,v)

آگے آنے والی آیات واضح کرتی ہیں کہ رب کائنات کے بارے میں جو کچھ قرآن حکیم میں فرمایا گیا اس کے علاوہ باقی سب عقیدے باطل ہیں اور باطل عقیدوں کے ماننے والے ہمیشہ مسلمانوں اور اسلام کی مخالفت کریں گے۔ اس لئے مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ نہ صرف اپنے آپ کو باطل عقیدہ والوں کے اثرات سے بچا کر رکھیں بلکہ ساری دنیا کو گمراہی سے بچانے کے لئے اسلام کے نور کی روشنی کو پھیلائیں۔ فرمایا......

إِنَّآ أَرْسَلْنَٰكَ بِٱلْحَقِّ بَشِيرًا وَ نَذِيرًا ۖ وَلَا تُسْـَٔلُ عَنْ أَصْحَٰبِ ٱلْجَحِيمِ ○	119- بے شک ہم نے آپؐ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ خوشخبری سنانے والے، اور عذاب سے ڈرانے والے، اور آپؐ سے دوزخ والوں کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا۔
وَلَن تَرْضَىٰ عَنكَ ٱلْيَهُودُ وَلَا ٱلنَّصَٰرَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۗ قُلْ إِنَّ هُدَى ٱللَّهِ هُوَ ٱلْهُدَىٰ ۗ وَلَئِنِ ٱتَّبَعْتَ أَهْوَآءَهُم بَعْدَ ٱلَّذِى جَآءَكَ مِنَ ٱلْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ ٱللَّهِ مِن وَلِىٍّ وَلَا نَصِيرٍ ○	120- اور (یاد رکھیے) یہود و نصاریٰ آپؐ سے ہرگز راضی نہ ہوں گے۔ جب تک کہ آپؐ ان کے دین کی پیروی نہیں کرتے۔ لہٰذا آپؐ فرما دیجئے، بے شک اللہ کی ہدایت ہی حقیقی ہدایت ہے۔ اور اگر آپؐ نے ان کی خواہشات کی پیروی کی بعد اس کے کہ آپؐ کے پاس علم یعنی (وحی الٰہی) آچکا ہے، تو پھر آپ کا (بھی) اللہ کی طرف سے کوئی دوست اور مددگار نہ ہوگا۔

121- جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی، اور تلاوت کرتے ہیں اس کی جیسے اسکی تلاوت کا حق ہے، یہی لوگ اس پر ایمان رکھنے والے ہیں۔ اور جو اس سے انکار کریگا پس وہ نقصان اٹھائے گا۔

الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝

175- ہادی اعظم :-

سرور کائنات رحمت اللعالمین ﷺ کو لوگوں کے گمراہ ہونے کا بڑا قلق ہوتا تھا۔ بہت فکر کرتے کہ باطل نظریات کے پیچھے لوگ عیسائی، یہود، مشرکین، کافر اور منافق بن کر دوزخ میں پہنچ جائیں گے۔ آیۃ مبارک 119 میں اللہ تعالیٰ حضور پاک ﷺ کو تسلی دیتے ہیں کہ آپ کا کام لوگوں پر حقائق واضح کر دینا ہے، لوگوں کو جنت کی خوشخبری اور دوزخ کی وعید دینا ہے۔ ماننا یا نہ ماننا ان کا اپنا کام ہے۔ آپ سے ان کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا کہ یہ دوزخ میں کیوں پہنچ گئے۔ آپ کا حق تبلیغ ہے جو آپ نے ادا کر دیا (ﷺ) آپ کے بعد یہی احکام امت محمدیہ کیلئے ہیں مسلمان کا کام خود حق پر عمل کرنا اور دوسروں تک حق کو واضح طریقہ سے پہنچا دینا ہے۔ باقی وہ مانیں یا نہ مانیں یہ ان کی اپنی ذمہ داری ہے۔

176- یہود و نصاریٰ کی سیاست :-

آیۃ مبارک 120 مسلمانوں کے لئے دنیا میں رہنے کا فارمولا ہے، کہ وہ کٹر یہود و نصاریٰ کی اصلاح پر زیادہ فکر مند ہونے کی بجائے اپنے آپکی خبر لیں۔ فرمایا "وہ ہرگز تم سے خوش نہ ہوں گے حتیٰ کہ آپ ان کی خواہشات کے مطابق نہ ہو جائیں۔" یہ ایک نہایت اہم لائحہ عمل کی طرف واضح حکم ہے۔ اس سے مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ کی سیاست سمجھنے میں بھی بہت مدد ملے گی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کی سیاہی کو ظاہر کر دیا ہے۔ افسوس کہ آج کے مسلمان اس بات کو نہیں سمجھتے۔ اگر چہ آئے دن کے واقعات یہ ثابت کرتے ہیں کہ اکثر غیر مسلموں کی ایک ہی خواہش ہے کہ مسلمان دین حق چھوڑ کر ان کے طریقوں پر چلنے لگیں۔ اگر آپ ان کے طور طریقوں، ان کی قدروں، ان کی تہذیب، ان کی سی مادر پدر آزادی، ان کی طرح دین سے بیزاری کو اپنا طریقہ بناتے ہیں تو وہ آپ کو برداشت کرتے رہیں گے لیکن جونہی اسلام اور اسلامی نظام حیات کی بات کرو گے یا اسلامی معاشرہ قائم کرنے کی کوشش کرو گے تو وہ فوری ردعمل دکھائیں گے۔ پھر کبھی تمہیں رجعت پسند، کبھی بنیاد پرست، کبھی وحشیانہ فرسودہ رسم و رواج کے پیروکار کے خطابات سے نوازیں گے۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک اسلام ہی ان کی باطل اور فرسودہ تہذیب کے لئے سب سے بڑا خطرہ ہے۔ لہٰذا وہ ہمیشہ سے اسلام کو ختم کرنے کے درپے ہیں۔

ان کی عیاری، مکاری اور جفاداری سے بچنے کا واحد طریقہ یہی ہے کہ مسلمان کفر سے کسی طرح کا سمجھوتہ نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنا علیحدہ اسلامی تشخص قائم رکھنے کی تلقین کرتا ہے اور بڑے واضح اور سخت الفاظ میں تنبیہ کرتا ہے کہ اسلام کے بعد اگر مسلمان غیر مسلم اقوام کی خواہشات کے پیچھے لگے تو پھر اللہ کی طرف سے انہیں کوئی مدد نہیں آئے گی۔ اور یہی کچھ ہو رہا ہے۔ جب سے مسلمانوں نے مسلمانوں کی بجائے ہنود، یہود اور نصاریٰ وغیرہ سے دوستی کو ترجیح دینا، اور انکی پیروی میں اسلامی نظام حکومت کی بجائے سیکولرزم کو اہمیت دینا شروع کی ہے وہ بے یار و مددگار ہو گئے ہیں۔ لیکن پھر بھی یہود و نصاریٰ اور دیگر مشرکین ان سے پوری طرح خوش نہیں ہوئے۔ حالانکہ وہ انہی کے طور طریقوں (Way of Life) کی طرف بڑھ رہے ہیں یعنی وہ ماڈرن بنی اسرائیل بن چکے ہیں۔ اگلی آیہ مبارک میں انہی کی داستان (case history) کے کچھ پہلوؤں کی یاد دہانی کرائی گئی ہے تا کہ مسلمان اس سے سبق سیکھ کر گمراہی سے بچ جائیں، فرمایا.....

یٰبَنِیٓ اِسۡرَآءِیۡلَ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتِیَ الَّتِیۡٓ
اَنۡعَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ
وَاَنِّیۡ فَضَّلۡتُکُمۡ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ ۝

122- اے بنی اسرائیل، میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تمہیں عطا کی اور بے شک میں نے تمہیں کائنات میں بزرگی عطا فرمائی۔

وَاتَّقُوۡا یَوۡمًا
لَّا تَجۡزِیۡ نَفۡسٌ عَنۡ نَّفۡسٍ شَیۡـًٔا
وَّلَا یُقۡبَلُ مِنۡہَا عَدۡلٌ
وَّلَا تَنۡفَعُہَا شَفَاعَۃٌ
وَّلَا ہُمۡ یُنۡصَرُوۡنَ ۝

123- اور تم اس دن سے خوف کھاؤ جس دن کوئی نفس کسی دوسرے نفس کے کام نہ آئے گا۔ اور نہ ہی اس سے کوئی معاوضہ قبول کیا جائے گا۔ اور نہ ہی انہیں کوئی شفارش فائدہ دیگی۔ اور نہ ہی انہیں کوئی مدد دی جائے گی۔

177-بنی اسرائیل کی فضیلت:-

جیسا پہلے بھی ذکر ہوا ہے بنی اسرائیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند حضرت اسحاق علیہ السلام کے صاحبزادے حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ اس طرح ان کی یہ خصوصیت اپنی جگہ تھی کہ وہ جلیل القدر انبیاء اکرام کی اولاد میں سے تھے۔ اس کے علاوہ ان کی ایک خاص فضیلت یہ بھی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں بے شمار پیغمبر بھیجے اور دنیا میں اس قدر پیغمبر کسی دوسری قوم میں نہیں آئے۔ اسکے علاوہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسی ذہانت، حکمت اور حکومت عطا کی جو بے مثل تھی۔ اس لحاظ سے وہ اپنے زمانہ کے لوگوں میں

ممتاز ترین قوم تھے۔ جہاں تک عالمین میں بزرگی کا معاملہ ہے تو اس ضمن میں قرآن کریم ہمیں بتاتا ہے کہ بحیثیت بنی آدم ہر آدمی ہی بزرگ و محترم ہے۔ بنی اسرائیل چونکہ اپنے زمانہ کے لوگوں میں افضل تھے اس لئے اس وقت وہ تمام کائنات میں بھی بزرگ ترین قوم تھے۔

چاہئے تو یہ تھا کہ وہ اس عظیم الشان نعمت کے بدلے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے لیکن انہوں نے ان سب انعامات کو اپنی ذاتی قابلیت سمجھا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کی بجائے وہ آہستہ آہستہ اپنے آباؤ اجداد کے کارناموں پر فخر کرنے اور اپنے آپ کو خصوصی نسل کے انسان سمجھنے لگے کہ دنیا میں ان کے مقابلہ کا کوئی اور انسان نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ ان کے غرور کا یہ حال تھا کہ وہ اپنے سوا باقی سارے جہان کو اُمی یعنی جاہل (gentile) کہتے۔ سبحان اللہ کہ حضور ﷺ کی بعثت نے اس لفظ اُمی کی فضیلت اس قدر بڑھا دی کہ اسکے معنی ہی بدل گئے لیکن بنی اسرائیل پھر بھی اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہے اور اسلام کو غرور اور حسد کی بنا پر ٹھکرا دیا۔ اس انتہائی غیر ذمہ دارنہ طرز عمل پر آیہ کریمہ 123 میں ان کو سنگین نتائج کے متعلق تنبیہ کی گئی ہے کہ روز جزا وہ ہوں گے اور انکے اعمال۔ گنہگاروں کیلئے کوئی سفارش، کوئی تعلق یا معاوضہ کام نہیں آئے گا۔ دنیا میں جس روپے پیسے کے بل پر وہ ہر چیز خریدنے کا دعویٰ کرتے ہیں وہاں یہ سب کچھ نہیں چلے گا۔ اس لئے ان کو چاہیئے کہ ابھی سنبھل جائیں اور نبی آخر الزمان پر ایمان لا کر اپنی آخرت بہتر بنائیں۔ ورنہ موت کے بعد صرف پچھتاوا ہی پچھتاوا ہو گا۔ آیۃ مبارک 123 کی یہ وعید دنیا بھر کے انسانوں کے لئے حقیقی ہے۔ مسلمانوں کے لئے یہ خصوصی طور پر لمحہ فکریہ ہے۔

178- اللہ کی نعمتوں کا شکرانہ:۔

آیۃ مبارک 122 میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر اور انکا شکر ادا کرنے کا حکم ہے۔ اس لئے ہر آدمی کا یہ فرض ہے کہ چیزوں کو ان کے روحانی پہلو سے دیکھے۔ یعنی مخلوق سے خالق کی معرفت حاصل کرے اور سوچے کہ اگر ان میں سے کوئی چیز نہ ہوتی تو پھر کیا ہوتا، تا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کر سکیں۔ اسکے فضل کے گن گاتے رہیں اور اسکی نعمتوں کو اچھے کاموں میں صرف کریں اور یوں اپنے رب کے نام کو دنیا میں بلند کریں۔ یاد رہے کہ نعمت کا ذکر کرنے اور شکر ادا کرنے سے ہمارا مالک خوش ہوتا ہے اور اپنی نعمتوں کو مزید بڑھاتا جاتا ہے۔

179- حق شفاعت:۔

آیۃ مبارک 123 اس بات کی زبردست یاددہانی ہے کہ روز جزا آنے ہی والا ہے، اس وقت کوئی نفس کسی دوسرے نفس کے کام نہیں آئے گا۔ کوئی معاوضہ قبول نہیں ہوگا اور جو لوگ یہودی کریکٹر رکھتے ہیں ان کے لئے کسی کی سفارش یا شفاعت فائدہ نہیں دے گی۔ گویا حق شفاعت کیلئے بھی اہلیت ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ جن کو چاہے گا حق شفاعت عطا کرے گا۔ سرور کائنات ﷺ کی شفاعت مسلمہ ہے۔

180- حضور پاک ﷺ کے امتیوں کی فضیلت:۔

آیۃ مبارک 122 میں بنی اسرائیل سے یہ فرمایا "میں نے تمہیں عالمین پر فضیلت عطا فرمائی" اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی

وقت بنی اسرائیل واقعی تمام نوع انسانی، حیوانی، ملکوتی، جناتی وغیرہ سب مخلوقات سے افضل تھے اور ان کی یہ فضیلت عالمین میں ہر جگہ تھی۔ عالمین کا لفظ اس بات کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے کہ کائنات میں کئی جگہ زندگی ہوگی اور ان میں سمجھدار مخلوقات بھی ہیں لیکن انسان اشرف المخلوقات ہونے کی وجہ سے سب پر فضیلت رکھتا ہے۔ تاہم انسانوں میں مقام فضیلت قوم در قوم، فرد در فرد بدلتا رہتا ہے۔ ایک وقت تھا جب بنی اسرائیل اس اعلیٰ ترین منصب کے حامل تھے لیکن جب انہوں نے اپنے اس عالی مقام کے روحانی اور انسانی تقاضے پورے نہ کئے تو ان سے یہ عزت چھین لی گئی۔ حضور ﷺ کی بعثت کے بعد آپ کی بدولت یہ فضیلت آپؐ کے مقدس ساتھیوں کو تفویض ہوگئی اور اب یہ مقام عالی وقار ہر اس قوم، قبیلہ، گھر اور فرد کو ملتا رہے گا جو زمین پر اللہ تبارک تعالیٰ کے خلیفہ ہونے کا حق ادا کریں گے۔ آپؐ سے پہلے ایسی ہی ذی وقار ہستیوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے جن کا ذکر خیر آیت 124 میں ہو رہا ہے۔ فرمایا ....

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ
بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ
قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ
لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ
قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ؕ
قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ ○

124- اور (یاد کیجئے) جب ابراہیم علیہ السلام کو اسکے رب نے چند باتوں میں آزمایا، اور اس نے ان کو پورا کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا، "بے شک میں نے تمہیں دنیا بھر کے لوگوں کے لئے امام مقرر کیا"۔ (اس پر ابراہیم نے) کہا، کیا میری اولاد میں سے بھی؟
(اللہ نے) فرمایا،
"میرا یہ وعدہ ظالموں تک نہیں پہنچے گا"۔

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ
وَاَمْنًا ؕ
وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ
وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ
اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ
لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ
السُّجُوْدِ ○

125- اور (وہ موقع بھی یاد کیجئے) جب ہم نے بیت المکرّم کو لوگوں کے اجتماع کی جگہ بنایا، اور مقام امن۔
اور تم مقام ابراہیم کو جائے نماز بناؤ
اور ہم نے ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ سے عہد لیا
کہ وہ دونوں میرے گھر کو پاک وصاف رکھیں گے،
طواف کرنے والوں کے لئے،
اعتکاف کرنے والوں کے لئے،
اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے۔

126- (اور وہ وقت بھی یاد کیجئے)

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ
هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّ ارْزُقْ اَهْلَهٗ
مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ
بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ
فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ
اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ
وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝

جب ابراہیم علیہ السلام نے کہا
اے رب اس شہر (مکہ) کو جائے امن بنادے،
اور رزق دے مختلف پھلوں کا اسکے باشندوں کو
جو ان میں سے اللہ تعالیٰ اور
یوم آخرت پر ایمان لائیں۔
(اس پر) اللہ تعالیٰ نے فرمایا،
"جو کافر ہوا اسے بھی میں یہ متاع دوں گا
(زندگی کا) تھوڑا عرصہ"۔
پھر میں اسے آگ کے عذاب کی طرف (جانے پر)
مجبور کردونگا۔
جو رہنے کی بدترین جگہ ہے۔

181-امتحان ، شرف بزرگی کی شرط:-

حضرت ابراہیم علیہ السلام تاریخ عالم کی وہ واحد ہستی ہیں جنہیں تمام ادیان کے پیروکار اپنا امام اور پیشوا مانتے ہیں۔ بالخصوص مسلمان، عیسائی اور یہود کے پیغمبروں کے وہ مورث اعلیٰ ہیں۔ انہیں یہ مقام کیوں اور کیسے حاصل ہوا؟ آیہ مبارک 124 بتاتی ہے کہ یہ عالی مرتبہ کچھ یونہی نہ مل گیا تھا بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کئی طرح کے امتحانوں میں ڈالا اور وہ عظیم انسان ہر امتحان میں کامیاب وکامران رہا۔ سخت سے سخت موقع پر بھی کسی طرح کا ضعف نہیں دکھایا۔ حتیٰ کہ آگ نمرود میں بھی ہنسی خوشی اتر گئے۔ یوں آیہ مبارک 124 سے صاف ظاہر ہے کہ فضل ربی اپنی جگہ پر ٹھیک ہے لیکن سنت ربی یہی ہے کہ وہ اپنے لئے اپنے بندوں کی محبت اور ایمان کو مختلف طریقوں سے آزماتا ہے اور جولوگ صبر وتحمل، ایمان ورضا سے ان آزمائشوں میں پورے اترتے ہیں رب کائنات اپنی طرف سے انہیں خصوصی فضیلت اور انعامات سے نوازتا ہے۔ اس ضمن میں سب سے بڑا انعام یہ ہے کہ وہ انہیں امام الناس یعنی انسانوں کی ہدایت کے لئے چن لیتا ہے۔ اس لئے ان کی امامت عارضی نہیں ہوتی بلکہ رہتی دنیا تک لوگوں کے دلوں پر رہتی ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ اگر اللہ چاہے تو بیٹھے بٹھائے بھی سب کچھ دے

دے لیکن اعلیٰ ترین مقامات کی عطا کے لئے وہ اپنے پیاروں کو ضرور بڑے بڑے امتحانوں سے گذارتا ہے۔ خود حضور ﷺ کو جن آزمائشوں سے گزرنا پڑا وہ تاقیامت آنے والے انسانوں کے لئے مثالی ہیں۔

182- روحانی سلسلے:-

آیۃ مبارک 125 کا دوسرا حصہ بھی قابل غور ہے جب ابراہیم علیہ السلام کو امام الناس بننے کی خوشخبری سنائی گئی تو اولاد سے بشری محبت کی وجہ سے چاہا کہ یہ منصب ان کی اولاد کو بھی ملتا رہے لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا "میرا یہ وعدہ ظالموں کے لئے نہیں"، یعنی جو ظالم نہیں ان کے لئے منظور ہے۔ اس فرمان سے بزرگی کا وراثت میں منتقلی کا مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے۔ صالح اور نیک اولاد اگر اپنے آبا واجداد کے نقش قدم پر چل کر اسلام پر عمل کرتی رہتی ہے تو وہ ان کی بزرگی کے بھی وارث ہیں۔ اس شرط کے ساتھ روحانی سلسلے جاری وساری رہتے ہیں لیکن اگر اولاد مقام بندگی سے گر گئی تو مقام بزرگی سے بھی گر جائے گی۔

183- تعمیر خانہ کعبہ:-

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت آدم علیہ السلام کی تعمیر کی بنیادوں پر خانہ کعبہ کو اٹھانے اور آباد کرنے کا حکم ہوا جو آپ اور آپ کے قابل قدر فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام نے مل کر بنایا۔ آیہ مبارک ۱۲۵ کا یہ بیان معجزانہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے لوگوں کے جمع ہونے کی جگہ بنایا۔ اس بات کو اگرچہ چار ہزار سال سے زیادہ کا عرصہ ہوا ہے۔ بے شمار تہذیبیں آئیں اور گئیں لیکن اس گھر کے طواف کرنے والوں کی تعداد بڑھتی ہی گئی ہے۔ کوئی ایسا وقت نہیں کہ کبھی یہ خالی ہو۔ سرور کائنات ﷺ کی بعثت کے بعد تو اس گھر کی رونق کو چار چاند لگ گئے اور دنیا کے کونہ کونہ سے لوگ طواف کیلئے جوق در جوق آتے رہتے ہیں اور یہ تعداد دن بدن بفضل حق تعالیٰ بڑھ رہی ہے۔ یوں دنیا قرآن حکیم کی آیت ۱۲۵ میں دی گئی خبر کی خود گواہ ہے۔ **(For details see Appendix XXI)**

184- حرمت اور امن کا گھر:-

آیۃ مبارک میں یہ فرمان کہ "ہم نے (کعبہ کو) امن کا گہوارہ بنا دیا"۔ ایک اور معجزانہ حقیقت ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ یہ گھر ہمیشہ سے امن کا گھر رہا ہے۔ حتیٰ کہ حج کے زمانہ میں تو یہاں حقیر سے حقیر مخلوق کو بھی امن اور تحفظ ملتا ہے۔ اس کے اردگرد کی زمین جسے حرم کہا جاتا ہے وہاں پر خون بہانا بالکل منع ہے۔ اس پر بھی تاریخ گواہ ہے کہ اگر کسی نے اس کی حرمت کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو اللہ تعالیٰ نے اسے ذلیل وخوار کر کے تباہ کر دیا۔ ہاتھی والے ابرہہ کے واقعہ کا خود اللہ تبارک تعالیٰ نے سورہ فیل میں ذکر کر کے اس بات کو ہمیشہ کے لئے مثال بنا دیا ہے۔ جب بھی کوئی شیطانی ہاتھ خانہ کعبہ میں امن وامان خراب کرنے کی کوشش کرے گا تو انشاءاللہ ابرہہ کی طرح بالآخر ذلیل وخوار ہوگا۔ جس طرح خانہ کعبہ اللہ تعالیٰ کا گھر ہے اسی طرح باقی مسجدیں بھی جو رب تعالیٰ کے نام پر بنائی جاتی ہیں اسی کا گھر ہیں۔ اسلئے ہم سب کے لئے مقدس ہیں اور ان کی حرمت بھی لازم ہو جاتی ہے۔

185- مقام ابراہیم اور دیگر مقدس مقامات کی فضیلت :-

خانہ کعبہ کا انچ انچ مقدس ہے اور اس میں کسی جگہ بھی نماز پڑھیں ایک لاکھ گنا ثواب ملتا ہے لیکن وہ جگہ جس جگہ حضرت ابراہیم نماز پڑھا کرتے تھے اس کے تو کیا ہی کہنے کہ خود رب العزت فرماتے ہیں "مقام ابراہیم پر نماز پڑھو" اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ صالح بندے جس جگہ نماز پڑھتے ہیں یا عبادت کرتے ہیں اللہ تبارک و تعالیٰ ان محبوب ہستیوں کی نسبت سے ان جگہوں کو بھی خصوصیت بخش دیتے ہیں۔ اس لحاظ سے سرور کائنات ﷺ کی نسبت سے جو مقام ہیں ان کی خوش بختی کے کیا کہنے۔ غار حرا، غار ثور، مسجد نبوی، آپ ﷺ کا جائے مولود، سبھی بابرکت اور خصوصی اہمیت کی حامل جگہیں ہیں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے شہر مکہ مکرمہ کا نہایت پیار سے ذکر فرمایا ہے۔ **وَ هٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ** اسی دلیل کی بنا پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ جگہیں بھی جہاں اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے دفن ہیں اپنی اہمیت کی خود حامل ہیں لیکن ان کے ادب اور تقدس میں کسی بھی طرح کا شرک سخت گناہ کا باعث ہوگا۔

186- مساجد کا انتظام :-

آیۃ مبارک 125 میں اس بات کا ذکر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بیت اللہ کو صاف اور پاک رکھنے کی ذمہ داری عطا کی گئی تاکہ طواف، اعتکاف، نماز، اذکار، غرض ہر طرح کی عبادت کے لئے اسے خوب صاف ستھرا رکھا جائے۔ صفائی اور پاکی کے اس حکم کا اطلاق باقی تمام مسجدوں پر بھی ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کے گھر ہیں۔ مسجدوں میں کسی طرح کی گندگی پھیلانا سخت گناہ ہے اور انہیں کو صاف ستھرا رکھنے کے لئے کوشش کرنا سنت ابراہیمی ہے جو نہایت ثواب کا باعث ہے۔

187- دنیا میں خوش حالی :-

آیت نمبر 126 اس بات کی بھی وضاحت کرتی ہے کہ دنیا پر کسی آدمی کا رزق اس کے دین پر منحصر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس تھوڑی سی زندگی میں رزق کے دروازے سبھی پر کھول دیئے ہیں۔ کافر ہو یا مومن اللہ تعالیٰ کسی کا رزق اس کے مذہب کی وجہ سے کم یا زیادہ نہیں کرتا۔ وہ سب کا رب ہے۔ اس نے اپنی ہر مخلوق کا رزق اپنے ذمہ لیا ہے۔ اگر کچھ لوگ بھوکے مرتے ہیں تو اس کی ذمہ داری انہی پر ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اصول رزق پر عمل نہیں کرتے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے مومنین کے لئے خصوصی رزق کی دعا کے ساتھ اسے کافروں پر سے روک دینے کا سوال کیا لیکن رحمان و رحیم رب نے جو فرماتے ہیں **"ولقد کرمنا بنی آدم**۔ (سورہ بنی اسرائیل آیت مبارکہ 70) ہم نے بنی آدم کو (بلا لحاظ مذہب و ملت) مکرم کر دیا ہے۔" حضرت ابراہیم کو سمجھایا کہ دنیا کی زندگی میں اللہ تعالیٰ کسی کے بدعقادی یا مذہب کی وجہ سے اس پر رزق بند نہیں کرے گا۔ وہ تو سانپ اور سور جیسی مخلوق کی پرورش بھی کرتا ہے۔ آیہ مبارک ۱۲۶ سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ چونکہ رزق کی فراہمی کا ذمہ رب تعالیٰ نے خود اپنے سر لیا ہے اس لئے کسی کے رزق کی تنگی کے لئے دعا نہیں کرنی چاہئے۔ البتہ آخرت صرف مومنین ہی کے لئے ہے۔ اس لئے دنیاوی زندگی کی تنگی ترشی کو صبر اور دیانت داری سے برداشت کرنا مسلمانوں کا شیوہ ہے اور یہی مومن اور کافر کی سائیکی

(Psychy) میں واضح فرق ہے۔ جبکہ مومن آخرت کے لئے جیتا ہے، اور کافر دنیا کے لئے اور آخرت کی پرواہ نہیں کرتا چونکہ کافر ارضی حیات کو ترجیح دیتا ہے اس لئے اسکا جھکاؤ ارضی چیزوں کی طرف زیادہ ہوتا ہے، جبکہ مومن روحانی حیات کا شوق رکھتا ہے اس لئے وہ حیات بعد الموت کے فوائد کے لئے کوشش کرتا رہتا ہے۔ یاد رکھیے، نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ اگر اللہ کے نزدیک دنیا کی حیثیت مکھی کے پر برابر بھی ہوتی تو کفار پر تنگ کر دی جاتی یہ ایک عجیب سائنٹیفک بات ہے جس کا ادراک 20 صدی میں ہوا کہ مجموعہ کائنات میں ہماری یہ زمین جس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں پر انسان لڑتے رہتے ہیں درحقیقت اس کی حیثیت ایسے ہے جیسے صحرائے اعظم میں ریت کوئی ذرہ ہے یا اس سے بھی کم ہے اس لئے مومنین کو کافرین کی دولت اور خوشحالی پر رشک نہیں کرنا چاہئے۔ یہ سب کچھ انتہائی عارضی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہمارے پاس اسلام کی دولت ہے جو ہمیشہ رہنے والی ہے۔

اگلی آیات کریمہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حوالہ ہی سے ہیں۔ آپ کا ایک اور عظیم یادگار کارنامہ یہ بھی ہے کہ جب اسلام دنیا سے اٹھ چکا تھا، آپ نے اسے دوبارہ زندہ کیا اور ایمان لانے والوں کے لئے مسلم نام کو اپنایا۔ اس لئے اگر عیسائی اور یہود حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مانتے ہیں تو انہیں بھی اپنے آپ کو مسلمان ہی کہلانا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں....

وَ اِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ
الْبَيْتِ وَ اِسْمٰعِيْلُ ؕ
رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ
اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

127- اور وہ وقت بھی یاد کرو جب ابراہیم اس گھر (خانہ کعبہ) کی بنیادیں اٹھا رہے تھے، اسماعیل بھی ان کے ساتھ تھے۔ (وہ دونوں دعا کرتے تھے) "اے ہمارے رب تو (یہ خدمت) ہم سے قبول فرما، بے شک تو سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔

رَبَّنَا وَ اجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ
وَ مِنْ ذُرِّيَّتِنَاۤ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪
وَ اَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَ تُبْ عَلَيْنَا ۚ
اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝

128- اے ہمارے رب، ہمیں اپنے لئے مسلمان (فرمانبردار) بنالے، اور ہماری اولاد کو بھی اپنے لئے امت مسلمہ بنا،
اور ہمیں (دین کے) طریقے دکھا،
اور ہمارے اوپر مغفرت فرما۔
بے شک تو ہی نہایت معاف فرمانے والا

اور رحم کرنے والا ہے۔

129- اے ہمارے رب ، اوران میں سے ایک (عظیم الشان) رسول اٹھا، جوان پر تیری آیات پڑھ کرسنائے۔ اور انہیں کتاب (وحی) کی تعلیم دے اور حکمت سکھائے، اور انہیں (گناہوں کی آلودگی سے) پاک وصاف کرے۔ بے شک تو ہر قسم کی طاقت رکھنے والا اور حکمت والا ہے۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ
يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ
اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ؏

188- وقتِ محنت، وقتِ دعا:-

اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی پہلی فکر اللہ تعالیٰ سے محبت اور اس کی رضا ہوتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام جب کعبہ کی تعمیر کررہے تھے تو یہی فکر ان کو دامن گیر تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس خدمت کو قبول فرمالے اور یہ کہ انہیں ہمیشہ اپنا ہی تابعدار رکھے۔ سبحان اللہ، نہ اپنی عبادت پر کوئی فخر، نہ اپنے کام اور جدوجہد پر کوئی مان۔ اپنے مسلمان ہونے پر بھی مطمئن نہیں بلکہ نہایت عاجزی سے دعا کرتے ہیں'' ہم دونوں کو اپنا مسلمان یعنی اپنا ہی تابعدار بنا اور ہماری اولاد کو بھی امت مسلمہ تاکہ زندگی رب العزت کے حضور'' حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، یارب میں حاضر ہوں'' **لبیك لبیك اللهم لبیك** کے تصور کے ساتھ حاضری میں گذر جائے۔ آیہ مبارک ۱۲۸ سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ انسان صرف اپنے ہی دین کی فکر نہ کرے بلکہ اپنی اولاد کیلئے بھی فکرمند ہو اور اپنی آنے والی نسلوں کے لئے دعا کرتا رہے کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کے لئے ہی جئیں اور اسی کے لئے مریں۔

(For details see Appendix XXI, V)

189- عظیم الشان رسول ﷺ کیلئے دعا:-

جب خانہ کعبہ کی دیواریں اٹھنے لگتی ہیں اور مانگی جانے والی دعاؤں میں خشوع وخضوع انتہا کو پہنچتا ہے تو دونوں باپ بیٹا عرض کرتے ہیں'' یا اللہ ہماری اولاد میں سے، یعنی نسل اسماعیل میں سے وہ عظیم الشان رسول پیدا کر، جو دنیا بھر کو اللہ کی کتاب، اس کی تلاوت

اور حکمت کی تعلیم دے اور وہ اللہ کے دین کی روشنی سے ساری دنیا کو منور کر دے''۔ سبحان اللہ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ٹائم ٹیبل کے مطابق ان کے ۲۵۰۰ سال بعد اس دعا کی قبولیت کا سرورِ کائنات محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذاتِ گرامی کی صورت میں اظہار فرمایا۔

190- سرورِ کائنات ﷺ کا مشن:-

یہ آیۃ مبارک نبی پاکؐ کے مشن کی عکاسی کرتی ہے۔ آپؐ کی بعثت کا مقصد صرف قرآن پاک کی تنزیل نہیں تھا جیسے کچھ کوڑھ مغز جاہل رسول پاک ﷺ کو محض رب کا ڈاکیا سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ تو آپؐ کے کام کا صرف نکتہ آغاز ہے۔ اصل کام تو اللہ تعالیٰ کی معرفت کی تعلیم و تربیت، تزکیہ نفس اور حکمت و دانش کا عملی طور پر سبق سکھانا اور مضبوط بنیادوں پر اسلام کا نفاذ تھا۔ آپ ﷺ نے جس شاندار طریقہ سے اپنے ذمے لگے اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا وہ لاجواب ہے۔ آپؐ قرآن حکیم کے اول اور آخر مفسر ہیں، پہلے حافظ اور استاد ہیں، سب سے پہلے اس پر عمل کرنے والے ہیں، اور پھر اپنے رب تعالیٰ کی حکمتیں جو اس نے آیات قرآنی میں رکھ دی ہیں ان حکمتوں کی تفصیلات کو انسانیت پر واضح کرنا بھی آپؐ کے مشن میں شامل ہے اور اس سے بھی آگے بڑھ کر لوگوں کے قلوب کا تزکیہ بھی آپ کی ذمہ داری ہے۔ جس کیلئے حضور ﷺ بڑی محنت سے صحابہ کرام کی تربیت فرماتے، الحمد للہ! آج بھی اپنے عاشقین کی عالم غیب سے قدردانی کرتے ہیں۔ آپؐ کی ان تمام تعلیمات کا نچوڑ احادیث کے مجموعہ جات ہیں جن کے بغیر قرآن حکیم کی حکمتوں کا ادراک ناممکن ہے اور ان کا انکار رسالت مآبؐ کے منصب سے انکار کے مترادف ہے۔ آپ کی ذات پاک ﷺ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی عملی صورت ہے۔ آپ پر دینِ ابراہیمی کی تکمیل ہوئی، انشاء اللہ یہ فیض تا قیامت قائم رہے گا۔ اسی مضمون کو آگے بڑھاتے ہوئے آیہ کریمہ 130 اور اس کے بعد آنے والی آیات حضرت ابراہیمؑ کے حوالہ سے اسلام کی طرف دعوت دیتی ہیں۔ فرمایا.....

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ۭ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○

130- اور کون ہے جو ملت ابراہیم سے منہ موڑے سوائے اسکے جو خود کو ہی بیوقوف بناتا ہے۔
اور بے شک ہم نے اسے دنیا میں برگزیدہ بنایا تھا
اور آخرت میں بے شک، وہ صالحین میں سے ہوگا۔

إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ ۖ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ○

131- جب اس کے رب نے اسے فرمایا "اسلم" (سر تسلیم خم کرو) تو اس نے کہا "اسلمت" "میں رب العالمین کے لئے سر تسلیم خم کرتا ہوں"

191- دین ابراہیمی:-

ابراہیم علیہ السلام کا دین خالص اسلام ہے۔ انہوں نے بلاشک وشبہ اپنے آپ کو رب العالمین کی محبت اور رضا کی خاطر مخصوص کر دیا۔ ان کی سنت یہ ہے کہ انسان سب سے کٹ کر صرف اپنے رب کا ہو جائے اور اس کی ربوبیت میں کسی اور کے شریک ہونے کا سختی سے انکار کر دے، لیکن نصاریٰ، یہود اور کئی دوسرے مذاہب والے اگرچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تو مانتے ہیں، لیکن ان کے دین میں شامل نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ کسی اور کو نہیں بلکہ خود اپنے آپ ہی کو بیوقوف بنا رہے ہیں۔ جہاں تک حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعلق ہے انہوں نے تو اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے لئے وقف کر دیا تھا اور رب العزت نے بھی اس کے عوض انہیں ساری دنیا میں سے چن لیا اور امام انسانیت بنا دیا۔ سبحان اللہ! کہ چار پانچ ہزار سال گزرنے کے باوجود آج بھی سارے مذاہب کے پیروکار ان کا برابر احترام کرتے ہیں اور آخرت میں وہ صالحین کی اگلی صفوں میں بیٹھے ہوں گے۔ تو یہ ہے وہ انعام جو مالک کون ومکان اپنے سچے مسلمانوں کو عطا کرتا ہے۔ دنیا سے بھی انکا لوہا منواتا ہے اور آخرت میں بھی مقام عزت عطا کرتا ہے۔

لیکن یاد رہے کہ دنیا و آخرت کی یہ عزت صرف اور صرف انہی کو ملے گی جو دین ابراہیمی پر قائم ہیں جس کا نام اسلام ہے۔ حضرت ابراہیم اسی نسبت سے اپنے آپ کو مسلمان کہلاتے تھے۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے رب سے محبت کرے اور اس کی غلامی اختیار کرے، اسی کا نوکر بن جائے، اسی کے احکام کو بسرو چشم پورا کرے، اس کی رضا کیلئے جیئے، اسی کی رضا کیلئے مرے۔ اگلی آیات کریمہ یہ بتا رہی ہیں کہ تمام جلیل القدر پیغمبروں کی یہی سنت ہے اور چاہیے کہ آدمی اپنی اولاد کو بھی اس طرف راغب کرے اور دین کے مطابق تعلیم و تربیت کرے۔ فرمایا......

وَوَصَّىٰ بِهَا إِبْرَاهِيمُ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ يَا بَنِيَّ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ لَكُمُ الدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ ○

132- اور ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنی اولاد کو دین کی وصیت کی اور (انہی کی طرح) یعقوب نے بھی۔ "اے میرے بیٹو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ایک دین چن لیا ہے۔ سو تم نہ مرنا، مگر مسلمان رہتے ہوئے۔

أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ ۙ إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ بَعْدِي ۖ قَالُوا نَعْبُدُ إِلَٰهَكَ وَإِلَٰهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِلَٰهًا وَاحِدًا ۚ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ۝

133- کیا تم اس بات کے گواہ ہو کہ، جب یعقوب (علیہ السلام) پر موت حاضر ہوئی، جب انہوں نے اپنے بیٹوں سے فرمایا، ''تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟'' وہ بولے، ''ہم عبادت کریں گے آپ کے معبود کی، اور آپ کے آباؤ اجداد ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی، ''معبودِ واحد'' اور ہم صرف اسی کے مطیع و فرمانبردار ہوں گے۔

(نوٹ: آیۃ مبارک 133 میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بھی حضرت یعقوبؑ کے آباؤ میں سے کہا گیا ہے حالانکہ وہ باپ نہیں بلکہ چچا تھے۔ دراصل عربی محاورہ میں ادب کی خاطر بعض دفعہ چچا کو باپ ہی لکھا جاتا ہے۔ اس ضمن میں یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ آذر حضرت ابراہیمؑ کا باپ نہیں بلکہ چچا تھا۔ آپؑ کے باپ کا نام تارح بتایا گیا ہے)۔

192- موت آئے، مگر مسلمانی میں:-

انسان کا حساب کتاب اس حالت پر ہوتا ہے جس حالت پر وہ مرتا ہے۔ آیہ مبارک 132 ہماری توجہ اس طرف مبذول کراتی ہے کہ ہم زندگی بھر مسلمان رہیں اور وقت آخر بھی مسلمان ہوں۔ ''سو تم نہ مرنا مگر مسلمان ہوتے ہوئے'' ہر انسان کی یہ دعا ہونی چاہئے کہ میں مسلمانی کی حالت میں مروں، ہر ماں باپ کی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرح یہ وصیت ہونی چاہئے کہ ''ان کی اولاد اللہ واحد کی مطیع اور فرمانبردار رہے''۔ اس سے بڑی کوئی وراثت نہیں جو انسان اپنی اولاد کو دے سکتا ہے۔

افسوس کہ آج لوگ اپنے وارثوں کی ذہنی اور روحانی تربیت کی فکر نہیں کرتے بلکہ موت کے وقت جب اگلا جہاں ان کے عین سامنے ہوتا ہے اس وقت بھی ان کی وصیتیں دنیاوی معاملات کے متعلق ہی ہوتی ہیں۔ جبکہ پیغمبروں کی یہ سنت ہے کہ اپنی اولاد کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ اس لئے چاہیے کہ وقتِ نزع کے قریب مرنے والا اگر ہوش میں ہو تو دنیاوی باتوں کی بجائے اپنے

لواحقین کو دین پر چلنے کی تاکید کرے۔ نبی آخرالزماں ﷺ بھی جب اس عارضی جہاں سے رخت سفر باندھ رہے تھے تو آس پاس کھڑے اہل خانہ اور اصحاب رضی اللہ عنہم کو صلوٰۃ ، صلوٰۃ ، صلوٰۃ کی تلقین فرمار ہے تھے۔

آیۃ مبارک 133 میں بنی اسرائیل کا یہ وعدہ کہ ہم صرف معبود واحد کی عبادت کریں گے عیسائیوں کے لئے تازیانہ ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں شریک ٹھہراتے ہیں حالانکہ وہ صرف اس کے بندے اور رسول تھے اور آخرت میں ان کے کسی کام نہیں آسکتے۔ وہاں آدمی کی قدر صرف اور صرف اس کے اپنے ایمان اور اعمال کے مطابق ہوگی۔ فرمایا.....

134- تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۖ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ ۖ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ○

وہ ایک امت تھے جو گزر گئے، ان کے لئے وہ جو انہوں نے کمایا اور تمہارے لئے وہ جو تم نے کمایا۔ اور تم سے نہ سوال ہوگا کہ وہ کیا کرتے تھے۔

193- ذمہ داری اپنی ہی ہے:-

آیۃ مبارک ۱۳۴ میں ایک نہایت بنیادی مسئلہ کی طرف توجہ مبذول کرائی گئی ہے کہ ”ہر شخص اپنے اعمال کیلئے خود ذمہ دار ہے۔ ہر کوئی اپنے ہی اعمال کا پھل پائے گا۔ جو بوئے گا سو کاٹے گا“ اس لئے آباؤ اجداد کی نیکیاں کام نہیں آئیں گی اور نہ ہی ان کی برائیاں اولاد کے حساب میں ڈالی جائیں گی۔ البتہ اگر اولاد یہودیوں کی طرح اپنے آباء کے گناہ پر اصرار کرتی ہے تو انہی کی طرح مغضوب ہوگی، اسلئے کہ گناہ کی مذمت نہ کرنا بھی گناہ میں شمولیت کے مترادف ہے۔

194- بنیادی گناہ کا نظریہ غلط ہے:-

رب تعالیٰ کے فرمان کہ ”ان کیلئے وہ جو انہوں نے کمایا اور تمہارے لئے وہ جو تم نے کمایا“ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ انسان پر کوئی بنیادی گناہ نہیں جسے دھونے کیلئے حضرت عیسیٰ نے اپنی قربانی دی۔ بلکہ عیسائی پادری ایک باطل نظریہ کی تشہیر کرتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اعمال ان کیلئے تھے اور ہمارے اعمال ہمارے لئے، انکے ماننے والوں کی نجات تبھی ہوگی اگر وہ ان کی اتباع میں زندگی گزارتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر انہی کی طرح ایمان لاتے ہیں۔

آیۃ مبارک 134 ”وہ ایک امت تھے جو گذر گئے“ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ انسان کو اچھی یا بری فطرت ماں باپ سے ورثہ میں نہیں ملتی یعنی جینز کے ذریعہ برائی یا اچھائی نسل در نسل منتقل نہیں ہوتی۔ ان کے ذریعہ جسمانی خصوصیات، بیماریاں اور صحت کے متعلقہ

چیزیں تو منتقل ہوتی ہیں لیکن برائی اور اچھائی کا جینز (Genes) سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ تمام بچے معصوم پیدا ہوتے ہیں۔ یہ معاشرہ اور ماحول ہے جو بچوں کی عادات پر اثر انداز ہو کر انہیں اچھا برا بنا دیتا ہے۔ لہٰذا ماں باپ کا فرض ہے کہ وہ بچوں کی بہترین تربیت کریں اور اپنی بری عادات سے انہیں بچائیں۔

195- انسانی حقوق اور انصاف:-

آیۃ مبارک 134 کا فرمان ''ان کے لئے وہ جو انہوں نے کمایا ،تمہارے لئے وہ جو تم نے کمایا'' انسانی عدالتی نظام کے لئے بھی مشعل راہ ہے۔ کوئی بیٹا باپ کے گناہ کے عوض، کوئی باپ بیٹے کی غلطی کی وجہ سے، کوئی بھائی دوسرے بھائی کے جرم کی بنا پر سزا نہ پا سکے گا۔ اس اصول کے مطابق پولیس کا یہ طریقہ کہ ملزم کی تلاش میں اس کے رشتہ داروں کو پکڑ لیتی ہے بالکل غیر اسلامی عمل ہے۔

آیۃ مبارک ۱۳۴ یہ بھی باور کراتی ہے کہ کوئی فرد یا قوم اپنے رنگ، نسل اور وطن کی وجہ سے کسی فضیلت کی اہل نہیں۔ انسان کے ساتھ برتاؤ اس کے ایمان اور اعمال کی بنا پر ہونا چاہئے اور اگر دنیا میں کسی کو اس کی محنت کا پھل نہیں ملتا، یا کوئی دوسرا فریب اور دھوکے سے کچھ فائدہ اٹھا لیتا ہے تو اسے کو یقین رکھنا چاہئے کہ قیامت کو اللہ تعالیٰ اس کا حق ضرور دلائے گا۔

آیۃ مبارک 134 اپنے آباؤ اجداد پر فخر کرنے والوں کے لئے بھی ایک تازیانہ ہے۔ اس ضمن میں بدترین عمل ان لوگوں کا ہے جو اپنے پراپیگنڈا کی بنا پر انسانیت کو اسلام سے محروم رکھنے کی کوششوں میں لگے ہوئے ہیں۔ دراصل یہ سب کچھ دنیاوی مفادات کے تحفظات کے لئے انکی چالیں ہیں جس کی خاطر انہوں نے نوع انسانیت پر بڑا ظلم کیا ہے خصوصی طور پر وہ لوگوں کو دین حق سے دور رکھ کر ان کی آخرت کو برباد کر رہے ہیں۔ جن نبیوں کو وہ ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں ان کی تعلیمات کے خلاف ان کے ذرائع ابلاغ ان کے مفاد اور باطل نظریات کو پھیلانے کے لئے کام کر رہے ہیں۔ ایسے میں ان کی سیاست کو سمجھنا ایمان اور امہ کی حفاظت کے لئے ضروری ہے۔ اگلی آیات کریمہ اس طرف ہماری بھرپور رہنمائی کرتی ہیں کہ اصل دین حق کیا ہے۔ فرمایا......

وَ قَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى
تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ
بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ
وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○

135- انہوں نے کہا
یہود یا نصاریٰ ہو جاؤ۔ تو ہدایت پاؤ گے۔
آپ انہیں بتا دیں کہ
ابراہیم کا طور طریق صحیح پسندیدہ راستہ ہے
اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَ مَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰى وَ مَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝

136- آپ کہہ دیں کہ، ہم ایمان لائے اللہ تعالیٰ
پر اور جو کچھ ہماری طرف نازل کیا گیا ہے،
اور اس پر (بھی) جو نازل ہوا تھا،
ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب
اور ان کی اولاد (میں سے نبیوں) کی
طرف۔
اور جو کچھ دیا گیا موسیٰ اور عیسیٰ کو،
اور اس پر بھی جو دوسرے نبیوں پر ان کے
رب کی طرف سے اترا۔
ہم ان میں سے کسی ایک میں بھی تفریق
نہیں کرتے اور ہم اسی (اللہ تعالیٰ) کی
تابعداری کرنے والے ہیں۔

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

137- پس اگر وہ ایسے ایمان لے آئیں
جیسے تم ایمان لائے ہو،
تو پھر وہ بھی ہدایت پائیں گے،
لیکن اگر وہ اس سے پھر گئے،
تو پس وہ ٹوٹ پھوٹ میں پڑیں گے۔
پس بہت جلد اللہ تعالیٰ تمہیں ان کے لئے
کافی کر دے گا۔
اور وہ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔

138- (یہ ہے وہ رنگ جو) اللہ تعالیٰ کا رنگ ہے اور کون ہے وہ جو اللہ کے رنگ سے بہتر ہے اور (تم کہہ دو کہ) ہم تو اسی کیلئے عبادت کرنے والے ہیں۔

صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ○

196- مذہبی رواداری کا اعلیٰ ترین نمونہ:-

مندرجہ بالا آیات مذہبی رواداری کا معرکتہ الاراء نمونہ ہیں۔ مسلمانوں کی یہ شان ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نبیوں میں سے کسی ایک میں بھی تفریق نہیں کرتے اور سب کو برابر مانتے ہیں۔ یوں مسلمان کا دین ساری انسانیت کا دین ہے لیکن دوسرے مذاہب کو ماننے والے سوائے اپنے مذہب باقی سب کو جھوٹ کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے باقی پیغمبروں کی حقانیت پر بھی یقین نہیں لاتے۔ مثلاً عیسائی سرور کائنات ﷺ کو تسلیم نہیں کرتے اور یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہیں مانتے اور یہی حال دوسرے مذاہب کا ہے۔ ان کی اس بات نے انسانیت کو بانٹ کر رکھ دیا ہے۔

جبکہ اصل دین وحدت ہے جس کا مقصد انسانیت کو ایک وحدت میں پرونا ہے۔ اس لحاظ سے ہر مسلمان حضرت عیسیٰؑ اور حضرت موسیٰؑ کو بھی مانتا ہے، غرض وہ ہر سچے مذہب کا سچا ماننے والا ہے لیکن فرقہ وارانہ مذاہب جو صرف اپنے آپ کو صحیح سمجھتے ہیں وہ اسلام کی اس عالمی رواداری کو برداشت نہیں کرتے۔ اسی لئے مسلمانوں کو آیۃ مبارک 137 میں تسلی دی گئی ہے ''بہت جلد اللہ تعالیٰ تمہیں ان کے لئے کافی کر دے گا''۔ یہ نہ صرف اہل اسلام کی بالآخر کامیابی کی خوشخبری ہے بلکہ یہ بھی کہ متعصبانہ مذاہب کے باطل نظریات انشاء اللہ خود ہی ٹوٹ پھوٹ جائیں گے۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ کسی کی پروا کئے بغیر دین حنیف پر قائم رہیں۔ یہی اللہ کا رنگ ہے سو تم اللہ کے رنگ میں رنگ جاؤ، سب سے بہتر اسی کا رنگ ہے۔

197- اللہ تعالیٰ کا رنگ، سب سے بہتر رنگ:-

آیۃ مبارک 138 کمال کی آیت ہے اور اپنے اندر معرفت کے سمندر لئے ہوئے ہے۔ اس میں صبغۃ اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کا رنگ عجیب مثال ہے۔ مومن کی معراج یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رنگ میں رنگا جائے۔ رنگ کپڑے کے روئیں روئیں میں چلا جاتا ہے بلکہ پکا رنگ تو وہ ہے کہ کپڑا پھٹ جائے تو پھٹ جائے رنگ نہ اترے۔ یہی حال ہر سچے مسلمان کا ہے۔ رنگوں میں کسی خاص رنگ کی طرح اس کی شخصیت بھی لوگوں میں سے خاص ہوتی ہے۔ دین اس کے روئیں روئیں میں رچ جاتا ہے، حتیٰ کہ موت بھی اس کے دین کو اس سے علیحدہ نہیں کر سکتی ہے۔ مسلمان ہر حال اور ہر عالم میں مسلمان ہی رہتا ہے۔ جنت کی مسرت ، نہ جہنم کا خوف، غرض اسکے دل پر جو رب تعالیٰ کی محبت کا رنگ چڑھا ہوا ہے اس پر کچھ بھی غالب نہیں آ سکتا۔

اللہ تعالیٰ کے رنگ میں رنگے جانے کا مطلب یہ بھی ہے کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کی صفات عالیہ کا مظہر ہو۔ مثلاً اللہ تعالیٰ رب ہے، مسلمان بھی اس کی مخلوقات کے لئے ربوبیت کا سامان بہم پہنچائے، وہ صانع ہے، مسلمان بھی صنعت میں کمال حاصل کرے، وہ خالق ہے مسلمان بھی تخلیق کار ہو، وہ رحمٰن الرحیم ہے مسلمان بھی مخلوق کے لئے باعث رحمت ہو، وہ جبار اور قہار ہے مسلمان بھی کفار اور برائی کے خلاف برسرِ پیکار ہو۔

اسلام کا حق یہ ہے کہ مسلمان پر اللہ تعالیٰ کا رنگ چڑھ جائے۔ وہ زمانے بھر میں اپنی شان، عظمت اور خوبصورتی میں الگ نظر آئے اس رنگ سے بہتر کوئی رنگ نہیں۔ جب ایسا ہو تو پھر مسلمان اپنے رب کے معاملات میں کسی بھی مصلحت کے لئے تیار نہیں ہوگا اور جیسے آیۃ مبارکہ 137 میں فرمایا گیا ہے، کفر انکے سامنے ریزہ ریزہ ہو جائے گا اور بہت جلد اللہ تعالیٰ انہیں کافروں کے لئے کافی کر دے گا۔ جیسے اگلی آیہ کریمہ سے ظاہر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے رنگ میں رنگا ہوا مسلمان اپنے رب کا اسقدر عاشق ہوتا ہے کہ اسکے دل میں سے اغیار کا خوف دور ہو جاتا ہے اور وہ دنیا کے لئے حق کا پیغام بن جاتا ہے۔ فرمایا......

قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِی اللّٰهِ
وَهُوَ رَبُّنَا وَ رَبُّكُمْ ۚ
وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ
وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ۝

139- آپ ان سے کہہ دیں
کیا تم ہم سے اللہ کے بارے جھگڑا کرتے ہو؟ وہ تو رب ہے ہمارا،
اور رب ہے تمھارا،
اور ہمارے لئے ہمارے اعمال،
اور تمہارے لئے تمہارے اعمال،
ہم تو اسی کے لئے مخلص ہیں۔

اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ
وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا
اَوْ نَصٰرٰی ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ

140- کیا تم یہ کہتے ہو کہ ابراہیم اور اسماعیل اور یعقوب اور ان کے بعد ان کی راہ پر آنے والے لوگ یہود تھے یا نصاریٰ تھے؟
آپ کہیں، کیا تم اللہ تعالیٰ سے بہتر جانتے

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ
مِنَ اللّٰهِ ؕ
وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○

ہو؟ (یہ سب تو حضرت موسیٰ اور حضرت
عیسیٰ سے پہلے ہوئے تھے)
اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جس نے چھپایا
اس شہادت کو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے
اس کے پاس ہے۔ جو کچھ تم کرتے پھرتے
ہو اللہ تعالیٰ اس سے ہرگز غافل نہیں۔

141- تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ
لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ
وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○

وہ ایک جماعت تھی جو گزر گئی،
اس کے لئے وہ جو اس نے کمایا،
اور تمہارے لئے وہ ہے جو تم نے کمایا۔
اور تم سے جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں،
ہرگز نہیں پوچھا جائے گا۔

198- یہود اور نصاریٰ کے گمراہ کن نظریات:-

اللہ تعالیٰ سب کا رب ہے۔ کوئی راست عقیدہ شخص اس بات پر اختلاف نہیں کر سکتا لیکن یہود و نصاریٰ نے اپنے باطل نظریات سے رب العزت کی ذات پاک کو بھی متنازع موضوع بنا دیا ہے اور اسکی صفات، معرفت اور حقیقت کے بارے میں اپنے جھوٹے تصورات کی بناء پر لوگوں سے جھگڑا کرتے ہیں۔ یہود کہتے ہیں کہ وہ صرف بنی اسرائیل کا رب ہے اور نصاریٰ نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ساتھ ماں اور بیٹے والا تثلیث کا نظریہ پیش کر دیا ہے۔ یعنی تین میں ایک اور ایک میں تین۔ اور یوں اس بے معنی مسئلہ کی بناء پر انسانیت کو گمراہ کر رہے ہیں اور لوگوں سے جھگڑا کرتے ہیں۔ اور جیسے آیہ 140 میں فرمایا گیا ہے ان کی حماقت کی حد یہ ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام سے پہلے گزرے ہوئے رسولوں کو بھی اپنے اپنے خیال کے مطابق عیسائی یا یہودی بتاتے ہیں۔

اس سوال کے جواب میں کہ اگر بنی اسرائیل ہی اللہ کے محبوب ہیں تو ان سے پہلے گزرے ہوئے پیغمبروں کا کیا حال ہے یہودیوں نے کہا وہ بھی دراصل اسرائیلی ہی تھے۔ اسی طرح جب عیسائیوں نے کہا کہ جو نظریہ تثلیث کو نہیں مانتا وہ کافر ہے تو انہوں نے

بھی اپنے جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کے لئے اوٹ پٹانگ باتیں کرنا شروع کر دیں کہ حضرت عیسیٰ سے پہلے ہونے والے نبی عالم بالا میں ان پر ایمان لے آئے تھے۔ایسی تمام خرافات ان عظیم پیغمبروں کی مقدس ذات پر بہتان ہیں سچ تو وہی ہے جو آیہ مبارک میں فرمایا گیا کہ ''وہ کچھ لوگ تھے جو گزر گئے ان کے اعمال ان کے ساتھ ہمارے اعمال ہمارے ساتھ اور تم سے ان کے بارے سوال نہیں ہوگا''۔

199- بنیادی قانون انصاف:-

آیتہ مبارک 139 میں ایک سچے مسلمان کی شان بھی بیان فرمادی کہ وہ اللہ تعالیٰ سے پوری طرح مخلص ہوتا ہے۔اس بات پر بھی زبردست دلیل ہے کہ ہر آدمی اپنے اعمال کا رہن ہے۔کسی سے کسی دوسرے کے اعمال کے متعلق سوال نہیں ہوگا۔''تمہارے لئے وہ جو تم نے کمایا اور ان کے لئے وہ جو انہوں نے کمایا''۔یہ اسلام کا بنیادی قانون انصاف ہے۔کسی شخص کو نا کردہ گناہ کی سزا نہیں ملے گی اور نہ ہی کسی شخص کے اچھے اعمال کسی کے پلڑے میں ڈالے جائیں گے۔نہ ہی اپنے باپ دادا کی وجہ سے کوئی لازم احترام یا مطعون ہو سکتا ہے۔آدمی کی قدر اس کی اپنی وجہ سے ہوگی۔حتیٰ کہ سرور کائنات ﷺ نے خاتون جنت سیدہ فاطمۃ الزہرا سے فرمایا کہ ''بیٹی اس خیال میں نہ رہنا کہ تمہارا باپ اللہ تعالیٰ کا رسول ہے،تمہارے ساتھ معاملہ تمہارے اپنے ہی ایمان اور اعمال کے مطابق ہوگا''۔

200- گواہی کا چھپانا جرم ہے:-

آیتہ مبارک 140 کا یہ فرمان کہ ''اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جس نے حق کی شہادت کو چھپایا'' اس کا اطلاق خصوصاً یہود و نصاریٰ اور دیگر مذاہب پر ہے جن کی کتابوں میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت،محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی خوشخبری اور اسلام کی حقانیت کے متعلق سارے دلائل موجود ہیں لیکن وہ انہیں چھپاتے ہیں۔اس کا اطلاق ان مسلمانوں پر بھی ہوتا ہے جو دنیا کو اسلام کی حقانیت سے آگاہ نہیں کرتے اور اپنے قول وفعل سے اسلام کی سچائی کی شہادت نہیں دیتے۔اسی قانون کے مطابق عدالت میں بھی سچی گواہی چھپانا جرم ہے۔

اگلی آیات کریمہ اس پس منظر میں ہیں کہ اگر چہ عیسائی اور یہود مسلمانوں سے جھگڑا کرتے رہیں گے اور دین حق کی گواہی چھپاتے رہیں گے اللہ تعالیٰ اسے ظاہر کرے گا۔اسی ضمن میں عیسائی اور یہودیوں کے تعصب کی خاص علامت بیت المقدس کی ہے جس کی تعمیر حضرت سلیمان علیہ السلام نے کی تھی۔مسلمانوں کے نزدیک تو یہ مقام اتنا محترم ہے کہ ہجرت سے پہلے وہ اپنی نمازوں میں یوں کھڑے ہوتے کہ بیت المکرّم اور بیت المقدس دونوں ہی ان کے سامنے ہوتے۔لیکن عیسائی اور یہود باوجود کہ حضرت ابراہیمؑ کو مانتے ہیں، کعبۃ اللہ کو جسے انہوں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا کو نہیں مانتے ہیں۔ان کا یہ تعصب اس وقت کھل کر سامنے آ گیا جب اللہ تعالیٰ نے سرور کائنات ﷺ کو نماز میں بیت المقدس کی بجائے کعبۃ اللہ کو قبلہ بنانے کا حکم دیا۔ مندرجہ ذیل آیات اس اہم مسئلہ کے حوالہ سے اسلام کی حقانیت کو واضح کرتی ہیں۔فرمایا......

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ
مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا ؕ
قُلْ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ ؕ
يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝

142- عنقریب لوگوں میں سے بیوقوف کہیں گے، کہ کس چیز نے انہیں ان کے قبلہ سے جس پر وہ اب تک تھے، ہٹا دیا۔
آپ کہیں، مشرق و مغرب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے، وہ جسے چاہے صراط مستقیم کیطرف ہدایت کی توفیق دیتا ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ أُمَّةً وَسَطًا
لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ
وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ؕ
وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا
إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ
مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ ؕ
وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللّٰهُ ؕ
وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ ؕ
إِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ ۝

143- اور اسی طرح تو ہم نے تمہیں ایک متوازن امت بنا دیا ہے۔
تا کہ تم دنیا کے تمام لوگوں پر (معیارِ حق کے) گواہ بنو، اور رسول (ﷺ) تم پر گواہ ہوں۔
ہم نے قبلہ کی سمت جس پر آپ تھے (اس لئے بدلی)
تا کہ ہم (لوگوں پر) امتیاز واضح کر دیں، کہ کون رسول (ﷺ) کی حقیقی تابعداری کرتے ہیں، اور کون ہیں جو اپنے پاؤں پر پھر جانے والے ہیں۔ یقیناً یہ ایک مشکل آزمائش تھی سوائے ان کے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت بخشی ہے۔
اور اللہ تعالیٰ کبھی بھی تمہارے ایمان کو ضائع نہیں کرے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ رؤف و رحیم ہے۔

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَآءِ ۚ
فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۪
فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ
وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ
وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ
الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ
وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ○

-144 (قبلہ کی تبدیلی کی وجہ یہ بھی تھی کہ اے
محبوبؐ) کہ ہم دیکھتے ہیں تمہیں آسمان کی
طرف اپنا منہ کرتے ہوئے۔
پس ہم اب تمہیں اس قبلہ کی طرف پھیرتے ہیں
جو آپ (حبیب ﷺ) کو پسند ہے۔
پس تم اپنا چہرہ مسجد الحرام کی طرف پھیر لو،
اور جہاں کہیں بھی تم ہو،
(نماز میں ہمیشہ) اسی کی طرف منہ کرو گے۔
بے شک اہل کتاب (عیسائی یہود)
خوب جانتے ہیں،
کہ اللہ کی طرف سے یہی حق ہے،
اور اللہ تبارک تعالیٰ کبھی بھی ان کی
کاروائیوں سے غافل نہیں۔

-201 تبدیلیٔ قبلہ:-

قبلہ وہ سمت ہے جس کی جانب نمازوں میں منہ کیا جاتا ہے۔ یوں یہ وحدتِ مقصد اور وحدتِ امت کی نہایت اہم علامت ہے اور اس نکتہ نظر سے یہ مسئلہ بہت زیادہ سیاسی اہمیت کا بھی حامل ہے۔ کعبۃ اللہ کی تاریخی اور روحانی اہمیت یہ ہے کہ اس کی بنیاد حضرت آدم علیہ السلام نے رکھی تھی اور پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہی بنیادوں پر دوبارہ اس کی تعمیر کر کے دنیا کے تمام انسانوں کو اس کی طرف آنے کی دعوت دی چنانچہ ہمیشہ ہی سے یہ مقدس مقام تمام سچے مذاہب کے لئے مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ جدید تحقیق کے مطابق تو ہندوؤں کا قبلہ بھی کعبۃ اللہ ہی تھا اور ان کے مندروں کی سمت بھی یہی ہے۔ کعبۃ اللہ کے برعکس بیت المقدس کی تعمیر حضرت سلیمان نے فرمائی تھی جس کے بعد بنی اسرائیل نے اسے اپنا قبلہ ٹھہرا لیا اور ان کی اتباع میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں نے بھی اسے ہی تسلیم کر لیا۔

ان وجوہات کی بنا پر نبی آخرالزمان ﷺ کے نزدیک کعبۃ اللہ اور بیت المقدس دونوں ہی بڑے اہم تھے۔ چنانچہ ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں آپ ﷺ جب نماز ادا کرتے تو یوں کھڑے ہوتے کہ بیت اللہ اور بیت المقدس آپ کے سامنے ہوں۔ لیکن جب آپؐ مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہ ممکن نہ رہ سکا اس لئے کہ وہاں یہ دونوں مقامات مخالف سمتوں میں ہیں۔ اس طرح آپؐ ایک الجھن میں تھے۔ چہرہ مبارک اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا کرتے کہ کب یہ مسئلہ حل ہوگا۔ بہرحال یہود ونصاریٰ کے پیغمبروں کی سنت میں آپ ﷺ ہجرت کے بعد بھی نمازیں بیت المقدس ہی کی طرف منہ کرکے پڑھتے رہے۔ یہ دیکھ کر مدینہ منورہ کے یہود سمجھنے لگے کہ اسلام انہی کے دین کی عربی شکل ہے اس لئے انھوں نے بھی حضور ﷺ کی بڑی آؤ بھگت کی۔ یوں ہجرت کے بعد سولہ سترہ ماہ ایسے ہی گزر گئے لیکن پھر وہ حکم نازل ہوگیا جسکا آپ ﷺ کو انتظار تھا۔ ایک دن جب حضور ﷺ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مسجد بنی سلمہ میں نماز ظہر ادا کر رہے تھے تو نماز ہی کے دوران تبدیلیٔ قبلہ کا حکم آ گیا۔ چنانچہ تبدیلیٔ قبلہ کے متعلق اترنے والی آیات کی تلاوت کرتے ہوئے آپؐ صفوں کو چیرتے ہوئے پیچھے ہٹے اور رخ انور ﷺ شمال سے جنوب کی طرف مڑ گیا (حوالہ ضیاء القرآن صفحہ 103)۔ وہ مسجد جس میں تبدیلی قبلہ کا حکم ہوا ہے اسے مسجد قبلتین کہتے ہیں اور وہ قبا میں ہے۔

202- آزمائش کی گھڑی:-

جیسا کہ آیۃ مبارک 143 میں کہا گیا ہے، یہ ایک مشکل آزمائش تھی، خاص طور پر مدینہ والوں کے لئے کہ وہ یہود کی وجہ سے بیت المقدس کو ہی قبلہ سمجھے ہوئے تھے لیکن جن کے دلوں میں اسلام راسخ ہو چکا تھا ان کے لئے یہ کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ انہوں نے فوراً حضور ﷺ کی اتباع کی۔ البتہ جن کے دلوں میں نفاق تھا وہ علیحدہ ہو گئے۔ یوں منافقین ظاہر ہو گئے۔ یہود نے بھی مدینہ میں ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا کہ نبی پاکؐ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دین کی مخالفت کی ہے حالانکہ وہ جانتے تھے کہ بیت المقدس کو تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دو سو سال بعد حضرت سلیمانؑ نے بنایا تھا۔ اس لئے تبدیلیٔ قبلہ دین موسوی کی مخالفت نہیں تھی۔ ان کی ناراضگی کے پیچھے ان کا اسلام سے حسد بھی تھا۔ تبدیلی قبلہ سے انہیں پہلی کتابوں میں دی گئی اسلام کی حقانیت کی پیشگوئی بھی پوری ہوتی نظر آئی جو انہیں کسی حال میں بھی قبول نہ تھی۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ کی مخالفت میں ان کا رویہ بہت سخت ہو گیا۔

203- بشارتِ رسالت:-

لیکن یہود میں سے جو مخلص لوگ تھے وہ حقیقت جانتے تھے۔ انہوں نے اپنی کتابوں میں پڑھ رکھا تھا کہ نبی آخرالزماں ﷺ دو قبلوں والا ہوگا۔ (حوالہ معارف القرآن صفحہ 237، 241) شروع میں بیت المقدس ان کا قبلہ ہوگا اور آخر میں مکۃ المکرمہ ان کا قبلہ ہوگا۔ اس طرح ان کے لئے یہ تبدیلی ایک بہت بڑی بشارت تھی اور یہ وہ آخری نشانی تھی جس کے وہ منتظر تھے۔ ایسے مخلص لوگوں نے فوراً کلمہ طیبہ پڑھ لیا اور مسلمان ہو گئے۔

204- اُمتِ وسطیٰ:-

یوں تبدیلی قبلہ حضورﷺ کی نبوت کی ایک اور گواہی تھی۔اس سے حضورﷺ اور آپؐ کے مقدس ساتھیوں اوران کی وساطت سے امت مسلمہ کومن جملہ یہ فضیلت حاصل ہوگئی کہ وہ دونوں قبلوں کو ماننے والے ہیں لہٰذا وہ امت وسطیٰ ہیں یعنی سب کے بین بین توازن قائم کرنے والے ہیں۔سبھی پیغمبروں کی تصدیق کرنے والے،سبھی کے قبلہ کواپنا قبلہ تسلیم کرنے والے اور سبھی آسمانی کتابوں کوسچا ماننے والے ہیں۔اس لئے وہ سچ اور باطل کے درمیان بہترین گواہ ہیں جبکہ حضورﷺ آپ سے پہلے گزرے ہوئے تمام امتوں،نبیوں،اپنے اصحابؓ اور بعد میں آنے والے تمام لوگوں پر گواہ اور معیارِحق ہیں۔سورۃ نساء کی آیت مبارک 41 کے مطابق آپ گواہوں پر بھی گواہ ہیں جس کی تفسیر انشاء اللہ بعد میں آئے گی۔قیامت کے دن جب سب کے مقدمے بارگاہِ الٰہی میں پیش ہوں گے فیصلہ انہی کی گواہی پر ہوگا۔الحمداللہ! مسلمانوں کواپنے اس اعزاز پرخوش ہونا چاہئے اور یہودونصاریٰ کوبھی اسلام سے بغض چھوڑ کر حق کوتسلیم کرلینا چاہئے۔

205- یک سو یک سمت:-

آیہ مبارک 144 میں یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ قبلہ کی تبدیلی میں سرورِکائناتؐ کی بیت اللہ کے لئے محبت اوراحترام کے جذبات کا بھی دخل تھااور آپ کواس حکم پر بہت زیادہ خوشی ہوئی۔اب قیامت تک مکۃ المکرمہ امت مسلمہ کی وحدت کی علامت ہے۔حکم ہے کہ "تم کہیں بھی ہوصلوٰۃ میں اپنا چہرہ یعنی توجہ اور قلبی سمت اسی کی طرف رکھو"۔جب تک مسلمان اس حکم پرسختی سے کاربندرہیں گے انشاء اللہ وہ جسدِواحدہ کی مانند ایک امت رہیں گے۔

206- کعبہ کانور:-

ہماری روحوں کیلئے کعبۃ المکرمہ کی مثال سورج کی سی ہے،جس طرح سورج کے اردگرد تمام سیارے طواف کرتے رہتے ہیں اوروہ سب کے لئے توانائی کا بنیادی ذریعہ ہے روحانی لحاظ سے یہی حال کعبۃ اللہ کا ہے۔اس سے نور کی شعائیں ہرسمت پھوٹ رہی ہیں۔جب ہم اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور نماز میں کھڑے ہوتے ہیں تو کعبۃ للہ کی سمت سے نکلتا ہوا نور ہمارے قلوب میں منتقل ہونا شروع ہو جاتا ہے۔سبحان اللہ،اگرانسان چاند پر بھی جائے گا تو وہاں بھی قبلہ بیت المکرم ہی رہے گا اور یہاں سے اٹھتے ہی نوری قائمہ زاویہ کی طرف نماز پڑھنے والا اپنا منہ کرے گا۔اصل بات نیت کی ہے۔انما الاعمال بالنیات۔(بخاری)

(For more details please see appendix xxi)

اگلی آیۃ مبارک 145 تبدیلیٔ قبلہ کے واقعہ پراہلِ کتاب کے تعصب کے متعلق ہے۔ فرمایا......

145- اور اگر آپ اہل کتاب کے پاس ہر طرح
کی نشانیاں بھی لیں آئیں،
تب بھی وہ آپ کے قبلہ کی پیروی نہیں
کریں گے، اور نہ ہی آپ ان کے قبلہ کی
پیروی کرنے والے ہیں،
اور نہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے قبلہ
کی پیروی کرنے والے ہیں۔
اور اگر تم نے ان کی خواہشات کی پیروی
کی بعد اس کے کہ تمہارے پاس علم آچکا ہے،
تو بے شک تم بھی ظالموں میں سے ہو گے۔

وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ
بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ
وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ
وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۭ
وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ
مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ
اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۘ

146- جنہیں ہم نے کتاب عطا کی۔ وہ اس،
(نبی پاک ﷺ) کو اس طرح پہچانتے ہیں،
جیسے کہ وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔
اور ان میں سے ایک گروہ یقیناً حق کو چھپا
رہا ہے، اور وہ یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا
يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۭ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ
لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝

147- حق تو وہی ہے جو تمہارے رب کی طرف
سے ہے، پس تم لوگ اس میں کبھی بھی شک میں
مبتلا نہ ہونا۔

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝

207- اسلام کیخلاف بغض:-

یہود اور نصاریٰ کے آپس میں بے شمار اختلافات ہو سکتے ہیں لیکن اسلام دشمنی میں وہ ایک ہی ہیں۔ یہی حال باقی مشرکین کا ہے۔ شیطان کے تمام پیروکاروں کی ایک ہی روش ہے اور وہ یہ کہ انہیں اسلام سے ضد ہے۔ اگرچہ ان کی اپنی کتابیں اسلام کی حقانیت کی تصدیق کرتی ہیں لیکن پھر بھی وہ قرآن کو نہیں مانتے۔ اب قبلہ کی تبدیلی ہی کو لے لیں، ان کی اپنی کتابوں کے مطابق یہ نبی آخر الزماں ﷺ کے متعلق نشانیوں میں سے ایک اہم نشانی ہے اور جیسے آیہ مبارک 146 میں بھی فرمایا گیا ہے، حضور ﷺ کے متعلق بشارتوں کا ان کی کتابوں میں اس قدر ذکر ہے کہ وہ آپؐ کی مبارک شخصیت سے یوں واقف ہیں جیسے وہ اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں۔ حتیٰ کہ ہندوؤں کے وید بھی آپؐ کی شہادت دیتے ہیں اور آپؐ کے متعلق خبروں سے بھرے ہوئے ہیں (حوالہ "کلکی اوتار اور نبی کریم ﷺ" مصنف ڈاکٹر وید پرکاش اپادھیائے) لیکن حسد اور تعصب کی بنا پر تمام مشرکین بڑی ڈھٹائی سے آپؐ کا انکار کر دیتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کے قلوب اسلام کے خلاف بغض سے بھرے ہوئے ہیں۔ تبدیلیٔ قبلہ اسکی ایک مثال ہے۔ یہودیوں نے اس بغض کی بنا پر الٹا واویلا کرنا شروع کر دیا کہ یہ کیسا نبی ہے کہ پہلے نبیوں کے قبلہ سے پھر گیا ہے۔ آیتہ مبارک 145 مسلمانوں کے لئے یاددہانی ہے کہ تم کچھ بھی کر لو کفار تم سے کبھی راضی نہیں ہوں گے۔ لہٰذا مکۃ المکرمہ کے قبلہ والوں کو ان کی سیاست سمجھنی چاہیے اور آپس میں ایک ہو کر رہیں۔

208- باطل کی خاطر حق سے بے اعتنائی:-

آج مسلمان غیر مسلموں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتے ہیں حالانکہ وہ ان سے بار بار دھوکا کھا چکے ہیں۔ آیہ مبارک 145 میں ایک دفعہ پھر اللہ تبارک تعالیٰ مسلمانوں کو خبردار کرتا ہے کہ اہل کتاب اور مشرکین کسی بھی دلیل سے قائل ہونے والے نہیں تاوقتیکہ تم مرتد ہو جاؤ اور اسلام چھوڑ کر ان کے قبلہ کی پیروی کرنے لگو پھر شاید وہ تم سے کسی قدر خوش ہو جائیں۔ لیکن جو بھی ایسا کرے گا، آیہ مبارک میں بتا دیا گیا ہے کہ اس کا شمار ظالموں میں سے ہوگا۔ سب سے بڑا ظلم تو یہی ہے کہ انسان حق چھوڑ کر باطل کی پیروی کرے۔ مسلمان جو سراسر حق پر ہیں ان میں سے اگر کوئی اہل کتاب کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے حق سے منہ موڑتا ہے تو یقیناً اس نے اپنے نفس پر بہت بڑا ظلم کیا۔ جیسا کہ آیہ مبارک 147 میں فرمایا گیا ہے **اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ** "یاد رکھو کہ حق تو وہی ہے جو تمھارے رب کی طرف سے ہے" جو قرآن کریم میں آ چکا ہے اور نبی اکرم ﷺ نے بتا دیا ہے اور کر کے دکھا دیا ہے۔ علاوہ ازیں جو کچھ بھی ہے سب ظن و تخمین کے علوم ہیں۔ ان میں سے صرف وہی ٹھیک ہوگا جو اسلام کے معیار کے مطابق ہے۔ اس لئے مسلمانو! غیروں کے نظریات کی طرف نہ جاؤ بلکہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول محترم ﷺ کے راستوں پر بے خوف چلتے جاؤ۔ اگر ایسا کرو گے تو پھر کبھی دھوکا نہ کھاؤ گے۔ غیر کچھ بھی کہیں تم اپنی توجہ صرف اور صرف اپنے رب کی طرف رکھو۔ تم ہی حق پر ہو، اس میں ہرگز شک میں مبتلا نہ ہوں۔ اس سلسلہ میں اگلی آیات کریمہ مزید رہنمائی کرتی ہیں۔

148- ہرایک کے لئے ایک سمت ہے،

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ

جس کی طرف وہ منہ کرتا ہے۔

پس تم نیکیوں میں سبقت لے جاؤ۔

اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا

(یادرکھو) تم جہاں کہیں بھی ہوگے، بالآخر

اللہ تعالیٰ تم سب کو اکٹھا کر کے لے آئے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○

بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

209- دین کی اصل......نیکی میں سبقت:۔

دین رسم ورواج کا نام نہیں۔ مندر یا مسجد، یہ تو انسانی معاشرہ کا حصہ ہیں چنانچہ ہر آدمی کا اپنی فطرت کے مطابق کسی نہ کسی طرف جھکاؤ ہوتا ہی ہے اور وہ اس طرف چلتا جاتا ہے جبکہ اصل دین یہ ہے کہ "اسلام پر چل کر انسان نیکیوں میں آگے بڑھنے کی کوشش کرے"۔ دولت، شہرت، طاقت میں مسابقت انسانی نفس کے تقاضے ہیں، زندگی کی ہر دوڑ میں سبھی کی یہی کوشش ہے کہ دوسروں کو پیچھے چھوڑ کر خود آگے بڑھ جائے لیکن یہ آگے بڑھنا نہیں بلکہ پیچھے رہ جانا ہے۔ جبکہ مومن نیکیوں کیلئے حریص ہوتا ہے۔

اصل بات **"فاستبقو الخیرٰت"** ہے یعنی مقابلہ اور مسابقت نیکیوں میں ہو۔ ورنہ زندگی میں تم کہیں بھی پہنچ جاؤ بالآخر اللہ تعالیٰ وہاں سے کھینچ کر تمہیں اپنے حضور لے آئے گا، جس کی پہلی منزل موت ہے، جو جیتی ہوئی کھیلوں کو ہار میں بدل دیتی ہے۔ باقی رہ جانے والا سرمایہ صرف بے لوث نیکیاں ہیں۔ زمان ومکان کے اس سفر کی دوسری منزل عالم برزخ ہے۔ اس میں انفاس اپنے اپنے اعمال اور اعتقادات کے مطابق رہتے ہیں لیکن جب صور بجے گا وہ بلاوے کے مقام کی طرف ایسے دوڑتے آئیں گے جیسے پتنگے روشنی کی طرف لپکتے ہیں۔ اس لئے عقلمند کے نزدیک کمائی کا وقت یہی ارضی حیات ہے، وہ زندگی کے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر نیکیوں میں سبقت لے جانے کی کوشش کرتا ہے، جبکہ بے قوف سونے چاندی کے ڈھیر اکٹھا کرنے میں زندگی کا یہ وقفہ ضائع کر دیتا ہے۔

210- مسلم معاشرہ کی خصوصیت:۔

دراصل ایک صالح مسلم معاشرہ کا امتیازی وصف **"فاستبقو الخیرٰت"** ہی ہے جس میں لوگوں کو ایک دوسرے سے بڑھ کر نیکیاں کرنے کی فکر ہوتی ہے۔ مسلم اور غیر مسلم میں فرق بھی زندگی کی جدوجہد کی سمت میں ہے۔ مسلمان آخرت کی طرف متوجہ ہوتا ہے جبکہ غیر

مسلم زمینی چیزوں کی سمت میں دوڑتا رہتا ہے۔صحابہ کرامؓ کی زندگیاں اسی پیغام کی عبارت تھیں اور آج بھی ہر اچھا مسلمان اسی قرآنی حکم کی تصویر ہے۔اس کو دنیا سے زیادہ آخرت کی فکر ہوتی ہے۔جبکہ غیر مسلم معاشرہ میں جدوجہد کا مقصود اعلیٰ معیار زندگی(Higher Living Standard) ہوتا ہے حالانکہ چیزوں کی بہتات میں انسان کو سکون نہیں۔پھر بھی وہ دنیا کی دوڑ میں ایسے مگن ہیں جیسے شیطان نے انہیں باؤلا کر دیا ہو۔یکسوئی اور سکون ختم۔ایک آپا دھاپی کا سماں ہے۔اگلی آیہ کریمہ اس بے سکونی سے نکلنے کا نسخہ بتاتی ہے۔

149- اور تم جہاں سے بھی نکلو، پس اپنا رخ مسجد حرام کی طرف رکھو۔ اور بے شک یہی آپ کے رب کی طرف سے حق ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے ہرگز غافل نہیں، جو تم کرتے ہو۔	وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ○
150- اور (مزید تاکید کی جاتی ہے) کہ جہاں سے بھی تم نکلو، پس اپنا رخ مسجد حرام کی طرف رکھو، اور تم جہاں کہیں بھی ہو، اپنا رخ اسی طرف رکھو۔ تاکہ لوگوں کے لئے تم پر کوئی حجت نہ رہے، مگر جو ان میں سے ظالم ہیں (وہ پھر بھی اعتراض کرتے رہیں گے) پس تم ان سے نہ ڈرو، صرف مجھ سے ہی ڈرو، تاکہ میں اپنی نعمت تم پر پوری کروں، اور یہ کہ تم ہدایت پاؤ۔	وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ۙ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ۙ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ ۚ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي ۚ وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ○

211- مسجد حرام ، قبلۂ انسانیت:-

''اور جہاں سے بھی تم نکلو، جہاں بھی تم ہو، اپنا منہ مسجد حرام کی طرف رکھو''۔ یہ بڑی تاکید کے احکام ہیں۔ وحدت عمل کے جمال وجلال کا بھرپور نظارہ ہے۔ آیات مبارکہ 149 اور 150 میں یکے بعد دیگرے یہی حکم ہے تاکہ اچھی طرح واضح ہو جائے کہ امت مسلمہ ایک علیحدہ امت ہے. جس کا اپنا سیاسی اور معاشرتی نظام ہے اس کا اپنا قبلہ ہے جو اس کی ہر کوشش کا محور ہونا چاہیئے۔ اگر مسلمان بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تو شک کی گنجائش رہتی کہ شاید وہ بھی یہود و نصاریٰ ہی کا کوئی فرقہ ہیں لیکن تبدیلیٔ قبلہ نے مسلمانوں کو بالکل علیحدہ تشخص عطا کر دیا ہے۔ اس کے بعد راہ راست کا معیار صرف مسجد حرام اور صاحب مسجد حرام ﷺ ہیں۔ لہٰذا تم کسی بھی جگہ کیوں نہ ہو، زمین پر یا چاند پر، پانی میں یا ہوا میں، زمین و آسمان میں ہر جگہ مسلمانوں کا تشخص کعبہ سے ہے۔ لہٰذا اگر نیکیوں میں سبقت لے جانے کی سچی رغبت ہے تو یکسوئی سے اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کرلو۔ اسی کی طرف منہ کر کے اپنی نمازیں پڑھو۔ وہیں سے Inspiration حاصل کرو۔ اور یہی تمہاری سیاست اور وحدت کا قبلہ ہونا چاہیے۔

212- معاشرت اور شہری منصوبہ بندی (Town Planning) کے لئے اصول:-

آیات مبارکہ ۱۴۹ اور ۱۵۰ کے تاکیدی حکم ''جہاں بھی تم ہو اپنا رخ مسجد حرام کی طرف رکھو'' کا یہ مطلب بھی ہے کہ مسلمانوں کی مسجدیں، ان کے گھر، ان کے قبرستان، ان کے شہر غرض ان کی ساری کی ساری ٹاؤن پلاننگ (Town Planning) اور دیگر زندگی کے مسائل میں خانہ کعبہ کی سمت اہم ترین عنصر ہونا چاہئے۔ ان کے گھر، شہر اور دیگر عمارات اس طرح ڈیزائن ہونی چاہییں کہ ان کا منہ خانہ کعبہ کی طرف ہو۔ اس تاکیدی حکم کا یہ مطلب بھی ہے کہ بیٹھتے اٹھتے، حتیٰ کہ سوتے میں بھی اس بات کا خیال رہے کہ منہ قبلہ کی سمت ہو۔ اور بہتر ہوگا کہ صاحب مجلس بھی قبلہ رخ بیٹھے۔ اگر ہم اپنی معاشرت اور شہری منصوبہ بندی میں ان احتیاطوں کا خیال رکھیں گے تو انشاءاللہ ہمارے دل اللہ کی طرف مائل رہیں گے، اس کی برکات اترتی رہیں گی ، امہ میں باہمی اتحاد رہے گا اور وہ آپس میں نفاق سے بچے رہیں گے۔

غرض اللہ تعالیٰ نے خانہ کعبہ کو ہم سب کا قبلہ قرار دیا ہے۔ لہٰذا آیئے کہ ہم سب ایک ہو کر اس قبلہ کو پکڑ لیں۔ ہماری آزادی کی حفاظت، بے یقینی سے نجات، امن و امان، دلوں کا اطمینان اور راحت صرف اس میں ہے کہ ہم دیگر سب سمتیں چھوڑ کر اس ایک سمت کے ہو جائیں اور فاران کی چوٹیوں پر گونجنے والی اس آواز پر توجہ دیں جس کا پہلا سبق یہ تھا **''قولوا لا الٰہ الا اللہ تفلحو''** یعنی ہم دل و جان سے تسلیم کر لیں کہ اللہ کے سوا کوئی اور خدا نہیں، صرف اسی سے ڈریں، کسی اور سے نہ ڈریں۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو یقینی طور پر فلاح پا جائیں گے اور عرب و عجم ہمارے سامنے جھک جائیں گے۔

213- نعمتوں کا حصول:-

دنیا میں انسان ہر طرح کی نعمت کے لئے خواہش رکھتا ہے۔ان خواہشات کا حصول کیسے ممکن ہوگا؟ کفار کا چونکہ آخرت میں کوئی حصہ نہیں اس لئے ان پر دنیا کھول دی گئی ہے اور دنیاوی نعمتیں آسان بنادی گئی ہیں لیکن مسلمانوں کیلئے اللہ کی نعمتیں تقویٰ سے مشروط کردی گئی ہیں۔آیہ مبارک 150 میں یہ بتادیا گیا ہے کہ ''نعمتوں کی بہتات چاہتے ہو تو مسلمانو! اللہ کے سوا کسی کے خوف اور رعب میں نہ آؤ''۔ سب فکریں چھوڑ کر، تمام نفسانی اور انسانی خداؤں کو ٹھوکر مار کر، اسی ایک کے ہو جاؤ جو رب کائنات ہے۔صرف اور صرف اسی سے ڈرو تاکہ تمہیں خوف اور غم سے مکمل آزادی مل جائے۔اس کا وعدہ ہے، جب تم اپنے دل سے دیگر ڈر نکال کر صرف اسی سے ڈرو گے، اپنے آپ کو اس کی ذات پاک کے لئے وقف کردو گے، تو وہ اپنی نعمتیں تم پر مکمل کرتا چلا جائے گا۔سب سے بڑی نعمت اسلام کی ہدایت ہے۔اللہ تعالیٰ اپنے متقی بندوں کو اس نعمت کے اعلیٰ سے اعلیٰ مقامات عطا کرتا ہے۔ اس کی بہترین عملی مثال محبوب الٰہی حضور ﷺ کی ذات مبارک ہے۔ ان کے نقش قدم پر چلتے جاؤ گے تو انشاء اللہ جنت میں پہنچ جاؤ گے جو نعمتوں کی تکمیل کا گھر ہے۔

214- غربت کا علاج:-

آیۃ مبارک 150 میں ایک بہت بڑا معاشی نکتہ بھی بیان کردیا ہے۔فرمایا...... ''تم ان سے نہ ڈرو، اور صرف مجھی سے ڈرو۔ تاکہ میں تم پر اپنی نعمت پوری کردوں اور یہ کہ تم ہدایت پاؤ''۔ معاش، امن وامان، خوشحالی، باہمی محبت ویگانگت، صحت، حفاظت، دوسروں کے خوف وڈر سے آزادی، کون نہیں چاہتا؟ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے اگر ہم ان نعمتوں کو پانا چاہتے ہیں تو پہلی شرط یہ ہے کہ یہود ونصاریٰ، ہندووں اور مشرکین کا خوف دل سے نکال دیں اور صرف اللہ ہی سے ڈریں۔جب ہم ایسا کرلیں گے تو یقیناً یہ سب نعمتیں حاصل ہو جائیں گی۔اور یہ حقیقت فرد اور معاشرہ سب کیلئے برابر ہے۔

اس کی مثال حضور اکرم ﷺ کے اصحاب کی بہترین مثال ہے۔جب وہ اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان لائے، ان کی فرمانبرداری کی اور دنیاوی خداؤں کو اپنے دلوں سے نکال پھینکا، تو پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں عرب کے صحراؤں سے اٹھا کر دنیا وآخرت میں ایسی لازوال فضیلت عطا فرمائی جس کی تاریخ عالم میں مثال نہیں ملتی۔چند ہی سالوں میں اس وقت کی سپر پاورز ان کے سامنے سرنگوں تھیں علم وفضل میں وہ یکتا تھے، خوشحالی اتنی عطا کی کہ کوئی زکوٰۃ لینے والا باقی نہ رہا، اور دشمنوں کے دلوں میں انکا رعب ڈال دیا۔آج بھی اگر ہم رہبر صادق کی سنت پر چلتے ہوئے مالکِ کون ومکاں کے ہو جائیں تو انشاء اللہ اس کی رحمت وفضل کے یہ سب خزانے ہمارے اوپر پھر سے کھل جائیں گے۔

اگلی آیت کریمہ میں نمونہ انسانیت ﷺ کے حوالہ سے اللہ کی نعمتوں اور ہدایت کے اگلے مدارج کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

151- جیسا کہ ہم نے بھیجا تم میں، ایک رسول
تم میں سے، جو تم پر ہماری آیات تلاوت
کرتا ہے، اور تمہارے نفس کا تزکیہ کرتا ہے،
اور تمہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے،
اور سکھاتا ہے تمہیں وہ چیزیں، جو تم نہیں
جانتے تھے۔

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ
يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا
وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ
وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝

152- پس تم میرا ذکر کرو،
اور میں تمہارا ذکر کروں گا۔
اور تم شکر کرو میرے لئے، اور کفر نہ کرو۔

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ
وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ۝

153- اے لوگو جو ایمان لے آئے ہو
تم مدد مانگو، صبر سے اور صلوٰۃ سے،
بے شک اللہ تعالیٰ صابروں کے ساتھ ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا
بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝

215- تکمیل انسانیت اور مقصد رسالت :-

اوپر دی گئی آیات کریمہ تکمیل انسانیت کا درس دیتی ہیں۔ سب سے پہلے احسن الخلائق یعنی خاتم النبیین ﷺ کا حوالہ دیا گیا ہے جن کی اتباع میں تکمیل انسانیت ہے۔ آپؐ کی بعثت کا پہلا مقصد تو اللہ تعالیٰ کی آیات کی تلاوت تھا یعنی جو کچھ آپ پر اللہ کی طرف سے نازل ہوتا آپ بالکل اسی طرح لوگوں کے سامنے پڑھ دیتے۔ یہ تو پیغام رسانی کا عمل تھا۔ قرآن پاک کا محفوظ کرنا، وحی کی ہدایت کے مطابق اسے کتابی شکل دینا، لوگوں کو حفظ کرانا، یہ سب کام بھی پیغام رسانی کے پروگرام کا حصہ تھے۔ لیکن سرور کائنات ﷺ صرف پیغام رساں ہی نہ تھے بلکہ اس پیغام کے مطابق انسانیت کو اس کا کھویا ہوا مقام دلانا بھی آپؐ کے فرائض منصبی میں شامل تھا۔ چنانچہ آپ کے منصب، مقام اور ذمہ داریوں کے متعلق فرمایا گیا ہے۔ کہ آپ ﷺ تمام انسانوں کے لئے بہترین استاد ہیں ایسا استاد، جو کچھ بھی کہتا ہے پہلے وہ خود کرتا ہے۔ اسکے علاوہ آپؐ کی تعلیم کی ایک خصوصیت تزکیہ نفس ہے۔

216- تزکیہ نفس :-

تزکیہ نفس وہ تربیت ہے جس سے انسان کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور وہ شیطان کا بآسانی مقابلہ کر سکتا ہے اور نفسانی خواہشات پر کنٹرول حاصل کر لیتا ہے۔ یہ بات صرف کتاب پڑھنے سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت بھی ضروری ہے جس کی صاحب قرآن ﷺ بہترین عملی تصویر ہیں۔ آپؐ اللہ تعالیٰ کی ہر آیت پر سب سے پہلے خود عمل کرنے والے تھے۔ یوں آپ کی ذات مقدسہ اللہ تعالیٰ کی آیات کی تجربہ گاہ (لیبارٹری) ہے یہاں سے لوگ نفس کی پاکیزگی حاصل کرنے کی تربیت حاصل کرتے ہیں۔ یعنی تزکیہ نفس آپ کی اتباع میں ہے۔

تزکیہ کا مقصد نفس کو برائیوں کی آلائش سے پاک کرنا ہے۔ اس راہ پر چل کر برائیوں سے لدا ہوا نفس جسے نفس امارہ (سورۃ یوسف) کہتے ہیں وہ بھی بالآخر نفس مطمئنہ (سورۃ حجر)، جو اپنے رب کی رضا پر مکمل طور پر مطمئن ہو جاتا ہے بن سکتا ہے۔ اس کی پہلی منزل نفس لوامہ ہے یعنی دل میں برائی پر پچھتاوا اور اسکے خلاف نفرت پیدا ہو جائے۔

اس لئے اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کا نفس برائی سے پاک ہو جائے تو سب سے پہلے دل میں برائی کے خلاف نفرت پیدا کریں اور حلال حرام میں تمیز کرنا سیکھیں اور دل میں حرام سے کراہت اور حلال سے رغبت پیدا کریں۔ اس کے لئے کلمہ شہادت کا ذکر اور اس پر غور و فکر شافی علاج ہے۔ جب حضور ﷺ لوگوں کو کلمہ شہادت پڑھاتے تو اس کا فوری اثر یہ ہوتا کہ لوگ اپنی پچھلی زندگی سے کنارہ کش ہو کر ایک نئی زندگی جس کی منزل نفس مطمئنہ ہے کی طرف بڑھنا شروع ہو جاتے۔ یوں تزکیہ نفس نہ تو دنیا کے کام کاج سے کٹ کر صرف اللہ اللہ کرنے سے حاصل ہوتا ہے اور نہ ہی سخت جسمانی اور روحانی ریاضتوں کا نام ہے بلکہ یہ **لا الہ الا اللہ** کے اسرار میں سے ہے کہ آدمی صرف اپنے رب ہی کا ہو جائے۔ اس بات کو سلطان بلھے شاہ نے نہایت عمدہ الفاظ میں بیان کر دیا ''ہتھ کاج وچ۔ دل یار وچ''، یعنی کام نہیں چھوڑنا بلکہ حضور ﷺ کے طریق کے مطابق کسب حلال کے لئے جدوجہد کے ساتھ ساتھ دل میں اللہ تبارک تعالیٰ سے محبت اور اس کا تصور موجود ہو اور یوں آدمی مال و جان کی زکوۃ دیتا رہے۔

217- کتاب و حکمت کی تعلیم :-

آیۃ مبارک کریمہ 151 میں آپ ﷺ کی بعثت کا تیسرا بڑا مقصد کتاب اور حکمت کی تعلیم بتایا گیا ہے۔ کتاب سے مراد سارے کا سارا قرآن پاک ہے جسے حضور ﷺ نے بذات خود لوح محفوظ کی ترتیب کے مطابق ترتیب دے کر انسانیت کے حوالہ کر دیا۔ آپ اس کے پہلے حافظ تھے اور آپ ہی نے وحی کی ہدایت کے مطابق آیت در آیت اسکو کتابی شکل بھی دی۔ یہ وہ نسخہ کیمیا ہے جو سراسر حکمت ہے لیکن اس کی حکمت کے بھرپور اثرات سے وہی قوم بہرہ مند ہوگی جو مکمل کتاب کو نافذ کرتی ہے۔ حضور ﷺ نے مدینہ منورہ میں جو ریاست قائم فرمائی اس کی سیاست، معیشت، عدالت، نظم اور قانون سب کچھ حکمت قرآن کے مطابق تھا۔ آج بھی اگر مسلمان سرفرازی چاہتے ہیں تو انہیں پھر

سے اپنے معاملات قرآن کریم کے سپرد کرنے ہوں گے۔اس لئے قطع نظر ظاہری کامیابی یا ناکامی کے، حضور پاک ﷺ کے سچے امتیوں پر یہ لازم ہے کہ وہ ہمیشہ آپ کے پیغام کو دنیا میں پھیلاتے رہیں اور خود اس کا نمونہ بنیں۔

218- باطنی علوم کی تعلیم :-

آیۃ مبارک 151 میں حضور کی بعثت کا ایک اور مقصد ان باتوں کی تعلیم بتایا گیا ہے جو اس سے پہلے دنیا نہیں جانتی تھی، فرمایا" اور تمہیں وہ چیزیں سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے" یعنی جو علوم کسی دوسرے ذریعہ سے حاصل نہیں ہو سکتے تھے وہ بھی آپ نے سکھائے ان میں بے شمار ظاہری اور باطنی علوم اور بے شمار غیب کی باتیں ہیں جن کی تعلیم قرآن کریم کے علاوہ حضور پاک ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو فرمائی اس میں کچھ علم حدیث کی شکل میں قیامت تک آنے والے انسانوں کے لئے محفوظ ہے۔یوں آپ ﷺ کی تعلیم اور حکمت کا فیض آپ کے فرمانبردار عاشقوں پر ہمیشہ ہی بالواسطہ اور بلاواسطہ جاری رہے گا۔لیکن یہ سب **فاذکرونی اذکرکم** کے ساتھ مشروط ہے۔یعنی روحانی ترقیاں اللہ تعالیٰ سے محبت، اسکی یاد اور اسکو حاکم اعلیٰ تسلیم کرنے میں ہیں۔قرآن کریم اسکا نصاب ہے اور خاتم النبین ﷺ استاد ہیں۔

219- اللہ تعالیٰ کا ذکر :-

ذکر کا مطلب، اللہ تبارک کو ایسا یاد کرنا ہے کہ دل و دماغ پر اس کی شان، اس کی محبت، اسکی ہیبت اور اسکا خیال چھایا رہے، آدمی اسکی رضا کو اپنی رضا بنا لے اور قلبی طور پر اس کے حضور حاضر رہے۔اس مقامِ ذکر تک پہنچنے کیلئے کئی ذیلی اذکار ہیں جنہیں بزرگانِ دین اور صوفیاء کرام سکھاتے ہیں۔ان میں اللہ تعالیٰ کے ذاتی اور صفاتی نام کی تسبیحات مثلاً **سبحان الله، الحمد لله، الله اکبر** اور **سبحان الله والحمد لله ولا اله الا الله والله اکبر** وغیرہ جیسے کلمات طیبہ کا بار بار ورد کرنا شامل ہے دل ہی دل میں **الله ، الله ، الله** ، کہتے رہنا بھی بڑا با برکت ذکر ہے لیکن اصل بات اللہ تعالیٰ کے ذکر کو زندگی کا عمل بنانے میں ہے۔

اسی ضمن میں قرآن کریم کی تلاوت، اس پر غور و فکر اور عمل بہت بڑا ذکر ہے۔اس کی اہمیت یہاں سے واضح ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کا ایک نام 'ذِکرٌ للعٰلمین' رکھا ہے۔اسلامی عبادات مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ بھی ذکر ہی کے طریقے ہیں۔رزق حلال کے لئے جدوجہد بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد ذکر کا اعلیٰ ترین مقام ہے۔حقیقت یہ ہے کہ ہر وہ کام جو ہم اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے، اس کے پیارے حبیب ﷺ کے طریقوں پر چلتے ہوئے کریں گے وہ اللہ کا ذکر ہوگا۔کمالِ ذکر یہ ہے کہ ہر سانس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی یاد ہو اور زندگی اس کا نام بلند کرنے کے لئے وقف ہو اور شکر کے احساس کے ساتھ انسان اسکے سامنے بچھا جا رہا ہو۔

220- ذکرِ الٰہی کا بے مثال انعام:-

آیۃ مبارک 125 میں" **فاذکرونی** "کے حکم سے ذکر کرنا بندے کے فرائض میں شامل کر دیا گیا ہے، جس کا جوابی انعام "**اذکرکم**" کے پیارے الفاظ سے دیا گیا ہے یعنی اپنے ذاکر بندے کا رب تعالیٰ خود ذکر فرماتا ہے۔ سبحان اللہ یہ ایک ایسا اعجاز ہے جس کا کوئی جواب نہیں یہ بے مثل نعمت ہے۔ کیا خوب، کہ ہم خالق کون و مکان کا ذکر کریں اور اس کی شان کریمی ہمارا ذکر کرے۔ سبحان اللہ

اگر انسان اپنی بساط کے مطابق ذکر کرتا ہے تو اس آیہ مبارک سے صاف ظاہر ہے کہ ربِ کائنات، اپنے بندے کا ذکر اپنی شان کے مطابق کرتا ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کی شان لامحدود ہے اس لئے اس کا اپنے کسی بندے کے متعلق ذکر بھی لامحدود ہی ہوگا، اور جب خالق ذکر کرتا ہے تو کائنات کیسے پیچھے رہ سکتی ہے۔ چنانچہ اپنے رب کی فرمانبرداری میں اس خوش قسمت ذاکر بندے کا ذکر کائنات کا ذرہ ذرہ کرتا ہے، وہ جدھر سے گزرتا ہے راستہ کے فرشتے، جنات، جانور، حیوانات و نباتات و جمادات اس پر رحمتیں بھیجتے ہیں۔ زمین و آسمان کا ذرہ ذرہ اس خوش قسمت انسان کو مبارکیں دیتا ہیں کہ "آپ کا ذکر رب تعالیٰ نے کیا ہے"۔ نہایت عاجزی سے دعا ہے کہ ہمارا ذکر بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں ہو۔ آمین!

221- حاصلِ ذکر:-

ذکر کی عظیم اہمیت کے پیش نظر صاف ظاہر ہے کہ اس اہم کام کے کچھ آداب اور طریقے بھی ہوں گے۔ کچھ لوگوں نے وقت بے وقت تسبیح پھیرنے کی عادت بنالی ہے، کچھ اپنے دیگر فرائض کو نظر انداز کر کے ذکر و اذکار کی محفلوں میں لگے رہتے ہیں، کچھ اس میں دکھاوا بھی کرتے ہیں۔ لیکن آیہ مبارک ۱۵۲ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ذکر بندے اور رب کے درمیان ایک بہت ذاتی سا معاملہ ہے جس کی جس قدر بھی تحریم ممکن ہو کرنی چاہئے۔ سورۃ مدثر کی تیسری آیہ مبارک میں فرمایا گیا ہے "اپنے رب کا نام بلند کرو" "**وربك فكبر**" دراصل یہی حاصل ذکر ہے۔ جیسا پہلے بھی کہا گیا ہے ذکر سے مقصود یہ ہے کہ بندہ اپنے رب کی حاضری میں رہے اس کے رنگ میں رنگا جائے اور رب تعالیٰ سے باقی سب چیزوں سے بڑھ کر محبت کرے اور اسکے ساتھ ساتھ اور اپنے عمل سے دنیا بھر میں اس کا نام بلند کرتا رہے۔ یوں غلبہ دین کے لئے تبلیغ اور جہاد اعلیٰ ترین ذکر ہیں۔ یاد رکھیں عمل سے خالی ذکر سرورِ کائنات ﷺ کی سنت نہیں۔

222- شکر کی اہمیت:-

رب تعالیٰ کی نعمتوں کے حوالہ سے اسکا ذکر اسکا تہہ دل سے شکر ادا کرتے رہنے میں ہے۔ جس کی طرف آیہ مبارک 152 میں فرمایا گیا ہے۔ **واشکروالی** "اور میرے ہی لئے شکر کرو اور تم کفر نہ کرو"۔ اللہ تعالیٰ کے انسان پر احسان ہی احسان ہیں اور اگر آدمی سمجھے تو اس کے شکریہ کے بوجھ تلے اپنی گردن نہیں اٹھا سکتا۔ افسوس کہ جب کوئی دوسرا آدمی چھوٹی سی بھی مہربانی کر دیتا ہے تو ہم اس کے

لئے Thankyou-Thankyou (شکریہ۔شکریہ) کہتے تھکتے نہیں، لیکن اپنے پروردگار کی نعمتوں کو یونہی نظر انداز کر دیتے ہیں۔ یا یہود کی طرح نعمت کو اپنی محنت اور قابلیت کا صلہ سمجھتے ہیں۔ یہ سب گمراہوں کی نشانیاں ہیں۔نعمت، اللہ تعالیٰ کی عطا ہے جس کا احساس صرف اس وقت ہوتا ہے جب وہ چھن جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے شکریہ ادا کرنے کا اعلیٰ طریقہ یہ ہے کہ کفر سے باز رہیں اور اس کی دی ہوئی نعمتوں، رزق، زندگی، قابلیت، عزت اور طاقت کو ہم اس کا عطیہ سمجھیں، دل میں احساسِ ممنونیت پیدا کریں اور شکریہ کے طور پر اسکی دی گئی نعمتوں میں دوسروں کو بھی شریک کریں، انہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کریں، اپنے رب کے نام کا بول بالا کریں اور محبوبِ خالقِ کون و مکاں علیہ کے کام کو آگے بڑھائیں۔ چنانچہ تبلیغ اسلام، اسلام کی شان وشوکت کے لئے جدوجہد۔ظلم کے خلاف جہاد، اصلاح معاشرہ کے کام، انفرادی اور مجموعی نیکی کے عمل، مثلاً بھوکوں کے کھانے کا انتظام کرنا، بیمار کی عیادت، غریب کی دستگیری، مظلوم کی حمایت اللہ تعالیٰ کے شکر ادا کرنے کے مختلف طریقے ہیں اور حاصل شکر کفر سے بچنا اور کفر کی مخالفت ہے۔

کسی نعمت کے مل جانے پر زبان سے شکر الحمدللہ کہنا اور دل سے اپنے رب سے خوش ہونا بھی شکریہ ادا کرنے کا ایک طریقہ ہے جس کی ہمیں عادت ڈالنی چاہئے اور اپنے بچوں کو بھی سکھانی چاہئے۔ یہی وجہ ہے کہ کھانا کھانے سے پہلے اللہ کی تعریف اور کھانے کے بعد اس کا شکر ادا کرنا مسلم تہذیب کا حصہ ہے۔ افسوس کہ اب ہم اس وصف کو بھی کھوتے جاتے ہیں۔ یاد رہے کہ آیۂ مبارک 152 کے دوسرے حصے کے مطابق اللہ کی نعمتوں پر شکر نہ کرنا کفر کے مترادف ہے۔ اس سے بڑا کفر کیا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ جس نے ہمیں زندگی اور زندگی کے تمام لوازمات عطا کئے ہیں، ہم خوش دلی سے اس کا اعتراف بھی نہ کریں۔

223- نصرت الٰہی طلب کرتے رہو:-

آیہ مبارک 153 میں اللہ کے بندوں کے لئے نصرت الٰہی حاصل کرنے کا نسخہ ہے۔ زندگی میں ہر انسان پر مشکل دور آتے ہیں، مومن اللہ کے ذکر اور اسکے شکر کے ساتھ مصائب کا سامنا کرتا ہے اور اس سے مدد کی دعا کرتا رہتا ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی راہیں آزمائش سے خالی نہیں۔ شیطان کی دشمنی آسان کام نہیں۔ اسکے سارے پیروکار مومن بندے کی مخالفت پر اتر آتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا نام بلند کرنے کی پاداش میں اس پر حملہ کر دیتے ہیں۔ ان آزمائشوں اور مصائب میں مومن اللہ ہی کو مدد کیلئے پکارتا ہے۔

باری تعالیٰ پسند فرماتے ہیں کہ اس کے بندے تمام آزمائشوں میں اسی سے مدد مانگیں، لیکن اکثر یہ ہوتا ہے کہ بشری کمزوریوں کی بنا پر آدمی مدد کے لئے سب سے پہلے مادی ذرائع کی طرف رجوع کرتا ہے حالانکہ مادی ذرائع بھی صرف اسی وقت کام آئیں گے جب مالک کا حکم ہوگا۔ اس لئے مومنین کے لئے حکم ہے کہ وہ ہر حال میں، خوشی ہو یا غمی، اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کریں۔ اصل مدد اسی کی

طرف سے ہے، مادی ذرائع بھی اسی کے لشکر ہیں۔ " **ولِلّٰہ جنود السموات والارض**" اس لئے مادی ذرائع کے لئے بھی اللہ ہی سے مدد مانگو۔ وہ ہر سوالی کے سوال کا جواب دیتا ہے، ہر مانگنے والے کو عطا کرتا ہے۔ لیکن مانگو تو سلیقہ سے مانگو۔ جس کی طرف آیۃ مبارک 153 میں رہنمائی فرمائی گئی ہے۔

224- صلوٰۃ اور صبر کا نسخہ:-

آیۃ مبارک 153 میں اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنے کا نسخہ "صلوٰۃ اور صبر" بتایا گیا ہے فرمایا۔ یعنی اللہ کی مدد کیلئے بندہ اپنے رب کی طرف متوجہ ہو کر خوب اچھی طرح وضو کرے، خشوع خضوع سے نوافل ادا کرے، اپنی کوتاہیوں اور کمزوریوں کی معافی مانگے اور پھر رب تعالیٰ سے مدد کی فریاد کرے اور کرتا ہی جائے۔ مانگنے کے لئے کسی خاص وقت کا تعین نہیں ہے، ہم ہر وقت اور ہر حال میں دعا کر سکتے ہیں لیکن بعض اوقات کی اہمیت زیادہ ہے۔ انہی میں سے تہجد دعا کی قبولیت کا خاص وقت ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا بھی صلوٰۃ ہے۔

یہ باری تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ ہر سوالی کی دعا سنتا ہے اور جواب دیتا ہے۔ اس لئے ہمیں پورے یقین وثوق اور اصرار سے دعا مانگتے رہنا چاہئے وہ ضرور مدد کرے گا۔ لیکن کب اور کیسے؟ اس بات کا وہ خود فیصلہ فرماتا ہے۔ اس لئے مومن کو صبر اور استقلال کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد کا انتظار کرنا چاہئے۔

صبر کا مطلب یہ ہے کہ شکایت، فضول بہانے، اپنی کمزوری کا رونا رونے وغیرہ سے اجتناب کیا جائے اور عزت نفس کو برقرار رکھتے ہوئے استقلال کے ساتھ اپنی جدوجہد کو جاری رکھا جائے، رب تعالیٰ پر توکل کیا جائے اور محنت کے ساتھ ساتھ رب العزت سے دعائیں مانگتا رہے۔

بالآخر جب اللہ تعالیٰ کی مدد پہنچتی ہے تو غیب سے ایسے اسباب پیدا ہو جاتے ہیں کہ آدمی خود حیران رہ جاتا ہے اور کمک وہاں وہاں سے آنا شروع ہو جاتی ہے جسکا تخیل بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ حالات یوں پلٹتے ہیں کہ کسی کے وہم وگمان میں نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ مومنین کو کامیابی عطا فرما دیتا ہے۔ (اے ہمارے مالک، ہم کمزوروں کی مدد فرما۔ بیشک ہر توفیق تیری ہی طرف سے ہے)۔

225- کیا دُعا رائیگاں جاتی ہے؟

بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ حالات حسب خواہش نہیں بدلتے۔ دعائیں قبول ہوتی نظر نہیں آتیں۔ ایسی صورت میں مایوس ہونے کی بجائے صاحب دعا کو اپنی طرف دیکھنا چاہئے کہ کہیں وہ بے صبری تو نہیں کر رہا، اس کی دعا میں اخلاص کی تو کمی نہیں۔ اس کی دعا کسی اور کو نقصان پہنچانے کے لئے تو نہیں۔ اس کے رزق میں حرام تو شامل نہیں۔ اپنے طور طریق میں وہ منافق تو نہیں۔ اللہ تعالیٰ پر اس کے یقین میں کمی تو نہیں۔

یعنی دعا کا مقبول نہ ہونا دراصل صاحب دعا کی اپنی کمزوریوں پر منحصر ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ قبولیت کی شرائط اور اخلاص کے ساتھ کی گئی دعائیں قبول نہ ہوں۔ اگلی آیات اسی سلسلہ کی کڑی ہیں جن میں ایک ایسی کامیابی کا مژدہ ہے جس کے لئے ہر مومن دعا کرتا ہے اور یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ کامیابی کے لئے آزمائش شرط ہے۔ فرمایا...

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ
بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝

154- جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں انہیں مردہ مت کہو۔ (نہیں) بلکہ وہ زندہ ہیں، لیکن تمہیں اس کا شعور نہیں۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ
مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ
وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ
وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝

155- اور ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے ساتھ ہر چیز کے، خوف اور بھوک سے، اموال کے نقصان سے، اور جانوں کے (نقصان سے)، اور نتائج (ثمرات) کے (نقصان سے)۔ اور آپ صابروں کو (بالآخر کامیابی کی) خوشخبری دے دیں۔

الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ
قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝

156- یہی وہ لوگ ہیں جن پر جب کوئی مصیبت آتی ہے تو کہتے ہیں، بے شک ہم اللہ ہی کے لئے ہیں، اور اللہ ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ
وَرَحْمَةٌ قف
وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۝

157- یہ وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے (صلوات) رحمتیں نچھاور ہوتی ہیں اور یہی لوگ ہیں جو حقیقت میں ہدایت پر ہیں۔

226- اسلام کا فلسفہ حیات :-

سورہ بقرہ کی مندرجہ بالا آیات میں اسلام کے فلسفہ حیات کی مکمل تصویر پیش کردی ہے۔اس کے مطابق سب سے بڑی کامیابی اللہ تعالیٰ کو اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنا ہے۔ جس کے عوض وہ اپنے بندے کو حیات جاودانی عطا فرماتا ہے۔ اس سے پہلی آیات میں حکم تھا کہ حق کی نصرت کے لئے مال کی قربانی دو، بدلہ میں اللہ تعالیٰ اسے کئی گنا زیادہ، بعض اوقات ستر گنا یا اس سے بھی زیادہ کر کے واپس کردیتا ہے، جبکہ ایسا وقت بھی آسکتا ہے جب حق کی شہادت کے لئے جان کا نذرانہ دینا پڑے یہ قربانی کی آخری حد ہے۔اس کے بدلہ میں مالک کون و مکان اپنی رحمتوں کی بھی آخری حد کردیتا ہے اور ہمیشہ کی زندگی عطا کردیتا ہے۔

یہ افسوس ناک بات ہے کہ آج کل کے سیاسی رہنماؤں اور دانشوروں نے فلسفہ شہادت کو وطنیت پرستی کے ساتھ منسلک کردیا ہے۔ لیکن ان کے کہنے سے کوئی آدمی شہید کا مرتبہ نہیں پا سکتا۔ حقیقت میں شہادت کی موت صرف وہ موت ہے جو دین اسلام سے ثابت ہو لیکن اس میں بھی کئی درجات ہیں۔ اعلیٰ ترین درجہ اس شہید کا ہے جو اپنی جان اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کے لئے قربان کردیتا ہے۔ دوسرے درجہ میں شہادت کی وہ موت ہے جب کوئی مسلمان اپنی آزادی، ملکیت، بیوی بچوں اور لوگوں کے دفاع کے لئے جان دے دیتا ہے۔ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا "جو اپنی ملکیت کو بچاتے ہوئے مرگیا پس وہ شہید ہے"۔

اسی طرح حضور ﷺ کے فرمان کے مطابق ان لوگوں کی موت بھی شہادت کے زمرے میں آتی ہے جو کسی مہلک بیماری سے یا قدرتی آفات میں اللہ تعالیٰ پر یقین رکھتے ہوئے صبر کے ساتھ فوت ہوجائیں۔ اس میں طاعون اور اس قسم کی متعدی بیماریوں کا خاص طور پر ذکر ہے۔ ایسی غیر طبعی اموات کو شہادت کہنے میں شاید یہ حکمت پنہاں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی شانِ کریمی سے ان کی بقیہ طبعی زندگی کی مدت کو نیکیوں والی زندگی شمار کرلیتا ہے۔ (واللہ اعلم) شرط وفات سے پہلے ایمان اور عمل، صبر شکر اور توکل علی اللہ ہے۔ شہید صحافت، شہید جمہوریت وغیرہ کی اصطلاحیں کسی کو شہید نہیں بنا دیتیں بلکہ ایسے کلمات غیر اسلامی کلمات ہیں۔

227- شہید زندہ ہے :-

زخموں سے نڈھال شہید جب اپنی آخری سانس اس گواہی کے ساتھ مالک کے حوالہ کرتا ہے کہ "رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا"، تو زمین و آسمان کا ذرہ ذرہ اسے خوش آمدید کہنے کے لئے بے تاب ہوجاتا ہے۔ عزرائیل اس کے لئے حیات جاودانی لکھ لیتا ہے۔ شعور کی کمی کے باعث لوگ شہید کی شاندار حیات کے راز کو سمجھنے سے قاصر ہیں لیکن آیۃ مبارکہ 154 سے یہ پتہ چلتا ہے کہ حق تعالیٰ کو اپنے ایسے بندہ کے لئے یہ الفاظ بھی گوارا نہیں کہ "وہ مرگیا ہے"۔

دنیاوی موت کے ساتھ ہی اس پر ساری کائنات کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور وہ رب العزت کے ایک معزز مہمان کی حیثیت سے جہاں چاہے وہاں جاسکتا ہے، اور اس کے دونوں اطراف فرشتے "خوش آمدید خوش آمدید" کے ترانے گاتے ہیں۔ عام لوگوں کو جنت کے لئے روز آخرت کا انتظار کرنا پڑتا ہے لیکن شہید کا نفس مطمئنہ سیدھا جنت میں داخل ہوجاتا ہے۔

آیۃ مبارکہ 154 میں خوشخبری کہ ''شہید زندہ ہے لیکن دنیا کے لوگوں کو اس کی حیات کا شعور نہیں'' سمجھنے کے لئے یقین وایمان والا قلب چاہئے۔ لیکن یہ تو مشاہدہ کی بات ہے کہ زمین شہید کے جسم پر اثر نہیں کرتی۔ مہینوں، سالوں، بلکہ صدیوں تک ان کے اجسام کا صحیح سالم حالت میں پائے جانے کا مشاہدہ تو کئی لوگ کر چکے ہیں۔ یہاں حضور پاک ﷺ کے ان دو اصحابی شہدا کا ذکر باعث برکت ہوگا۔ (حضرت جابر بن عبداللہؓ اور حضرت حذیفہ بن یمانؓ) جنہوں نے خواب میں 1950 میں عراق کے بادشاہ شاہ فیصل کو حکم دیا تھا کہ ''دریا کی نمی ان کے لئے تکلیف دہ ہوگئی ہے لہٰذا انہیں کسی خشک جگہ پر منتقل کر دیا جائے۔'' پھر حج کے فوراً بعد اعلان عام کے ساتھ ہزاروں لوگوں کے سامنے جب مقابر کھولے گئے تو لوگ سبحان اللہ، سبحان اللہ، کہتے انگشت بدنداں تھے کہ باوجود 1350 سالوں کی مسافت کے اللہ تعالیٰ کے ان بندوں کے جسم یوں تازہ اور خوبصورت تھے جیسے ابھی ابھی سوئے ہوں۔ (سبحان اللہ) یہ دونوں اصحاب رسول ﷺ اب مشہور صحابی اور عاشق رسولؐ حضرت سلمان فارسیؓ کے نام سے موسوم احاطہ سلمان پارک میں مدفون ہیں۔

کمونسٹوں کے خلاف افغان جہاد کے شہداء کے چشم دید گواہ بھی ایسے ہی روح پرور مناظر بتاتے ہیں۔ پاکستان کی اپنی تاریخ بھی ایسے ہی سچے اور پکے مومنوں کے ذکر سے خالی نہیں۔ شہید کے جسم کے محفوظ رہنے کی ایک وجہ جسم سے روح کے رشتہ کے برقرار رہنے کی وجہ ہوسکتی ہے اور دوسرے یہ کہ زمین اور ہواؤں کے کیڑوں کو شرم آتی ہے کہ وہ اللہ کے محبوب بندوں کے اجسام کو کھائیں۔ سورۃ عمران آیت 169 شہادت کی موت کے مزید پہلو واضح کرتی ہے۔ (تفصیلات کے لئے ہماری کتاب ''قیامت اور حیات بعد الموت'' کا مطالعہ فرمائیں)

228- دکھی دل کی ڈھارس:-

آیۃ مبارکہ 156 میں مومن بندوں کی یہ شان بیان کی گئی ہے کہ وہ مصیبت میں کہتے ہیں ''ہم اللہ ہی کی طرف سے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔'' یوں ''اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ'' کا کلمہ ان کے دکھی دلوں کی ڈھارس کا باعث بن جاتا ہے۔ سرور کائنات ﷺ کے فرمان سے ثابت ہوتا ہے کہ ''اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ'' کے ذکر کی برکت سے اللہ تعالیٰ آدمی کو مصائب سے محفوظ کر لیتا ہے۔ اس کے قلب پر سے مصیبت کے اثرات مٹ جاتے ہیں اور اسے گمشدہ متاع مل جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے پیارے حبیب کا فرمان ہے۔ جس نے مصیبت کے وقت (دل سے) ''اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ'' کہا تو اللہ تعالیٰ اس کی مصیبت کی تلافی فرماتے ہیں اور اسکا انجام بخیر ہوتا ہے۔ (رواہ مسلم)

229- صابرین پر اللہ کا درود وسلام:-

آیۃ مبارکہ 157 اللہ تعالیٰ کی راہ میں صبر کرنے والوں اور اپنے اعمال سے حق کی گواہی دینے والوں کے لئے بہت بڑی خوشخبری ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ''یہ وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے صلوٰۃ اور رحمت ہے اور یہ ہدایت یافتہ ہیں''

صلوٰۃ کا مطلب دعا یا نیک تمنائیں (good wishes) ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بندے کے حق میں صلوٰۃ کا مطلب اسے گناہوں سے پاک کرنا ہے۔ سبحان اللہ۔ ہم رب کریم کا جس قدر بھی شکریہ ادا کریں کم ہے کہ وہ ہمارے اوپر اپنی رحمتیں اور صلوات نچھاور کرتا ہے۔ (اے باری تعالیٰ ہم کس طرح تیرا شکریہ ادا کریں۔ بے شک تو انتہائی رحم کرنیوالا بے مثل قدر دان ہے)۔ یاد رکھو جس کا اللہ تعالیٰ قدر دان ہے زمین و آسمان اس کے آگے آنکھیں بچھاتے ہیں اور فرشتے بڑھ بڑھ کر اسے سلام کرتے ہیں۔

آیۃ مبارکہ 15 سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں صبر کے ساتھ جدوجہد کرنے والے مجاہدین اصل ہدایت یافتہ لوگ ہیں اور ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور درود و صلوٰۃ نازل ہوتی ہیں۔ اگلی آیت نمبر 158 ایسی ہی چند ہدایت یافتہ عظیم ہستیوں کی یاد تازہ کرتی ہے۔

158- بے شک صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں، پس جو کوئی بیت اللہ کا حج کرے یا عمرہ کرے، اس پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ ان دونوں کے درمیان طواف کرے۔ اور جو کوئی بھی خوشی سے بھلائی کرے، تو اللہ تعالیٰ (اس کا) خوب قدر دان، جاننے والا ہے۔

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَائِرِ اللَّهِ ۖ
فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ
فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَن يَطَّوَّفَ بِهِمَا ۚ
وَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا
فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ○

230- صفا اور مروہ پر جدوجہد کی شاندار مثال:-

صفا حرم شریف سے دائیں جانب اور مروہ بائیں جانب دو پہاڑیاں ہیں جن کا درمیانی فاصلہ تقریباً دو فرلانگ ہے۔ آج کل یہ جگہ چھتی ہوئی ہے۔ انکے درمیان حضرت حاجرہؑ کی آزمائش ہوئی۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اپنی بیوی مائی حاجرہؑ اور شیر خوار بچے حضرت اسماعیلؑ کو مکہ کی سنگلاخ بے آب و گیاہ وادی میں چھوڑ کر رخصت ہوگئے تو چند دن کے اندر اندر ہی خورونوش کا تمام سامان ختم ہوگیا جب بچے کا بھوک اور پیاس سے رونا ماں سے برداشت نہ ہوسکا تو یہ دیکھنے کے لئے کہ شاید کوئی قافلہ ادھر ادھر سے گذر رہا ہو یا کہیں پانی کا نشان مل جائے وہ کبھی صفا پر [illegible]ہتیں اور کبھی مروہ پر، ساتھ ساتھ حضرت اسماعیلؑ کو [illegible]یکھتیں جو موجودہ چاہ زم زم والی جگہ پیاس سے بلک رہے تھے۔ ان چٹیل چٹانوں میں ان دونوں کا واحد سہارا اللہ تعالیٰ تھا جس سے وہ قدم قدم پر

اپنے بچے کی حفاظت اور پانی کے لئے دعائیں مانگ رہی تھیں۔ یہ اس عظیم ماں کے لئے ایک بہت بڑی آزمائش کی گھڑی تھی۔ اگرچہ ظاہری امید کی کوئی کرن نہیں تھی لیکن انہیں اپنے رب پر پورا یقین تھا۔ باوجود مایوس کن حالات کے انہوں نے کوشش ترک کی نہ توکل کا دامن چھوڑا۔ یوں اس کٹھن وقت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت پر یقین رکھتے ہوئے انہوں نے صفا و مروہ کے درمیان دوڑ دوڑ کر صبر اور عملی جدوجہد کی ایسی مثال قائم کردی جو راہِ حق کے مسافروں کے لئے ہمیشہ قابلِ تقلید ہے۔

231- صبر کا پھل:-

اگرچہ وہاں کسی قافلہ کا گزرنا یا پانی کا مل جانا ناممکن سی بات تھی لیکن انہوں نے حوصلہ نہیں ہارا۔ نہ ہی مایوسی میں بیٹھ گئیں۔ اسماعیلؑ کا پیاس سے تڑپنا ان کے عزم کو کم نہیں کرتا بلکہ اس کے تڑپنے کی آواز پر وہ صفا اور مروہ کی بلندیوں پر مزید اوپر چڑھتی ہیں اور تیز دوڑتی ہیں۔ متواتر بھاگ رہی ہیں، کبھی اس طرف کبھی اس طرف۔ اللہ تعالیٰ پر پورے یقین کے ساتھ اپنی جدوجہد جاری رکھتی ہیں کہ اچانک اسماعیلؑ کے رونے کی آواز بند ہو جاتی ہے، ماں اس خوف سے کہ خدانخواستہ......، بھاگ کر اس کی طرف لوٹتی ہے لیکن اسماعیلؑ صاف اور ٹھنڈے پانی میں تر اپنے ہاتھوں کو گیلا کر کے پانی چاٹ چاٹ کر مسکرا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حاجرہ علیہ السلام کے جذبہِ محبت، صبر اور توکل علی اللہ کے بدلے زمین سے ایک ایسا چشمہ جاری کر دیا جو آج بھی جاری ہے اور ہر سال کروڑوں انسانوں کی پیاس بجھا رہا ہے، اور ایسا پانی ہے جو بھوک بھی مٹاتا ہے اور اس میں بیماریوں کے لئے بھی شفا ہے۔ اس کا ثبوت ان لاکھوں لوگوں کا تجربہ ہے جو ہر سال حج اور عمرہ کے لئے بیت اللہ کی زیارت کرتے ہیں اور آبِ زمزم پیتے ہیں۔

سبحان اللہ کہ صفا اور مروہ کی دو معمولی پہاڑیاں اس اللہ والی کے قدموں کے طفیل شعائر اللہ کا درجہ پا گئیں اور اس وقت سے جو کوئی بھی حج اور عمرہ کی نیت سے بیت اللہ کی زیارت کو جاتا ہے وہ اس عظیم ماں کے قدموں پر چل کر جدوجہد اور توکل علی اللہ کی اس داستان کو زندہ کرتا ہے۔

232- عورت کا مقام:-

ہوسکتا ہے کہ آج بھی کسی کے دل میں خیال آئے جیسے اس وقت جب قرآن کریم نازل ہو رہا تھا کچھ لوگ سوچ رہے تھے کہ صفا اور مروہ کا طواف تو ایک عورت کا اتباع ہے۔ کرنا چاہئے یا نہیں؟ آیۃ مبارکہ 158 انسانیت کو یاد دلاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عورت ہو یا مرد، جو کوئی بھی صالح عمل کرے گا اجر پائے گا۔ بے شک حاجرہ علیہ السلام ایک عورت ہی تھی لیکن انکا عمل اس قدر عظیم جذبہ والا عمل تھا کہ دنیا کے تمام مردوں کو حکم ہے کہ جب وہ وہاں پہنچیں تو بیت اللہ کے طواف کے بعد ان راستوں کا ضرور طواف کریں جہاں وہ بے تابی سے دوڑ رہی تھیں۔ اس میں ثواب ہی ثواب ہے۔

233- قدردان رب:-

آیتہ مبارکہ ۱۵۸ کے آخر میں حکم صادر فرمایا گیا ہے کہ "جو کوئی بھی دل کی خوشی سے نیکی کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو بڑا قدردان پائے گا"۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عمل کی قبولیت کے لئے ذات پاک نسل مذہب یا عورت مرد کا امتیاز نہیں بلکہ شرط تقویٰ ہے۔ دراصل اللہ تعالیٰ کی محبت میں کی گئی کوئی کوشش رائیگاں نہیں جاتی اور جس قدر جذبہ سے کوئی عمل ہوگا اتنا ہی زیادہ اس کی قدر ہو گی۔ مثال حضرت حاجرہ علیہ السلام کی حاضر ہے۔ لیکن بعض مذہب پرست لوگوں کا یہ حال ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی محبت پر رسمی عملوں کو ترجیح دیتے ہیں اور جذبوں کی قدروں کو چھپاتے ہیں۔ اگلی آیات کریمہ سچے دین کو چھپانے والوں کی مذمت میں بڑی سخت آیات ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے سیدھے راستہ پر سدا رکھے۔ فرمایا......

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ
مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ
مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ ۙ
أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ
وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ ۝

159- بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں جو ہم نازل کر چکے ہیں، کھلی نشانیاں اور ہدایت، بعد اس کے کہ ہم نے لوگوں کیلئے انہیں کتاب (بھی) میں واضح کر دیا۔ ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے، اور تمام لعنت کرنے والے ان پر لعنت کرتے ہیں۔

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا
فَأُولَٰئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ ۚ
وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝

160- البتہ جن لوگوں نے توبہ کی، اور نیکی کی، اور (اللہ کی نشانیوں کو) ظاہر کیا، پس میں ان کی توبہ قبول کرونگا، اور ہم توبہ قبول کرنے والے اور رحمت والے ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ
أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ
وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۝

161- بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور مر گئے، اور (مرتے وقت بھی) کافر ہی تھے، ایسوں پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور انسانوں کی مجموعی لعنت ہے۔

خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ۚ لَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ
وَلَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ ○

162- ہمیشہ اسی میں رہیں گے،
نہیں ہلکا کیا جائے گا ان پر عذاب،
اور نہ ہی انہیں مہلت دی جائے گی۔

234- لعنتی لوگ:۔

آیہ مبارکہ 159 قرآن کریم کی بڑی سخت آیات میں سے ہے۔ آیہ مبارکہ 157 میں ان عظیم لوگوں کا ذکر تھا جن پر اللہ تبارک صلوٰۃ بھیجتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا جینا مرنا سب رب العالمین کیلئے ہے۔ یہاں اس گروہ کا ذکر ہے جن پر ہر وقت لعنت برستی رہتی ہے۔ یہ وہ دشمنِ انسانیت ہیں جو لوگوں سے اللہ تبارک تعالیٰ کی نشانیوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں، حق کو دباتے ہیں اور باطل کا پرچار کرتے ہیں۔

ان میں کسی حد تک وہ لوگ بھی شامل ہیں جو اپنے بچوں کو ایسی تعلیم و تربیت دیتے ہیں جس سے وہ اللہ تعالیٰ سے دور ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگ اپنے بچوں کے بھی مجرم ٹھہرے کہ جب انکی عمر سیکھنے کی تھی انکو اللہ کی ہدایت سے دور رکھا۔

اس گروہ میں وہ لوگ بھی ہو سکتے ہیں جو اللہ کی کتاب کو پسِ پشت ڈال کر انسانی فلاسفہ، قوانین اور طریقوں کو رائج کرتے ہیں۔ ایسے اہل علم، علماء، دانشور، ماہرین تعلیم، ذرائع ابلاغ کے ناخدا، سیاستدان، حکمران غرضیکہ ہر وہ آدمی جو کسی نہ کسی طریقہ سے سچائی پر پردہ ڈالنے کے عمل میں معاون ہے وہ کسی نہ کسی درجہ میں اللہ کی لعنت کو دعوت دیتا ہے۔ ان سب کیلئے آیہ مبارکہ 158 زبردست انتباہ ہے۔ فرمایا، یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ خود لعنت فرماتے ہیں اور اتباع خداوندی میں زمین و آسمان کا ذرہ ذرہ یعنی پورے کا پورا ماحول، اردگرد کے جمادات، نباتات اور اللہ تعالیٰ کو ماننے والے تمام جن و انس ان پر لعنت کرتے ہیں، ان کو حقارت سے دیکھتے ہیں۔ (استغفر اللہ) سوچنے کی بات ہے کہ کہیں ہم خود تو اس ظلم عظیم کے مرتکب نہیں؟ ہمارے اسلامی ملکوں پر جو ادبار کے بادل چھائے ہوئے ہیں کہیں وہ بھی اسی وجہ سے تو نہیں؟

دراصل جب بھی کوئی انسان آدمیت کے مقام سے گر کر کام کرتا ہے تو وہ ہر چیز کی نظروں سے گر جاتا ہے۔ تمام جمادات و نباتات اسے حقارت سے دیکھتے ہیں اور اس سے نفرت کرتے ہیں۔ لعنت ایسے ہی عمومی جذبات کی ترجمانی ہے لیکن اگر وہ اپنی اصلاح کر لیتا ہے اور برائی سے توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کو پھیلانے میں ممد و معاون بن جاتا ہے تو پھر سے وہ قابل عزت ہے۔ آیہ مبارکہ 160 ایسے لوگوں کے لئے امید کا پیغام اور خوشخبری ہے۔

آیات مبارکہ 161 اور 162 ان بدبخت لوگوں کا حال بیان کرتی ہیں جنہوں نے کفر کیا اور کفر ہی میں مر گئے۔ توبہ کی نہ گناہ چھوڑا۔ ایسے مجرموں کے لئے ہمیشہ کی لعنت ان کی تقدیر بن جاتی ہے قیامت کے دن جب حقائق ظاہر ہو چکے ہونگے اللہ تعالیٰ کے فرشتے

اور تمام جن وانس، خواہ وہ جنتی ہوں یا دوزخی ایسے لوگوں پر لعنت بھیجیں گے۔ بلکہ اس دنیاوی حیات میں بھی اللہ تعالیٰ کے ایسے نافرمانوں کو کائنات کا ذرہ ذرہ نفرت اور حقارت سے دیکھتا ہے یوں وہ لعنت کے عذاب میں ہمیشہ ہمیشہ مبتلا ہیں۔

یہ وہ بدقسمت ہیں جنہوں نے اپنی دنیاوی حیات کے دوران اللہ تعالیٰ کی آیات پر غور کیا نہ انہیں دیکھنے کی زحمت کی۔ اگر وہ غور کرتے تو ان پر بھی یہ حقیقت واضح ہو سکتی تھی کہ ہم سب کا معبود ایک ہی معبود ہے۔ اے اللہ ہمیں حق کے بول بالا کی توفیق عطا فرما اور اپنی آیات کو سمجھنے کی فراست عطا فرما۔ اگلی آیات کریمہ میں زمین و آسمان کی کچھ ایسی ہی نشانیوں کا ذکر ہے۔ فرمایا......

وَ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ○	163-	اور تم سب کا معبود ایک ہی معبود ہے، اس کے سوا کوئی اور معبود نہیں، وہ الرحمٰن اور الرحیم ہے۔
اِنَّ فِىْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِىْ تَجْرِىْ فِى الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَ بَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّ تَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَ السَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ○	164-	بے شک آسمانوں اور زمینوں کی خلق میں، اور روز و شب کے بدلنے میں، اور جو سمندر میں (جہاز) چلتے ہیں، جس سے لوگ نفع حاصل کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے (جو) آسمان سے پانی نازل کیا، پھر اس سے مردہ زمین کو زندہ کیا، اور اس میں ہر قسم کے جاندار آباد کر دیئے، اور ہواؤں کی گردش میں، اور وہ سحاب جنہیں آسمان اور زمین کے درمیان رکھ دیا گیا ہے، بے شک (عرفان حق کی جانب) سب عقلمند لوگوں کیلئے اہم نشانیاں ہیں۔

235- سب سے بڑی سچائی، سب سے بڑی سائنس:-

سچ کی معراج اللہ تبارک تعالیٰ کی ذات کا ادراک ہے۔ مذہب، سائنس، عقل، فلسفہ، وجدان ان سب کی انتہا اس بات کی سمجھ ہے کہ کائنات اور ہم سب کا معبود ایک ہی معبود ہے۔ اللہ واحد، اسکے علاوہ کوئی اور معبود نہیں ہے۔ یہ حقیقت سب سے بڑی سچائی ہے اور سب سے بڑی سائنس ہے۔ جس وحدت (singularity) کی تلاش میں آج سائنس کے ہزاروں بہترین دماغ لگے ہوئے ہیں، وہ اسی ذات پاک کی صفت ہے۔ جیسے ہر تخلیق اپنے خالق کی حقیقت پر شہادت دیتی ہے اسی طرح کائنات اور مافیہا اپنے خالق کی شہادت دیتی ہے۔ اس کا وجود ہی اس بات کا اعلان ہے کہ وہ مخلوق ہے اور اس کا کوئی خالق بھی ہے لیکن افسوس کہ اکثر لوگ قدرت کی ان شہادتوں پر غور نہیں کرتے۔

اگر ہم تھوڑی دیر اپنے اردگرد آسمان وزمین میں با مقصد نظر سے غور کریں، اسکی تخلیق اور ایجاد پر غور کریں اس میں برپا توازن کو سمجھیں، اس کے حسن کو دیکھیں، اس کی لامحدود وسعت کا ادراک کریں، اس میں موجود مخلوقات جنکی مقدار کا تعین انسانی حساب نہیں کر سکتا پر سوچیں اور پھر پوچھیں کہ یہ سب کیسے اور کیوں ہے؟ تو حقیقت واضح ہو جائے گی کہ تم سب کا معبود۔ معبود واحد ہے۔ اسکے سوا کوئی اور معبود نہیں، وہ الرّحمٰن الرّحیم ہے۔ مالکِ یوم الدین ہے۔ ہر چیز کا وہ اول ہے جس سے پہلے کوئی نہیں، وہ آخر ہے جس کے بعد کوئی نہیں، وہ ظاہر ہے جس سے پرے کوئی نہیں، وہ باطن ہے جس سے خالی کوئی نہیں، وہ یکتا ہے جس جیسا کوئی نہیں، ہمیشہ سے ہمیشہ تک قائم، جسے نہ اونگھ ہے نہ تکان۔ علم، عزت اور قدرت اسکی صفت ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نبی پاک ﷺ نے ان ہستیوں کے بارے جو اپنے خالق کی صفات اور عظمت پر اس طرح غور وفکر کرتے ہیں فرمایا کہ "عالم کی روشنائی شہید کے خون سے زیادہ مقدس ہے" اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کی آیات میں غور وفکر والی رات زندگی بھر کی عبادت والی راتوں سے افضل ہے۔ **(For more details see Appendix I to XXII)**

236- کیا یہ سب خود ہی ہو گیا؟

آیۃ مبارکہ 164 دنیا بھر کے انسانوں کیلئے ایک سائنٹیفک چیلنج ہے۔ انسان کے ضمیر کو جھنجوڑ رہی ہے کہ ذرا شب وروز کے نظام کی تفصیل کو سمجھو، اپنے محور اور سورج کے گرد بیک وقت گھومتی زمین کو دیکھو، اس کے صبح وشام کے متعلق سوچو کہ یہ کیسے اور کیوں ہیں تو عقل کے پاس ان سب کے موجد اور خالق کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کے علاوہ کوئی اور چارہ کار نہیں رہ جاتا۔ لہروں سے اچھلتے ہوئے سمندر اور ان میں خراماں جہازوں سے پوچھو کہ پانی کے یہ وسیع ذخائر اور ان میں چلتی کشتیاں کس نے انسانی خدمت پر لگا دی ہیں تو خالق سے دوری نہیں رہے گی۔

زمین پر یہ اس قدر پانی کہاں سے آ گیا۔ یہ تو ابتداء میں ایک جلتا ہوا انگارا تھا۔ یہ کس نے کر دیا کہ آسمانوں میں سے برف کے

شہاب لالا کر زمین کو ٹھنڈا کیا اوراس کے نشیبوں کو پانی سے بھر دیا اور پھر پانی میں حیات رکھ دی اور پھر اس حیات میں اس قدر برکت عطا فرمائی کہ کروڑوں اربوں ڈیزائنوں کے مطابق طرح طرح کی زندگی سے زمین کی خشکی اورتری کو بھر دیا۔ یہ سب کیا خود بخود ہی ہو گیا؟

یہی نہیں بلکہ زمینی حیات اوراس کی نباتات وحیوانات کو معتدل ماحول اور موسم دینے کیلئے زمین سے سینکڑوں ہزاروں میل دوراس پر ایسے ایسے سحاب کے غلاف ڈال دیئے کہ بیرونی دنیا سے آنے والیں خطرناک شعاعیں، ذرات اور شہاب زمین پر پہنچنے سے پہلے ہی ختم کر دیئے جائیں۔ یہ کہ سمندروں میں بو نہ پڑ جائے، اسمیں رہنے والے جاندار دم گھٹ کر نہ مر جائیں، زمین سے 389000 میل دور چاند کو رکھ دیا جسکی کشش سے مدوجزر کا نظام سمندر کے کھربوں ٹن پانی کو ہلاتا رہتا ہے۔ یہ شاندار نظام کس کا قائم کیا ہوا ہے؟ اگر تمام سائنس معلوم سے نامعلوم کی طرف سفر ہے تو پھر مخلوق سے تم خالق کو کیوں نہیں پہچانتے؟

237- زمین پر آسمان سے پانی:-

آیۃ مبارکہ 164 میں ایک بہت بڑی سائنسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ فرمایا ”اللہ سبحانہٗ وَ تعالیٰ نے آسمان سے پانی نازل کیا“۔ جبکہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ بارش کا پانی اگرچہ آسمان کی طرف سے گرتا ہے لیکن اس کا منبع بھی زمین پر سمندر ہی ہیں۔ اس لئے رب تعالیٰ کا فرمان ”آسمان سے پانی نازل کیا“ کا مطلب معمول کا بارشی پانی نہیں بلکہ اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ زمین پر جو پانی ہے وہ بھی ضرور آسمان سے ہی نازل ہوا ہوگا۔ یہ بہت بڑا سائنسی انکشاف ہے جسکا ثبوت پچھلے دس بیس سالوں کی خلائی تحقیق سے ملا ہے۔ سبحان اللہ، یوں سائنس قرآن کریم کی تصدیق کرتی جاتی ہے۔

۱۹۸۷ کے لگ بھگ امریکہ کے سب سے بڑے خلائی تحقیق کے ادارے ناسا (NASA) کے سائنسدانوں نے دیکھا کہ خلا میں برف کے بڑے بڑے پہاڑ یعنی برفانی شہابیئے (ICE Meteorites) موجود ہیں۔ ان میں سے ہر روز ہزاروں کی تعداد میں زمین کا رخ بھی کرتے ہیں لیکن ہوا سے ٹکرانے کے بعد بھاپ بن کر ہوا ہی میں جذب ہو جاتے ہیں۔ یوں آسمانوں کا پانی زمینی فضا میں منتقل ہوتا رہتا ہے اور یہ عمل اربوں سالوں سے ہو رہا ہے۔ ابتدا میں یہ عمل بہت زیادہ تیز تھا۔ ان کے علاوہ زمین کا کچھ پانی اسکی تخلیق میں موجود آبی بخارات کے ٹھنڈے ہونے کی وجہ سے بھی ہے۔ یہ بخارات ان گیسوں میں موجود تھے جن سے زمین کی تخلیق ہوئی۔ لیکن انکا منبع بھی وہ آسمانی ستارے تھے جن کی تباہی کے ملبہ سے زمین معرض وجود میں آئی تھی۔ یہ بخارات خلائی ٹھنڈک سے ٹھنڈے ہو کر ژالہ باری اور بارشی قطروں کی شکل میں لاکھوں سال متواتر بارشوں کی شکل میں گرتے رہے جس کی وجہ سے زمین کی بیرونی سطح نہ صرف ٹھنڈی ہوتی گئی بلکہ پانی کے کیمیائی عمل سے اس پر جو تبدیلیاں آئیں ان سے زمین کے اوپر کا پرت نرم ہوتا گیا اور یوں آہستہ آہستہ وہ نباتات پیدا کرنے کے قابل بن گئی۔ اسی پانی کے نشیبی جگہوں میں جمع ہونے سے جھیلیں اور سمندر وجود میں آئے۔ یعنی جیسے کلام اللہ میں فرمایا گیا تھا جدید سائنس بھی اسی نتیجہ پر پہنچی ہے کہ زمین پر پانی آسمانی ذرائع کا مرہون منت ہے۔

(For more details please see appendix xvii)

238- مردہ زمین میں پانی سے زندگی:-

آیۃ مبارکہ 164 کے فرمان **اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِہِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَا وَبَثَّ فِیْھَا مِنْ کُلِّ دَآبَّۃٍ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ**..... میں ایک اور بہت بڑی سائنسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ ابتدا میں ہماری زمین مردہ تھی لیکن جب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں سے پانی نازل کیا تو اس پانی کی وجہ سے زمین کو حیات ملی۔ اس کے علاوہ ہواؤں کی گردش اور بادلوں کا نظام بھی سمندروں میں جمع شدہ پانی ہی کی وجہ سے ہے یہ وہ حقائق ہیں جو بیسویں صدی کے اوائل میں سائنس کو معلوم ہوئے۔ پانی کے بغیر مردہ زمین کا تصور تو صحراؤں سے بھی کیا جاسکتا ہے لیکن اس کا صحیح اوراک سورج کے دوسرے سیاروں مثلاً زہرہ، مریخ، عطارد وغیرہ کی خلائی تصویروں سے ہوتا ہے۔ وہ بھی سورج کا خاندان ہیں اور ہماری زمین بھی۔ فرق صرف پانی کا ہے۔ وہاں کچھ بھی پیدا نہیں ہوتا اوران کی مٹی بھی نباتات کے لئے زہریلی ہے۔ سورج کے خاندان میں کچھ سیاروں مثلاً زحل وغیرہ میں پانی سخت جمی ہوئی برف کی شکل میں موجود ہے لیکن وہ بھی مصداق پتھروں کے ہے اس لئے وہاں بھی کوئی زندگی نہیں۔

دراصل پانی جو دو ہائیڈروجن اور ایک آکسیجن کے ایٹم کے ملنے سے بنتا ہے کیمیائی طور پر بہت زیادہ تیز عمل کار ہے۔ یہ پتھروں کو توڑ کر رکھ دیتا ہے اوراس میں بیشتر چیزیں حل ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی مائع، گیس اور ٹھوس حالتوں میں وہ خصوصیات رکھ دی ہیں جو کسی اور کیمیا میں نہیں ہیں۔ ان کی بنا پر یہ زمین، فضا اور سمندروں میں متناسب درجہ حرارت رکھنے کا باعث ہے اور اپنی ایسی ہی خصوصیات کی بنا پر یہ زندگی کا منبع ہے۔ اگر زمین پر پانی نہ ہوتا تو دوسرے سیاروں کی مانند یہاں بھی زندگی ناممکن ہوتی۔ یوں سائنس قرآن کریم کی آیۃ مبارکہ 166 کی تصدیق کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں سے پانی نازل کر کے مردہ زمین کو زندہ کیا۔ اگر کسی وجہ سے زمین کا پانی چھین لیا جائے تو یہ دوبارہ مردہ ہو جائے گی۔ (For more details please see appendix xix)

239- زمین پر جانداروں کی آبادی:-

سورج کے تمام سیاروں میں یہ امتیاز بھی زمین ہی کو حاصل ہے کہ اس میں ہر طرح کے جاندار آباد ہیں۔ یونیسکو (UNESCO) کی کتاب حیاتیاتی انواع واقسام (Biological Diversty) کے مطابق زمین پر 43900 ریڑھ کی ہڈی والے اور 990000 کے قریب بغیر ریڑھ کی ہڈی کے بغیر جاندار ہیں۔ 13000 کے قریب ہوا میں اڑنے والے جانور ہیں۔ ان کے علاوہ 250000 سے زیادہ اقسام کی نباتات ہیں۔ جراثیمی اور سمندری زندگی کا تعداد میں کوئی حساب نہیں، اربوں ہونگی اور حیرانی کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سب کچھ نفس واحدہ سے بنادیا جس کی زندگی پانی سے شروع ہوئی۔ ''پانی میں حیات ہے'' قرآن کریم نے یہ بات ۱۴۰۰ سال پہلے فرمائی تھی اور سائنس حیران ہے کہ یہی بات جدید حیاتیاتی سائنس کی بنیاد ہے۔

قرآن کریم ہی میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "تمام جاندار نفس واحدہ سے بنے جو پانی سے شروع ہوا"۔ دراصل قرآن کریم کا یہ انکشاف کہ "رب تعالیٰ نے آسمانوں سے پانی نازل کیا، پھر اس سے مردہ زمین کو زندہ کیا اور پھر اس میں طرح طرح کے جاندار آباد کر دیئے"۔ اتنی بڑی سائنس ہے۔ جس کی تشریح میں ہزاروں سائنسی کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے رازوں کی جستجو رکھنے والے قیامت تک لکھتے رہیں گے۔ نفس واحدہ سے کھربوں مخلوقات کیسے پیدا ہوئیں؟ اس مسئلہ کی تہہ تک پہنچنے کے لئے سائنس دان بے تاب ہیں۔ لیکن جتنا کچھ معلوم ہوا ہے وہ اس قدر حیران کن ہے کہ عقلِ انسانی مبہوت ہے۔ ہر سطح پر ایک پوری کی پوری دنیا ہے۔ جراثیمی دنیا ہو یا حیوانی، ایک ایک تخلیق کا شاہکار ہے۔ لاکھوں سائنس دان اللہ تعالیٰ کی مخلوقات کو سمجھنے میں لگے ہوئے ہیں لیکن پھر بھی کم ہیں۔ یہ تو ہمارے رب کی شان ہے، لیکن افسوس کہ ان سائنس دانوں میں مسلمان بہت کم ہیں۔ اور مزید افسوس کی یہ بات ہے کہ مغربی محققین کو کوئی بتانے والا بھی نہیں کہ 'نفس واحدہ' والی دریافت جس پر وہ فخر کرتے ہیں دراصل قرآن کریم نے 1400 سال پہلے ہی اسے بتا دیا تھا تاکہ ان پر دین حق ظاہر ہو۔

(For more details please see appendix ii, v)

اس ضمن میں ایک اور قابل غور بات یہ ہے کہ مغربی دنیا کی اندھی صنعتی ترقی زمین پر حیات کے لئے خطرہ بن گئی ہے۔ ان کے پیدا کئے ہوئے فساد کی وجہ سے زمینی حیات تیزی سے ختم ہو رہی ہے۔ یونیسکو ہی کے مطابق اگلے بیس سے تیس سالوں میں دس لاکھ سے زیادہ نباتاتی اور حیوانی زندگی کی اقسام ختم ہو جائیں گی یعنی ہر روز 100 سے زیادہ زندگی کی اقسام مرتی جا رہی ہیں لیکن وہ پھر بھی ماحول کو خراب کرنے سے باز نہیں آ رہے۔ ایسے ہی لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے **ظلوماً جهولاً** کہا ہے جو اپنے ہاتھوں اپنی دنیا کو ختم کئے جا رہا ہے۔

(For more details please see appendix xx)

240- ہواؤں کا چلنا:-

آیۃ مبارک 164 میں اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانیوں میں ہواؤں کے چلنے کو بھی شامل فرمایا ہے۔ جس طرح بہتا ہوا پانی ہر طرح کی حیات کی بقا کیلئے ضروری ہے اس طرح ہواؤں کے چلتے رہنے میں بھی زندگی ہے۔ اگر فرض کریں کہ ساری دنیا میں ہوا کا چلنا ٹھہر جائے تو کیا ہوگا؟ سائنس سے پتہ چلتا ہے کہ مختلف جگہوں پر درجہ حرارت برداشت سے باہر ہو جائیں گے۔ کثافتیں شدید طور پر بڑھ جائیں گی حتیٰ کہ سانس لینا بھی دشوار ہو جائے گا۔ بارشیں رک جائیں گی۔ ایسا حبس ہوگا کہ ہر جاندار نباتات الامان الامان پکار اٹھے گی اور چند ہفتوں تک زندگی ختم ہو جائے گی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے زمین کی ساخت، اس پر پہاڑوں، میدانوں، صحراؤں اور سمندروں کی ایسی تقسیم کی ہے کہ سورج کی توانائی کے بل پر ہوائیں مسلسل چلتی رہتی ہیں۔ یہ سب کیسے ہوتا ہے؟ یہ ایک بہت بڑی سائنس ہے۔ جس پر موسموں کی

تبدیلیوں کے متعلق پیش گوئیوں کا انحصار ہے۔اس موضوع پر بھی مسلسل تحقیق ہورہی ہے اور ہوتی رہے گی۔

آیتہ مبارکہ 164 ہی میں سحاب کا ذکر ہے جو زمین اور آسمان کے درمیان ہیں۔خلا کی تحقیق نے کلام اللہ کی اس عظیم نشانی کو بھی واضح کر دیا ہے۔یہ سحاب مختلف کروں کی شکل میں زمیں کے لئے مانند چھت ہیں۔خلا کے برقی ذرات ان سے ٹکرا کر واپس ہوجاتے ہیں اور شہابِ ثاقب کو زمین پر آنے سے پہلے یہ تباہ کر دیتے ہیں۔سبحان اللہ کہ کلام پاک نے کس جامع طریقہ سے ایسی بڑی بڑی سائنسوں کی طرف انسان کی توجہ مبذول کروائی ہے۔بے شک دنیا کے لئے یہ سوچنے کی بات ہے کہ عرب کے صحراؤں میں ایک آدمی جو لکھنا پڑھنا بھی نہیں جانتا تھا ۱۴۰۰ سال پہلے کیسے وہ یہ باتیں بتا گیا جن کی دریافت پر مغربی سائنسدان نوبل انعام حاصل کر رہے ہیں۔ کاش کہ مسلمان سائنس دان اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ان حقائق کو دنیا کے سامنے پیش کر سکیں تا کہ انسانیت سائنسی ترقی کے ساتھ ساتھ

(For details please see various appendix given in this book)

روحانی ترقی بھی کرے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ سب کچھ یونہی ہوگیا؟ یا ان سب کا کوئی صانع، ڈیزائنر، خالق اور پروردگار بھی ہے؟ بے شک ریت کا ذرہ ذرہ، پانی کا قطرہ قطرہ، نباتات کا پتہ پتہ، ہوا کی ہر سرسراہٹ، نغمہ خواں ہے کہ تم سب کا معبود ایک ہی معبود ہے، اس کے سوا کوئی اور معبود نہیں، رحیم ورحمٰن، رب کریم، اللہ جل جلالہ۔لیکن کچھ عقل کے اندھے حقیقت سے آنکھیں بند کر کے عارضی فوائد اور باطل کے چکروں میں پھنس کر کائنات کی ان شہادتوں کے منکر ہیں یا اپنے مفادات کو اللہ تعالیٰ کے مدمقابل رکھے ہوئے ہیں۔اگلی آیہ کریمہ ایسے ہی گمراہوں کے ضمیر کو جھنجوڑنے کیلئے ہے کہ ابھی بھی وقت باقی ہے، ان خودساختہ خداؤں سے بچو اور مالک حقیقی کی طرف آجاؤ۔ فرمایا......

165-

وَمِنَ النَّاسِ	اور لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں،
مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ	جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے مدمقابل
اللّٰهِ اَنْدَادًا	شریک بنا رکھے ہیں۔
يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ	اور ان سے یوں محبت کرتے ہیں، جس انداز سے اللہ تعالیٰ سے کرنی چاہیے۔
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ	اور جو ایمان والے ہیں، وہ تو اللہ تعالیٰ کی محبت میں سب سے قوی ہیں۔
وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ	اور اگر ظالم وہ منظر دیکھیں، جب ان (کافروں) کو عذاب دیا جارہا
اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ	
وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ○	

ہوگا، تو (انہیں سمجھ آجائے)

کہ تمام قوت اللہ تعالیٰ ہی کو حاصل ہے۔ اور

بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے۔

241- فلسفہ محبت:-

مندرجہ بالا آیت کریمہ مومن اور کافر کے فلسفہ محبت کے فرق کو ظاہر کرتی ہے۔ فرمایا...... "جو ایمان لائے ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں"۔ یعنی ایمان کی قوت کا معیار اللہ تعالیٰ سے محبت کی شدت میں ہے۔ سرور کائنات ﷺ کی اللہ تعالیٰ سے ایسی محبت تھی کہ مکہ مکرمہ کے کافر بھی کہا کرتے تھے محمد ﷺ کو اپنے رب سے عشق ہو گیا ہے۔"

دراصل" جذبہ محبت انسانی جذبوں کا سرتاج ہے اور بقائے حیات کا لازمی عنصر ہے۔ آخرت میں کامیابی کا دارومدار بھی اسی جذبے کے صحیح استعمال پر ہے۔ اگر اس کا محور رب کریم کی ذات ہے تو وہ آدمی کامیاب ہو گیا۔ اگر اس کا رخ کسی دوسری طرف ہے تو مرنے کے بعد بھی نفس اسی سراب کے پیچھے بھاگتا رہتا ہے۔ جب معلوم ہوتا ہے کہ وہ ساری چاہتیں باطل تھیں تو یاس وحسرت کے بادل چھا جاتے ہیں اور سخت بے کسی کی حالت میں تاقیامت عالمِ برزخ میں وہ نفس "وائے ناکامی وائے ناکامی" کے احساس تلے عذاب سہتا رہتا ہے، لیکن یہ وہ ظلم ہے جو اس نے اپنی ذات پر خود ہی کیا تھا۔ جس وقت محبتوں کا مرکز خالق کو ہونا چاہئے تھا وہ مخلوق کو ترجیح دیتا رہا۔

حق یہ ہے کہ مخلوقات سے بھی محبت اللہ تعالیٰ ہی کے لئے کی جائے۔ یہی سچے مومن کی نشانی ہے جسے سورۃ انعام کی آیۃ مبارکہ 163 میں مزید واضح کیا گیا ہے کہ اس کی قربانی، عبادت، مرنا جینا سب کچھ اللہ رب العالمین کے لئے ہی ہوتا ہے۔ ایسے ہی نفوس کامیاب وکامران ہونگے۔

242- بے سود محبت:-

بے سود محبتوں کے بھی کئی رنگ ہیں۔ یہ چیزوں سے بھی ہو سکتی ہے اور انسانوں سے بھی۔ چیزوں میں آج کل سب سے بڑا بت وہ ہے جسے معیارزندگی (living standard) کہتے ہیں۔ جسکی خاطر انسان اپنا دین۔ اخلاق سب کچھ داؤ پر لگا دیتا ہے۔

افسوس کہ انسانوں میں ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نام پر اپنے آپ کو محبت کے لئے پیش کرتے ہیں اور پیر و مرشد بن کر دنیا کو دھوکا دیتے ہیں اور بیوقوف مرید، جو محبت انہیں اللہ تعالیٰ کو دینی چاہئے تھی ان بہروپیوں کو دیتے ہیں۔ ایسے مرید اور پیر دونوں ہی تباہ ہو گئے۔

یہاں یہ سوال پوچھا جا سکتا ہے کہ سچے مرشد اور بہروپیئے پیر کی کیسے پہچان ہوگی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ والے پر اللہ تعالیٰ کا رنگ غالب ہوتا ہے جو خود اثر کرتا ہے۔ اس لئے صحیح بزرگ کی نشانی یہ ہے کہ ان کی مجلس میں انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ سے رغبت اور

محبت پیدا ہونے لگتی ہے یعنی سچا پیر اپنی ذات کی طرف متوجہ کرنے کی بجائے سالک کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کرنے کے لئے مشتاق ہوتا ہے۔اس کے برعکس دھوکے باز پیر مریدوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوششوں میں لگے رہتے ہیں۔کاش کہ وہ عذاب کے اس منظر کو دیکھنے کی استطاعت رکھتے جس کا حوالہ آیت 165 میں دیا گیا ہے۔

243- اللہ تعالیٰ سے ہمسری:-

آیتہ مبارک 165 کے شروع میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو مخلوق میں سے بعض کو اللہ تعالیٰ کا ہمسر بنا لیتے ہیں۔انہوں نے اپنے کام نکلوانے کے لئے کئی خدا بنا رکھے ہیں۔جب کوئی کام پڑ گیا، کوئی مشکل آ گئی، کوئی خواہش آڑے آئی تو یہ ان کے پاس جاتے ہیں اور جیسے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنی چاہئے ان سے مدد مانگتے ہیں۔جیسے اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگنی چاہئیں یہ ان کی خوشامد کرتے ہیں۔ان کے نزدیک پیروں، فقیروں، اعلیٰ افسروں اور (نعوذ باللہ) قرآن حکیم خانہ کعبہ اور سرکارِ دو عالم ﷺ کی اہمیت یہی ہے کہ انکے در پر جانے سے ان کا کام ہو جاتا ہے۔اگر کام پیر کی دعا سے ہو جائے تو یہ سب سے آسان بات ہے ورنہ کسی بڑے افسر یا سیاستدان کی سفارش سے ہو جائے یا اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے ہو جائے سبھی برابر ہیں۔یوں یہ بدبخت ربِ کائنات کو بھی اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرنا چاہتے ہیں، اگر نتائج ان کی مرضی کے مطابق آتے رہے تو اللہ تعالیٰ بہت اچھا ہے ورنہ اسے چھوڑ کر کسی دوسرے کے پاس چلے جائیں گے۔

یہ سب ظالم لوگ ہیں۔انھوں نے اپنے اپنے مفادات، رواج، جھوٹی انا اور نفسانی خواہشات کو رب کائنات کا مدمقابل بنا رکھا ہے اور انہیں کو اس سے بھی زیادہ پیار کرتے ہیں۔ جیسے اگلی آیہ مبارکہ میں بتایا گیا ہے ان کے لئے آخرت میں سوائے پچھتاوے کے اور کچھ نہیں اور جن لوگوں کے یہ سہارے ڈھونڈتے پھرتے ہیں وہ قیامت کے دن انہیں پہچاننے سے بھی انکار کر دیں گے۔فرمایا.......

إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتُّبِعُوا
مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا
وَرَأَوُا الْعَذَابَ
وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ ○

166- (خیال کرو اس وقت کا) جب وہ لوگ
جن کی اتباع کی جا رہی ہے،
اپنے اتباع کرنے والے سے بیزار ہوں گے۔
اور اس وقت وہ سب دیکھتے ہوں گے عذاب،
اور منقطع ہو جائیں گے
ان کے تمام اسباب۔

167- وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا
لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوا
مِنَّا ؕ
كَذٰلِكَ يُرِيهِمُ اللّٰهُ أَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ
عَلَيْهِمْ ؕ
وَمَا هُمْ بِخٰرِجِينَ مِنَ النَّارِ ۝

تو وہ جو اتباع کرتے تھے کہیں گے،
کاش کہ ہمارے لئے ہوتا ایک دفعہ لوٹنا ۔
کاش ہم دنیا میں دوبارہ لوٹ کر جاتے،
تو ہم بھی ان سے ایسے ہی بیزار ہوتے،
جیسے کہ یہ ہم سے بیزار ہیں۔
اسی طرح اللہ تعالیٰ انہیں ان کے اعمال
دکھائے گا اور ان پر مایوسیاں چھا جائیں گی،
اور وہ دوزخ کی آگ سے کبھی نکلنے نہ
پائیں گے۔

244- باطل کے پرستاروں کا انجام:-

اوپر کی آیات کریمہ باطل کی پیروی کرنے والوں کے لئے بروقت تازیانہ اور نہایت سخت وارننگ ہیں۔ یہ ان لوگوں کیلئے ہے جو دنیا میں غیر اللہ، گمراہ پیر، فقیر، عالم، ظالم، سیاسی رہنما، فلاسفر، دانشور وغیرہ کے پیچھے لگے رہتے ہیں اور ان کی بخوشی پیروی کرتے ہیں اور ان کے باطل پروگراموں کو آگے بڑھانے میں مدد و معاون ہوتے ہیں۔ بعض کے بارے میں تو ان کا اعتقاد اس حد تک ہوتا ہے کہ سمجھتے ہیں کہ وہ آخرت میں بھی ان کا بیڑا پار کر دیں گے، اور دوسری طرف یہ جھوٹے مکار سہارے ان سادہ لوحوں کا اپنے اوپر باطل یقین بڑھاتے ہی رہتے ہیں قیامت کے دن ایسے مرید پیر اور رہنما اکٹھے جب دوزخ کے کنارے لائے جائیں گے تو سب ایک دوسرے سے بیزار ہوں گے، ایک دوسرے کو برا بھلا کہیں گے، امید کی کوئی صورت نظر نہیں آئے گی، تمام اسباب منقطع ہو جائیں گے، اس وقت پیروکار یہ چاہیں گے کہ کاش ایک دفعہ انہیں دنیا میں جانے کا موقع مل جاتا تو وہ اپنی غلطیوں کی تلافی کرتے اور صرف اللہ تعالیٰ کی محبت اور اسکی رضا کے مطابق زندگی گزارتے لیکن اب یہ ناممکنات میں سے ہوگا اور یہ خیال ان کی حسرتوں اور مایوسیوں میں مزید اضافہ کر دے گا۔

آیات مبارکہ سے بہت بڑا سبق یہ ملتا ہے کہ آدمی غور کرے کہ وہ جسکی اتباع کرتا ہے کہیں اسکے پیچھے پیچھے وہ خود بھی جہنم میں نہ پہنچ جائے۔ چنانچہ مسلمانوں میں سے وہ جو یہود و نصاریٰ اور دیگر مشرکین و ملحدین کے طور و طریق کو اپناتے ہیں، ان کی نقل کرتے ہیں، بود و باش میں ان کی تقلید کرتے ہیں، دراصل وہ اپنے لئے جہنم میں گھر بنا رہے ہیں۔ اس لئے چاہیے کہ جب تک توبہ کا وقت باقی ہے اس

سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انسان زندگی ہی میں اپنی اصلاح کر لے اور ہر قسم کے شیطانوں کے چنگل سے آزاد ہو کر رب العالمین کے حضور حاضر ہو جائے، ورنہ وہ دوزخ کی آگ سے نکل نہیں پائے گا۔ اگلی آیات کریمہ اسی بات پر انسان کو ہدایت کرتی ہیں۔فرمایا......

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ
حَلٰلًا طَیِّبًا ۖ٘ وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ
اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۝

168- اے لوگو! (کھاؤ (پیو) اس میں سے جو زمین میں حلال اور طیبہ چیزیں ہیں، اور شیطان کے نقشِ قدم کی پیروی نہ کرو، بے شک وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔

اِنَّمَا یَاْمُرُكُمْ
بِالسُّوْٓءِ وَ الْفَحْشَآءِ
وَ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

169- وہ تو تمہیں بس برائی اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے۔ اور یہ کہ تم کہو اللہ تعالیٰ کے متعلق ایسی باتیں، جن کا تم علم نہیں رکھتے ہو۔

وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ
قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَاۤ اَلْفَیْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا ؕ
اَوَ لَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ
لَا یَعْقِلُوْنَ شَیْـًٔا وَّ لَا یَهْتَدُوْنَ ۝

170- اور جب انہیں کہا جاتا ہے اتباع کرو اس کی، جو اللہ نے نازل کیا ہے۔ (یعنی قرآن کریم اور سنت رسول اللہ) تو وہ کہتے ہیں، ہم تو اس پر چلیں گے جس پر پایا اپنے باپ دادا کو، اگرچہ ہوں ان کے باپ دادا عقل سے عاری۔ اور ہدایت پر بھی نہ ہوں۔

وَ مَثَلُ الَّذِیْنَ
كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِیْ
یَنْعِقُ بِمَا لَا یَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّ نِدَآءً ؕ
صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ۝

171- اور کفار کی مثال اس شخص جیسی ہے جو ایسی چیز کے لئے چلا رہا ہے، جو کچھ نہیں سنتی بجز اپنی صدائے بازگشت کے یہ لوگ بہرے ہیں، گونگے ہیں اندھے ہیں، پس وہ کبھی عقل نہیں کریں گے۔

245- فلسفہ حلال وحرام:-

آیۃ مبارک 168 تمام نوع انسانی کے نام پیغام ہے "اے لوگو! کھاؤ پیئو جو کچھ زمین میں حلال اور طیب ہے......" یہ حکم دراصل اس سے پہلے آنے والی تین آیات کا ماحاصل ہے اس سے یہ مطلب عیاں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت ان ہی دلوں میں ہوگی جن کی آبیاری حلال رزق سے ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے اسلام کا فلسفہ حلال وحرام دنیا کے تمام مذاہب میں بے مثل ہے۔ حلال اور حرام کھانے کے جو اثرات انسانی تمدن اور صحت پر پڑتے ہیں انہیں واضح کر دینا اسی کی شان ہے۔ کھانے پینے پر پابندی نہیں، اگر پابندی ہے تو حرام اور مکروہات کے کھانے پر۔

حرام دو طرح کے ہیں۔ ایک ذاتی حیثیت سے اور دوسرے صفاتی حیثیت سے۔ مثلاً سور، مردار، بہتا ہوا خون، غیر اللہ کے نام پر ذبح شدہ جانور کا گوشت وغیرہ اپنی ذات ہی میں حرام ہیں۔ (آیۃ مبارک 173)۔ ان کے علاوہ ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقوں کے خلاف ہے وہ صفاتی طور پر حرام ہے۔ (آیۃ مبارک 174)۔ چنانچہ رشوت، چوری، ڈاکے کی کمائی اور تمام ناحق طریقوں سے جمع شدہ مال ایسے ہی حرام ہیں جیسے سور کا گوشت۔

حلال کا مادہ حل ہے۔ جس کے معنی گرہ کھولنے کے ہیں۔ یعنی حلال کھانے سے انسان کے دل کی گرہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے لئے کھل جاتی ہے اور وہ بہت سی برائیوں سے بچ جاتا ہے۔

اسلام ہمیں بتاتا ہے کہ حلال وہ چیزیں ہیں جو حلال ذرائع سے کمائی جائیں اور شریعت نے انہیں منع نہ کیا ہو۔ طیب وہ اشیاء ہیں جن میں کھانے والے کے لئے کراہت اور روحانی یا جسمانی صحت کی خرابی کا ڈر نہ ہو۔ شریعت میں غیر طیب چیزوں کی نشان دہی موجود ہے۔ انہیں مکروہات کہا جاتا ہے۔ مثلاً سگریٹ، نشہ آور چیزیں، ہر طرح کا زہر اور شریعت میں مشتبہ چیزیں وغیرہ، یعنی روحانی یا جسمانی صحت کے لئے جو بھی چیزیں نقصان دہ ہیں وہ مکروہات کے زمرے میں آتی ہیں۔

تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان مکروہات سے بھی بچتا رہے۔ جہاں تک حرام کا تعلق ہے، حرام تو قطعی حرام ہے اور جان بوجھ کر اس کا کھانا پینا اور استعمال کرنا کفر کرنے کے مترادف ہے۔ جس انسان کے خون میں حرام کی آمیزش ہوگی اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت محال ہے۔ اس لئے سچا مومن نہ صرف یہ کہ حرام اور مکروہات سے بچتا ہے بلکہ اپنے دل میں ان چیزوں کے خلاف کراہت اور نفرت بھی محسوس کرتا ہے۔ اسی میں جسمانی اور روحانی صحت ہے۔ صحابہ کرامؓ کو اگر شک ہو جاتا کہ بھول چوک کر کوئی مکروہ یا حرام چیز کھا بیٹھے ہیں تو قے کر کے اسے فوراً نکال دیتے۔

246- شیطان حرام کی تعلیم دیتا ہے:-

جیسا کہ آیۃ مبارک 169 سے ظاہر ہے کہ شیطان انسان کا بدترین دشمن ہے۔ وہ اسے حرام، برائی اور بے حیائی کی تعلیم دیتا ہے، وہ

باتیں جو انسان کو نقصان پہنچانے والی اور بالآخر غمگین کرنے والی ہیں وہ انہیں رنگین کر کے پیش کرتا ہے ۔ اس لئے انسانی خوشی کے لئے بھی ضروری ہے کہ شیطان کی مخالفت کی جائے۔ ممکن ہے کہ شیطان کے احکامات پر عمل کرنے میں وقتی طور پر کچھ لطف و ہیجان مل جائے لیکن دیرپا اثرات نقصان دہ ہوتے ہیں۔

چونکہ آج کل لوگ حلال اور حرام میں زیادہ تمیز نہیں کرتے اس لئے ان پر بے شمار مصائب اپنے کھانے پینے ہی کی وجہ سے ہیں اور انہی کے زیر اثر وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات پر حجت بازی کرتے ہیں۔ اس میں شیطان کے چیلوں یعنی باطل قوتوں کا جو حصہ ہے اس سے کون واقف نہیں، لیکن افسوس کہ کچھ مسلمان بھی انہی کی پیروی کرتے ہیں۔ کاش کہ ہم شیطان کی دشمنی کو پہچان سکیں۔

آیۃ مبارک 169 میں بتایا گیا ہے کہ شیطان کا ایک بڑا حربہ یہ ہے کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک پر افتراء کریں، یہ بدترین گناہ ہے۔ آج کل بعض لوگ علم کے بغیر اپنی طرف سے امور دین پر تبصرہ بازی کرتے رہتے ہیں، دین میں کمی بیشی کرنے کی باتیں کرتے ہیں۔ دراصل وہ ایسی باتیں اللہ تبارک تعالیٰ کی طرف غلط باتیں منصوب کرنے کے مترادف ہیں جو بہت بڑا گناہ ہے۔

247- رسم ورواج کی برائی:-

آیۃ مبارک 170 انسان کو اپنے لئے آزاد سوچ کی دعوت دیتی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ برائیوں میں سے ایک بہت بڑی برائی باپ دادا کے نام پر غلط رسم ورواج کی پیروی کرنا ہے۔ فرمایا "اور وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر چلیں گے جن پر اپنے باپ دادا کو پایا" اور پھر ان کے غلط طریقوں پر اپنی عقل، دین، روپیہ پیسہ سب کچھ لٹا دیتے ہیں۔ فرقہ بازی اور مذہب کے نام پر غلط اعتقادات، شادی بیاہوں، سالگرہ اور موت کی رسومات میں خرافات، میلے ٹھیلے وغیرہ دراصل شیطان کے خطوات ہیں (طور طریقے) جنہیں لوگ باپ دادا اور خاندانی رسم ورواج کے نام پر کرتے رہتے ہیں اور یوں جہالت کو دوام بخشتے رہتے ہیں۔

یاد رہے کہ جس طرح آباواجداد کے غلط اعتقادات اور رسوم پر اڑنا منع ہے ویسے ہی باطل فلاسفروں، رہنماؤں، پیروں، فقیروں یہود، ہنود، نصاریٰ وغیرہ کی اتباع کرنا منع ہے اور یہ بھی کہ اگر انسان ان کے غلط طریقوں کی مذمت نہیں کرتا تو اس کا حشر بھی انہی کے ساتھ ہوگا۔ قرآن کریم میں یہود کی مذمت سے یہ بھی عیاں ہے کہ جو لوگ اپنے آباؤاجداد کے غلط کاموں کی نفی کرنے کی بجائے ان پر مصر ہیں وہ بھی انہی کی طرح ہیں۔

248- اعمال کی بازگشت اور سائنس:-

آیۃ مبارک 170 میں ہدایت سے انکار کرنے والوں کے متعلق فرمایا گیا کہ باغی لوگ غلطی پر غلطی کرتے چلے جاتے ہیں۔ اپنے ہی خیالات کی بازگشت میں رہتے ہیں۔ جو دوسروں کی بات نہیں سنتا بھلا وہ کیسے سمجھ سکتا ہے۔ کافر کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ اپنی ہی بات پر اڑا رہتا ہے دراصل ایک برا عمل دوسرے برے عمل کو جنم دیتا ہے جیسے کسی پہاڑی وادی میں آواز کا منظر ہے۔ پہاڑوں سے ٹکرا ٹکرا کر وہی

آوازواپس (Echo) ہوکر شور میں اضافہ کرتی ہے اور اصل آواز کو دبا دیتی ہے۔

کلام اللہ کا یہ بیان مسلمان سائنس دانوں کو ابھارتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس راز کو سمجھیں۔ Echo یعنی صدائے بازگشت کا تعلق صرف آواز سے ہی نہیں بلکہ ہر طرح کے اعمال سے ہے۔ جس طرح قدرت میں آواز، روشنی، راڈار، گرمی وغیرہ یعنی ہر طرح کی توانائی میں بازگشت ہے؛ آیۃ مبارک 177 واضح کرتی ہے کہ انسان کے خیالات اعمال ثواب گناہ نیکی بدی سب میں بازگشت کا امر کام کرتا ہے۔ ایک اچھا عمل دوسرے اچھے عمل کو جنم دیتا ہے اور یہی حال بدی کا ہے۔

حقیقت یہ ہے لوگوں کے باطل خیالات اور بداعمال صدائے بازگشت (Echo) کی طرح انہیں گھیرے رکھتے ہیں جس کے اثرات سے وہ کبھی بھی آزادی پانے والے نہیں۔ کنویں کے مینڈک کی طرح وہ اپنی ہی ٹرٹر میں مگن ہیں اور اپنی برائی کے شور وشغف اور لہو ولعب ہی میں مرکھپ جاتے ہیں۔ افسوس کہ ان کے پیرومرشد، رہنما اور ہیرو بھی انہیں برائی کی دلدل میں سے نکالنے کی بجائے مزید گہرائی میں دھکیلتے جاتے ہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ کا دین آسان ہے لیکن ان لوگوں کی باطلانہ صدائے بازگشت نے اسے بھی گورکھ دھندا بنایا ہوا ہے۔ ایسے میں ہدایت انہی کو ملے گی جو ہدایت حاصل کرنا چاہتے ہیں اور متقی ذہنیت کے ساتھ ہدایت کی باتیں سنتے ہیں۔ اسی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے اگلی آیات مبارکہ میں واضح کیا گیا ہے کہ اگر تم واقعی اللہ کی عبادت کرتے ہو تو حرام اور مکروہات سے بچو۔ فرمایا......

-172　اے وہ لوگو جو ایمان لے آئے ہو،

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا　　ان پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ

رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ　　جو ہم نے تمہیں عطا کی ہیں،

اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو،

اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ○　　اگر تم واقعی اس کی عبادت کرتے ہو۔

249- عبادت کی قبولیت کیلئے ضروری شرط:-

آیۃ مبارک 172 ایمان اور قابلِ قبول عبادتوں کے متعلق ایک کسوٹی کا مقام رکھتی ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں، ''پتہ نہیں ہماری عبادت قبول بھی ہوگی یا نہیں''۔ آیۃ مبارک 172 ایسے لوگوں کے لئے راہنمائی بہم پہنچاتی ہے۔ اس آیۃ مبارک میں عبادت کی قبولیت کو حلال و پاکیزہ رزق کے کھانے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے سے مشروط کر دیا ہے یعنی اگر کوئی آدمی حرام اور مکروہات کھاتا ہے، اور ناشکرا بندہ بھی ہے تو ایسے آدمی کی عبادت بے معنی ہوگی۔ اس معیار کے مطابق آپ اپنے ذرائع آمدنی اور رب تعالیٰ کے لئے شکر یہ کے جذبات کی نسبت سے اپنی نمازوں، روزہ، حج اور عمروں کی قبولیت کا خود ہی اندازہ کر سکتے ہیں۔

آیہ مبارک 172 میں اللہ تعالیٰ کے شکر کی طرف خاص طور پر متوجہ کیا گیا ہے۔ ایک شکر گزار بندے کا دل رب تعالیٰ کی محبت اور احسان مندی کے احساس سے بھرا ہوتا ہے۔ وہ نعمتوں کو اپنی محنت اور قابلیت کا کمال نہیں سمجھتا ہے بلکہ رب تعالیٰ کا فضل جانتا ہے اور دوسرے لوگوں پر خرچ کرنے میں خوشی محسوس کرتا ہے۔ نعمت پر شکر ادا کرنا دراصل منعم کو تسلیم کرنا ہے۔ اللہ کے حبیب ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص بندوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ اپنے رب کا شکریہ بھی ادا نہیں کرسکتا۔ اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرنا اور اس کی نسبت سے بندوں کا شکریہ ادا کرنا ہر اچھے مسلمان کا شیوہ ہے۔

شکر گزار بندہ کنجوس نہیں ہوتا، وہ قاسم ہے جسے دینے میں راحت ملتی ہے، اور وہ حلال و حرام میں بے حد محتاط ہوتا ہے۔ اسی ضمن میں اگلی چند آیات میں حلال اور حرام کی مزید تشریح کی گئی ہے۔ فرمایا......

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيۡكُمُ	173- بے شک ہم نے حرام کیا اوپر تمہارے
الۡمَيۡتَةَ وَالدَّمَ وَلَحۡمَ الۡخِنۡزِيۡرِ	مردار، اور خون، اور سوٴر کا گوشت،
وَمَاۤ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيۡرِ اللّٰهِ	اور ہر وہ چیز جو تم غیر اللہ کے لئے نامزد کرتے ہو۔
فَمَنِ اضۡطُرَّ غَيۡرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ	ہاں جو بے بس ہو، اور اپنی خواہش نفس کے لئے نہ کھائے، اور نہ بلا ضرورت، تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔
فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَيۡهِ	
اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۝	بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا، بے حساب رحم کرنے والا ہے۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ يَكۡتُمُوۡنَ	174- تحقیق جو لوگ چھپاتے ہیں، جو کچھ اللہ تعالیٰ نے
مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنَ الۡكِتٰبِ	الکتاب (قرآن کریم) میں نازل کیا، اور مول
وَيَشۡتَرُوۡنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيۡلًا ۙ	لیتے ہیں اس سے مول تھوڑا، وہ لوگ اپنے پیٹوں
اُولٰٓئِكَ مَا يَاۡكُلُوۡنَ فِىۡ بُطُوۡنِهِمۡ اِلَّا النَّارَ	میں آگ کے انگارے بھرتے ہیں۔
وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ	اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سے بات نہیں کرے گا۔
وَلَا يُزَكِّيۡهِمۡ ۖۚ وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ۝	اور نہ انہیں (گناہوں سے) پاک کرے گا۔ اور ان کے لئے عذاب الیم ہے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ
بِالْهُدٰى
وَ الْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ
فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ۝

175- یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے برائی کو خریدی اور مغفرت کے بدلے عذاب (خریدا)، پس وہ آگ پر صبر نہیں کر سکیں گے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ؕ
وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِي الْكِتٰبِ
لَفِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ ۝

176- یہ اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو حق کیساتھ کتاب نازل فرمائی۔ اور بے شک جنہوں نے کتاب میں اختلاف کیا وہ حق وصواب سے بہت دور، انتہائی ضد اور گمراہی میں مبتلا ہیں۔

250- خصوصی حرام:-

پہلے دی گئی آیات میں پاکیزہ اور حلال چیزوں کے کھانے کی تاکید کی گئی تھی۔ اب آیۃ مبارکہ 173 میں بات کو قطعی طور پر واضح کر دیا ہے اور ان حرام اشیاء کی تفصیل بتادی گئی ہے جن سے مکمل اجتناب فرض ہے البتہ اگر بھوک یا پیاس سے جان کا خطرہ ہو تو محض جان بچانے کی خاطر قلیل مقدار میں کھا پی سکتا ہے۔ اس حالت میں بھی اگر رغبت سے کھالیا تو گنہگار ہو گیا۔ آیت مبارکہ میں دی گئی حرام اور حلال کی تمیز دراصل اسلامی تشخص کے لئے بھی نہایت ضروری ہے۔ خصوصاً ایک ایسا معاشرہ جس میں مسلم اور غیر مسلم ساتھ ساتھ رہتے ہوں وہاں ان کے درمیان پہلی بڑی تمیز ان کا کھانا پینا ہی ہے۔ چنانچہ جو مسلمان غیر مسلم ممالک مثلاً یورپ، امریکہ، چین، جاپان، روس وغیرہ میں بغرض کاروبار جاتے ہیں یا وہاں رہتے ہیں اگر وہ خوراک کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر سختی سے عمل کریں گے تو ان کے لئے یہ مانند جہاد ہے۔

251- حرام اشیاء اور سائنس:-

قطعی حرام چیزوں میں پہلی چیز مردار ہے۔ ہر وہ جاندار جو اسلامی طریقہ سے ذبح نہ کیا گیا یا خود بخود مر گیا تو وہ مردار ہے۔ چونکہ مردار کے کھانے کی ممانعت رب کائنات کی طرف سے ہے اس لئے روحانی لحاظ سے تو یہ موت ہے لیکن میڈیکل سائنس کے نقطہ نظر سے بھی مردار کا کھانا بے شمار قسم کی بیماریوں کا باعث ہے۔ اس کے برعکس ذبح کے ساتھ خون بہانا لازمی ہے جو اپنے ساتھ جسم کے اندر کے تمام جراثیم اور بیماری کے محرکات کو بھی بہا کر باہر لے جاتا ہے اس لئے ذبح کا کھانا طبی لحاظ سے بھی ضروری ہے اور اس بات کو اب مغربی حکماء بھی ماننے لگے ہیں۔

مردار کے بعد حرمتِ خون کا ذکر ہے۔ جیسے پہلے کہا گیا ہے کہ اسکے کھانے سے روحانی نقصانات تو ضرور ہوں گے لیکن طبی نقصانات بے شمار ہیں۔ مثلاً خون ہی میں تمام جراثیم پرورش پاتے ہیں اور بیمار جانور کا انتہائی تھوڑی مقدار میں خون بھی اس کی بیماری کو اپنے ساتھ ساتھ لئے پھرتا ہے۔ یوں قرآن کریم میں خون کی حرمت ایک سائنسی معجزہ ہے جس کا صحیح ادراک 20ویں صدی میں خوردبین کی ایجاد کے بعد ہوا کہ بیماری پھیلانے کے لئے جراثیم بھرے خون کا ایک قطرہ بھی کافی ہے۔ خون کی حرمت جانوروں کے لئے بھی رحمت ہے۔ اس سے پہلے زندہ جانور کی رگوں سے خون پینے کا عام رواج تھا جو ان بے زبانوں پر بہت بڑا ظلم تھا۔

خون کی حرمت کے بعد سؤر کے گوشت کے قطعی حرام ہونے کا حکم ہے۔ چونکہ ممانعت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اس لئے اس میں کسی طرح کا اشتباہ نہیں ہونا چاہیے کہ اس کا کھانا روحانی ترقیوں کے لئے سم قاتل ہے۔ کھانے والوں میں حیوانی خصوصیات بڑھتی جائیں گی جس کا ثبوت سؤر کھانے والی اقوام کی انفرادی اور خاندانی زندگی کا مشاہدہ ہے۔

بعض اوقات پوچھا جاتا ہے کہ سؤر کو حرام قرار دینے کی کیا وجہ ہے۔ ایک مسلمان کے لئے تو یہی کافی ہے کہ یہ رب کائنات کا حکم ہے اس لئے ایمان کا تقاضا یہی ہے کہ اس حکم پر بلا چوں و چرا عمل کیا جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم بھی حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ روحانی اثرات اپنی جگہ پر بالکل صحیح ہیں لیکن جدید سائنس نے ثابت کیا ہے کہ سؤر کا گوشت باقی جانوروں کے گوشت سے انسانی صحت کے لئے زیادہ مضر ہے۔ مغرب میں بہت ساری بیماریاں خصوصاً دل اور جلدی بیماریوں کی زیادتی کی ایک بڑی وجہ سؤر کا گوشت بتائی جاتی ہے اس میں اس قدر کولسٹرال (Cholestrol) کی مقدار ہے وہ کسی اور گوشت میں نہیں پائی جاتی۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ سب سے زیادہ جراثیموں کی آماجگاہ بھی سؤر کا گوشت ہے۔ اس کے علاوہ گائے، بیل، بھینس، بکری کے مقابلہ میں یہ جانور انتہائی غلیظ ہے حتیٰ کہ اپنی غلاظت بھی کھا لیتا ہے یہ بذات خود اسکی گندگی کا ثبوت ہے لیکن اس کے علاوہ سؤر کی بے حیائی بھی مشہور ہے۔ اب جدید سائنس نے یہ ثابت کیا ہے کہ ماحول کا انسان کے کردار پر بہت زیادہ اثر پڑتا ہے۔ چونکہ انسان کے لئے کھانا پینا ماحول سے بھی قریب تر ہے اس لئے سؤر کا گوشت کھانے والی اقوام میں اسی کی طرح بے حیائی اور شہوت کی عادات پیدا ہونا قدرتی بات ہے۔ اگر یورپ، امریکہ، روس، چین، جاپان وغیرہ کے ممالک کے لوگ سؤر کھانا بند کر دیں تو نسبتاً بہتر ہو جائیں گے۔ یہ سوال کہ اگر وہ سور نہ کھائیں تو خوراک کی کمی ہو جائے گی اسکا جواب مسلمان ممالک کی مثال سے دیکھ لیں حالانکہ وہ نسبتاً غریب ملک ہیں لیکن سور نہ کھانے کی وجہ سے وہ قحط زدہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ بے شک بہت بہتر بدلہ دینے والا ہے۔ رہی یہ حجت کہ اگر سور اسی قدر برا ہے تو اسے پیدا ہی کیوں کیا گیا ہے؟ اس کا ایک جواب تو یہی ہے کہ اس میں مومن اور کافر کا امتحان ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی کوئی بھی مخلوق بلا مقصد نہیں۔ اسی ضمن میں جنگلی سور بھی بہت سے ایسے کام سرانجام دیتا ہے جو حیوانی اور نباتاتی زندگی کے لئے ضروری ہیں۔

چوتھی حرمت ان تمام اشیاء کی ہے جو غیر اللہ کے لئے نامزد کر دی جاتی ہیں۔ اس میں غیر اللہ کے نام پر قربانیاں، چڑھاوے، نیازیں اور نذرانے سبھی شامل ہیں۔ افسوس کہ کچھ نام نہاد مسلمان بے دینوں سے بھی زیادہ اس گناہ میں ملوث ہیں، اس لئے کہ بے دین کا عمل اگر اللہ تعالیٰ کیلئے نہیں تو کسی اور کے لئے بھی نہیں ہوتا لیکن توہم پرست مذہبی لوگوں نے اکثر کوئی نہ کوئی نام نہاد خدا بنایا ہوتا ہے جس کے نام پر وہ نذرانے چڑھاتے ہیں اور قربانیاں کرتے ہیں، حالانکہ یہ سب حرام ہیں۔

علاوہ ازیں رشوت، چوری، ڈاکہ اور بے شمار قسم کی کرپشن (Corruption) اور سودی کاروبار وغیرہ جو سراسر حرام ہیں آج کل مسلمانوں میں کفار سے بھی زیادہ ہیں۔ یہ سب سؤر کا گوشت کھانے بلکہ اس سے بھی بدتر گناہ ہیں لیکن افسوس کہ اس طرف بہت کم توجہ دی جاتی ہے۔

ذبح کرتے ہوئے سنت کے مطابق چھری پھیرنا اور اللہ تعالیٰ کا نام لینا ذبح کے لوازمات میں شامل ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیا گیا اور یونہی چھری پھیر دی گئی تو پھر بھی حرام ہو گیا لیکن اگر کسی اور کے نام پر چھری پھیری تو حرام کے ساتھ ساتھ شرک بھی ہو گیا جو گناہ کبیرہ ہے۔ افسوس کہ آج کل ذبح کرنے والے اکثر بے علم اور غیر محتاط لوگ ہیں خصوصاً بازاروں میں جس طرح مرغیاں ذبح کی جاتی ہیں وہ انتہائی افسوسناک بات ہے۔ ایسے میں گاہک پر فرض ہے کہ وہ خود جانور کو صحیح طرح سے ذبح کروائے یا خود ذبح کرے۔ ہوٹلوں کے مالکوں پر بھی یہی احتیاط لازم ہے۔

252- مجبوری اور حرام:-

کھانے پینے میں حرام اور حلال کی تمیز دراصل مسلم اور غیر مسلم میں فرق کو نمایاں کرتی ہے لہٰذا ان مسائل میں جس قدر بھی احتیاط کی جائے کم ہے لیکن جب کوئی اور خوراک میسر نہ ہو، بھوک سے مر جانے کا واقعی خطرہ ہو یا شدید نقاہت کا امکان ہو تو ایسے حالات میں زندگی بچانے کیلئے حرام چیز کے کھانے کی رعایت دی گئی ہے۔ یعنی زندگی جانے کا خطرہ ہو تو اس وقت حرام کی قید ساقط ہو جاتی ہے یہ ایسے ہی ہے جیسے سخت بیماری کے وقت روزے پر اصرار گناہ ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک انسانی زندگی سب سے زیادہ محترم ہے۔

253- سؤر سے بڑے حرام:-

آیۃ مبارکہ 174 واضح کرتی ہے کہ سؤر، مردار، خون اور غیر اللہ کے نام ذبیحہ یا نذرانے کی حرمت سے بھی بڑا حرام اللہ کے پیغام کو چھپانا اور دنیاوی فوائد کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کے دین کو نظر انداز کرنا ہے اس حکم میں لوگوں کو احکام الٰہی کی تعلیم نہ دینا، غلط فتوے دینا اور اللہ تعالیٰ کی شریعت کی جگہ کسی اور شریعت کا نفاذ شامل ہے۔ جو لوگ ان جرائم کے مرتکب ہوتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں اور ان کی سب سے بڑی سزا یہ ہے کہ رب العزت قیامت کے دن ان سے بات تک بھی نہیں کرے گا، جب سارے عالم کی مغفرت ہو رہی ہوگی یہ بدبخت اللہ کی عام معافی سے بھی محروم رہیں گے۔ (استغفر اللہ)

اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ وہ نہ صرف خود گمراہ ہوئے بلکہ دوسروں کو بھی ہدایت سے روکنے کا باعث بنے۔ اگرچہ وہ حق کی حقیقت کو سمجھتے تھے لیکن اپنے ذاتی جاہ وجلال اور دنیاوی فوائد کے لئے انہوں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب پر عمل سے لوگوں کو روکا، اسلام میں اختلافات کا باعث بنے۔ اسلامی شریعت کے نفاذ کی راہ میں روڑا اٹکاتے رہے، بے حیائی کا جال پھیلاتے رہے، اسلام کے شعار کا مذاق اڑاتے رہے یہ دنیا پرست رہنما، دانشور، سیاستدان، مشائخ اور فرقہ پرست حق کو چھپانے کا باعث بنے، قیامت کے دن ان کا حشر سؤر اور مردار کھانے والوں سے بھی بدتر ہوگا۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے مغفرت کے بدلے عذاب خریدا، ان کے لئے دوزخ کی آگ یقینی ہے جسے وہ ہرگز برداشت نہ کرسکیں گے۔ (استغفراللہ)

اس لئے ہمیں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ حرام کے قریب بھی نہ جائیں۔ جبکہ سور کا گوشت، مردار، خون اور غیر اللہ کے نام پر ذبح ذاتی حیثیت میں حرام ہیں کرپشن، چوری، ڈاکہ، سود اور دیگر غیر شرعی طریقوں سے کمائی ہوئی دولت اپنی صفاتی حیثیت میں حرام ہیں۔ ان کے علاوہ دین کی تعلیم حاصل نہ کرنا، اپنے بچوں کو دین کی تعلیم سے محروم رکھنا، یہ بھی حق کو چھپانے کے زمرے میں آتا ہے جو شدید تر گناہ ہے اور نتیجہ تباہی ہی تباہی ہے۔

اگلی آیۃ مبارکہ میں ایسے منافقوں کی یہ نشانی بتائی جارہی ہے کہ وہ دین کے ظاہر پر تو بہت زور دیتے ہیں لیکن باطنی کیفیات کو اہمیت نہیں دیتے۔ فرمایا......

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ	177- بھلائی یہ نہیں کہ تم اپنے منہ
قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ	مشرق اور مغرب کی طرف پھیرلو،
وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ	بلکہ اصل بھلائی اس نے کی، جو ایمان لایا اللہ تعالیٰ پر،
وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ الْكِتٰبِ	اور یوم آخرت پر، اور (ایمان لایا) فرشتوں پر،
وَالنَّبِيّٖنَ ۚ	اور کتاب (اللہ) پر، اور نبیوں پر،
وَ اٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى	اور دیا اپنا مال اس (اللہ) کی محبت میں،
وَالْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنَ	قرابت والوں اور یتامیٰ اور مساکین اور
وَ ابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَ السَّآئِلِيْنَ وَ فِى الرِّقَابِ ۚ	راہ چلتے مسافروں اور سوال کرنے والوں کو،
وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ	
وَ الْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ	

وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ○	اورلوگوں کو آزادی دلانے کے لئے۔ اورانہوں نے صلوٰۃ قائم کی اور زکوٰۃ اداکی ۔ اور جب وہ عہد کریں تو اپنے عہد کو پورا کرنے والے ہیں۔ اورصبر کرنے والے ہیں تنگ دستی اور بھوک میں، بیماری میں اور حالت جنگ میں، بس یہی ہیں وہ لوگ جنہوں نے (اپنا اسلام) سچ کردکھایا، اور یہی وہ لوگ ہیں جو دراصل متقی ہیں۔

254- صحیح اسلام کے بنیادی اصول:-

آیۃ مبارکہ 177 دین اسلام کی اہم ترین اساسی آیات میں سے ایک ہے۔ اس میں دین کے سولہ بنیادی امور اور پانچ اصولوں کو بیان کیا گیا ہے۔ جن پر چل کر آدمی صدق اور تقویٰ کے مقامات حاصل کرسکتا ہے۔

اس فرمان سے کہ بھلائی مشرق اور مغرب کی طرف منہ کرنے میں نہیں جولوگ، رسم ورواج کو نیکی سمجھتے ہیں ان کی نفی کردی۔ مسلمانوں کے لئے اقوام مغرب اور اقوام مشرق کی پیروی کے متعلق بھی بتادیا کہ اس میں بھی ان کے لئے کوئی بھلائی نہیں۔ اسی طرح جولوگ رسومات (Rituals) اور دین کے ظاہر میں مبالغہ کرتے ہیں مثلاً کعبہ کی سمت کی سیدھ ، نمازوں میں ہاتھ کہاں رکھے جائیں وغیرہ وغیرہ کے سلسلے میں سختی کرتے ہیں ان کی اس سختی کی بھی نفی کردی۔ یہود اور نصاریٰ جو بیت المقدس کی طرف سے کعبۃ اللہ کی طرف قبلہ کی تبدیلی سے نالاں تھے انہیں بھی سمجھادیا گیا کہ تمام اطراف اور سمتیں اللہ تعالیٰ کی ہیں، اس لئے یہ باتیں جھگڑا کرنے اور اختلاف کی نہیں بلکہ دین تو حقوق اللہ اور حقوق العباد کو اچھی طرح ادا کرنے کا نام ہے۔ جن کی تفصیل آیۃ مبارکہ 177 میں دی گئی ہے۔ صحیح اعتقاد اور نیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر اور عبادت حقوق اللہ ہے، اور اللہ اور اسکے رسول کی ہدایت اور طریقوں پر چلتے ہوئے انسانیت کی فلاح کے لئے کام کرنا حقوق العباد کو پورا کرنا ہے۔ یہ دونوں دین کی گاڑی کے پہیے ہیں۔

ایمان ← صلوٰۃ ← حقوق اللہ

اعمال ← زکوٰۃ ← حقوق العباد

255- اصل نیکیاں:-

آیتہ مبارکہ 177 سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ نیکی کی بنیاد صحیح عقیدہ ہے جس میں اولین دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ، یوم آخرت، فرشتوں، اللہ کی کتاب اور اس کے نبیوں کی سچائی پر پختہ ایمان رکھنے میں ہے۔ظاہری عبادات کتنی بھی کیوں نہ ہو اگر باطن میں خوبصورتی نہیں تو کچھ بھی نہیں۔یعنی عقیدہ کا ٹھیک ہونا بہت بنیادی بات ہے یعنی صحیح ایمان دین کی اولین شرط ہے۔

ایمان کے بعد اہمیت اعمال کی ہے اس لئے کہ صالح اعمال ایمان کے اخلاص کی پہچان ہیں۔یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں ہمیشہ "ایمان اور اعمال" کے جوڑے کا اکٹھے ذکر آتا ہے۔(امنوا وعملوا الصٰلحٰت)۔

اعمال میں اولین اہمیت حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ہے۔بندے پر اللہ تعالیٰ کا یہ حق ہے کہ وہ احسن طریقہ سے اسکی عبادت کرے اور اسکا نام بلند کرنے کے لئے جدو جہد کرتا رہے۔اس پر دیگر انسانوں کے لئے یہ حقوق ہیں کہ ان کی بہتری کے لئے کوشش کرے، انہیں ایذا دینے سے بچے، مشکل میں ان کی مدد کرے اور یہ کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے روشناس کروائے تا کہ وہ دوزخ کی آگ سے بچ جائیں۔

حقوق للہ اور حقوق العباد دونوں میں اول درجہ اللہ کی محبت میں مال خرچ کرنے کو حاصل ہے۔درحقیقت اللہ تعالیٰ پر سچے ایمان کا ٹیسٹ ہی یہی ہے کہ اس کی محبت میں آدمی کس قدر اپنا مال خرچ کرتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی محبت کا عملی ثبوت اپنے مال سے محبت کی نفی میں ہے۔

256- مال کے خرچ کے حق دار:-

مال کیسے خرچ کیا جائے اور کن پر خرچ کیا جائے، آیتہ مبارکہ 177 میں پہلی ترجیح اپنے قرابت داروں کو دی گئی ہے۔پھر یتامی مساکین اور مسافروں کی بہتری کے لئے خرچ کرنے کو کہا گیا ہے اور جو لوگ کسی حاجت کے لئے سوال کرتے ہیں ان کی مدد کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔

ان کے علاوہ ایک اور خاص مصرف لوگوں کو غلامی سے آزادی دلانے کے لئے ہے۔پوچھا جاسکتا ہے کہ اب جبکہ غلامی کا رواج ختم ہو چکا ہے اس حکم پر عمل کیسے ہو۔حقیقت یہ ہے کہ غلامی ختم نہیں ہوئی صرف اس کی شکل بدل گئی ہے۔پہلے زمانہ میں فرد غلام ہوتے تھے اب تو پوری کی پوری قوم غلام بنالی جاتی ہے۔اسی طرح مقروض لوگوں کو جس طرح قرض خواہ غلام بناتے ہیں اور جاگیردار طبقہ نے اپنے ہاریوں کو غلام بنایا ہوا ہے، آجر اجیر کا استحصال کرتا ہے یہ غلامی کے جدید طریقے ہیں۔ان کی امداد، آزادی کے لئے جدوجہد اور مالی مدد کرنا مسلمانوں پر فرض ہے۔دراصل مظلوموں کو ظالموں کے پنجوں سے آزاد کرانے کے لئے جو کچھ بھی خرچ کیا جائے گا وہ اللہ کی راہ میں جہاد ہے۔

جہاں تک یہ سوال کہ لوگوں پر مال کیسے خرچ کیا جائے شریعت میں اس کے متعلق بھرپور رہنمائی موجود ہے۔ بہترین مصرف ایسے انتظامات کرنے میں ہے جن سے حاجت مند کی حاجت کا مستقل طور پر تدارک ہو جائے۔ مثلاً پیاسوں کو پانی پلانا بڑی نیکی ہے لیکن ان کے لئے کنواں بنانا اس سے بھی بڑی چیز ہے۔ اسی طرح غریب کے روزگار کا انتظام کرنا صدقہ جاریہ ہے جسکی فضیلت وقتی امداد سے بہت زیادہ ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اسلام کے نزدیک گداگری ایک قبیح گناہ ہے، لیکن یہ برائی شرمناک حد تک مسلمانوں کے شہروں میں پھیلی ہوئی ہے۔ اس کی بھی بڑی وجہ یہ ہے کہ اہل ثروت غرباء کی مستقل بحالی کے لئے تو کچھ نہیں کرتے، البتہ کسی کو چند روپے دیکر اپنے جذبہ سخاوت کی تسکین کر لیتے ہیں حالانکہ ان کے اس جذبہ سے گداگری کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔

257- اللہ کی محبت میں مال خرچ کرنے اور زکوٰۃ میں فرق:-

آیہ مبارکہ 177 میں اللہ تعالیٰ کی محبت میں مال خرچ کرنے کے احکام کے بعد صلوٰۃ کے قیام اور زکوٰۃ کی باقاعدہ ادائیگی کا ذکر ہے۔ قابل غور بات یہ ہے صلوٰۃ اور زکوٰۃ کا ذکر قرآن کریم میں اکٹھا جوڑے کے طور پر آتا ہے۔ (اَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃ) جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صلوٰۃ بلا زکوٰۃ اور زکوٰۃ بلا صلوٰۃ قبول نہیں ہوں گے۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ آیہ مبارکہ 177 میں پہلے اللہ تعالیٰ کی محبت میں مال خرچ کرنے کا اور پھر زکوٰۃ کا ذکر ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ زکوٰۃ اور اللہ کی راہ میں خرچ دونوں کے معنی مختلف ہیں۔ دراصل زکوٰۃ تو لازمی فرائض میں شامل ہے۔ اس کی شرح ڈھائی فیصد سالانہ مقرر ہے اور اس کا ادا نہ کرنا گناہ ہی نہیں بلکہ اسلامی حکومت میں ایک سنگین جرم بھی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے زکوٰۃ کے علاوہ مزید خرچ کرنا اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے اور باعث بلند درجات ہے۔ زکوٰۃ کی فرضیت ہی میں یہ بھی شامل ہے کہ اسکے لئے باقاعدہ نظام قائم کیا جائے یہ ہر اسلامی حکومت کا اولین فرض ہے۔ اگر حکومت یہ کام نہیں کرتی تو پھر مسلمانوں پر فرض ہو جاتا ہے کہ وہ نظام زکوٰۃ قائم کریں۔ بیت المال کی اساس ہی نظام زکوٰۃ ہے۔ اگرچہ صدقات کے لئے اس طرح کے محکم نظام کی ضرورت نہیں لیکن اگر بیت المال قائم ہو جائے تو پھر صدقات کو بھی وہاں جمع کرانا احسن ہوگا۔

اس دور میں یہ بھی غنیمت ہے کہ مسلمان مساجد میں نظام صلوٰۃ تو قائم کئے ہوئے ہیں لیکن افسوس کہ نظام زکوٰۃ یعنی بیت المال کے نظام کو قائم کرنے کی طرف توجہ نہیں دی گئی حالانکہ وہ بھی اسی طرح فرائض میں شامل ہے۔ مسلمانوں کی بے شمار معاشرتی اور معاشی کمزوریوں کا حل نظام زکوٰۃ قائم کرنے میں ہے۔

258- وعدہ وفائی:-

آیہ مبارکہ 177 میں فرمایا گیا ہے کہ ایمان کی پختگی، اللہ کی راہ میں مالی قربانی اور صلوٰۃ وزکوٰۃ کے علاوہ مومن کا ایک اور طرہ امتیاز یہ ہے کہ "وہ جب وعدہ کرتا ہے تو اپنے عہد کو پورا کرتا ہے"۔ اس میں سب سے پہلے وہ عہد ہیں جو ہم اللہ تعالیٰ سے کرتے ہیں۔ جیسے کلمہ طیبہ کی دل و جان سے شہادت کے بعد اس میں مضمر فرائض کی ادائیگی ہے۔ لیکن بہت سے عہد انسانوں کے باہمی معاملات کے متعلق ہیں۔ حکم یہ ہے کہ اگر وعدہ کرتے ہو تو پورا کرو۔ یہ معاشرہ کی مضبوطی کے لئے بنیادی اصل ہے۔ انسانوں کے باہمی معاملات، گھریلو تعلقات، حکومت کے کاروبار تبھی احسن طریقہ سے چل سکتے ہیں اگر لوگ اور ادارے اپنے اپنے وعدے پورے کریں۔ جہاں عہد کا پاس نہیں وہاں باہمی اعتبار ناممکن ہے اور یہاں باہمی اعتبار نہیں وہاں امن وامان، کاروبار کی ترقی باہمی اعتماد اور بھائی چارہ ناممکن ہے۔ لہٰذا وعدہ کا پورا کرنا اپنی مجموعی اور انفرادی حیثیت میں مسلمان کے فرائض میں شامل ہے۔

اس ضمن میں ایک وعدہ وہ بھی ہے جو سورۃ فاتحہ میں "**ایاك نعبد و ایاك نستعین**" کہہ کر آدمی اپنے رب سے نمازوں میں کرتا ہے، کہ ہم صرف تیری ہی عبادت کریں گے اور صرف تجھی سے مدد کے طلب گار ہوں گے"۔ لیکن افسوس کہ مسلمانوں نے آج کل رب کائنات کے مقابلہ میں بہت سے دیگر خدا بھی بنا رکھے ہیں جن سے وہ مدد بھی مانگتے ہیں اور ان کی غلامی بھی کرتے ہیں حتیٰکہ وہ کفار کی اتباع اور غلامی میں بھی پیش پیش ہیں۔

یہ بات بھی یاد رہے کہ وعدہ خلافی کفر کی نشانی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ" آدمی کے منافق ہونے کے لئے یہی بات کافی ہے کہ جب وہ وعدہ کرتا ہے تو وعدہ خلافی کرتا ہے"۔ وعدہ پورا نہ کرنے سے بہت بہتر ہے کہ آدمی وعدہ نہ کرے بلکہ یہ کہہ دے کہ "میں کوشش کروں گا، وعدہ نہیں کرسکتا"۔ بعض لوگ آج کل انشاء اللہ کا استعمال اسلئے کرتے ہیں کہ ان کی نیت ہی اس کام کو کرنے کی نہیں ہوتی۔ اگر ایسا ہے تو یہ بہت بڑا گناہ ہے۔

وعدہ ہی کے ضمن میں عبادات کے لئے نیت کا باندھنا ہے یعنی نماز پڑھنے کی نیت، روزہ رکھنے کی نیت یا روزہ کھولنے کی نیت، اللہ تعالیٰ سے وعدے ہیں۔ پہلے ہم وعدہ کرتے ہیں اور پھر اس پر عمل کرتے ہیں۔ یاد رہے کہ نیت کے بغیر عمل بے فائدہ ہے۔

259- مصائب میں صبر:-

آیہ مبارکہ 177 یہ بھی بتاتی ہے کہ مسلمانوں کا ایک طرہ امتیاز یہ ہے کہ "وہ صبر کرنے والے ہیں"۔ حالت امن، حالت جنگ، غرض ہر قسم کی مصیبت میں وہ صبر کرتے ہیں۔ ان میں تحمل اور برداشت کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوتا ہے۔ حالات کیسے بھی کیوں نہ ہوں، مومن حوصلہ نہیں ہارتا مصائب میں شور وغوغا، شکایات کرنے اور مایوس ہونے کی بجائے عزت اور وقار کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بھروسے ان کا مردانہ وار مقابلہ کرتا ہے اور مستقل مزاجی سے راہ حق پر ڈٹا رہتا ہے۔ (سورۃ عمران کی آیت 200 میں اس مضمون کی مزید تشریح کی گئی ہے)

آیتہ مبارکہ کے آخر میں ایک بہت بڑی خوشخبری ہے کہ "مندرجہ بالا صفات والے لوگ ہی ہیں جنھوں نے اپنے اسلام کو سچ کر دکھایا ہے، یہی لوگ دراصل اسلام کے سچے پیروکار اور اللہ تعالیٰ کے محبوب پرہیزگار بندے ہیں"۔ آیئے کہ ان صفات کے مقابلہ میں ہم اپنی صفات پر بھی غور کرلیں تاکہ پتہ چل سکے کہ ہم کس درجہ کے مسلمان ہیں۔ اور جہاں جہاں کمی ہو اسے دور کردیں۔

اس سے اگلی آیتہ مبارکہ میں ایک عمدہ معاشرہ کی کچھ خصوصیات کا ذکر فرمایا گیا ہے، جن پر عمل کرکے لوگ خوف سے نجات حاصل کرسکتے اور امن وامان کی زندگی پاسکتے ہیں۔ انسانی معاشرہ میں سب سے بڑا جرم قتل ہے۔ آیتہ مبارکہ 178 میں اس خوفناک جرم سے نپٹنے کا قانون دیا جارہا ہے۔ فرمایا......

178- يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِى الْقَتْلٰى ؕ
اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ
وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ
وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ
فَمَنْ عُفِىَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَىْءٌ
فَاتِّبَاعٌ ۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ
ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ؕ
فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ
فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم پر فرض کیا گیا قصاص قتل میں۔
آزاد آزاد سے،
اور غلام غلام سے،
اور عورت عورت سے،
پھر جو کوئی معاف کیا گیا،
اس کے لئے اپنے بھائی کی طرف سے کچھ حق ہے۔
پس اتباع کرو بھلائی کے ساتھ
اور ادا کرو اسکی طرف احسان کے ساتھ،
یہ تمہارے رب کی طرف سے کمی اور آسانی ہے،
اور یہ رحمت (خداوندی) ہے۔
پھر اس کے بعد بھی جو زیادتی کرے،
اس کے لئے سخت دردناک عذاب ہے۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ○

179- اور اے عقل وشعور والو! تمہارے لئے قصاص میں حیات ہے۔ تاکہ تم میں اللہ تعالیٰ کا خوف اور ڈر پیدا ہو جائے۔

260- ناحق قتل، گھناؤنا ترین جرم ہے:-

انسانی قتل سے زیادہ کوئی ہولناک جرم نہیں۔ اگر اس ہیجان خیز جرم کا کوئی قابل قبول تصفیہ نہیں ہوتا تو اس کے اثرات کے تحت لوگ مدتوں انتقام کی آگ میں جلتے رہتے ہیں۔ یہ آگ تبھی بجھ سکتی ہے کہ قتل کو معمولی جرم نہ سمجھا جائے اس کی پوری پوری پیروی کی جائے اور پھر اچھی طرح واضح عدل ہو۔ ایسا عدل جو بے لاگ ہو، بلاتفریق ہو، نظر آئے اور جرم کی حوصلہ شکنی ہو اور اس کا مقصد پائیدار امن ہو۔ یہ قصاص ہے۔

لیکن مشرق اور مغرب میں کوئی بھی انسانی بنایا ہوا قانون ان مقاصد کو پورا نہیں کرتا۔ بہت سے مغربی مما لک میں قتل کے بدلے قتل کی سزا کو منسوخ کر دیا گیا ہے اور مشرق کے اکثر مما لک میں قتل کی سزا قتل ہے۔ یوں یہ دونوں قانون انتہا پر ہیں۔ اول الذکر قاتل کی حمایت کرتا ہے اور دوسرا اسے توبہ اور اصلاح کا موقع نہیں دیتا ہے۔ ہر دو صورتوں میں مقتول کے وارثوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا ہے لیکن قاتل کے ورثا عذاب میں مبتلا رہتے ہیں۔ یہ بھی ہوتا ہے کہ زبردست لوگ قتل کر کے بچ جاتے ہیں اور اگر پکڑے بھی جائیں تو کسی بے گناہ غریب یا اپنے ہی کسی نوکر چاکر کو اپنی جگہ پھنسا دیتے ہیں۔ اسی طرح بعض معاشروں میں عورت کے جرم کو نرم سمجھا جاتا ہے اور اس کے برعکس بعض میں مرد اگر عورت پر ظلم کرے تو اس کو قرار واقعی سزا نہیں ملتی۔ چنانچہ کوئی معاشرہ بھی اس گھناؤنے جرم کا عادلانہ حل پیش نہیں کر سکا اور یوں قتل ہوتے رہتے ہیں ایک کے بدلے کئی کئی اور بعض دفعہ تو انتقام کا سلسلہ چلتا ہی رہتا ہے۔

261- قانونِ قصاص:-

آیات آیۃ مبارکہ 179-178 میں رب العزت نے قتل اور قتل کے متعلقہ محرکات کا علاج قصاص میں رکھا ہے فرمایا **وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ** قانونِ قصاص کی حیثیت اسلامی تعزیرات میں فرض کی ہے۔ قصاص کا مادہ قص ہے۔ جسکے معنی نقش قدم پر چلنے کے ہیں۔ قصہ اور قصص یعنی کہانی، تاریخ وغیرہ کا مادہ بھی قصص ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مقدمہ قتل کی ہر پہلو سے چھان بین ہو اسکی پوری تاریخ اور محرکات پر غور وفکر ہو، تمام اقدام پر غور ہو تا کہ اصل قاتل اور اسکے ساتھیوں اور اسکے پیچھے چھپے مقاصد تک پہنچا جائے۔ لہٰذا اصل قاتل کو ڈھونڈنا، مقدمہ کی باقاعدہ پیروی، قتل کے محرکات اور قاتل کے ورثاء کے حقوق کا خیال رکھتے ہوئے بلاتفریق اور بے لاگ عدل، اور فیصلہ کے بعد فیصلہ ہوتے نظر آنا تاکہ قاتل کو معقول سزا ہو، مقتول کے وارثوں کو انکا حق مل

جائے اور قتل کے محرکات ختم ہو جائیں، یہ قصاص ہے جس میں عدل کے ساتھ ساتھ مقتول اور قاتل کے ورثاء کی بھی بھلائی کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔

آیت نمبر 179 میں فرمایا گیا ہے "تمہارے لئے قصاص میں حیات ہے"۔ یعنی جہاں یہ قانون نافذ العمل ہوگا وہاں ایک پر امن معاشرہ جنم لے گا۔ ہر قتل کی بلا تفریق خوب تفتیش ہوگی، اگر قاتل نہیں ملتا تو قاتل کے وارث اور اقربا خون بہا کا حق ادا کریں گے، ایک قتل کے بدلے ایک ہی قتل ہوگا نہ کہ ایک کے بدلے کئی قتل ہوں یا ایک کے بدلے کئی لوگ پھانسی پر چڑھا دیئے جائیں، ہاں البتہ اگر شریک جرم زیادہ لوگ ہیں تو سب سے قصاص لیا جائے گا۔ اور یہ سب کچھ صلہ رحمی اور معافی کو سامنے رکھتے ہوئے ہوگا۔ آیۃ مبارکہ 178 میں قصاص کے متعلق مندرجہ ذیل خاص خاص باتیں ہیں۔

1- قصاص کا ماخذ قص یعنی پیچھے پڑ جانا ہے۔ قصہ بھی اسی سے ہے یعنی قصاص کا مطلب یہ ہے کہ قتل کو معمولی جرم نہ سمجھا جائے بلکہ پوری کہانی کی چھان بین کی جائے جب تک حقائق سامنے نہیں آجاتے اس جرم کی خوب پیروی کی جائے۔ اس ضمن میں قاتل کے خاندان والوں کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ قاتل کو ڈھونڈیں ورنہ قصاص ادا کریں۔ یوں قاتل چھپ نہیں سکتا اسلئے کہ چھپانے والے بھی اکثر خاندان والے ہی ہوتے ہیں۔

2- جج صاحبان قاتل کو سزا دیتے وقت معافی اور اصلاح کا پہلو نظر انداز نہ کریں لیکن ورثا کی مرضی بھی معلوم کریں اور ان کی مرضی کو اپنے فیصلہ میں خاص اہمیت دیں۔

3- اگر قاتل پکڑا نہ جا سکے تو قاتل کے خاندان والے مقتول کے خاندان کو خون بہا ادا کریں۔ یہ قتل کے بدلے ایک رقم ہے جو باہمی مشورے سے جج صاحبان متعین کریں گے۔

4- عدل ہو جانے کے بعد چاہیے کہ مقتول کے خاندان والے قاتل کو دل سے معاف کر دیں معاف کر دینا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑا درجہ رکھتا ہے۔ اس لئے معاشرہ اور عدالت کو بھی چاہیئے کہ وہ معافی پر زور دیں اور ورثا بھی اس مسئلہ کو معافی کے ذریعے ہی حل کرانے کی کوشش کریں۔

5- اگر ورثاء معاف کرنے پر راضی ہو جائیں تو اس کے عوض قاتل پر یا قاتل کے ورثاء پر فرض ہے کہ مقتول کے وارثوں کی اس مہربانی کا بہترین بدلہ دیں۔ حکومت بھی قصاص یعنی قتل کے بدلے میں ہدیہ کا تعین کر سکتی ہے لیکن مقتول کے ورثاء مجبور نہیں کیئے جا سکتے۔ ان کی خوشدلی لازمی ہے۔

6- جب ایک دفعہ معاف کر دیا اور قصاص کے مقاصد پورے ہو گئے تو پھر دشمنی اور عناد رکھنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔

7- دونوں فریقین پر فرض ہے کہ قصاص کے بعد وہ تمام دشمنی ختم کریں اور بھائی بھائی بن کر رہیں۔

8- آیہ مبارک کا فرمان ''آزاد آزاد سے، عورت عورت سے اور غلام غلام سے، اس بات کو خوب اچھی طرح واضح کرتا ہے۔ کہ اصل قاتل کے بدلے کسی دوسرے کو سزا نہیں دی جا سکتی۔ عموماً طاقتور لوگ اپنی جگہ کسی کو پکڑا دیتے ہیں۔ اسی طرح عورت اگر قاتل ہے تو اس کو بچانے کے لئے خصوصی کوششیں کی جاتی ہیں۔ قانون بھی اکثر قاتلہ کو رعایت دیتا ہے۔ یہ سخت گناہ کی باتیں ہیں۔ قتل کے بدلے ہر درجہ کے قاتل کو بلا تفریق قانون قصاص کے تحت سزا ملنا ہی اسلام ہے۔ البتہ مقتول کے ورثا کو معاف کر دینے کا حق ہے۔ اور اگر وہ معاف کرنے پر رضا مند ہوں تو پھر قاتل اور اس کے ورثا پر فرض ہے کہ ان کی اس مہربانی کو نہ صرف تسلیم کریں بلکہ جج صاحبان اور مقتول کے ورثا کے فیصلہ کے مطابق خون بہا ادا کریں اور آئندہ دشمنی کو دونوں فریق بھول جائیں۔

262- قاتل اور مقتول بھی باہمی بھائی بھائی ہیں:۔

آیت نمبر 178 میں الفاظ ''جس کے لئے اس کے بھائی کی طرف سے معافی ہو جائے......'' نہایت قابل فکر ہیں۔ مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے۔ آیہ مبارک کا فرمان اس بات کو واضح کرتا ہے کہ اس باہمی بھائی چارہ کے رشتے کو بڑی سے بڑی دشمنی بھی ختم نہیں کر سکتی حتیٰ کہ قاتل اور مقتول کے درمیان بھی یہ رشتہ قائم رہتا ہے۔ اسلئے قصاص کے بعد تمام عناد اور نفرتیں ختم ہو جانی چاہئیں، یہی عین اسلام

ہے۔اسکے بعد دل میں دشمنی اور بغض رکھنا گناہ کی بات ہے۔

263- قصاص میں حیات:-

آیۃ مبارکہ 179 میں یہ فرمان کہ" اے عقل وشعور والو۔تمہارے لئے قصاص میں حیات ہے" کا مطلب یہ ہے کہ قانون قصاص قتل کے محرکات کو ختم کرتا ہے اور پائیدار امن وامان کا باعث ہے یہ نظریہ" دنیا کے تمام ماہرین قانون کے لئے ایک نئی فکر ہے۔اسکا مطلب یہ ہے کہ قتل کو معمولی جرم نہ سمجھا جائے بلکہ اسکے پیچھے پڑ کر تمام پہلوؤں کی پوری پوری تفتیش کی جائے تا کہ کوئی بے گناہ نہ پھنس جائے۔جب قاتل اور قتل کے محرکات واضح ہوجائیں تو پھر مقتول اور اس کے ورثا کے ساتھ پورا پورا انصاف کیا جائے۔لیکن ساتھ ساتھ معافی اور اصلاح کے پہلوؤں کو نظرانداز نہ کیا جائے خصوصاً قاتل کے بچوں کی پرورش اور مقتول کے ورثا کی بہتری اور ان کی رائے کا خیال کیا جائے۔

یوں قانون قصاص یقیناً حیات آفرین قانون ہے۔جس میں مقتول سے انصاف کرنے کی پوری گنجائش ہے اور مقتول کے ورثا اور قاتل کے ورثا کی بہتری بھی شامل ہے۔عام قانون میں قاتل کو پھانسی یا قید ہوجائے پھر بھی دشمنی برقرار رہتی ہے۔اس کے برعکس قانون قصاص دلوں میں اللہ تعالیٰ کا احساس، اسکا خوف اور ڈر اور ساتھ ساتھ قاتل اور مقتول کے ورثا کی بہتری کی سوچ کو اجاگر کرتا ہے۔یوں یہ دشمنیاں مٹاتا ہے اور باہمی محبت اور یگانگت کے جذبات کو بڑھاتا ہے اور پائیدار امن کی ضمانت ہے۔ خون بہا کے ذریعے مقتول کے ورثاء کی تسلی اور مدد بھی ہوجاتی ہے اور قاتل اور اس کے ورثا بھی رنج والم سے بچ جاتے ہیں۔

یعنی قصاص کا مقصد انتقام نہیں بلکہ انتقام کو مٹا کر دونوں خاندانوں کو پرسکون بنانا ہے اور اگر بفرض محال مقتول کے ورثا خون بہا پر متفق نہیں ہوتے تو پھر قاتل کو اسی طرح دی جائے جس طرح اس نے مقتول کو قتل کیا تھا اور یہ سزا بھی مقتول کے ورثاء کے سامنے ہوگی اور اگر وہ چاہیں تو خود بھی سزا دے سکتے ہیں۔اس طرح انتقام کی آگ ٹھنڈی پڑ جاتی ہے۔دنیا میں کسی حد تک قانون قصاص سعودی عرب میں پچھلے پچاس سال سے لاگو ہے۔اس کے اثرات دیکھنے کے لئے اس کے نفاذ سے پہلے اور اس کے بعد سعودی عرب میں جرائم کی شرح کا جائزہ لیں تو ان میں جو حیرت انگیز کمی نظر آتی ہے اس سے 'قصاص میں حیات ہے' والی بات سمجھ آجاتی ہے۔قتل اور قصاص موت کی یاد دلاتے ہیں۔اس لئے اگلی آیات کریمہ میں اس طرف توجہ مبذول کرائی گئی ہے کہ اس سانحہ کے وقت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کردہ اپنی ذمہ داریوں کو مسلمان فراموش نہ کریں۔ فرمایا......

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ
إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ
وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۖ
حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ○

180- (اے مسلمانو) تمہارے اوپر یہ فرض کر دیا
گیا ہے کہ تم میں سے جب کسی کی موت
کا وقت قریب آ پہنچے،
اگر وہ کچھ مال (ترکہ) چھوڑے تو
وصیت کرے اپنے والدین اور اقرباء کیلئے
معقول طریقہ سے۔
یہ واجب ہے پرہیزگاروں پر۔

264- والدین اور اقرباء کیلئے وصیت:۔

اسلام میں والدین اور اقرباء کے حقوق بہت اہم ہیں آیۃ مبار 180 میں احساس ذمہ داری کو جس طرح موت کے کٹھن مرحلہ پر بھی نہ بھولنے کی نصیحت کی ہے وہ مقام کمال ہے۔ اولاد انسان کے دل کے قریب ترین ہے اس لئے اس کی بات نہیں کی گئی لیکن والدین اور اقرباء کے لئے ترکہ میں معقول وصیت کا خصوصی حکم دیا گیا ہے. وارثوں کے لئے جو حصے شریعت نے مقرر کر دیئے ہیں وہ اپنی جگہ ہیں اور وہ انہیں ضرور ملنے چاہئیں لیکن آیۃ مبارکہ 180 کے مطابق اسکے علاوہ بھی اگر مورث چاہے تو مزید کی بھی وصیت کر سکتا ہے۔

ں تک والدین کی ضروریات کا تعلق ہے بیٹا یا بیٹی خوب جانتے ہیں کہ ان پر کس قدر ذمہ داریاں ہیں اور اگر یہ ان کے وسائل سے زیادہ ہیں تو ان کے لئے پھر قانون وراثت میں مقرر شدہ حصہ سے علاوہ کی وصیت بھی کی جا سکتی ہے لیکن جیسے فرمایا گیا ہے وصیت کرتے وقت انصاف اور عدل کے تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھنا بہت ضروری ہے تا کہ کسی کی حق تلفی نہ ہو۔ لہٰذا وصیت میں معقولیت کا دامن چھوڑنا گناہ ہے۔ عام ورثا کے لئے سرور کائنات ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ "وارثوں کے لئے وصیت نہیں"، یہ ایک عمومی حکم ہے لیکن یہ مورث کے وصیت کے اختیار کو منسوخ نہیں کرتا۔ البتہ اس کا یہ مطلب ضرور ہے کہ اس اختیار کے استعمال میں انتہائی احتیاط کی جائے تا کہ کسی کی حق تلفی نہ ہو۔ کسی کے ساتھ بے جا مہربانی نہ ہو جائے۔ یہی شرائط تحفہ اور ہبہ کے لئے بھی ہیں۔ اگر چہ زندگی میں مالک کو اپنی ملکیت کے بیچنے یا کسی کو تحفہ دینے کا پورا پورا اختیار ہے لیکن یہ سب کچھ بھی انصاف اور عدل کے اندر رہ کر ہونا چاہئے تا کہ قانونی ورثاء کے ساتھ زیادتی نہ ہو۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ وصیت والی آیۃ مبارکہ وراثت والی آیات سے پہلے اتری تھیں اس لئے جب وراثت کا حکم نازل ہوا تو وصیت والی بات منسوخ ہو گئی۔ لیکن یہ غلط سوچ ہے۔ اس لئے کہ اللہ کے احکام اٹل ہیں اور اسے پہلے اور بعد کی خوب خبر ہے۔ دراصل آیات وصیت خصوصی ضروریات، ذمہ داریوں اور حقوق کو پورا کرنے کے لئے ہیں جنہیں قانون پورا نہیں کر سکتا۔ مثلاً کسی ایسے

رشتہ دار کا مسئلہ لے لیں جس پر بہت سی ذمہ داریاں ہیں اور انہیں پورا کرنے کے لئے زیادہ وسائل کی ضرورت ہے تو اس کے حق میں وصیت کر کے قانون وراثت کے ذریعے ملنے والے حصہ کی کمی پوری کی جاسکتی ہے۔ اس کے علاوہ قانون وصیت مالک کو اختیار دیتا ہے کہ وہ اپنی زندگی میں اگر کسی خاص وجہ سے کسی کو وراثت سے زیادہ حق دینا چاہے تو دے سکتا ہے البتہ کم نہیں کر سکتا۔ جو لوگ وصیت کے متعلق آیت کو کسی غلط فہمی کی وجہ سے اب منسوخ سمجھتے ہیں انہیں اس پر غور کرنا چاہئے کہ اگر مالک کو اپنی زندگی میں ہبہ یا تحفہ کرنے کا حق حاصل ہے تو وصیت کے ذریعہ وہ کسی کو دے سکتا۔

265- یتیم پوتے اور پوتی کا ترکہ:-

اسی ضمن میں یتیم پوتے پوتیوں کی وراثت کا مسئلہ بھی ہے۔ اسلامی قانونِ وراثت میں ان کے لئے کوئی حصہ مخصوص نہیں کیا گیا ہے اس کی وجہ کیا ہوسکتی ہے؟ کیا ان یتیموں کو وراثت سے محروم کر دیا گیا ہے؟ ایسا نہیں بلکہ آیت وصیت کے ذریعہ دادا دادی کو اختیار دے دیا گیا ہے کہ وہ جتنا چاہیں انہیں دے دیں بلکہ یہ ان کے فرائض میں شامل ہے کہ وہ اپنے پوتے پوتیوں کی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے مرنے سے پہلے ہی ان کے لئے وصیت کر جائیں۔ اسی طرح آیۃ مبارکہ 180 کے مطابق والدین اور اقرباء کے لئے وصیت کرنا بھی ہر مسلمان پر فرض ہے یعنی اگر نہیں کرتا تو گنہگار ہوگا۔

چونکہ موت کا پتہ نہیں کہ کب آجائے، اس لئے بہتر یہی ہے کہ آدمی موت کا انتظار کئے بغیر ہی اپنی وصیت لکھ کر رکھے اور دور کے وہ رشتہ دار جنہیں قانون وراثت کے مطابق بہت کم یا بالکل ہی نہ ملتا ہو لیکن وہ حاجت مند بھی ہوں، تو وصیت کے ذریعہ ان کے لئے خصوصی امداد کا انتظام کر دے۔ یہ بہت بڑا صدقہ ہوگا بشرطیکہ جائز وارثوں کی حق تلفی نہ ہو۔ (وراثت کے مسائل پر سورہ نساء میں بھی تفصیلی بحث ہے)۔ یہ بات دوبارہ یاد رکھی جائے کہ وصیت کے ذریعہ کسی وارث کے کو زیادہ تو دیا جاسکتا ہے لیکن اس کے شرعی حصے میں کمی نہیں کی جاسکتی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وصی کی موت کے بعد اس کی وصیت پر کون عمل کرائے گا اور اگر اس نے ورثاء کے حق میں کچھ بے انصافی کر دی ہے تو پھر اس معاملہ کو کون حل کرے گا۔ اگلی آیات کریمہ میں ایسے ہی مسائل کا حل دیا گیا ہے۔ فرمایا......

فَمَنۡۢ بَدَّلَهٗ بَعۡدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثۡمُهٗ عَلَى الَّذِيۡنَ يُبَدِّلُوۡنَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ۞

181- پس جو کوئی (وصیت) سننے کے بعد بدل دے تو اس کا گناہ ان پر ہے جو اسے بدلتے ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ سننے اور جاننے والا ہے۔

فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا
فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ
فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ
اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

182- پھر جسے اندیشہ ہو کہ وصیت کرنے والے سے،
کسی طرف داری یا بد دیانتی کا'
پس اگر وہ اصلاح کرادے ان کے (وارثین) درمیان،
تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔
بے شک اللہ تعالیٰ نہایت بخشنے والا
اور رحم کرنے والا ہے۔

266- وصیت میں بے انصافی کی مذمت:-

جیسے پہلے کہا گیا ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کو زندگی میں یہ حق دیا ہے کہ وہ اپنی ملکیت دوسروں کو دے سکتا ہے، ہبہ کردے تحفہ میں دیدے یا وصیت کردے، لیکن اس حق کے استعمال میں بھی کچھ عادلانہ تقاضے ہیں جنہیں اگر پورا نہ کیا جائے تو آدمی گنہگار ہو جاتا ہے۔ اس لئے وصیت لکھتے وقت عدل کا خیال رکھنا بہت ہی ضروری ہے ورنہ جائز وارث قیامت تک پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔

اس بارے آیۃ مبار 182,181 نہایت قابل غور ہیں۔ ان آیات کریمہ سے یہ بات واضح ہے کہ وصیت پر عمل کرانا لازمی ہے اور وصیت کو بدل دینا سخت گناہ ہے، البتہ اگر کسی نے اپنی وصیت کے ذریعے کسی جائز وارث کو اس کے حصہ سے محروم کر دیا ہے یا کسی اور کو اس کے حقوق اور ضروریات سے بہت زیادہ دے دیا ہے جس سے دوسروں کی حق تلفی ہوتی ہو تو پھر وارثوں کی باہمی رضامندی یا عدالت کے ذریعہ وصیت میں ردوبدل ہو سکتا ہے اور اس میں کوئی برائی یا گناہ نہیں۔ نیک نیتی سے کیا جانے والا عمل اگر غلط بھی ہو تو اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور بڑا رحم والا ہے۔ آیۃ مبار 181 اور 182 سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وصیت کے مسائل میں انصاف کرنا اور انصاف دلانا آسان نہیں۔ اپنے نفس سے ماورئی ہو کر یہ کام بڑے تقویٰ والے ہی کر سکتے ہیں، اس لئے اگلی آیات کریمہ میں مضمون کو اصلاح نفس کی طرف موڑ دیا گیا ہے۔

تقویٰ پیدا کرنے کیلئے بہترین عبادت اللہ تعالیٰ کیلئے روزہ رکھنا ہے، جو ہمیشہ سے اصلاح نفس کا بہترین علاج چلا آ رہا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ
كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ
لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝

183- اے ایمان والو فرض کئے گئے تم پر روزے
(صوم)،
جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے
تھے، تا کہ تم تقویٰ والے بن جاؤ۔

184- یہ گنتی کے دن ہیں

اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ
فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا
اَوْ عَلٰى سَفَرٍ
فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ
وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ
مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ
وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ
اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○

پھر تم میں سے اگر کوئی بیمار ہو، یا سفر پر ہو،
تو گنتی پوری کرے ان کی بعد دوسروں دنوں میں۔
اور جو لوگ یہ کرنے کی قدرت نہیں رکھتے،
مگر سخت مشکل سے، ان پر فدیہ ہے،
جو مسکین کو کھانا کھلانا ہے پس جو کوئی
خوشی خوشی نیکی کرے، تو وہ اس کے لئے اور
زیادہ بہتر ہے۔ اور اگر تم روزے رکھو تو یہ
تمہارے لئے بہت بہتر ہوگا اگر تم جانو۔

267- روزہ ایک محکم عبادت:۔

حکم دو طرح کے ہو سکتے ہیں ایک زبانی اور دوسرا لکھا ہوا۔ لکھا ہوا حکم عارضی نہیں ہوتا بلکہ اس کا ماننا اس وقت تک قائم رہتا ہے جب تک کہ وہ نوشتہ قائم ہے۔ صوم یعنی روزوں کا حکم بھی ایسے ہی نہایت ضروری احکامات میں سے ایک ہے۔ فرمایا ''لکھ دیئے گئے تم پر روزے......'' ہم سے پہلی امتوں پر بھی یہ لازم تھے اور ہم پر بھی ان کا رکھنا لازمی ہے۔ ہم سے پہلے بھی عیسائی، یہودی، ہندو غرض تمام قوموں پر روزے فرض تھے اور اب بھی ان پر ویسے ہی فرض ہیں، وہ رکھیں یا نہ رکھیں یہ اور بات ہے۔ یہ عبادت جہاد بالنفس ہے، یعنی اگر نفس پر قابو پانا اور اسے فتح کرنا ہے تو یہ بلا صوم ناممکن ہوگا۔ اسی لئے رمضان المبارک کے روزوں کے علاوہ بھی متقین اکثر نفلی روزے رکھتے ہیں۔

268- روزہ بیماریوں کا علاج:۔

رمضان المبارک کے روزے رکھنا رب کائنات کا حکم ہے اور اس حکم کی ہمارے خالق نے خود ہی تفسیر فرمادی کہ اس سے تقویٰ پیدا ہوتا ہے جو روحانی ترقیوں کی طرف راہ کمال ہے۔ یعنی روزہ روح کی غذا ہے اور اس میں روحانی بیماریوں کا علاج ہے۔ اس کے علاوہ بے شمار جسمانی بیماریوں کا علاج بھی روزہ ہی ہے اور اب جدید ترین سائنسی دریافتوں کے مطابق کینسر، دل اور ذہنی بیماریوں کے علاج کے لئے بھی روزہ رکھنا فائدہ مند ثابت ہوا ہے۔ روزہ سے کس طرح ان جان لیوا بیماریوں سے صحت حاصل ہو جاتی ہے؟ ابھی تک جو سائنسی بات سامنے

آئی ہے وہ یہ ہے کہ جب پیٹ خالی ہو جاتا ہے تو پھر جسم کے زہروں کو نظام ہضم کھانے لگتا ہے۔ پیٹ کی بہت ساری مشینری کو آرام کے لمحات بھی مل جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ خون کی صفائی کے کام میں بھی تیزی آجاتی ہے۔ جو صحت کے لئے ضروری عوامل ہیں۔ یہ سائنسی حقائق تو آغاز ہیں، آگے آگے جو معلوم ہوگا وہ اللہ ہی جانتا ہے۔ مسلمان ماہرین طب کو چاہیے کہ وہ غیر مسلموں سے پہلے مختلف بیماریوں کے لئے روزوں کے فوائد پر تحقیق کریں۔

یہاں اس بات کا ذکر بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ سال میں ایک مہینہ رمضان المعظم کے روزے تو ہر بالغ و عاقل پر فرض ہیں لیکن نبی پاکؐ باقی سال بھی اکثر روزے رکھتے تھے مثلاً حضور پاک ﷺ اکثر کئی کئی دن متواتر روزے رکھتے تھے اور پھر کبھی ایک دن چھوڑ کر روزہ رکھتے تھے اور بعض دفعہ متواتر کئی دن روزہ چھوڑ بھی دیتے تھے لیکن کچھ مخصوص دنوں کے روزے مثلاً محرم الحرام وغیرہ کے روزے پابندی سے رکھتے تھے۔ لہٰذا رمضان کے علاوہ بھی روزے رکھنا سرور کائنات ﷺ کی سنت ہے۔ اگر ہم یہ سوچ کر روزے رکھیں گے تو روحانی اور جسمانی فوائد کے علاوہ اتباع رسول ﷺ کا ثواب بھی ملے گا۔ یاد رہے کہ رمضان کے روزے نجات کا ذریعہ ہیں اور نفلی روزے جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے رکھے جائیں درجات کا ذریعہ ہیں۔

269- روزہ میں رعایت اور فدیہ کا مسئلہ:-

آیۃ مبارکہ 184 میں یہ رعایت عطا فرمادی گئی ہے کہ سفر اور بیماری کی حالت میں روزہ چھوڑا بھی جا سکتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ بیماری ایسی ہو کہ اس میں روزہ کی وجہ سے مزید خرابی کا خدشہ ہو یا سفر ایسا ہو کہ اس میں روزہ تکلیف کا باعث ہو لیکن گنتی کر کے انہیں بعد میں پورا کرنا فرض ہے ورنہ گنہگار رہے گا۔

اس صورت میں کہ حالات میں بہتری کی امید نہ ہو مثلاً صحت اور زیادہ خراب ہو جائے یا سفر مسلسل ہو، تو صاحب استطاعت پر یہ لازم ہے کہ وہ چھوڑے ہوئے روزوں کا فدیہ ادا کرے جسکی کم از کم مقدار کسی مسکین کو ہر ایک روزہ کے عوض پیٹ بھر کر کھانا کھلانا ہے ایسا کھانا جو وہ خود کھاتا ہے، لیکن اگر اس سے زیادہ کرے تو یہ بہت بہتر ہوگا۔

کچھ صاحب استطاعت اس رعایت سے غلط فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کی نیت ہی روزہ سے بچنا ہوتا ہے اور یوں بدنیتی سے فدیہ کرتے ہیں۔ اس لئے ایسا فدیہ روزہ کا بدل نہیں ہوگا بلکہ منافقت کی بنا پر الٹا عذاب ہو سکتا ہے۔ رعایت تو یہ ہے کہ نیت روزہ رکھنے کی تھی لیکن مسلسل بیماری اور سفر کی تکالیف کی بناء پر پورا کرنے میں دقت پیش آئی، اس لئے فدیہ دے دیا۔ لہٰذا بدنیتی کا فدیہ مقبول نہیں ہوگا اور روزہ چھوڑنے کا گناہ الٹا پڑے گا۔ اس بات کی وضاحت آیۃ مبارکہ 184 میں کر دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ فدیہ سے زیادہ روزے رکھنے کو پسند فرماتے ہیں۔ اگلی آیۃ مبارکہ 185 میں رمضان شریف کی فضیلت اور اس میں خصوصی روزوں کا حکم ہے۔

185- رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن پاک نازل کیا گیا،
جو لوگوں کے لئے ہدایت ہے،
اور ہدایت جو واضح دلائل کے ساتھ ہے،
اور حق و باطل کا معیار ہے،
پس جو کوئی تم میں اس مہینہ کو پائے،
پس اس کے روزے رکھے،
اور جو مریض ہو، یا سفر پر ہو، وہ بعد کے دنوں میں گنتی پوری کرے۔ اللہ تعالیٰ تم پر آسانی چاہتا ہے، اور تمہارے حق میں سختی نہیں چاہتا،
اور چاہیے کہ تم (روزوں کی) گنتی کو پوری کرو،
اور چاہیے کہ تم اس ہدایت (قرآن) کے مطابق اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو،
تا کہ تم اس کے شکر گزار بن جاؤ۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْاٰنُ
هُدًى لِّلنَّاسِ
وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ
فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۖ
وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا
أَوْ عَلٰى سَفَرٍ
فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۗ
يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ
وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۡ
وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ
وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ
وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

270- قرآن حکیم کی سالگرہ:-

آیۃ مبارکہ 185 واضح کرتی ہے کہ رمضان کا مہینہ قرآن کریم کی سالگرہ بھی ہے سب سے پہلے اسی مہینے میں قرآن پاک عرش بریں سے آسمان دنیا پر نازل ہوا اور حضور ﷺ پر وحی ہوا یہ وہ بلند شان والی کتاب ہے جو کھلے دلائل کے ساتھ لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور حق و باطل میں فرق کا معیار ہے اور یوں تمام انسانیت پر عظیم ترین احسان ہے۔ اس نعمت غیر مترقبہ کے نزول کے مہینے کو کیسے منایا جائے۔ کیا اس میں چراغاں کیا جائے، لہو و لعب ہو، تقریریں ہوں، جیسے دنیا کا رواج ہے یا کوئی اور طریقہ؟ اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا کہ قرآن کریم کے نازل ہونے کی خوشی اور ایک عرصہ کے بعد وحی الٰہی کے نزول کے عظیم الشان واقعہ کی یاد لوگ روزے رکھ کر منائیں۔ لہٰذا رمضان شریف کی آمد پر خوش ہونا، شوق سے چاند دیکھنا، رغبت سے سحری اور افطاری کرنا، خشوع و خضوع کے ساتھ دن بھر روزہ رکھنا اور قرآن کریم کی زیادہ سے زیادہ تلاوت کرنا اس مہینہ کی پسندیدہ عبادات ہیں۔

271- روزوں کی قضا کے بارے حکم:-

آیۃ مبارکہ 185 میں تمام انسانوں کے لئے یہ حکم ہے کہ جیسے ہی رمضان شریف کا چاند نظر آئے لوگ روزے کی تیاری کریں اور باقاعدگی سے پورا مہینہ روزے رکھیں اور صاحب قرآن کریم ﷺ کی سنت کے مطابق اپنی زندگیوں کو بدلنے کی کوشش کریں لیکن اللہ تعالیٰ انسان کے لئے آسانی چاہتا ہے سختی نہیں چاہتا۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے بیمار اور مسافر کے لئے رعایت دی ہے۔ اگر ان کے لئے روزہ رکھنا واقعی مشکل ہو تو وہ روزہ چھوڑ سکتے ہیں، لیکن بعد میں قضا لازم ہے اگر بعد میں بھی کوئی روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو، مثلاً بہت ضعیف ہو، بہت زیادہ کمزور ہو یا بیماری کے اثرات سدا غالب رہیں یا سفر سے نجات ناممکن ہو وغیرہ تو وہ آیۃ مبارکہ 184 میں دی گئی رعایت کے مطابق فدیہ دے کر اس فرض سے بری ہو سکتا ہے۔

272- دین میں آسانی:-

رمضان کے روزوں میں چھوٹ کے حوالے سے آیۃ مبارکہ 185 میں اللہ تعالیٰ نے اسلامی شریعت کا ایک اہم اصول واضح کر دیا ہے فرمایا **يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ** کہ وہ "انسانوں پر آسانی چاہتا ہے، سختی نہیں چاہتا"۔ لہٰذا مذہب کا مقصد انسان کی بھلائی ہے۔ وہ مذاہب جو انسان کو خواہ مخواہ سختیوں میں ڈالتے ہیں وہ فطرت کے خلاف حکم دیتے ہیں اس لئے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہو سکتے، مثلاً رومن کیتھولک مذہب پادریوں کیلئے شادی کی ممانعت کرتا ہے جو انسانی فطرت کیخلاف ایک سخت ضابطہ ہے اس لئے یہ اللہ کی طرف سے نہیں ہو سکتا یا ہندو جوگی کئی کئی دنوں تک بغیر کھائے پیئے روزہ رکھ کر اپنی جان کو بہت تکلیف پہنچاتے ہیں یہ بھی حکم الٰہی کے خلاف بات ہے۔ بعض صحابہ کرامؓ کے متعلق بھی روایت ہے کہ شوق عبادت میں وہ بہت زیادہ مجاہدہ کرنا چاہتے لیکن اللہ کے نبی ﷺ نے انہیں اس سے منع فرمایا۔

اس اصول کے مطابق عبادات بھی وہی اچھی ہیں جو معتدل ہوں۔ اگر کوئی آدمی اپنے جسم کو سختی میں ڈالنے والی عبادات کرتا ہے تو وہ فطرت کیخلاف جا رہا ہے چنانچہ چلہ کشیاں، سخت قسم کے مجاہدے یا اپنے بدن پر برداشت سے زیادہ سختی کرنا دین کا حصہ نہیں۔ دین کا اصل مقصد آیہ مبارک 185 میں جو واضح کیا گیا ہے وہ رب تعالیٰ کا نام بلند کرنا، تقویٰ اختیار کرنا اور ہر حال میں اس کا شکر ادا کرنا ہے۔ چنانچہ اعلیٰ ترین عبادت یہ ہے کہ انسان اپنے رب کی محبت میں ڈوبا رہے اور ساری عمر اسکا نام بلند کرنے کے لئے جدوجہد کرتا رہے، شکرگزار بندہ بن کر اس کی نعمتوں کا حق ادا کرے اور اس ڈر سے گناہ سے بچتا رہے کہ کہیں اسکا رب ناراض نہ ہو جائے۔

رمضان المبارک کے روزوں کا ایک مقصد انسان میں ان احساسات کی تربیت کرنا ہے تاکہ رمضان کے بعد بھی وہ اپنے رب کی دی ہوئی ہدایت کے مطابق زندگی کے لمحات گذارے۔

وحی الٰہی کے نزول کے حوالہ سے اس مہینہ میں قرآن کریم کا پڑھنا، سننا اور اسکی ہدایات پر عمل کرنا اس مہینہ کے اعلیٰ ترین اعمال ہیں۔ چاہیے کہ اس مہینہ میں کلام اللہ پر غور وفکر کے ذریعہ آدمی اللہ تعالیٰ کی یاد میں رہے۔ دراصل اللہ تعالیٰ کی عبادت ومحبت ہی روح کی غذا ہے۔ جب بندہ اللہ کی بڑائی اور اس کے شکریہ ادا کرنے میں لگ جاتا ہے تو اسے اللہ تبارک تعالیٰ کا قرب حاصل ہو جاتا ہے اور وہ مستجاب الدعوات بن جاتا ہے۔ لہٰذا رمضان شریف کے اعلیٰ ترین مشاغل میں اللہ سے دعائیں کرنا بھی شامل ہے۔ جس کے بارے میں فرمایا گیا ہے.....

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ	186- اور اے (حبیبؐ) جب میرے بندے
عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ	آپ سے میرے متعلق سوال کریں، تو
اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ	آپ انہیں بتائیں،
اِذَا دَعَانِ ۙ	کہ میں ان کے قریب ہوں۔
فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ	میں پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں،
وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ○	جب وہ واقعی مجھے پکارتا ہے۔ پس انہیں چاہیے
	کہ وہ میرا حکم مانیں، اور مجھ پر ایمان لائیں۔
	تاکہ وہ سیدھا راستہ پائیں۔

273- رب تعالیٰ قریب ترین ہے:-

آیتہ مبارکہ 186 میں اللہ تبارک تعالیٰ نے سات مرتبہ اپنی ذات پاک کے حوالے سے اور سات ہی مرتبہ بندے کی ذات کے حوالے سے کچھ نہایت اہم باتوں کی طرف انسانیت کی توجہ مبذول فرمائی ہے۔ گو کہ خطاب ''جب میرے بندے آپ سے میرے متعلق سوال کرتے ہیں'' بلاواسطہ سرور کونین ﷺ کی طرف ہے لیکن حکم عام ہے جب بھی کوئی کسی سے اللہ تعالیٰ کے متعلق پوچھے تو جواب یہی ہے کہ وہ اپنے بندوں سے قریب ترین ہے۔ ان کی شہ رگ سے بھی قریب تر۔ اس کی ذات پاک کا عکس انسان کے ہر خلیہ میں ہے اور وہ ان کے دل ودماغ کی تہوں کے اندر چھپے ہوئے راز بھی جانتا ہے۔ لہٰذا اس سے دل میں بات کرو یا منہ سے، آہستہ یا اونچی آواز میں، قلب کے گوشوں میں یا زبان سے، وہ ہماری بات سنتا ہے۔ حضرت علیؓ سے اللہ تبارک تعالیٰ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا ''وہ باوجود دور ہونے کے قریب ہے اور باوجود قریب ہونے کے دور ہے، وہ ہر چیز کے اوپر ہے لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ فلاں چیز اسکے نیچے ہے وہ ہر چیز

کے نیچے ہے لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ فلاں چیز اسکے اوپر ہے۔ وہ ہر چیز کے آگے ہے لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ فلاں چیز اسکے پیچھے ہے۔ وہ اشیاء کے اندر داخل ہے مگر نہ اسطرح جسطرح ایک چیز دوسری چیز کے اندر داخل ہوتی ہے۔ نہ تو وہ کسی چیز سے ہے، نہ کسی چیز کے اندر اور نہ کسی چیز کے ساتھ، پاک ہے وہ ذات جسکی یہ صفات ہیں'' (حوالہ اللمع فی التصوف ابونصر سراج طوسی) پس چاہیے کہ ہم اسی کا حکم مانیں اور اسی پر ایمان لائیں آیۃ مبارکہ 186 میں **لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ** کے فرمان سے یہ بھی ظاہر ہے کہ صراط مستقیم پر قائم رہنے کی دعا اکثر کی جائے اور جو صراط مستقیم کی دعا مانگے گا اللہ تعالیٰ اس کی اس دعا کو قبول فرمائے گا۔

(For more details please see appendix ii,iii,iv)

274- قبول دعا:-

آیۃ مبارکہ 186 میں انسان کے لئے ایک بہت بڑی خوشخبری ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کی دعاؤں کو سنتا ہے۔ کسی مجبور و مقہور بندے کے لئے اس سے زیادہ کیا تسلی ہوسکتی ہے کہ وہ پکارے ''اے میرے رب'' اور خالق کائنات جواب میں فرمائے ''اے میرے بندے'' اور حسب حال اس کی دعاؤں کو قبول فرمائے۔

دعا کے حسب حال اور حسب مرضی قبول ہونے میں جو فرق ہے اسے سمجھنا ضروری ہے۔ بندہ ہمیشہ یہی چاہتا ہے کہ دعا اس کی مرضی کے مطابق قبول ہو، جیسے بچہ یہ چاہتا ہے کہ اس کے منہ سے جو بات نکلے والدین فوری طور پر اس کو پورا کردیں۔ چونکہ والدین کو معلوم ہے کہ بچے کے لئے کیا بہتر ہے اور کیا بہتر نہیں، اس لئے وہ اس کی بات تو پیار سے سنتے ہیں لیکن کرتے وہی ہیں جو ان کے نزدیک اس کے لئے مناسب ہے۔ یہی ان کا پیار ہے ورنہ اس کی غلط فرمائشیں پوری کر کے وہ اسے تباہ بھی کرسکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے ماں باپ کی نسبت اربوں گنا زیادہ مہربان اور محبت کرنے والا ہے اور نہائت حکیم اور علیم ہے۔ اس لئے وہ بندہ کی دعا تو پیار سے سنتا ہے لیکن دیتا وہی ہے جو اس کے لئے بہتر ہوگا۔ ہمارا یہ یقین ہونا چاہئے کہ کوئی دعا رائیگاں نہیں جاتی۔ جن دعاؤں کے نتائج حسب خواہش نہیں نکلتے اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ ان کی قبولیت میں جو نقصانات پنہاں ہیں ہم ان سے آگاہ نہیں۔

آیۃ مبارکہ 186 میں دعائیں قبول نہ ہونے کی ایک اور وجہ بھی بتائی گئی ہے۔ فرمایا...... ''**أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ**'' ''میں پکارنے والے (دعا کرنے والے) کی پکار (دعا) کا جواب دیتا ہوں، جب وہ واقعی مجھے پکارتا ہے۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ دعا قبول ہوگی جب بندہ سارے سہارے چھوڑ کر اللہ تعالیٰ ہی پر اپنا معاملہ چھوڑ دیتا ہے، اسباب سے ہٹ کر مسبب الاسباب پر توکل کرلیتا ہے، اس کے بعد دل کے یقین کے ساتھ عاجزی، محبت اور خلوص کے احساس کے ساتھ بندہ جب اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حوالہ کر کے دعا کرتا ہے تو رب العزت ضرور اسے قبول فرماتے ہیں۔ لیکن اگر خالق کائنات کو بھی اسباب میں سے ایک سبب گردانتے ہوئے دعا کی جائے تو یہ دعا نہیں بلکہ رب العزت کی بے قدری کرنا ہے۔ (استغفر اللہ)۔ لہٰذا ایسی دعائیں قبول کیسے ہوں جن میں بے ادبی، نفاق اور شرک کی

ملاوٹ ہو۔ یہ مشرکین اور منافقین والی دعائیں ہیں جو مانگنے والے کے منہ پر ماری جاتی ہیں۔ خاص طور پر مسلمان جن پر حق تعالیٰ کا مقام عیاں ہے اگر وہ ایسا کریں گے تو یہ گناہ ہی نہیں بلکہ نا قابل معافی جرم بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان اور یقین کی دولت عطا فرمائے۔ امین!

275- مستجاب الدعوات:۔

دعا کی قبولیت کا انحصار اللہ تعالیٰ سے پختہ تعلق میں بھی ہے۔ یہ بھی سبھی کو معلوم ہے کہ خالص تعلق کی بنیاد محبت اور خلوص ہے اور محبت کا تقاضا محبوب کے لئے مکمل سپردگاری ہے اور محبوب کی ناراضگی کے ڈر سے گناہ سے بچنا ہے۔

اسی لئے اس آیت کریمہ کے آخر میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ''وَلْيُؤْمِنُوا بِي'' یعنی دعائیں مقبول بنانی ہیں تو ''انہیں چاہئے کہ میری دعوت اور پکار یعنی اسلام قبول کرلیں'' جو لوگ سچے دل سے اسلام کو قبول کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی خوشی کے لئے اس پر عمل کرتے ہیں ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ ان کی عبادت، قربانی اور زندگی و موت صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہوجاتی ہے۔ انعام کے طور پر ایسے لوگوں کو مستجاب الدعوات کا درجہ عطا ہوجاتا ہے۔ اگر ان سے دعا کروائی جائے تو انشاء اللہ ضرور قبول ہوگی۔

اولاد کے حق میں ماں باپ بھی مستجاب الدعوات ہیں۔ ان کے دل سے نکلی ہوئی دعائیں بھی عرش بریں تک پہنچتی ہیں۔ اس لئے اگر ماں باپ زندہ ہوں تو ان کی سچے دل سے خدمت کرواور ان سے دعائیں کرواؤ۔ یہ بہت بڑا موقع ہے۔ ہاتھ سے جانے نہ پائے۔

276- متکبر اور دعا:۔

قبولیت دعا میں اہم ترین فلسفہ یہ ہے کہ آدمی ''للہ یعنی اللہ کیلئے ہو اللہ نہ بنے''۔ لیکن افسوس کہ بعض لوگ علم، دولت، عہدہ، طاقت، نیکی، عبادات، جہاد خود کو اللہ بنانے کے لئے کرتے ہیں (یعنی لوگوں پر اقتدار حاصل کرنے کے لئے یا اپنے نفس کے اطمینان کے لئے) اللہ کے لئے نہیں۔ ایسے لوگوں کی دعا کیونکر قبول ہوگی۔ کسی بھی متکبر کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ یاد رکھو، قبول دعا کے لئے سپردگی اور عاجزی ضروری شرط ہے۔ اگر کافر بھی عاجزی سے دعا کرے گا تو انشاء اللہ اس کی دعا بھی رائیگاں نہیں جاتی۔ اللہ تعالیٰ رب العالمین رحمان ورحیم ہے۔ لہٰذا اس کا جود وسخا صرف مسلمانوں ہی کے لئے نہیں۔ جو بھی اس سے مانگے گا مراد پائے گا۔ (انشاء اللہ العزیز)۔ فرعون نما لوگوں پر جو اللہ تعالیٰ کا فضل نظر آتا ہے وہ ان کی آزمائش کا پرچہ ہے اس لئے ان کی حالت پر افسوس کرنا چاہئے۔

277- غیر مسلم کی دعا اور سائنسی تجربات:۔

اللہ تعالیٰ سب کی دعائیں سنتا ہے اور اپنے سب بندوں کے لئے وہ رحمٰن ورحیم ہے۔ اس لئے جب کبھی کوئی کافر اور غیر مسلم بھی خلوص اور محبت سے رب تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس سے مانگتا ہے تو وہ اس کی دعا بھی قبول کرتا ہے اور اس کے مصائب اور تکالیف دور کردیتا ہے۔ یورپ اور امریکہ کے ہسپتالوں میں پچھلے بیس سالوں میں کئی ایک تجربات دعا کے اثرات کا جائزہ لینے کے لئے

کئے گئے مثلاً امریکہ میں ایک دل کے ماہر ڈاکٹر نے اپنے مریضوں کو وارڈ A اور وارڈ B میں برابر برابر تعداد میں بانٹ دیا۔ وارڈ A والے مریضوں کے علم کے بغیر وہ ان کی صحت کے لئے پادریوں سے دعائیں کرواتا تھا مثلاً "یا اللہ وارڈ A کے مریضوں کو صحت اور زندگی عطا فرما۔ یا اللہ وارڈ A کے مریضوں کو صحت اور زندگی عطا فرما......" تین ماہ کے عرصہ میں ڈاکٹر مذکور نے دیکھا کہ وارڈ A کے مریض حیرت انگیز طور پر صحت مند ہوکر اپنے گھروں کو خوشی خوشی جانے لگے لیکن وارڈ B جن کے لئے کوئی دعا نہیں کرتا تھا وہاں معمول کے مطابق دل کے دورے اور اموات کافی ہوئیں حالانکہ دونوں وارڈوں کے مریضوں کو ایک سا علاج مہیا تھا۔ (ریڈرز ڈائجسٹ 1999)

مسلمانوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی سنت یہ ہے کہ "محنت فرض ہے لیکن محنت پر توکل کفر ہے" اسلئے چاہیے کہ رب کائنات مسبب الاسباب پر توکل رکھتے ہوئے ہم چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی اسی سے مانگیں اور دوسروں سے بھی اپنے لئے دعا کروائیں۔ انشاء اللہ اسباب تابع ہو جائیں گے اور آپ کی محنت کو پھل لگے گا۔ تمام دکھوں کا مداوا دعا ہے۔ آیئے کہ ہم اپنے رب سے مانگتے ہی رہیں۔ جب وہ دینے سے نہیں تھکتا تو ہم لینے سے کیوں کترائیں لیکن ایک اصول یاد رکھیں۔ ہر دعا سے پہلے اور بعد میں بھی صاحب قرآن ﷺ پر درود وسلام بھیجیں ورنہ دعائیں لٹکتی رہیں گی۔

278- رمضان المبارک دعاؤں کا خصوصی مہینہ:-

آیۃ مبارکہ 186 سے پہلے اور اس کے بعد آنے والی آیات رمضان شریف کے روزوں کے متعلق ہیں۔ اس لئے ان کے درمیان دعا کے متعلق اس خاص آیت کا مقام نہایت معنی خیز ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ رمضان المبارک دعاؤں کا خصوصی مہینہ ہے، جتنا چاہو مانگ لو کم ہے اور انشاء اللہ قبولیت بھی عام ہے، روزہ رکھنے اور کھولنے کے اوقات کے متعلق تو حضور ﷺ نے فرمایا "یہ خصوصی طور پر دعاؤں کی قبولیت کے اوقات ہیں"۔ ان لمحات سے جتنا زیادہ فائدہ اٹھایا جائے کم ہے۔ چاہئے کہ اس تھوڑے سے وقت میں چھوٹے بڑے مل کر اللہ تعالیٰ سے خوب مانگیں۔ اپنے لئے، مسلمانوں کے لئے اور مخلوقات کے لئے۔ سب کے لئے دعا کریں۔ یاد رہے کہ دعا میں بخل نہیں کرنا چاہیے۔ خوب دل کھول کر دعا کرو۔ دعا عبادت بھی ہے اور دکھوں کا مداوا بھی ہے اور رب العزت کو پسند ہے کہ اس کے بندے اس سے زیادہ سے زیادہ مانگیں۔ اس لئے ماہ رمضان میں دوسرے مشاغل چھوڑ کر اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگنا اور اسکے ذکر اور فکر میں وقت گزارنا بہترین عمل ہے۔ اگلی آیہ کریمہ میں ارشاد ہے......

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَآئِكُمْ ۚ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ	187- روزوں کی راتوں میں جائز قرار دیا گیا تمہارے لئے اپنی بیویوں کے پاس جانا،

وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ
عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ
تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ
وَعَفَا عَنْكُمْ ۚ
فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ
وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۪
وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا
حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ
الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۪
ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ۚ
وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ ۙ
فِى الْمَسٰجِدِ ؕ
تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ
فَلَا تَقْرَبُوْهَا ؕ
كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ
لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝

وہ تمہارے لئے (مانند) لباس ہیں،
اور تم ان کے لئے (مانند) لباس ہو۔
اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تم
(ماہ رمضان کی راتوں میں)
خیانت کر جاتے تھے۔
پس اس نے تمہاری توبہ قبول کی،
اور تمہیں معاف کر دیا، پس اب تم ان سے ملو
اور تلاش کرو اس کو جو اللہ تعالیٰ تمہارے
لئے لکھ چکا ہے۔ اور کھاؤ اور پیو۔ اس
وقت تک کہ تم پر سفید دھاگے
اور کالے دھاگے
میں فرق نمایاں ہو جائے۔
پھر تم رات تک روزہ پورا کرو۔
اور ان کے ساتھ (حالت روزہ میں)
مباشرت نہ کرو، اور نہ ہی (اس وقت) جب
تم مساجد میں اعتکاف میں ہو۔
یہ اللہ تعالیٰ کی حدود
ہیں ان کے پاس تک بھی نہ جاؤ۔
اس طرح اللہ تعالیٰ
اپنی آیات بیان کرتا
ہے لوگوں کے لئے تا کہ وہ متقی بن جائیں۔

279- رمضان شریف کی راتوں کو میاں بیوی کے تعلقات:-

آیہ مبارکہ 187 سے رمضان شریف کی فضیلت اور تقدس ظاہر ہے۔اس کی برکتوں اور عظمتوں کا تقاضا ہے کہ اس مہینہ میں مسلمان کے شب وروز اللہ کی یاد میں گزریں۔دن کو روزہ اور رات کو دعائیں، ذکرواذکار، نمازیں، نوافل، غرض کہ اس قیمتی مہینے کا لمحہ لمحہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں گزر جائے، یہ تقویٰ اور اللہ تعالیٰ سے محبت کا اعلیٰ ترین معیار ہے۔اس معیار کے تقویٰ کا تقاضا ہے کہ انسان تمام نفسانی خواہشات کی نفی کردے حتیٰ کہ اپنی بیویوں سے بھی دور ہو جائے تاکہ پوری یکسوئی سے اپنی راتوں کو اپنے رب پر قربان کردے، لیکن اس معیار پر صرف چند شہسوار ہی اتر سکتے ہیں۔چنانچہ عامتہ الناس کا خیال کرتے ہوئے ہمارے مہربان رب نے رمضان کی راتوں میں میاں بیوی کے درمیان خصوصی تعلقات کی اجازت عطا فرمادی۔چنانچہ یہ پہلے احکام کی منسوخی نہیں بلکہ ایک رعایت ہے۔اعلیٰ ترین معیار وہی ہوگا کہ میاں بیوی رمضان شریف کے شب وروز اپنے رب کے ساتھ گزاریں۔

280- کوشش اور تقدیر کا مسئلہ:-

آیہ مبارکہ میں 187 حکم ربی **وَابْتَغُوْامَاكَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ** ''اور تلاش کرو جو تمہارے لئے اللہ تعالیٰ لکھ چکا ہے'' تقدیر کو سمجھنے کے لئے نہائت قابل غور نکتہ ہے۔اللہ تعالیٰ کا لکھا تقدیر ہے۔لیکن حکم اسکی تلاش کا بھی ہے یعنی تقدیر کو پانے کے لئے محنت کرنا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔دراصل بندے کی کوشش سے کچھ نہیں ہوتا لیکن یہ ہمارے مہربان رب کا ہمیں عزت دینے کا ایک طریقہ ہے کہ اپنی رضا میں وہ ہماری ادنیٰ سی محنت شامل فرماتا ہے۔اسکی عمدہ مثال حضرت موسیٰ علیہ السلام کا صحراء میں چشموں والا معجزہ ہے۔دعا کی کہ رب تعالیٰ ہمیں پانی عطا فرما۔حکم ہوا ''اے موسیٰ اپنے عصا سے پہاڑ کو مارو'' اور جونہی انہوں نے ایسا کیا اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طور پر بارہ چشمے جاری فرما دیئے۔یہاں عصا کا مارنا رب تعالیٰ کے فضل کو تلاش کرنے کے حکم کو واضح کرتا ہے۔ورنہ ہوتا وہی ہے جو رب تعالیٰ چاہے۔چونکہ وہ چاہتا ہے کہ کوشش کی جائے اسلئے کرنی چاہیے۔

حکم باری تعالیٰ ''اس چیز کی تلاش کرو جو اللہ تعالیٰ تمہارے لئے لکھ چکا ہے'' مسئلہ تقدیر اور اسباب کی ضرورت کو بھی واضح کرتا ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی قسمت لکھ دی ہے۔لیکن تقدیر کی تلاش محنت سے کرنا بندے کے فرائض میں شامل کردیا ہے۔مثلاً زمین کی تقدیر فصل اگانا ہے لیکن کسان کے لئے فرض ہے کہ وہ اس میں ہل چلائے بیج ڈالے اور فصل کی حفاظت کے لئے محنت کرتا رہے۔یعنی کہ تقدیر میں لکھے کو پانے کے لئے محنت کرنا اللہ تعالیٰ کی رضا ہے اسلئے تقدیر پر ہاتھ پاؤں باندھ کر بیٹھ جانا توکل نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی نفی ہے۔

(For more details please see appendix x xi)

میاں بیوی کے آپس کے تعلقات کے حوالہ سے آیۃ مبارکہ 187 میں یہ حکم کہ ''اس چیز کی تلاش کرو جو اللہ تعالیٰ تمہارے لئے لکھ چکا ہے'' کا مطلب یہ ہے کہ ان کے باہمی تعلقات کے پیش نظر صالح اولاد کا حصول ہونا چاہئے۔ اگر یہ تعلق محض نفس کی تسکین کیلئے ہے تو بھی حلال ہے لیکن احسن نہیں۔

281- تم ان کے لباس وہ تمہارے لباس:-

آیہ مبارکہ 187 میں میاں بیوی کے رشتہ کو واضح کرنے کے لئے جو استعارہ استعمال کیا گیا ہے وہ لاجواب ہے۔ فرمایا ''وہ تمہارے لئے بمنزلہ لباس ہیں اور تم ان کیلئے لباس ہو'' لباس انسان کے لئے زینت، باعث سکون موسمی اثرات سے حفاظت اور جسم کے عیوب کیلئے پردہ کا کام دیتا ہے۔ عورت اور مرد کے باہمی رشتہ کو بھی انہی لوازمات پر قائم ہونا چاہئے۔ وہ ایک دوسرے کے لئے باعث سکون، باہمی حفاظت اور پردہ پوشی کرنے والے ہوں۔

قرآن کریم میں رات کیلئے بھی لباس کا استعارہ استعمال کیا گیا ہے۔ جیسے رات باعث آرام وسکون ہے اور پردہ پوشی کرنے والی ہے میاں بیوی بھی وہی اچھے ہیں جو ایک دوسرے کیلئے باعث آرام وسکون وحفاظت ہوں اور ایک دوسرے کے عیوب پر پردہ پوشی کریں۔ اس لحاظ سے دونوں کے حقوق برابر ہیں اور دونوں پر فرض ہے کہ وہ ایک دوسرے کی کمزوریوں کو چھپائیں، اپنے گھر کے راز افشانہ کریں اور ایک دوسرے کے مال کی حفاظت کریں اور باہمی آرام وسکون کا باعث بنیں۔

282- وقت سحر اور سحری:-

آیہ مبارکہ 187 میں وقت سحر کی نہایت خوبصورت طریقہ سے تشریح کر دی ہے۔ یہ وہ وقت ہے جب سفید دھاگہ اور سیاہ دھاگہ میں فرق صاف ظاہر ہو جائے۔ سیاہ دھاگے سے رات کی تاریکی اور سفید دھاگہ سے آسمان پر مشرق کی جانب صبح کی روشنی کی لکیر بھی مراد ہے۔ چنانچہ انسانی اندازے کے مطابق اونچ نیچ جائز ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ انسانوں پر آسانی چاہتے ہیں سختی نہیں۔ چنانچہ اس اصول کے مطابق وقت سحر میں چند منٹوں کی اونچ نیچ ہو بھی جائے تو زیادہ پریشانی کی بات نہیں ہونی چاہیے اگر روزہ بند ہونے کا سائرن ہو جائے لیکن آپ ابھی کھا رہے ہیں تو منہ کا لقمہ پھینک دینا بھی ٹھیک نہیں۔ حضرت انس بن مالک حضرت زیدؓ بن ثابت سے روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سحری کھاتے اور پھر نماز فجر کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے (ابن کثیر) صحابہ کرام سحری میں تاخیر اور افطاری میں جلدی کو افضل سمجھتے تھے۔ حالت غسل میں اگر صبح ہو گئی تو روزہ بلا اختلاف جائز ہے۔

283- اعتکاف:-

رمضان المبارک میں کچھ دنوں کے لئے اعتکاف کرنا بھی اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ اعتکاف کا مطلب دنیا کے تمام کاموں سے علیحدہ ہو کر مسجد میں بیٹھ کر یکسوئی سے اللہ تعالیٰ کی عبادت، اس کا ذکر اور اس سے دعائیں مانگنا ہے۔ ماہ رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کے

لئے مسجد میں قیام آپ کی سنت غیر موکدہ ہے۔

چونکہ رمضان کا اعتکاف ایک خصوصی عبادت ہے اس لئے اس کی ادائیگی بھی خصوصی احتیاط کیساتھ کی جائے۔ اس دوران اللہ تعالیٰ نے جو حدود مقرر کر دی ہیں ان کا بہت خیال رکھا جائے، میاں بیوی کے درمیان مباشرت تو سختی سے منع ہے، اس کے علاوہ بھی وقت ضائع کرنا، غیر ضروری باتیں کرنا، بے فائدہ کتب یا اخبار وغیرہ پڑھنا بھی مکروہ ہے۔ رمضان المبارک کے آخری دس دنوں کے اعتکاف کی اہمیت کی وجہ یہ ہے کہ زیادہ اغلب یہی ہے کہ لیلۃ القدر انہی دس راتوں میں ہے۔ لہٰذا معتکف کے لئے اس مبارک رات کو پانے کے امکانات بہت زیادہ ہیں۔

284- تقویٰ کے مقامات:-

آیہ مبارکہ 187 سے یہ بھی عیاں ہے کہ روزہ اور اعتکاف کا مقصد انسانوں کو تقویٰ کے اعلیٰ ترین مراتب پر فائز کرنا ہے۔ اب جس کا دل چاہے ان سے فائدہ اٹھائے جس کا چاہے نہ اٹھائے تقویٰ کے درجات کی شرط یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی حدود کی بہت زیادہ احتیاط کرے یعنی جن باتوں سے منع کیا گیا ہے ان کے پاس تک بھی نہ جائے اور یوں احتیاط کا دامن تھامے دنیاوی زندگی کے سفر میں سے گذر جائے۔

تقویٰ کے اعلیٰ مراتب کے حصول کے لئے عبادات کے علاوہ معاشرتی ذمہ داری اور حقوق العباد کا پورا کرنا بھی لازم ہے۔ ایک آدمی عبادات یعنی حقوق اللہ تو پورے کرتا ہے لیکن حقوق العباد (Human Rights) کا غاصب ہے تو وہ بھی کبھی متقی نہیں بن سکتا، نہ ہی حقوق اللہ، حقوق العباد کا بدل ہو سکتے ہیں۔ حقوق العباد میں سب سے اہم حقِ ملکیت کی حفاظت ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں......

وَلَا تَأْكُلُوٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ
وَتُدْلُوا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ
لِتَأْكُلُوا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ
وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

188- اور تم آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق مت کھاؤ۔ اور نہ پہنچاؤ حاکموں کے پاس، تاکہ تم لوگوں کے مال سے کچھ کھاؤ ناجائز، اور تم جانتے ہو۔

285- ناحق مال کھانے کی مذمت:-

حقِ ملکیت انسانی حقوق میں نمایاں ترین حق ہے۔ حکم ربی ہے **وَلَا تَاْكُلُوٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ** کہ "تم آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ"۔ کسی کے مال کا ناحق کھانا تمام برائیوں اور بے انصافیوں کی جڑ ہے جس سے نہ صرف معاشرہ اجڑ جاتا ہے بلکہ انسان روحانی طور پر بھی تباہ ہو جاتا ہے۔ کمائی کے تمام باطل طریقے شیطان کے طریقے ہیں اور ان سے حاصل کردہ آمدنی حرام

ہے۔ حرام مال کا استعمال مزید حرام ہی کو جنم دے گا۔ ایسے معاشرے جن میں حرام وحلال کی تمیز مٹ جاتی ہے بالآخر وہ مٹ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ ''تم آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ'' دراصل ہر قسم کے استحصالی معاشی نظام اور کمائی کے غلط طریقوں کو حرام کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ''انسان کیلئے وہی حلال ہے جو اس کی محنت کی کمائی ہے یا اس کا بھائی اسے اپنی خوشی سے کچھ دے دیتا ہے''۔ لہٰذا دھوکا، فراڈ، مکاری، چوری، دغابازی، سود، وغیرہ سب کے سب حرام ہیں اور انسان کی روحانی ترقیوں میں سخت رکاوٹ ہیں نہ صرف باطنی نظام میں بلکہ ظاہراً بھی ان طریقوں سے دولت پیدا نہیں ہوتی، نہ کاروبار بڑھتے ہیں بلکہ دولت صرف ہاتھ بدلتی ہے اور زیادہ شاطر لوگ امیر سے امیر تر بنتے جاتے ہیں اور دیانتدار محنتی لوگ غریب تر ہوتے جاتے ہیں جس سے معاشرہ میں بے شمار رقابتیں پیدا ہوتی ہیں۔ لہٰذا دنیاوی اور روحانی طور پر ہر صورت میں حرام ذرائع سے حصول شدہ دولت اور جائیداد سب ناحق مال ہے۔ ان کا حقدار کو پہنچانا ہی توبہ ہے۔ اسی طرح اگر کوئی مزدور یا ملازم کام چور ہے تو یہ بھی ناحق مال کھانے کے زمرے میں آتا ہے اور اسکی ''توبہ'' پورا کام کرنا ہے۔

286- رشوت اور اختیارات کا ناجائز استعمال:۔

ناحق مال ہڑپ کرنے کا ایک عام طریقہ رشوت دے کر حکومتی اثر ورسوخ سے دوسروں کے مال و جائیداد اور حقوق پر قبضہ کرنا ہے۔ یا اختیارات کے ناجائز استعمال سے فائدہ اٹھانا ہے۔ آیہ مبارک 188 کے آخری حصہ میں اس بات کی سختی سے مذمت کی گئی ہے اور منع فرمادیا ہے۔ اس لئے حاکموں، ججوں، عدالتوں پر دوسروں کے حقوق کو غصب کرنے کے لئے خرچ کرنا صریحاً حرام ہے۔ رشوت دینا جرم ہے لیکن رشوت لینا اس سے بھی بڑا جرم ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''راشی اور مرتشی دونوں ہی جہنمی ہیں''۔ اگر حاکم یا جج انجانے سے بھی کوئی مال ودولت، جائیداد وغیرہ کسی کو ناحق بخش دیتا یا غلط فیصلہ کر دیتا ہے تو پھر بھی وہ حرام ہی رہے گا اور یہ حرام نسلوں تک چلتا جائے گا تاوقتیکہ اس کا ازالہ نہیں کر دیا جاتا۔ اگر حاکم جان بوجھ کر حق دار کو حق نہیں دیتا تو وہ خود سب سے بڑا مجرم ہوگا۔ البتہ انجانے میں اگر کسی کا حق کھایا گیا ہے تو اللہ تعالیٰ بہت معاف فرمانے والے ہیں۔

اپنے مال کا غلط استعمال اور دوسروں کا مال غلط طریقوں سے ہڑپ کر جانا ہر سوسائٹی کا ناسور ہے لیکن افسوس کی بات یہ ہے بعض اوقات ان حرام خوروں میں نام نہاد مذہبی لوگ بھی شامل ہوجاتے ہیں جو ایسے گھناؤنے جرائم کا تو خیال نہیں کرتے لیکن بے فائدہ رسم ورواج اور غیر اہم مذہبی مباحث کے پیچھے لگے رہتے ہیں۔ اگلی آیہ کریمہ 189 میں ایسے ہی لوگوں کا ذکر ہے یہ لوگ حضور اکرم ﷺ سے کبھی نئے چاند کے متعلق سوال کرتے کبھی گھروں میں داخل ہونے کے طریقوں کے متعلق بحث کرتے لیکن دین کی بنیادی باتوں سے کتراتے۔ فرمایا......

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ
قُلْ هِىَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ؕ
وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ
ظُهُوْرِهَا
وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ
وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۪
وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○

189- وہ آپ سے نئے چاند کے متعلق سوال
کرتے ہیں آپ فرما دیجئے۔
کہ یہ اوقات (مقرر کرنے کا ذریعہ) ہیں
لوگوں کیلئے، اور حج کے لئے،
اور یہ نیکی نہیں کہ تم اپنے گھروں میں
پشت سے داخل ہوں، نیکی تو یہ ہے کہ تم اللہ
سے ڈرو۔ لہٰذا تم گھروں میں ان کے
دروازوں سے آؤ، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے
رہو، تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔

287- چاند بحیثیت ایک عالمی پیمانہ وقت:-

آیۃ مبارکہ 189 میں چاند کا تعارف بحیثیت ایک ''عالمی پیمانہ وقت بڑا اچھوتا اور حقیقی تعارف ہے۔ فرمایا ...قُلْ هِىَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ۔'' کہ یہ اوقات (مقرر کرنے کا ذریعہ) ہیں لوگوں کے لئے، اور حج کے لئے......قدیم زمانہ میں بھی لوگ سالوں اور مہینوں کا حساب اس قدرتی کلاک سے لگاتے تھے اور آج بھی کئی تہذیبوں مثلاً چین، جاپان، کوریا، اسلامی ممالک وغیرہ کے لوگ اپنے دنوں مہینوں اور سالوں کا حساب چاند ہی سے کرتے ہیں۔ سائنسی نکتہ، نگاہ سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ زمین کی اپنے محور پر گردش اور چاند کی زمین کے مدار میں گردش ایک باقاعدہ حساب سے ہے۔ جس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوتی اور جو لوگ اس حساب کو جانتے ہیں وہ ہزاروں سال کا صحیح قمری کیلنڈر تیار کر لیتے ہیں۔ یوں چاند ہمیشہ ہی سے زمین والوں کے لئے آسمان پر ایک بہت بڑا ٹائم کلاک ہے۔ جس کا مرکزی نکتہ (Reference Point) نیا چاند ہے۔

اسلامی کیلنڈر قمری ہونے کا ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ اس کے مطابق حج، روزہ اور دیگر تہوار 35 سالوں میں گھوم جاتے ہیں یہ لوگوں کیلئے اللہ تعالیٰ کے نظام عدل کی برکات میں سے ہے۔ فرض کرو اگر اسلامی کلینڈر شمسی ہوتا تو پھر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے کسی ایک جگہ ایک ہی موسم میں روزے رکھے جاتے۔ چنانچہ بعض علاقوں کے لوگوں پر ہمیشہ کیلئے جون کی گرمی کے روزے ہوتے اور انہی دنوں زمین کی دوسری طرف کے لوگ دسمبر میں روزے رکھتے۔ یوں کرہ ارض پر مختلف لوگوں کی حق تلفی ہوتی لیکن اسلام نے قمری کیلنڈر اختیار کر کے دنیا بھر کے لوگوں کے لئے عبادات میں عدل قائم کر دیا۔ (سبحان اللہ)

جہاں تک چاند کا تعلق ہے یہ زمین سے 389000 میل دور زمین کا سیارہ ہے جو 29 دن 6 گھنٹے 57 منٹ میں زمین کے گرد ایک چکر لگاتا ہے۔ لیکن حضور اکرم ﷺ سے پہلے بعض معاشرے چاند کی پرستش بھی کرتے تھے اور اسکے متعلق بہت سے توہمات بھی عام تھے۔ چنانچہ لوگ اپنے اپنے نظریات اور توہمات کے حوالہ سے آپ ﷺ سے نئے چاند کے بارے سوال کرتے رہتے۔ ان کو مطمئن کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے آیۃ مبارکہ 189 میں نہایت سائنسی جواب دیا کہ "نیا چاند اوقات مقرر کرنے کا ذریعہ ہے" اس سے ایک تو وقت کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا اور دوسرے چاند کی حرکات کی طرف انسان کی توجہ مبذول کرائی گئی جن پر غور کرتے ہوئے مسلمان سائنس دانوں نے علم فلکیات کی بنیاد رکھی اور سب سے پہلے سورج چاند اور دیگر سیاروں ستاروں کے متعلق وہ معلومات دریافت کیں جن کی بنیاد پر اس دور میں خلا کی تسخیر ممکن ہوئی ہے۔

آیۃ مبارکہ 189 دور جاہلیت کے عربوں کی ایک اور فضول رسم کا بھی ذکر کرتی ہے۔ وہ لوگ جب حج کے لئے احرام پہن لیتے تو اپنے اوپر کئی ایک غیر فطری پابندیاں عائد کر لیتے۔ مثلاً گھروں میں سیدھے دروازوں سے داخل ہونے کی بجائے پیچھے سے دیواریں پھلانگ کر آتے اور اس بات کو بڑی نیکی سمجھتے۔ اس کے علاوہ بھی ان لوگوں میں بہت سی بے معنی، فضول رسومات اور روایات عام تھیں جن پر وہ فخر کرتے تھے اور بڑی نیکی کا کام سمجھتے تھے۔ جیسے آج کے دور میں بھی بعض لوگ بے معنی اور فضول باتوں کو دین کا جز سمجھ کر بغرض ثواب کرتے نظر آئیں گے۔

آیۃ کریمہ 189 ایسی تمام مذہبی رسوم کی جن کی سند اللہ کے نبی پاک ﷺ سے اور قرآن کریم سے نہیں ملتی نفی کرتی ہے اور بتاتی ہے کہ اصل دین اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور اس کی محبت میں نیک عمل کرنا ہے۔ یعنی فلاح سیدھے سادھے دین کی پیروی میں ہے۔ مذہبی گورکھ دھندوں میں نہیں۔ جس کام کی سند رسول اکرم ﷺ سے نہیں، اسے مذہب کے نام پر کرنا یا نہ کرنا جائز نہیں۔ البتہ جن باتوں کا اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ نے حکم دیا ہے ان کو نہائت احتیاط سے کرنا چاہئے۔ یہی دین قیم ہے۔

اگلی آیۃ مبارکہ اسی دین قیم کے ایک نہایت اہم پہلو کی نشاندہی کرتی ہے جو مومنین کیلئے دنیا و آخرت میں کامیابی کا کھلا دروازہ ہے اور فلاح کا صاف راستہ ہے۔ فرمان خداوندی ہے ......

-190 اور تم ان سے لڑو،

جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں تم سے لڑتے ہیں۔

اور زیادتی نہ کرو،

بلاشبہ اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ
وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ○

وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ
وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ
وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ
وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ
حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ
فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ
كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ○

191- اوران سے لڑو جہاں بھی ان کو پاؤ،
اورانہیں نکالو دو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا تھا ،
اور (یادرکھو) فتنہ خون ریزی سے بدتر ہے۔
اورتم ان سے مسجد حرام میں نہ لڑو،
حتیٰ کہ وہ خود اس میں تم سے خون ریزی کریں،
پس اگر وہ تم سے لڑیں تو تم بھی ان سے لڑو۔
کافروں کی یہی سزا ہے۔

فَاِنِ انْتَهَوْا
فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○

192- پس اگر وہ باز آ جائیں، تو بے شک اللہ تعالیٰ
معاف کرنے والا بڑا رحم کرنے والا ہے۔

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ
وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ
فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى
الظّٰلِمِيْنَ ○

193- اورتم ان سے لڑتے رہو، یہاں تک کہ فتنہ مٹ
جائے۔ اوردین صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہوجائے۔
پھر اگر وہ باز آ جائیں،
تو زیادتی نہ ہو مگر ان پر جو ظلم کرتے رہے ہیں۔

288- جہاد برائے امن:-

اسلام امن کا مذہب ہے۔اس کا معنی سلامتی ہے۔لیکن امن وسلامتی تبھی قائم رہ سکتی ہیں جب فساد کا منہ توڑ جواب دینے کی قوت ہو جس کو آج کل کی زبان میں موثر جواب (Effective Deterrant) کہا جاتا ہے۔ سرور کائنات ﷺ نے شاید اسی کے پیش نظر جہاد کی تیاری کے لئے کوششوں کو جہاد اکبر اور لڑائی کو جہاد اصغر فرمایا کہ اصل چیز جنگ کی تیاری ہے۔ اسلحہ کی صنعت لگانا، اسلحہ بنانا، ملک کی اقتصادی حالت کی بہتری اور دفاعی ترقی کے لئے عوامی فلاح کے بنیادی کام مثلاً تعلیم اور صحت کے لئے انتظامات وغیرہ بھی جہاد اکبر کا حصہ ہیں۔اوپر دی گئی آیات مبارک زیادتی کرنے والے ظالم اور کافروں کے خلاف مسلمانوں کو جہاد کا حکم دیتی ہیں تاوقتیکہ فتنہ مٹ جائے اور فتنہ کے خلاف حالت جنگ میں رہنا ہر سچے مسلمان کا لازمی شیوہ قرار دیا گیا ہے۔ آیتہ مبارکہ 193 سے ظاہر ہے

مسلمان کا مقصد حیات یہ ہونا چاہیے کہ دین صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہوجائے ،فتنہ مٹ جائے اور دشمن لڑنے سے باز آجائے۔ جب تک مسلمان اس مقصد پر ڈٹے رہیں گے، انشاء اللہ کفار کو بھی ان پر چڑھائی کرنے کا حوصلہ نہیں ہوگا۔ اور ہر طرف امن رہے گا۔

289- جہاد کے اصول:۔

جہاد مسلمانوں پر ایک مسلسل فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں تگ ودو کرنا اسلامی حکومت کے استحکام اور تحفظ کے لئے کوشش کرنا مظلوم کی مدد، فتنہ کی سرکوبی اور دین اسلام کے پھیلاؤ اور نفاذ کے لئے استقلال اور صبر کے ساتھ لگے رہنا، جہاد ہی کے مختلف عوامل ہیں۔ جب دشمن فتنہ پر اتر آئے، امن وامان خراب کرے، برائی کو پھیلائے اور مسلمانوں سے جنگ کرے تو اس کے خلاف جہاد کرنا ہر بالغ اور عاقل مرد مسلمان پر فرض ہوجاتا ہے۔ آیۃ 190 میں اللہ تعالیٰ کے فرمان ہے **وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ** سے صاف ظاہر ہے کہ جہاد کا مقصد صرف فی سبیل اللہ ہونا چاہیے، کوئی اور غرض ہو تو جہاد نہیں ہوگا۔ بہر حال زیادتی منع ہے۔

اللہ تعالیٰ کی آیات کے مطابق سرور کائنات ﷺ نے جنگی جہاد کیلئے کچھ اصول وضع کر دیئے ہیں جن میں خاص خاص مندرجہ ذیل ہیں۔ یہ ایسے انسان دوست جنگی اصول ہیں جن کی مثال تاریخ عالم میں کہیں اور نہیں ملتی۔

- ☆ جنگ صرف ان سے ہوگی جو تم سے لڑتے ہیں یا لڑنے کے درپے ہیں۔
- ☆ جنگ میں پہل نہیں کرنا
- ☆ دشمن سے بھی زیادتی نہیں ہو اور کسی صورت میں بھی حد سے تجاوز نہ کیا جائے۔
- ☆ دشمن کے لوگوں سے دوستی کرنا منع ہے۔
- ☆ جو لوگ جنگ میں شریک نہیں ان سے تعرض نہیں کرنا۔ مثلاً بچوں بوڑھوں، عورتوں کو قتل کرنا منع ہے۔
- ☆ انتقام یا غصہ میں آکر فصلات اور جائیداد وغیرہ کو آگ لگانا جائز نہیں۔
- ☆ جو قیدی بن گئے ان کو قتل نہیں کرنا۔
- ☆ قتل کی اجازت صرف ان کیلئے ہے جو تمہارے قتل کے درپے ہوں۔
- ☆ دشمن کے خلاف جنگ کی اجازت ہے لیکن اسلام کے نظام عدل کے اندر رہتے ہوئے۔
- ☆ جب تک فتنہ یعنی دشمنی کے محرکات ختم نہیں ہوتے یا دشمن صلح پر آمادہ نہیں ہوتا حالت جنگ جاری رہے گی۔
- ☆ اگر دشمن صلح کا خواہش مند ہو تو تم بھی جنگ بند کر کے صلح کو ترجیح دو۔
- ☆ آیات مبارکہ 190 تا 193 جنگ میں دشمن کے ساتھ بھی زیادتی نہ کرنے کا درس دیتی ہیں۔ یہ اسلام کا وہ سنہری

اصول ہے جس کی مثال کسی دوسری تہذیب میں نہیں ملتی۔

290- جہاد کی حقیقت:-

اسلام کی باکمال شان یہ ہے کہ وہ مظلوم کی مدد کرتا ہے اسے اسکا حق دلا کر، اور ظالم کی مدد کرتا ہے اسے ظلم سے روک کر۔ اس لئے وہ کسی ظالم کو ظلم کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ ظلم فتنہ ہے اور باری تعالیٰ کا حکم ہے فتنہ قتل سے بھی بدتر ہے۔ آیہ مبارکہ 193 میں یہ ہدایت ہے کہ "تم ان سے اس وقت تک جنگ کرتے رہوحتیٰ کہ فتنہ مٹ جائے" یعنی ظلم کا زور ٹوٹ جائے۔ مظلوم کو اس کا حق مل جائے اور امن قائم ہو جائے اس کے ساتھ ہی فرمایا گیا ہے کہ دشمن سے بھی زیادتی نہ ہو۔ آیہ مبارکہ 191 میں حکم ہے کہ اگر انہوں نے تمہیں گھروں سے نکالا تھا، تمہاری جائیدادوں پر ناحق قبضہ کیا تھا تو پھر تمہیں بھی ردِّ عمل کے طور پر حق حاصل ہے کہ ان کو گھروں سے بے دخل کر دو۔ لیکن جیسا آیہ مبارکہ 190 میں فرمایا گیا ہے زیادتی کی ہرگز اجازت نہیں۔

مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کی جنگ اصولی جنگ ہے۔ اس کا مقصد فتح اقوام نہیں، زمین وزر نہیں، کشور کشائی نہیں۔ اس کا ایک ہی مقصد ہے اور وہ یہ کہ دنیا سے ظلم مٹ جائے، اور دشمن امن پر مجبور ہو جائے چنانچہ جہاد اس وقت تک جاری وساری رہے گا جب تک فتنہ مٹ نہیں جاتا۔ مسلمانوں پر اس وقت تک حالت جنگ میں رہنا لازم ہے جب تک دین اللہ تعالیٰ ہی کے لئے نہ ہو جائے لیکن جب دشمن صلح کی طرف جھک جائے تو جیسا آیہ مبارکہ 192 میں فرمایا گیا ہے "تم بھی ہاتھ روک لو اور صلح کی جستجو کرو" اس لئے کہ جہاد ظلم کیلئے نہیں بلکہ ظلم مٹانے کیلئے ہے۔

آیہ مبارکہ 192 میں اسلام کے کٹر دشمنوں، کافروں، قاتلوں فسادیوں اور ظالموں کیلئے ایک مژدہ ہے کہ اگر وہ اپنے کئے پر شرمندہ ہوں اور سچے دل سے توبہ کرلیں اور اسلام قبول کرلیں تو اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمادے گا۔ وہ مسلمانوں کے بھائی بن جائیں گے، ان کے گناہ معاف ہو جائیں گے اور پرانے جرائم پر کوئی سرزنش بھی نہ ہوگی

291- فتنہ قتل سے بدتر ہے:-

آیہ مبارکہ 191 میں فرمایا گیا ہے "**اَلْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ**" کہ فتنہ قتل سے بدتر ہے اور آیہ مبارکہ 193 میں اس کی تفسیر فرمادی کہ تم فتنہ پردازوں سے اس وقت تک لڑتے رہوحتیٰ کہ فتنہ مٹ جائے۔ ان احکام باری تعالیٰ سے صاف ظاہر ہے فتنہ ناقابل برداشت جرم ہے اور اگر فتنہ کی بیخ کنی نہیں ہوگی تو معاشرہ میں کبھی بھی امن وسلامتی اور نیکی پنپ نہیں سکتی۔ اسکی موجودگی میں مہذب معاشرہ کا قیام ناممکن ہے۔

فتنہ کا لفظ فتن سے ہے جسکا لغوی معنی سونے چاندی کو آگ کے دباؤ کے نیچے رکھنا ہے تا کہ خالص اور نا خالص جدا ہو جائے۔ (تفسیر نمونہ صفحہ 30) اس لئے ناحق دباؤ، سختی، شدت، ظلم، تعدی، کفر، بت پرستی، کمزور کا استحصال، رشوت، فراڈ، چوری ڈاکہ، دہشت گردی (Terrorism) وغیرہ سب فتنہ ہی کی مختلف شکلیں ہیں۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے فتنہ کے مختلف پہلوؤں کو واضح کر دیا ہے۔ مثلاً سورۃ اعراف آیت 27 میں فتنہ کو شیطان کا مکروفریب کہا گیا ہے۔ سورۃ انفال 25 میں فتنہ کا لفظ عذاب کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اس سورۃ کی آیت 39 میں فتنہ سے مراد کفر اور شرک ہے۔ سورۃ مائدہ 41 میں فتنہ کا مطلب گمراہی ہے۔ کفر اور ترغیب کفر کو بھی فتنہ کہا گیا ہے۔ یہ سب ظلم کی مختلف اشکال ہیں۔

پر فتن معاشرہ کی سب سے نمایاں برائی استحصال اور ظلم ہوتا ہے جو طرح طرح کی روحانی، جسمانی، مالی اور معاشرتی استحصالی شکلوں میں نظر آتا ہے۔ مثلاً بت پرستی، جاہ پرستی، کفر پرستی، شرک اور دین سے انحراف، دولت کا غلط استعمال، غلط ارتکاز، کمزور کا حق کھانا، مکروفریب، رشوت، چوری، ڈاکہ دہشت گردی (Terrorism) وغیرہ یہ سب بھی فتنہ ہی کے مختلف نام ہیں، جو قتل سے بھی بدتر جرم ہے اس لئے کہ قتل تو ایک انفرادی ظلم ہے لیکن فتنہ پورے معاشرے کی موت ہے۔ جہاں فتنہ کا دور دورہ ہوگا بظاہر تو وہاں لوگ زندہ ہیں لیکن اس کے نتیجہ میں پرآشوب حالات، پریشانیوں، بے انصافیوں، مایوسیوں اور کفر کی وجہ سے ان کے دل مردہ ہو جاتے ہیں۔ معاشرہ میں ترقی اور نیکی کا عمل رک جاتا ہے۔ قدرتی آفات، باہمی مصائب اور معاشرتی عذاب کا دور دورہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر لازم قرار دیا ہے کہ فتنہ کے تمام عوامل کو ختم کر کے ہی دم لیں۔

292- فتنہ کے خلاف جہاد فرض ہے:-

چونکہ فتنہ ہر برائی کی جڑ اور امن کا دشمن ہے اس لئے قرآن کریم کی آیات کریمہ 190-193 میں مسلمانوں پر فتنہ کے خلاف جہاد کرنا فرض قرار دیا ہے۔ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اپنی استطاعت کے مطابق اور اپنے حلقہ (Plateform) سے فتنہ کے خلاف جہاد کرتا رہے اور فتنہ پردازوں کو کبھی برداشت نہ کیا جائے۔ اور انکی جڑ کاٹ دی جائے (Nip the evil in the bud) ان کی آزادی پورے معاشرہ کی غلامی ہے، اگر وہ اپنی حرکات سے باز آجائیں تو قابل معافی ہیں، ورنہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ ان کے خلاف جنگ جاری رہے تاوقتیکہ فتنہ مٹ جائے اور دین صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے قائم ہو جائے۔ رحمت اللعالمین ﷺ کا ارشاد ہے۔ ''مظلوم کی مدد کرو اس کا حق دلا کر، ظالم کی مدد کرو اسے ظلم سے روک کر''۔

برائیوں کی برائی ظلم ہے اور ظلم کے خلاف جہاد ہر مسلمان پر واجب ہے۔ اس ضمن میں جن چیزوں کے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے ان کے نفاذ اور جن چیزوں سے منع فرمایا ہے ان کے ترک کیلئے کوشش کرنا شامل ہے۔ یہی ''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' ہے۔ اس کے لئے ہر طرح کی جدوجہد، خواہ وہ تبلیغی ہو، مالی ہو یا دماغی ہو، یہ سب جہاد ہیں۔

اسی ضمن میں چور اچکوں سے اپنے مال کی حفاظت کرنا اور اپنے بیوی بچوں کو حلال کی کمائی سے رزق پہنچانا بھی جہاد ہے۔ اس کی اہمیت کا اس سے اندازہ کریں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ''جو شخص اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا گیا پس وہ شہید ہے''۔ حق کی گواہی کی آخری حد جان کا نذرانہ ہے۔ اگر یہ کام بھی خوشی بخوشی کر دیا تو جہاد کا آخری اعزاز بھی حاصل ہو جائے گا۔ یعنی بلاحساب جنت (انشاء اللہ)۔

293- مسجد حرام میں خون ریزی کی ممانعت:-

آیہ مبارکہ 191 میں جنگی اصول بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ مسجد حرام میں خون ریزی منع ہے۔ عام معنوں میں اس اصول کا اطلاق ان تمام عبادت گاہوں پر ہے جہاں اللہ تعالیٰ کا نام لیا جاتا ہے۔ خصوصی طور پر مسجدیں جو مصداق اللہ تعالیٰ کے گھر ہیں ان میں خون ریزی حرام ہے۔ البتہ اگر کافر یا فتنہ پرداز مسجدوں میں خون ریزی کریں تو اپنی حفاظت اور مساجد کی حرمت کے لئے وہاں بھی ان کا مقابلہ اور خون بہانا مسلمانوں پر جائز ہو جاتا ہے۔ اسی سلسلہ میں آگے آنے والی آیات کریمہ میں جہاد کے مزید پہلو واضح کئے گئے ہیں۔ فرمایا.....

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ	194- حرمت والا مہینہ ہے بعوض حرمت والے کے،
وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ	اور حرمتوں کا قصاص ہے۔
فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ	سو جو تم سے زیادتی کرے تو تم بھی اس پر
فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ	کر سکتے ہو مانند اسکے جو اس نے تم پر زیادتی کی ہے۔
وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ○	اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، اور جان لو، کہ اللہ تعالیٰ متقیوں کے ساتھ ہے۔

وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ	195- اور تم خرچ کرو اللہ تعالیٰ کی راہ میں، اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں سے تباہی میں نہ ڈالو۔
وَاَحْسِنُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ○	اور ہر کام احسن طریقہ سے بجا لاؤ، بے شک اللہ تعالیٰ پسند کرتے ہیں، اچھی طرح کام کرنے والوں کو۔

294- حرمت والے مہینے اور جنگ:-

جنگ وجدل اور قتل وغارت کو روکنے کیلئے اللہ تبارک تعالیٰ نے مسلمانوں پر سال میں چار مہینے یعنی ''ذی القعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب'' کو محترم قرار دیا ہے اور ان میں ہر طرح کی خون ریزی کو حرام قرار دیا ہے۔ یوں ہر قسم کے جھگڑے حرمت والے مہینوں میں بند ہو جانے چاہئیں اور فریقین کو بات چیت کے ذریعے اپنے مسائل کو طے کرنا چاہیے۔

حرمت والے مہینوں کا نظریہ اتنا زبردست ہے کہ اگر اقوام عالم اور یو این او اس نظریہ کو اپنالیں تو دنیا میں کئی جھگڑے خود بخود ختم ہو جائیں گے۔ جنگ میں ملوث فریقین کو حکم ہے کہ حرمت والے مہینوں میں وہ جنگ بند کر دیں اور حالات کو پرامن بنائیں۔ چونکہ حکم کی نوعیت عمومی ہے اس لئے اس کا اطلاق صرف مکہ مکرمہ کی حدود تک ہی نہیں بلکہ ان کا اطلاق ہر جگہ، ہر ملک اور ہر قوم پر ہے کہ وہ ان مہینوں میں قتل وغارت بند کر دیں۔ البتہ اگر ایک پارٹی تو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق جنگ بند کر دے اور مخالف پارٹی باز نہ آئے تو پھر پہلی پارٹی پر گناہ نہیں کہ وہ دشمن کا مقابلہ جاری رکھے۔ اس صورت میں انشاء اللہ فتح حق کی ہوگی۔ اور اللہ تعالیٰ کی حدود کو توڑنے کی وجہ سے پہل کرنے والی پارٹی گنہگار بھی ہوگی۔

295- ہر حرمت کا قصاص ہے:-

آیت نمبر 194 میں ایک نہایت اعلیٰ عدالتی اصول یہ دیا گیا ہے کہ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ۔ ''ہر حرمت کا قصاص ہے'' اگر کوئی شخص کوئی انسانی قدر توڑتا ہے، اللہ تعالیٰ کے حقوق یا بندوں کے حقوق میں بگاڑ پیدا کرتا ہے تو اس پر قصاص لازم ہے۔ یعنی ظلم کی پیروی کرنا اور بدلہ لینا جائز ہے۔ مقصد ظلم اور تعدی کو روک دینا ہے۔ لیکن ظلم ہوتے ہوئے بھی مسلمانوں کیلئے حکم ہے کہ انتقام کی آگ میں جل کر خود ظالم نہ بن جائیں۔ اینٹ کا جواب اینٹ سے دینے کی اجازت ہے لیکن اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کی اجازت نہیں اور معاف کر دینا تو بہت ہی بہتر ہے۔

''ہر حرمت میں قصاص ہے'' کے حکم کا یہ بھی مطلب ہے کہ معمولی ظلم کو بھی نظرانداز نہ کیا جائے۔ اگر معاشرہ چھوٹے چھوٹے مظالم کو ہونے سے روکتا رہے گا تو بڑے مظالم سے خود بخود ہی بچا رہے گا۔ اسلام کا یہ سنہری اصول عالم انسانیت پر احسان عظیم ہے اسکے مطابق حالت جنگ میں بھی ظلم کی اجازت نہیں، اور جنگ بھی صرف اللہ تعالیٰ سے ڈر کر، اللہ تعالیٰ ہی کیلئے جائز ہے۔ آیۃ مبارکہ 194 میں یہ خوشخبری بھی فرمادی کہ اگر مطلوب اللہ تعالیٰ کی رضا ہے کشور کشائی اور ذاتی مفاد نہیں تو پھر اللہ تعالیٰ متقیوں کے ساتھ ہے اور انشاء اللہ وہ یقیناً فتحیاب ہونگے۔

296- اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ:-

آیہ مبارکہ 195 جہاد ہی کی ایک اور اہم کڑی ہے۔ انسان کو سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی نے دیا ہے۔ اسکا مال و دولت عزت و

طاقت، اس کی اپنی ہستی، سبھی رب العالمین کی عطا ہیں۔ لیکن پھر بھی اکثر لوگ ان چیزوں کو اپنے نفس کی ملکیت سمجھ لیتے ہیں۔ آیہ مبارک 195 میں بتایا گیا ہے کہ تمہیں جو کچھ بھی دیا گیا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ تم اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو اس کا نتیجہ تمہاری تباہی ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کا ایک مطلب اللہ تبارک تعالیٰ کے دین کو سربلند کرنے اور اس کی مخلوق کی بھلائی کیلئے ہمہ وقت کام کرنا ہے۔ اس راستہ میں عقلی، جسمانی، روحانی قوتوں، وقت، مال و دولت، آرام اور سکون کو قربان کرنا سب شامل ہیں اور کبھی جان دینے کی ضرورت پڑ جائے تو پھر بھی پیچھے نہیں ہٹنا۔ جس حد تک کوئی معاشرہ اس کام میں آگے ہوگا اسی حد تک وہ دنیا و جہان میں کامیاب ہوگا اور دنیا کی امامت بھی انہی کے لئے ہے۔ اس کے برعکس کنجوس اور بخیل معاشرہ اپنے ہاتھوں اپنی تباہی کی طرف بڑھتا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے... **وَاَنۡفِقُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَلَا تُلۡقُوۡا بِاَيۡدِيۡكُمۡ اِلَى التَّهۡلُكَةِ** یعنی صدقات میں خوشحالی ہے، ان سے معاشی کارکردگی بڑھتی ہے جبکہ بخل نجاست اور موت ہے۔

297- ہر کام بہت اچھی طرح کرو:-

سوسائٹی کی بقا اور ترقی کے لئے آیہ مبارک 195 ہی میں ایک اور نہایت اعلیٰ اصول بتا دیا گیا ہے فرمایا **وَاَحۡسِنُوۡا ۛۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ** کہ ”اور ہر کام احسن طریقے سے بجا لاؤ، بے شک اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں، اچھی طرح کام کرنے والے کو“۔ خواہ وہ عبادات ہوں یا مجاہدات، اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا ہو یا اپنی ذات پر۔ ذاتی معاملات ہوں یا دفتر کا کام۔ گھر ہے یا کھیل کا میدان، جدھر بھی ہو، جو بھی کام کر رہے ہو اسے بہت اچھی طرح سرانجام دو۔ یہ ہے مسلمانی۔ اگر کام کو بیگار سمجھ کر کیا تو یہ صرف رب العزت کے حکم کی روگردانی ہوگی جس کا نتیجہ دنیا و آخرت میں رسوائی کے ماسوا اور کچھ نہیں۔ بلکہ انسان اللہ تعالیٰ کی نظروں سے گر جائے گا۔ (استغفر اللہ)

آیۃ مبارکہ 195 کا اخیر بھی نہایت خوبصورت ہے فرمایا **اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ** ”بے شک اللہ تعالیٰ اچھی طرح کام کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں“۔ تمام مخلوقات کا فطری تقاضا ہے کہ جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں وہ بھی اس کو پسند کریں چونکہ کام کو احسن طریقہ سے ادا کرنے میں رب العزت کی پسند ہے اس لیے احسن کام کرنے والا مخلوقات کا بھی پسندیدہ بن جاتا ہے۔ وہ جن و انس میں مقبول عام ہو جاتا ہے۔

اسکے برعکس جو فرد، معاشرہ یا قوم احسن طریقہ سے اپنے کام نہیں کرتی ان سے مخلوقات بھی منہ موڑ لیتی ہیں۔ اس لئے چاہیے کہ ”ہر کام اچھی طرح کرو اور چل چلاؤ والا کام نہ کرو“ کی عادت بچوں میں بچپن ہی سے ڈالی جائے۔ آج کے دور میں امریکن، یورپین، جاپانی اور چینی اقوام کی کامیابی کا اگر تجزیہ کیا جائے تو اسکی وجہ انکا اسلام کو نہ مانتے ہوئے بھی آیات کریمہ 195-94 میں دیئے گئے اصولوں پر عمل

کرنا ہے اور مسلمان اگر اپنے مقام سے نیچے گرے ہوئے ہیں تو اسکی وجہ بھی ان احکامات کو پس پشت ڈالنے کی ہے۔

298- حج جہاد کی شکل:-

اللہ تبارک تعالیٰ کے راستہ میں جان و مال کے ایک جہاد کی شکل حج اور عمرہ ہے جو اسلام کا سالانہ بین الاقوامی اجتماع ہے اور امت محمد مصطفیٰ ﷺ کا عالمی پلیٹ فارم ہے جہاں اللہ والے ہر سال جمع ہوتے ہیں تاکہ باہمی رابطے بڑھیں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جدوجہد کے عمل کو آگے بڑھانے کے لئے جامعہ منصوبہ بندی ہوتی رہے۔ اگلی کچھ آیات کریمہ اسلام کے انہی اہم ترین شعار کے متعلق ہیں۔ فرمایا

وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ ۚ
فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۖ
وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ
حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ ۚ
فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا
أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ
أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ ۚ
فَإِذَا أَمِنْتُمْ
فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ
فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ
فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ
وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ ۗ
تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۗ
ذَٰلِكَ لِمَنْ لَمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ
الْحَرَامِ ۚ
وَاتَّقُوا اللَّهَ
وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝

196- اور حج اور عمرہ کو خالص اللہ تعالیٰ کیلئے بجالاؤ،
پس اگر تم روک دیئے جاؤ،
تو پھر جو کچھ میسر آئے اس کی قربانی کرو۔
اور پھر اس وقت تک سر نہ منڈواؤ
جب تک کہ قربانی نہ کرلو۔
پس اگر کوئی تم میں سے مریض ہو،
یا اسے (سر منڈوانے سے) کوئی تکلیف ہو،
تو اس کے بدلے روزے رکھے، صدقہ دے
یا قربانی کرے۔ پھر جب تمہیں امن نصیب ہو،
تو حج اور عمرہ سے مستفیض ہو،
جو قربانی میسر آئے وہ کردو،
اور جسے مقدور نہ ہو تو رکھے تین روزے پے در پے
ایام حج میں، اور سات روزے (اپنے گھر)
واپس لوٹ کر، اور یہ ہوگئے پورے دس۔ اور یہ
(رعایت) اسکے لئے ہے جو مسجد الحرام کا باشندہ
نہیں۔ اور تم لوگ اللہ تبارک تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔
اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت مواخذہ کرنیوالا ہے۔

197- اور حج کے مہینے پہلے سے معلوم (مقرر) ہیں،

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ — پس جس نے ان میں حج لازم کرلیا (احرام باندھ لیا)

فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ — تو وہ دوران حج نہ بیوی کے پاس جائے،

وَلَا فُسُوْقَ ۙ — اور کوئی فسق و فجور کی بات کرے اور

وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۗ — نہ کسی سے جھگڑا کرے۔

وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ۗ — اور تم جو بھی اچھا کام کرتے ہو اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے،

وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۡ — اور حج میں اپنے ساتھ زادِ راہ لے کر جاؤ۔ پھر بھی بہترین توشہ تقویٰ ہے

وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ○ — اور اے عقل مندو، مجھ سے ڈرتے رہو۔

299- حج اور عمرہ کا حکم:-

آیۃ کریمہ 197 کا آغاز اس حکم سے ہوتا ہے کہ وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ۔ "تم اللہ تعالیٰ کیلئے حج اور عمرہ ادا کرو"۔ یہ حکم عام ہے اور ہر مسلمان پر فرض ہے کہ زندگی میں کم از کم ایک دفعہ بیت اللہ شریف کا حج کرے۔ حضور ﷺ کے دربار اقدس پر حاضری دینا اگرچہ فرض نہیں لیکن جیسے کلمہ طیبہ صرف لا الہ الا اللہ سے مکمل نہیں ہوتا حج بھی نبی پاک ﷺ کی حاضری اور آپ ﷺ کی مسجد میں نماز پڑھنے کے بغیر تشنہ رہ جائے گا۔ کم از کم وہاں چالیس نمازیں پڑھنا مستحب ہے۔

جو کوئی بھی زادِ رہ رکھتا ہے یعنی اتنا مال و دولت اس کے پاس ہے کہ اہل خانہ کی ضروریات کے بعد سفر کے اخراجات برداشت کر سکتا ہے، تو پھر مزید انتظار کئے بغیر اسے حج کر لینا چاہیے۔ جو لوگ حج کرنے کیلئے دنیا کے بکھیڑوں سے فراغت کا انتظار کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ جوانی کا حج احسن ترین عمل ہے اور پھر زندگی کی مہلت کا کسے پتہ ہے۔

آیۃ کریمہ 196 اور 197 میں حج کیلئے کچھ شرائط اور کچھ رعایتوں کا ذکر ہے۔ آیۃ مبار 196 کے اخیر میں یہ فرمان کہ "خوب جان لو اللہ تعالیٰ سخت مواخذہ کرنے والا ہے" یہ وارننگ (Warning) اس لئے ہے کہ حج اور عمرہ کے تمام فرائض، شعار اور حدود کا پورا پورا خیال کیا جائے ورنہ بھول چوک، سستی یا لاپرواہی کا نتیجہ ٹھیک نہیں ہوگا۔

300- حج میں کچھ احتیاطیں:-

آیتہ مبارکہ 197 میں حج کے متعلق کچھ لازمی احتیاطوں کا ذکر ہے۔ دوران حج یعنی (حج کے دس دنوں میں) بیویوں کے ساتھ خصوصی تعلقات، فسق وفجور کی باتیں اور آپس میں جھگڑا، گالی گلوچ، دنگا فساد سے منع کیا گیا ہے۔ مسلمانوں کو ہمیشہ ہی اچھے کام کرنے کا حکم ہے۔ بلکہ اسلام تو ہے ہی اچھے کام کرنے کا نام لیکن دوران حج وعمرہ تو آدمی کو معمول سے بہت بڑھ چڑھ کر نیک اعمال بجالانے چاہئیں اور اس جذبہ کے ساتھ برائی تو کیا، مکروہات سے بھی دور دور رہا جائے۔

301- زادِ راہ کی شرط:-

آیتہ مبارکہ 197 میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ حج پر جاتے وقت ضروری سامان اور رقم ساتھ لے کر جاؤ (وَتَزَوَّدُوا) تاکہ نہ صرف یہ کہ کسی پر بوجھ بنو بلکہ دوسروں کی بھی مدد کر سکو۔ چنانچہ سفر کے ضروری اخراجات کے بغیر دوسروں کے سہارے حج کرنا یا گداگری سے گزارہ کرنے کی ممانعت ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی بتادیا گیا ہے کہ ساز وسامان میں زیادتی نہیں کرنا۔ بہت زیادہ خرچ بھی نہیں کرنا" (خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى) بہترین توشہ تو پرہیزگاری ہے، یعنی دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی ناراضگی کا خوف لیکر وہاں جانا ہے اور یوں اللہ تعالیٰ سے ڈر ڈر کر اس کی محبت میں حج کے تمام معاملات طے کرنا ہے"۔ اس لئے اگر حاجی صاحبان زادِ راہ کے طور پر ضرورت سے زیادہ سامان وغیرہ لے جانے، دوران حج بسیار خوری، زیادہ سونے، آرام کرنے، گپ بازی اور بلاضرورت خرید وفروخت سے احتراز کریں تو ان کیلئے بہتر ہوگا۔ عقلمند حاجی وہی ہے جو تقویٰ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لئے حج پر جاتا ہے، اللہ تعالیٰ ہی کیلئے حج کے تمام اوقات میں مصروف عمل رہتا ہے، ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور اسکی ناراضگی کے خوف میں گزارتا ہے اور ہر طرح کی فضول خرچی سے بچتا ہے۔ اس لئے کہ یہ اعمال حج کی قبولیت کے لئے ضروری ہیں۔

302- حج کے تجارتی اور سیاسی فوائد:-

جہاں حج ایک سالانہ روحانی اجتماع ہے وہاں اس کے کئی ایک سیاسی، معاشرتی اور تجارتی فوائد بھی ہیں۔ آیتہ مبارکہ 198 میں ہماری توجہ حج کی اس معاشرتی اور تجارتی اہمیت کی طرف دلائی گئی ہے۔ فرمایا.....

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ	198- اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ تم
اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ	(دوران حج) اپنے رب کے فضل کے متلاشی ہو۔
فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ	جب عرفات سے فارغ ہوجاؤ
فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۪	تو مشعر الحرام کے پاس (مزدلفہ میں) اللہ تعالیٰ

وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ — کو کثرت سے یاد کرو، اور اسی طرح یاد کرو جیسے تمہیں ہدایت کی گئی ہے۔

وَإِن كُنتُم مِّن قَبْلِهِ لَمِنَ الضَّالِّينَ ○ — اور تم اس (اسلام) سے پہلے گمراہوں میں سے تھے۔

ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ○

199- پھر تم کوچ کرو سب کے ساتھ، اس جگہ سے کہ جہاں سے لوگ کوچ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرو جو نہایت بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

303- حج کی تجارتی اہمیت:-

آغاز آیہ مبارک 198 میں اس غلط فہمی کو دور کیا گیا ہے کہ حج کے دنوں میں دنیا کے معاملات گناہ ہیں۔ فرمایا گیا ہے **لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّن رَّبِّكُمْ** کہ "اس بات میں کوئی مضائقہ نہیں کہ دوران حج تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو"۔ رب کے فضل کی تلاش کا مطلب محنت مزدوری اور تجارت وغیرہ ہے۔ یوں حج ایک عظیم الشان عبادت کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کا بین الاقوامی سیاسی اور تجارتی پلیٹ فارم بھی ہے۔ چنانچہ اسلام کے شاندار ماضی میں حج کی تیاریوں میں یہ بھی شامل تھا کہ دنیا بھر کی مصنوعات اور تجارتی مال، مسلمان تاجر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں جمع کر دیتے تھے، تجارتی میلے ہوتے، درآمد برآمد کے معاہدے ہوتے اور یوں حج نہ صرف عبادت اور سیاست بلکہ امت کی معیشت میں بھی ایک نہایت اہم کردار کا حامل تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ مسلمانوں کا سالانہ بین الاقوامی سیاسی اور علمی اجتماع بھی تھا جہاں دنیا بھر کے مسلم رہنما اور علماء اکٹھے ہوتے اور تبادلہ خیالات کرتے۔

افسوس کہ آج یہ عظیم الشان شعار محض عبادت بن گیا ہے۔ تجارت تو اب بھی ہوتی ہے لیکن مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ غیر اسلامی ملکوں کی مصنوعات کی سب سے بڑی منڈی ہیں۔ حاجی غیر مسلم ممالک اور اسلام کے دشمنوں کا بنا ہوا مال اٹھائے ہوئے اپنے اپنے وطن لوٹتے ہیں جو ایک افسوس ناک بات ہے۔ اگر مکۃ المکرّمہ اور مدینہ منورہ صرف مسلمان ممالک کی مصنوعات کی منڈیاں ہوں تو امت مسلمہ کیلئے حج کے دنیاوی فوائد میں مزید اضافہ ہوگا۔ جس طرح غیر مسلموں کا داخلہ ان دو مقدس شہروں میں ممنوع ہے اسی طرح اگر وہاں غیر مسلم ممالک کے مال کا داخلہ بھی ممنوع ہو تو آیۃ مبارکہ 198 میں جس فضل کی خوشخبری دی گئی ہے وہ مسلمانوں کا ہوگا۔ انشاء اللہ!

304- مناسک حج:-

آیۃ مبارکہ 198-199 میں مناسک حج کی تفصیلات کو بھی بیان فرما دیا گیا ہے۔ حج کی انتہا میدان عرفات میں دوپہر سے پہلے سورج ڈھلنے تک کا قیام ہے۔ یہ مقام روحانی بلندیوں اور اللہ تعالیٰ کی معرفت کا مقام ہے۔ یہ مکۃ المکرّمہ سے چھ کلومیٹر باہر بہت بڑا

میدان ہے روائت ہے کہ یہ وہی جگہ ہے جہاں حضرت آدمؑ اور اماں حواؑ کا ملاپ ہوا اور ان کی دعا قبول ہوئی۔ یہ جگہ مغفرت اور رفعت درجات کی جگہ ہے۔ وہاں دعائیں قبول ہوتی ہیں، توبہ کرنے والوں کو گناہوں سے معافی ملتی ہے۔ یہیں ایک پہاڑی پر سرور کائنات ﷺ نے اونٹنی پر سوار ہو کر حجۃ الوداع کے موقع پر ایک لاکھ سے زائد افراد کے اجتماع میں اپنا مشہور عالم خطبہ دیا تھا، جو آج بھی انسانی حقوق Human Rights کا بہترین چارٹر ہے۔ اپنے خطبہ کے آخر میں آپؐ نے فرمایا "اے اللہ! گواہ رہنا میں نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے"۔ اس خاص مقام پر کھڑے ہو کر یا میدان عرفات میں کسی بھی جگہ وقوف کے وقت حضور پاکؐ کے حجۃ الوداع اور آپ کے ساتھی اصحابہ کرامؓ کے اجتماع کے تصور کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا، روح کیلئے سرفرازی کا باعث ہوگا۔ (انشاء اللہ)

آیۃ مبارکہ 198 میں عرفات کے بعد مشعر الحرام میں رات کے پڑاؤ کا حکم ہے۔ تمام حاجی وہاں کھلے میدان میں آسمان کے نیچے رات گزارتے ہیں۔ آیۃ مبارکہ 198 میں تاکید کی گئی ہے کہ یہ رات اللہ کے ذکر میں گزاری جائے۔ یہاں کا قیام روز محشر کی مثل ہے صبح منیٰ کی طرف کوچ ہوتا ہے جہاں قربانی دی جاتی ہے اور شیطان کو کنکریاں مار کر انسان اپنے نفس پر فتح حاصل کرنے کی مشق کرتا ہے۔

یہ تمام شعائرِ حج ہیں جن کی خصوصیت یہ ہے کہ، بیت اللہ کا طواف مقام حاضری ہے، عرفات مقام معرفت ہے، مشعر الحرام مقام وصل ہے اور منیٰ مقام نعمت ہے اور جہاں شیطان کو کنکریاں ماری جاتی ہیں وہ مقام مغفرت ہے۔ یہ نہایت قیمتی لمحات ہیں اور یہاں کئے گئے اعمال ارادے اور دعائیں انتہائی اہم ہیں۔ لہٰذا ان سب کو ویسے ہی ادا کرنا چاہئے جیسا نبی کریمؐ نے ہمیں ہدایت کی ہے۔ یہی حج ہے۔

اگلی آیات کریمہ میں حج کے بعد ہدایات ہیں۔ فرمایا.....

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ
فَاذْكُرُوا اللّٰهَ
كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ۗ
فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى
الدُّنْيَا
وَمَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۝

200- پس جب تم اپنے مناسک (حج) انجام دے لو تو اللہ کا ذکر کرو جیسے تم، (فخر و مباہات کے ساتھ) اپنے آباؤ اجداد کا ذکر کرتے ہو، بلکہ اس سے بھی زیادہ۔
پھر کوئی آدمی لوگوں میں سے کہتا ہے،
"اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا کر"
ایسے لوگوں کیلئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا
فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً
وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝

201- اور ان میں سے جو یہ کہتے ہیں "اے ہمارے پروردگار ہمیں دنیا میں بھلائی عطا کر، اور آخرت میں بھلائی عطا کر، اور ہمیں (نار) آگ کے عذاب سے بچا"۔

أُولَٰئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا ۚ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ○

202- یہی وہ (لوگ ہیں) جن کے نصیب میں ہوگا جو کچھ انہوں نے کمایا۔(یعنی انکی محنت ضائع نہیں جائیگی) اور اللہ تعالیٰ نہایت سرعت سے حساب کرنیوالا ہے۔

305- ذکرالٰہی کی اہمیت :-

حج بذات خود اللہ تعالیٰ کی یاد ہے۔اس کا ایک ایک رکن، انسان کا تعلق اپنے مالک سے جوڑتا ہے۔لیکن اس کے باوجود آیہ مبارک 198 میں حکم ہے "مشعر الحرام کے پاس اللہ تعالیٰ کو خوب یاد کرو" اور آیۃ 200 میں ارشاد ہے۔ **فَإِذَا قَضَيْتُم مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا۔** "جب تم مناسک حج سے فارغ ہوجاؤ تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو۔جیسے تم اپنے آباؤ اجداد کا ذکر کرتے ہو" مطلب یہ ہوا کہ دوران حج اللہ سبحانہ تعالیٰ کا ذکر اعلیٰ ترین عبادت ہے۔اور حج کے بعد بھی یہی سب سے بڑی عبادت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ذکر کیسے کیا جائے؟ اس کا جواب بھی آیۃ مبارکہ 200 میں بتا دیا گیا ہے فرمایا...... **فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا۔** "اللہ کا ذکر کرو اسطرح جیسے تم اپنے آباؤ اجداد کا ذکر کرتے ہو۔بلکہ اس سے بھی بڑھ کر" انسان جب اپنے آباؤ اجداد کا ذکر کرتا ہے تو ان سے اپنے ذاتی تعلق کو یاد کرتا ہے، ان کی محبت، بڑائی، خوبیوں اور مہربانیوں کے حوالے دیتا ہے ان پر فخر کرتا ہے، کوئی ان کی برائی کرتا ہے تو ان سے لڑتا ہے۔ لیکن یہ سارے تعلقات عارضی ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ سے انسان کا رشتہ ہمیشگی والا ہے اس لئے جیسے آیۃ مبارکہ 200 کے ارشاد سے ظاہر ہے مومن ہر خوبی، بڑائی اور مہربانی کا حقیقی حقدار صرف رب العالمین ہی کی ذات مبارک کو سمجھتا ہے اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہایت اہتمام سے کرتا ہے۔کسی نے کیا خوب کہا ہے "رانجھا رانجھا کوک دی...... میں آپے رانجھا ہوئی"۔

ہمیں چاہیے کہ اپنے مہربان مالک کا اتنا ذکر کریں کہ اس کے رنگ میں رنگے جائیں۔ اس کی عطا کی گئی نعمتوں، لذتوں، مہربانیوں، اور خوشیوں کا دل و جان سے شکریہ ادا کیا جائے اور دل سے اس کے ممنون ہوں۔ زندگی کے ہر طرح کے معاملات اور معمولات کا دارومدار اللہ تعالیٰ ہی کو سمجھا جائے۔اور اس کے نام کو دل اور زبان سے بلند کیا جائے۔ **لبيك اللهم لبيك - انشاء الله ، ماشاء الله ،سبحان الله ، الله اكبر، استغفر الله ، لا اله الا الله ، الحمد لله** جیسے کلمات ہماری زبان کا حصہ بن جائیں ہر سانس کے ساتھ اللہ اللہ کا ورد ہوتا رہے، محفلوں میں اللہ تعالیٰ۔اس کے نبی پاک ﷺ، قرآن حکیم اور احادیث مبارکہ کے حوالہ سے بات کی جائے۔اسی ضمن میں اللہ تعالیٰ کے لئے تعمیرات بنانا، مسجدوں کو سجانا، لوگون کو کھانا کھلانا، صدقات، تحفے، تحائف دینا وغیرہ بھی اس کے ذکر ہی کی مختلف صورتیں ہیں، لیکن فضول خرچی سے بچتے ہوئے اسلئے کہ اللہ تعالیٰ فضول خرچوں سے محبت نہیں کرتے۔

306- صرف دنیا کی دعا کرنا:-

آیتہ مبارکہ 200 کے اخیر میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو آخرت کے مقابلہ میں دنیا کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ وہ اٹھتے بیٹھتے اللہ تعالیٰ سے دنیا ہی مانگتے ہیں۔ یقیناً رب تعالیٰ دنیا داروں کی دعا بھی قبول کرتا ہے اور انہیں خوب دنیاوی نعمتیں عطا کرتا ہے، جیسے ہنود و یہود نصاریٰ اور دیگر مشرک اقوام آج کل دنیاوی جنت سے نوازے گئے ہیں۔ یہ اس کی شان ہے کہ وہ اپنے دشمنوں کو بھی مایوس نہیں کرتا بلکہ حجت پوری کرنے کے لئے ان کی توقعات سے بڑھ کر انہیں دنیا دیتا ہے لیکن یہ سب عارضی متاع ہیں۔ حقیقت میں وہ بدقسمت ہیں ان کے بارے فرمایا گیا ہے **مَالَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ** کہ ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں اس لئے کہ وہ آخرت کو تسلیم نہیں کرتے، اور نہ ہی آخرت بہتر بنانے کی ان کے دلوں میں آرزو ہے۔

307- دنیا و آخرت کی دعا:-

اس کے برعکس مسلمان کی سائیکی کافر سے بالکل مختلف ہے۔ جبکہ مومن کے لئے ہمیشہ رہنے والی آخرت اہم تر ہے، کافر کیلئے دنیا کی عارضی راحتیں زیادہ اہم ہوتی ہیں۔ مومن کی نظر دنیاوی زندگی کے فوائد سے موت کے بعد والی زندگی کے فوائد پر ہوتی ہے۔ اس لئے وہ کبھی اکیلی دنیا نہیں مانگتا بلکہ اسکی دنیا بھی آخرت ہی کے لئے ہوتی ہے۔ وہ دنیا کی بھلائی کے ساتھ ہمیشہ رہنے والی آخرت کیلئے برابر کی دعا کرتا ہے۔ جس کے الفاظ آیتہ مبارکہ 201 میں سکھائے گئے ہیں۔ **رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔**

یہ دعا نہایت جامعہ اور بہترین دعا ہے۔ چونکہ اس کو سکھانے والا خود رب العالمین ہے، اس لئے اسکی قبولیت یقینی ہے لیکن جیسے پہلے آچکا ہے دعا کے ساتھ ساتھ کوشش کی اہمیت کو نظر انداز کرنا بھی غلط ہے۔ آیتہ مبارکہ 202 میں یہ فرما کر **اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِیْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا** ۔ کہ "وہ اپنی کوشش کا صلہ ضرور پائیں گے" واضح کیا گیا ہے۔ کہ دعا کے ساتھ ساتھ مقصد کی طرف کوشش بہت ضروری ہے جسکی اعلیٰ ترین مثال خود صاحب قرآن ﷺ کی ذات مبارک ہے۔

308- سریع الحساب:-

آیتہ مبارکہ 202 کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات مبارک کا سریع الحساب کے الفاظ کے ساتھ تعارف کرایا ہے۔ اس کے حساب کی قوت کا اندازہ یہاں سے لگالیں کہ کائنات (Universe) میں موجود ذرہ ذرہ، پتہ پتہ، جراثیم یا ان سے بھی چھوٹی چیزیں، کہکشائیں اور ان سے بھی بڑی چیزیں جن کی تعداد کیلئے انسان کے پاس حساب نہیں سب اس کے حساب کے اندر ہمہ وقت اس کے حکم پر عمل پیرا ہیں۔ جدید کاسمالوجی (Cosmology) کی تحقیقات کے اندازے کے مطابق کائنات میں 10^{78} ذرات ہیں یہ ہوشربا تعداد بھی اسکے حساب کے اندر ہے۔

اس کی شان کس قدر سریع الحساب ہے شاید اسکا احساس آپ کائنات کے کنٹرول سے کرسکیں۔ مادی دنیا میں تیز ترین چیز روشنی ہے جس کی رفتار تین لاکھ کلومیٹر فی سیکنڈ ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی کائنات اتنی وسیع ہے کہ سائنسی حساب کے مطابق روشنی اگر ہمیشہ بھی چلتی رہے تو کائنات کے آر پار کا سفر اس کے لیے ناممکن ہوگا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر روشنی کائنات کی وسعت کے مقابلہ میں اس قدر سست رفتار ہے تو پھر اسکے مختلف اجزاء کے درمیان کونسا ذریعہ ابلاغ (communication) ہے جس سے وہ قابو میں رکھے جارہے ہیں اور یہ توازن قائم ہے؟ ہر چیز اپنے اپنے وقت پر کیسے ہورہی ہے؟ سائنسی قوانین ہمہ وقت ہمہ جگہ کیسے کام کررہے ہیں؟

ان باتوں کا جواب اس وقت بہت بڑا سائنسی مسئلہ ہے۔ کائنات میں کنٹرول اور توازن ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ کب کی تباہ ہوگئی ہوتی بلکہ اس کا وجود بھی محال ہوتا۔ لیکن یہ کنٹرول روشنی برقی یا مقناطیسی اشاروں (Electromagentic Signals) سے ناممکن ہے اس لئے کہ ان کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچنے میں اربوں سال چاہئیں۔ لہٰذا کائنات میں کنٹرول کے لئے کوئی اور ہی سسٹم ہوگا جو روشنی کی رفتار کی نسبت سے بھی انتہائی تیز تر ہونا چاہیئے۔

برقی مقناطیسی روشنی کے اشاروں کی سست رفتاری کے پیش نظر اب بہت سے سائنس دان یہ نظریہ پیش کررہے ہیں کہ کائنات آئن سٹائن کی چہار جہت کائنات (Four Dimensional Universe) نہیں بلکہ اس میں مزید کئی ایک جہتیں (Dimensions) ہیں جن کا ابھی انسان کو ادراک نہیں۔ یہ وہ جہتیں ہیں جن میں وقت اور فاصلے بھی سکڑ جاتے ہیں اور کنٹرول سگنل روشنی کی نسبت لاکھوں گنا زیادہ تیز رفتار ہونگے۔ (واللہ اعلم) بہرحال اللہ تعالیٰ کا حساب زمان ومکان کی پابندیوں سے بالاتر ہے۔ وہ ہمہ وقت ہر جگہ ہے۔ وہ چیزوں کے اندر اور باہر موجود ہے، یعنی کوئی چیز اس سے دور نہیں لہٰذا اس کو حساب اور کنٹرول کیلئے نہ وقت چاہیے نہ جگہ۔ اس نے کہا۔ "ہوجا" وہ ہوگیا۔ یہ اس کے حساب کی ادنیٰ سی شان ہے ہماری مادی عقل اسکو سمجھنے سے ہمیشہ ہی قاصر رہے گی لیکن دل کی آنکھ سے اسکی قدرت کا احساس ہوسکتا ہے۔ اس قلبی آنکھ کو کھولنے کے لئے انسان کو اپنے رب سے تعلق جوڑنا ہوگا جس کی مزید تاکید آیۃ 203 میں ہے۔ فرمایا......

(For more details please see appendix I to V)

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ

203- اور تم اللہ تعالیٰ کو (حج کے) مقررہ دنوں میں خوب یاد کرو۔ پس جو (منٰی سے) دو دن جلدی چلا گیا، اس میں (بھی) کوئی حرج نہیں۔

وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ؕ
وَ اتَّقُوا اللّٰهَ
وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ○

اور جو تاخیر کرے۔(اور تین دن پورے کرے) اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔اور یہ اس کے لئے ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ تم سب اسکی طرف جمع کئے جاؤ گے۔

309- حج کے بعد مقام منیٰ میں قیام اور ذکر الٰہی:-

آیۃ مبارکہ 203 میں مشعر الحرام سے آ کر منیٰ میں مزید دو سے تین دن ٹھہرنے کی ہدایت ہے۔اکثر جب کوئی کامیابی حاصل ہوتو عام طریقہ یہ ہے کہ لوگ خوشی کے اظہار کیلئے لہولعب کا راستہ اختیار کرتے ہیں کھیل تماشے کی طرف لگ جاتے ہیں لیکن آیہ مبارک میں حکم ہے کہ ''ان مقررہ دنوں میں اللہ تعالیٰ کو خوب یاد کرو'' حج کی کامیابی ملنے کے بعد یہ رب تعالیٰ کے شکر و ذکر کا وقت ہے کہ اس نے حج کی توفیق عطا فرمائی اور کامیابی دی۔اس وقت نفس کی کوشش ہوگی کہ جلدی سے گھر چلا جائے یا مکۃ المکرمہ کی رونقوں میں چلا جائے۔اگرچہ اسکی ممانعت نہیں لیکن آیۃ مبارکہ 203 کے نفس مضمون سے ظاہر ہوتا ہے کہ بہتر یہ ہوگا اگر آپ جلدی نہ کریں اور مزید دو تین دن منیٰ میں قیام کے دوران ذکر الٰہی میں مشغول رہیں۔زندگی میں ایسے قیمتی لمحات صرف کسی خوش قسمت ہی کو ملتے ہیں دوران حج تو حرکت ہی حرکت تھی اب منیٰ میں بیٹھ کر اپنے رب کے ذکر و شکر کا موقع ہے جس سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔

310- ذکر کی روح:-

آیہ مبارک 203 میں بھی اس بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ ذکر کی روح تقویٰ ہے۔حکم ہے ''اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ تم سب اسی کی طرف جمع کئے جاؤ گے''،اس لئے اللہ تعالیٰ ہماری محبتوں کا مرکز ہونا چاہیے۔جس طرح محبوب کی رضا حاصل کرنے کیلئے انسان کئی طرح کے جتن کرتا ہے اور ناراضگی کے خوف سے کئی باتوں سے بچتا ہے ہم بھی خوف،امید،رضا،محبت کے ساتھ اپنے پیارے رب کو یاد رکھیں۔حج کے بعد بھی دل میں حج کی حاضری والی کیفیت باقی رہے۔

یعنی **''لبیک اللھم لبیک''** میں حاضر ہوں۔اے میرے اللہ میں حاضر ہوں'' جو ہر حاجی کی دوران حج پکار ہوتی ہے اپنے گھروں میں واپس آنے کے بعد بھی اسی طرح دل کو اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر رکھا جائے۔ یاد رکھو کہ اللہ رب العالمین کے دربار میں مسلسل حاضری کا تصور ہی دراصل ذکر کی اصل روح ہے۔

اگلی آیات کریمہ میں ان لوگوں کی طرف توجہ مبذول کرائی گئی ہے جو اپنے حج صلوٰۃ،ذکر و افکار میں منافق ہیں،جن کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا اور تقویٰ نہیں بلکہ لوگوں میں مقبولیت،ان کی ہمدردیاں،دوستیاں اور مدد حاصل کرنا ہوتا ہے تاکہ اثر و رسوخ میں اضافہ ہو اور وہ من مانی کرسکیں۔فرمایا......

وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يُّعۡجِبُكَ
قَوۡلُهٗ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا
وَيُشۡهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِىۡ قَلۡبِهٖ ۙ
وَهُوَ اَلَدُّ الۡخِصَامِ ○

204- اور لوگوں میں کوئی ایسا بھی ہے جس کی گفتگو تمہیں
دنیاوی معاملات میں اچھی معلوم ہوتی ہے۔
اور وہ اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا ہے،
(گناہ کی بات پر) جو اسکے دل میں ہے
اور وہ سخت جھگڑالو ہے۔

وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِى الۡاَرۡضِ
لِيُفۡسِدَ فِيۡهَا وَيُهۡلِكَ الۡحَـرۡثَ وَالنَّسۡلَ ؕ
وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الۡفَسَادَ ○

205- اور جب ایسے لوگ (زمین میں) اثر و رسوخ حاصل
کر لیتے ہیں، تو اس میں فساد برپا کرتے ہیں، نباتاتی
اور حیوانی زندگی کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ اور (خبردار)
اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتا۔

وَاِذَا قِيۡلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ
اَخَذَتۡهُ الۡعِزَّةُ بِالۡاِثۡمِ
فَحَسۡبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَلَبِئۡسَ الۡمِهَادُ ○

206- اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو تو انہیں
آمادہ کرتی ہے ان کی عزت، انہیں مزید گناہ پر، ان کیلئے
جہنم (کی آگ) کافی ہے، اور یہ کیا ہی برا ٹھکانہ ہے۔

311- دوست دشمن کی پہچان:-

آیات کریمہ 204 سے 206 میں مسلمانوں کی سیاسی تربیت فرمائی گئی ہے اور انہیں دوست دشمن میں تمیز کرنے کی تعلیم دی گئی ہے کہ وہ اپنی سادہ لوحی سے عیار لوگوں کی باتوں میں ہرگز نہ آئیں۔ آیۃ مبارکہ 203 میں بتایا گیا تھا کہ صحیح طرز عمل تو یہ ہے کہ لوگ دن رات اللہ تعالیٰ کو یاد رکھیں اس کے لئے جئیں اور اس کے لئے مریں۔ لبیک اللّٰھم لبیک ان کی پکار ہو، لیکن جیسے فرمایا گیا ہے **وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يُّعۡجِبُكَ قَوۡلُهٗ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَيُشۡهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِىۡ قَلۡبِهٖ وَهُوَ اَلَدُّ الۡخِصَامِ** انسانوں میں وہ بھی ہیں جن کے قول و فعل کا مقصد صرف دنیاوی زندگی کے فوائد کا حصول ہے۔ اپنی چکنی چپڑی سیاسی مصلحت انگیز (Diplomatic) باتوں کے ذریعہ دوسروں کا دل موہ لینے کا فن جانتے ہیں۔ سننے والوں کو ان کی باتیں اچھی معلوم ہوتی ہیں اور لوگ ان کے گرویدہ ہو جاتے ہیں لیکن حقیقت میں یہ کسی کے بھی دوست نہیں ہوتے بلکہ سخت جھگڑالو، فسادی اور اسلام کے پکے دشمن ہیں۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ ایسے لوگوں کو پہچانیں اور ان کے دھوکا میں نہ آئیں تا کہ دنیا ان کی برائی سے بچے رہیں۔

312- شیطانی پروگرام:-

آیتہ مبارکہ 204-205 شیطان صفت انسانوں کی شخصیت کی آئینہ دار ہیں جو اپنا ہی ایک انسان دشمن پروگرام رکھتے ہیں جس کو بڑھانے کے لئے آہستہ آہستہ لگے رہتے ہیں جیسے آج کل یہود مختلف تنظیموں کے ذریعہ یہ کام کررہے ہیں لیکن عام لوگوں کو پتہ نہیں چلنے دیتے بہرحال وہ کتنا بھی چھپائیں اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کی حالت جانتا ہے۔آیتہ مبارکہ 205 میں فرمایا گیا ہے **وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ** کہ فساد ان کی گھٹی میں پڑا ہوا ہے۔جب بھی وہ طاقت حاصل کریں گے تو اپنے مذموم مقاصد کو پورا کرنے کے لیے وہ زمین میں فساد برپا کریں گے اور ماحول کو خراب کریں گے۔اپنی عام زندگی میں بھی یہ لوگ اپنی جفا کار پالیسیوں کے ذریعہ حیاتیاتی اور حیوانی زندگی کو سخت نقصان پہنچاتے ہیں اور انسانوں کو تنگ کرتے ہیں۔اگر انہیں فساد سے منع کیا جائے، اللہ تعالیٰ کا خوف یاد دلایا جائے، تو ضد میں آکر مزید تباہی کی کوشش کرتے ہیں۔ہوسکتا ہے کہ کچھ عرصہ کے لئے ایسے لوگوں کو دنیا میں من مانی کی مہلت حاصل ہو لیکن جیسا کہ آیت نمبر 206 سے ظاہر ہے آخر میں ان کو رونا پڑے گا۔کاش کہ وہ ابھی سمجھ جائیں اور آنے والے عذاب سے بچ جائیں۔

313- ماحول اور زمین دشمنی ایک معجزانہ پیشگوئی:-

آیتہ مبارکہ 205 میں اللہ تبارک تعالیٰ نے تمام نوع انسانی کو تنبیہ (Warning) کی ہے کہ شیطان دوست لوگ جب اثر و رسوخ اور طاقت حاصل کرلیتے ہیں تو زمین میں فساد برپا کردیتے ہیں فرمایا **وَإِذَا تَوَلَّىٰ سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ** ۔فساد دراصل توازن کو نقصان پہنچانے کا نام ہے۔یہ اصلاح کی ضد ہے۔ چنانچہ جو معاشرہ بھی انسانی ماحول کو نقصان پہنچاتا ہے، امن کو برباد کرتا ہے، لوگوں میں باہمی کشمکش کا باعث بنتا ہے اور ماحول میں قائم شدہ توازن کو خراب کرتا ہے وہ زمین میں فساد برپا کرتا ہے۔

آیتہ مبارکہ میں خصوصی طور پر نباتاتی اور حیوانی زندگی کو نقصان پہنچانے کی بات کی گئی ہے یعنی حیوانات اور نباتات کو نقصان پہنچانا بھی زمین میں فساد برپا کرنا ہے۔چنانچہ وہ تمام عوامل مثلاً ماحول کی آلودگی، گندگی کا پھیلاؤ زہروں کا چھڑکاؤ، انڈسٹری کے فضلات، زمین پر غیر معمولی تبدیلیاں کردینا، جنگلات ختم کرنا غرض ہر وہ کام جس سے نباتات اور حیوانات کو نقصان پہنچتا ہے گناہ کام ہے۔ اسکے برعکس تحفظ نباتات، جنگلات اور حیوانات نیکی کے کام ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں۔

(For more detail please see appendix xx)

یہ آیتہ مبارکہ دنیا پر یہود و نصاریٰ کے غلبہ اور اسکے تباہ کن نتائج کے متعلق پیشگوئی بھی ہے۔جیسے ان آیات میں بتایا گیا ہے ان کا ظاہر نہایت خوبصورت اور دیرپا ہے لیکن باطن خطرناک حد تک بدصورت ہے۔اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا میں اثر و رسوخ اور غلبہ عطا کیا تو

انھوں نے زمین پر اسقدر کثافت (Pollution) پھیلائی ہے کہ تمام طرح کی نباتاتی اور حیوانی زندگی کا وجود خطرے میں پڑ گیا ہے اور اب ان کے اپنے دانشور تسلیم کرتے ہیں کہ مغربی تہذیب کے اگر یہی لچھن رہے تو وہ دن دور نہیں جب یہ زمین رہنے کے قابل نہیں رہے گی۔ اس کا حل یہی ہے کہ ان لوگوں کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی جائے، اور اگر وہ باز نہیں آتے تو زمین اور اس کے ماحول کے دشمنوں کو اپنا دشمن سمجھا جائے:۔

اگلی آیۃ مبارکہ میں ان خوش قسمت لوگوں کا بیان ہے جنہوں نے اللہ کو راضی کیا اور جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہوا۔ فرمایا......

وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّشۡرِیۡ نَفۡسَہُ
ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ اللّٰہِ ؕ
وَ اللّٰہُ رَءُوۡفٌۢ بِالۡعِبَادِ ○

207- اور لوگوں میں کوئی ایسا (بھی) ہے، جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے بدلے اپنی جان بیچ دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ لطف و کرم کرنے والا ہے۔

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا
ادۡخُلُوۡا فِی السِّلۡمِ کَآفَّۃً ۪
وَّ لَا تَتَّبِعُوۡا خُطُوٰتِ الشَّیۡطٰنِ ؕ
اِنَّہٗ لَکُمۡ عَدُوٌّ مُّبِیۡنٌ ○

208- اے ایمان والو اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو۔ بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

فَاِنۡ زَلَلۡتُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡکُمُ
الۡبَیِّنٰتُ
فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ عَزِیۡزٌ حَکِیۡمٌ ○

209- پس اگر ان نشانیوں اور واضح ہدایات کے بعد بھی تم ڈگمگا جاؤ، تو جان لو کہ اللہ تبارک تعالیٰ طاقت اور حکمت والا ہے۔ (یعنی تمہیں کسی بھی صورت میں اس کی عدالت سے فرار نہیں)

ہَلۡ یَنۡظُرُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ یَّاۡتِیَہُمُ اللّٰہُ
فِیۡ ظُلَلٍ مِّنَ الۡغَمَامِ
وَ الۡمَلٰٓئِکَۃُ وَ قُضِیَ الۡاَمۡرُ ؕ
وَ اِلَی اللّٰہِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ ○

210- کیا (ان واضح نشانیوں اور ہدایات کے بعد بھی) یہ لوگ منتظر ہیں کہ اللہ تبارک تعالیٰ اور اس کے فرشتے خود سایہ فگن بادلوں میں ان کے پاس آئیں گے۔ حالانکہ فیصلہ تو ہو چکا ہے۔ (یاد رکھو) تمام معاملات کی بازگشت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے۔

314- مردانِ حق:-

آیۃ مبارکہ 207 میں ان مردانِ حق کا ذکر ہے جن کے بارے میں فرمایا گیا ہے **وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ** یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے اپنی جانوں کا سودا کر لیا ہے اور اب ان کی تمام سعی کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی ہے۔ ان کی زندگی کا اصول یہ ہے کہ جان جائے، مال جائے، سب کچھ قربان ہو جائے لیکن اللہ پاک ناراض نہ ہو۔ یہ لوگ دنیا جہان کیلئے باعث رحمت ہیں۔ ان پر اور ان کی وجہ سے اللہ تبارک تعالیٰ بے شمار لوگوں پر بھی لطف وکرم کرتا ہے۔ صحابہ کرامؓ میں اکثر ایسے ہی تھے اور ہمارا بھی یہی مطمع نظر ہونا چاہیئے۔

315- اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ:-

آیۃ مبارکہ 208 میں انفرادی اور مجموعی حیثیت سے تمام مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ** "اے ایمان والو اسلام میں پورے طور پر داخل ہو جاؤ اور شیطان کی پیروی سے بچو" یعنی آدھا تیتر اور آدھا بٹیر مسلمانی نہیں اس لئے اسلام کے مطابق مثبت زندگی کو اپنائیں اور منفی شیطانی قوتوں سے بچتے رہیں۔ دراصل اسلام ایک پورا سسٹم ہے جس کا اپنا نظام حکومت، نظام عدل، نظام سیاست، نظام معاشیات، نظام تجارت، نظام صنعت وسائنس، نظام تعلیم، نظام صحت، نظام عبادات، نظام معاملات، نظام معاشرت ہے، غرض یہ مکمل نظام حیات ہے۔

یہ نہیں ہو سکتا کہ مسلمان اس میں سے کچھ منتخب کر لیں اور کچھ چھوڑ دیں۔ کلمہ طیبہ پر ایمان لانے کے بعد آدمی پر اسلام پورے کا پورا لاگو ہو جاتا ہے اس کے بعد دین میں مرضی نہیں چل سکتی کہ جو چاہا کر لیا جو نہ چاہا نہ کیا۔ یوں حق اور باطل کے درمیان معلق رہنا منافقین کا شیوہ ہے۔ سچے مومن مصلحتوں کا شکار نہیں ہوتے بلکہ وہ دل وجان سے خود اپنی ذات پر اور پورے معاشرہ، ملک اور دنیا پر اسلام کی قدروں کو نافذ کرنے کیلئے مستعد رہتے ہیں۔

شیطان کی خواہش یہی ہے کہ اگر آدمی کافر نہیں ہوتا تو پھر مومن بھی نہ رہے۔ افسوس کہ آج کل کے بیشتر مسلمانوں کا عمل شیطان کی حسب خواہش ہے۔ کسی حد تک نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ بھی ادا کرتے ہیں لیکن ساتھ ساتھ ذاتی مفادات کے لئے اللہ تعالیٰ کے دین کو پامال بھی کرتے رہتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو خود تو دین کے تابع نہیں ہوتے لیکن دین کو اپنے تابع کرنا چاہتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ اور غیر اللہ دونوں کی دوستی رکھتے ہیں جو انتہائی خطرناک صورتحال ہے۔ اس میں دنیا وآخرت دونوں کی تباہی ہے۔ کافر کے لئے کم از کم اس دنیا کی آسائشیں تو ہیں لیکن دوغلے مسلمانوں کے لیے دنیا وآخرت دونوں جہانوں میں ذلت ہے۔

316- دوغلے لوگوں کا انجام:-

آیۃ مبارکہ 210 میں اس بات کی طرف ہماری توجہ مبذول کروائی جارہی ہے کہ قوانین الٰہی کے مطابق دوغلے لوگوں کی تقدیر کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ان کے لیے خجالت ہی خجالت ہے۔انہیں کسی طرح کے معجزوں کا انتظار نہیں کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اور فرشتے بادلوں میں اتر کر ان کو سمجھانے آئیں گے،قرآن کریم کے ذریعہ واضح دلائل اور نشانیاں اتر چکی ہیں،اس کے بعد بھی اگر وہ اسلام میں پورے طور پر داخل نہیں ہوتے،ان کے قدم ڈگمگاتے ہیں،کبھی ادھر کبھی ادھر،تو ان کے لئے پھر سوائے عذاب کے کیا ہوسکتا ہے۔(استغفر اللہ) اللہ تعالیٰ کے پاس سب کے اعمال پہنچ رہے ہیں جن کے مطابق ان کا فیصلہ ہو کر رہے گا۔بے شک اللہ تعالیٰ صاحب عزت وحکمت ہے اسے کوئی مجبور نہیں کرسکتا۔اگلی آیہ کریمہ میں ہدایت اور گمراہی کے عمل کو بنی اسرائیل کی مثال(case history) سے واضح کیا گیا ہے فرمایا.....

سَلْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ کَمْ اٰتَیْنٰهُمْ مِّنْ اٰیَةٍۢ بَیِّنَةٍ ؕ وَمَنْ یُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۝

211- پوچھو بنی اسرائیل سے ہم نے کتنی ہی روشن نشانیاں انہیں دیں۔(لیکن انہوں نے سبق نہ سیکھا) اور جو اللہ تعالیٰ کی نعمت بدل ڈالے۔ اسکے بعد کہ وہ اسکے پاس آگئی۔تو بے شک (ایسے لوگوں کا) اللہ تعالیٰ سخت محاسبہ کرنے والا ہے۔

زُیِّنَ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا وَیَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِیْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ وَاللّٰهُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ۝

212- کافروں کیلئے دنیا کی زندگی خوبصورت بنادی گئی ہے، اور وہ ایمان والوں سے مذاق کرتے ہیں، حالانکہ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے ہیں، وہ قیامت کے دن ان سے بالاتر ہوں گے۔ اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے۔

317- بنی اسرائیل کی تاریخی مثال(Case History):-

بنی اسرائیل کی روئداد (Case History) ہر سمجھدار کے لئے قابل سبق ہیں۔یہ وہ قوم ہے جن کے پاس اللہ تعالیٰ نے اپنے

بہت زیادہ پیغمبر بھیجے، بے شمار معجزات دکھائے اور اتنے واضح دلائل نازل کئے، جن کی تاریخ عالم میں مثال نہیں ملتی لیکن انہوں نے اس نعمت کی قدر نہ کی اور اللہ تعالیٰ کے بندے بننے کی بجائے اپنی دنیاوی مصلحتوں کے بندے بنے رہے اور حق و باطل کے درمیان معلق رہے جیسے آج کل مسلمانوں میں بھی کئی لوگ ہیں۔ یہود کے اس رویہ کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے بار بار ان کی سرزنش کی ان پر غیروں کی غلامی، غارت گری، بدامنی، غربت اور مفلسی کے عذاب آتے رہے جب وہ توبہ کرتے اللہ تعالیٰ پھر سے کرم کرتا اور ان کی حالت بہتر ہو جاتی لیکن چند ہی نسلوں میں وہ دوبارہ برائی کی طرف لوٹ آتے اور عذاب کا شکار ہو جاتے۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے دین کی قدر نہ کی، اس کے احکامات کو چھوڑ کر دنیاوی قوانین کو اپنایا اور اللہ تعالیٰ کے دائمی وعدوں پر اعتبار نہ کرتے ہوئے نفس کے عارضی مفادات کو ترجیح دی۔ حقیقت یہ ہے کہ جو معاشرہ بھی اللہ پاک کی نعمت یعنی اسلام پانے کے بعد اس کو بدل ڈالے گا اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ ہوگا۔ آج مسلمانوں کی بدحالی کی وجہ بھی ان کا منافقانہ طرزِ زندگی ہے کہ انہوں نے اسلام کی نعمت کی قدر نہیں کی اور وہ کافروں کی اتباع کرتے ہیں۔

318- دنیا و آخرت میں کامیابی:-

آیۃ مبارکہ 212 میں فرمان **زُیِّنَ لِلَّذِیۡنَ کَفَرُوا الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَا** یعنی کافروں کے لئے دنیاوی زندگی سامان زینت بنا دی گئی ہے ایک معجزانہ کلام ہے بے شک کافروں کا ظاہری معیارِ زندگی اور لہو لعب بڑے دلکش ہوتے ہیں لیکن مسلمانوں کو کفار کی چمک دمک پر رشک نہیں کرنا چاہئے۔ یہ تو انہیں دنیا کی حد تک کچھ عرصہ ڈھیل ہے اور زمین پر عیش و عشرت کے مواقع ان کے کفر کی وجہ سے ہیں، اس لئے کہ ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں لیکن وہ اس بات کو سمجھتے نہیں بلکہ الٹا مومنین کی غربت کا مذاق اڑاتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ کفار کا عیش و عشرت نہ صرف کہ عارضی ہے بلکہ ان کے لئے آزمائش بھی ہے۔ حقیقی کامیابی مومنین کے لیے ہے۔ دنیا میں جو ان کی قسمت میں ہے وہ تو ملنا ہی ہے لیکن آخرت کی خصوصی عزت اور نعمتیں صرف انہی کے لئے ہیں۔ وہاں کم سے کم ایمان والا مسلمان بھی اچھے سے اچھے کافر و منافق سے بلند تر درجات پر ہوگا۔

آیۃ مبارکہ 212 میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ ''وہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے''۔ اس بات کی طرف رہنمائی کرتا ہے کہ ہمیں دوسروں کی دولت کی کثرت پر رشک یا حسد نہیں کرنا چاہیے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی عطا ہے وہ کسی کو دے کر آزماتا ہے کسی سے لے کر آزماتا ہے۔

319- اللہ کی نعمتوں کی ناقدری کی سزا:-

زندگی کے تمام لوازمات اللہ تبارک تعالیٰ کی طرف سے نعمت ہیں۔ ان میں سب سے بڑی نعمت ہدایت یعنی اسلام ہے اس لئے

کہ اس میں دنیا و آخرت کی بھلائی ہے۔ آیۃ مبارکہ 211 کے مطابق جو لوگ نعمت پانے کے بعد اس کی ناقدری کرتے ہیں ان کا سخت محاسبہ ہوگا اور بالآخروہ بہت بڑے نقصان میں چلے جائیں گے فرمایا..... **وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ** یہ بات فرد اور معاشرہ دونوں پر برابر لاگو ہے۔ موجودہ زمانہ اس لحاظ سے تاریخ عالم میں خاص اہمیت کا حامل ہے اس لئے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے صنعتی و سائنسی ترقی اور دولت وثروت کی نعمتوں کے خزانے بھی انسانوں پر کھول دیئے ہیں لیکن اکثر لوگوں نے ان نعمتوں کا رخ فساد کی طرف کر دیا ہے۔ نتیجتاً ایسا محاسبہ ہوسکتا ہے کہ اللہ پناہ ۔ فلاح کا راستہ ایک ہی کہ ہم اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور اس کی نعمتوں کی قدر دانی کرتے ہوئے اس دین پر آ جائیں جو انسان کی فطرت ہے یعنی دین اسلام پر، جس کے بارے میں اگلی آیہ مبارک میں فرمایا گیا ہے۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۗ	213- (ابتداء میں) لوگ ایک ہی امت واحدہ تھے،
فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۠	(پھر جب ان میں بگاڑ آیا) تو اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء بھیجے، خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے،
وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ	اور ان کے ساتھ کتاب حق نازل فرمائی،
لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ	تاکہ وہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کرے
فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۭ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ	جہاں وہ اختلاف کرتے تھے۔
اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ	اور اختلاف انہی نے کیا جن کو (کتاب) دی گئی تھی،
مَا جَاۗءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۚ	بعد اسکے کہ ان پر روشن حکم آچکے تھے۔ آپس کی ضد کی وجہ سے۔
فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	پھر اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو ہدایت فرمائی،
لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ	جس میں وہ اختلاف کرتے تھے۔
مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ۭ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○	اور اللہ تعالیٰ جسے چاہے سیدھی راہ کی طرف رہنمائی فرماتا ہے۔

320- دین کا مقصد ۔ امت واحدہ: -

آیۃ مبارکہ 213 انسانیت کے نام ایک اہم پیغام بھی ہے کہ اگروہ اختلافات سے نکل کر باہمی مسرت والا معاشرہ قائم کرنا

چاہتی ہے تو اسلام پر واپس آجائے جو کہ دین فطرت ہے۔ اختلافات کی وجہ ان کی ضد ہے کہ کافر اپنے کفر پر بضد ہیں، یہودی یہودیت پر مصر ہیں، عیسائی عیسائیت پر ضد کرتے ہیں حالانکہ ان سب کا سرچشمہ اسلام ہے جسکی تکمیل سرور کائنات خاتم النبین ﷺ پر ہو چکی ہے۔ اسلام کی طرف آنا دراصل اپنے اصلی ادیان کی طرف ہی آنا ہے اور اسی کے مطابق امت واحدہ بننے میں پوری انسانیت کی فلاح ہے۔

321- خدائی قانون:-

آیتہ مبارکہ 213 میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ وقت کے تقاضوں کے مطابق انبیاء پر اللہ تبارک تعالیٰ وحی کے ذریعے کتابیں نازل فرماتا رہا ہے تاکہ لوگ خود ساختہ قوانین کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قانون پر چلیں اور امت واحدہ بن کر رہیں لیکن انسان اپنی متلون مزاجی کی وجہ سے شیطان کے چکر میں آ کر کچھ عرصہ کے بعد ان کتابوں میں بھی ردوبدل کرتے رہے۔

سب سے آخر میں اللہ تعالیٰ کے آخری رسول اکرم محمد مصطفیٰ ﷺ اپنا دائمی معجزہ قرآن کریم لیکر آئے جو کہ حق و باطل میں امتیاز کا انمٹ معیار ہے۔ یوں اللہ تعالیٰ نے پھر سے بکھرے دلوں کو اسلام پر اکٹھا ہونے کا موقع دیا ہے تاکہ لوگ ایک پروردگار، ایک رسول، ایک کتاب پر ایمان لا کر امت واحدہ بن جائیں۔ آج جب کہ انسانیت باہم برسرپیکار سینکڑوں گروہوں میں تقسیم ہو چکی ہے اس کے دکھوں کا علاج صرف اور صرف اسلام میں ہے۔ دنیا عالمی حکومت (World Government) قائم کرنے کی طرف بڑھ رہی ہے لیکن وہی عالمی حکومت کامیاب ہوگی جو اسلام کے مطابق ہوگی۔ اس لئے مسلمانوں کا یہ فرض ہے کہ وہ "ورلڈ آرڈر آف اسلام" کی برکات سے دنیا کو روشناس کریں۔

322- امت واحدہ کی طرف پیش قدمی:-

انسانیت کو اکٹھا کرنے اور جوڑنے کیلئے پہلی پیش قدمی کرنا مسلمانوں پر فرض ہے کہ سب سے پہلے وہ خود امت واحدہ بنیں اور اپنے رب کے قانون کے مطابق ایک مثالی نظام عملی طور پر قائم کر کے دکھائیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انسانیت خود ساختہ ازموں سے کھوکھلی ہو چکی ہے اور دینِ فطرت ہی میں اس کی بقاء ہے لیکن یہ کام مسلمان حکومتوں اور علماء کرام کا ہے کہ وہ دنیا کو اسلام کی عملی مثال پیش کر کے روشنی کی راہ دکھائیں اور ایک ایسا نظام لائیں، جہاں سب ایک کے لئے ہوں اور ایک سب کیلئے ہو۔

آیتہ مبارکہ کے آخر میں فرمان "بے شک اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت فرماتا ہے" ہر انسان کے لئے خوشخبری ہے کہ اگر وہ دین حق کی طرف کوشاں ہوگا تو انشاء اللہ ضرور ہدایت پائے گا۔ اگلی آیہ مبارک اس عظیم الشان منزل تک پہنچنے کے لئے راستہ میں موجود

آزمائشوں کی یاددہانی کراتی ہے تاکہ مومنین گھبرائیں نہیں۔فرمایا......

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ	214- کیاتم سمجھتے ہو کہ جنت میں یونہی داخل ہو جاؤ گے،
وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ	حالانکہ ابھی تک تمہیں (دین کے راستہ پر)
قَبْلِكُمْ	ان لوگوں کی مثل کچھ نہیں پیش آیا
مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَ الضَّرَّآءُ وَ زُلْزِلُوْا	جوتم سے پہلے ہو گزرے ہیں۔ انہیں شدید مصائب اور مشکلات پیش آئے، اور وہ ہلا کر رہ گئے،
حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ	حتیٰ کہ پیغمبر اوران کے ہمراہی مومنین بھی پکار اٹھے۔
مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ	اللہ کی مدد کب آئے گی؟
اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ○	یاد رکھو۔ بے شک اللہ کی مدد بہت قریب ہے۔

323- دین کے راستہ میں آزمائشیں:-

آیۃ مبارکہ 214 جنت کی آئینہ دار ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان.... **اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ**........مومنوں کے لئے زندگی کا روڈ میپ (Road Map) ہے۔سوچنے کی بات یہ ہے کہ جب ہر قیمتی چیز مشقت مانگتی ہے تو پھر جنت کیا یونہی مل جائے گی؟ حقیقت یہ ہے کہ جس قدر کوئی بڑی نعمت ہو اسی قدر اسکے لئے محنت بھی چاہیئے۔اس لئے جنت کا راستہ آزمائشوں سے خالی نہیں ہوسکتا اور یہی آزمائشیں مومنین کے لئے مراتب کے حصول کا ذریعہ ہیں جن کے مطابق جنت میں ان کا مقام متعین ہوگا۔اگر کچھ لوگ بلا محنت ہی سب کچھ پانے کی خواہش رکھتے ہیں، حتیٰ کہ جنت جیسی بیش بہا نعمت کے لئے بھی اس گماں میں ہیں کہ وہ ابھی کا انتظار کر رہی ہے اور جونہی موت کی سرحد عبور کریں گے ان کے حوالہ کردی جائے گی، وہ سخت غلطی پر ہیں۔

رب العالمین آیۃ مبارکہ 214 میں ان کی اس غلط فہمی کو دور فرماتے ہیں۔ جنت کا راستہ تکالیف اور مصائب سے اٹا پڑا ہے۔جس تک پہنچنے کے لئے بڑی محنت اور جدوجہد کرنے کی ضرورت ہے۔ پابندی سے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کی ادائیگی، حلال کی کمائی اور حقوق العباد کا پورا کرنا آسان کام نہیں، لیکن دین اس سے بھی زیادہ قربانی مانگتا ہے۔

324- اسلام سے پہلے والی امتوں کی آزمائش:-

رب تعالیٰ آیتہ مبارکہ 214 میں فرماتے ہیں کہ اسلام سے پہلے کی امتوں کو جنت پانے کے لئے جن امتحانات اور مسائل سے گزرنا پڑا ان کا تصور بھی انسان کے رونگٹے کھڑے کرنے کے لئے کافی ہے۔ دین کی خاطر انہیں سولی پر چڑھنا پڑا، وہ اپنے وطن اور گھروں سے بے آسرا جنگلوں میں دھکیل دیئے گئے، ان کو زندہ آگ میں ڈالا گیا، غرض وہ کونسی آزمائش ہے جس سے انہیں گزرنا پڑا نہ ہو۔ گھبرا کر وہ آسمان کی طرف منہ کر کے آہ وزاری کرتے حتیٰ کہ رسول اور ان کے ساتھی بھی پکار اٹھے **مَتٰی نَصْرُ اللّٰہِ**۔ کہ ''اللہ تعالیٰ کی مدد کب آئیگی''، لیکن انتہائی ناگفتہ حالات میں بھی وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہوئے، نہ ہی دین کو ہاتھ سے چھوڑا۔ اس طرح انہوں نے صبر اور جہاد کے ساتھ جنت کی قیمت ادا کی۔

325- مسلمان اور آزمائش:-

ہم لوگ خوش قسمت امت ہیں کہ خاتم النبین رحمت اللعالمین، شفیع المذنبین ﷺ کی رحمت کے صدقے اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لئے دین میں آسانیاں فرمادی ہیں۔ مثلاً پانچ نمازیں پڑھنے سے پچاس کا ثواب مل جاتا ہے، صبر سے کاٹی ہوئی بیماری اور ہر طرح کی تکلیف گناہوں کا صدقہ بن جاتی ہے لیکن پھر بھی جنت محنت مانگتی ہے، خصوصاً جو لوگ اونچے مراتب اور قرب الٰہی کے خواہاں ہیں انہیں نسبتاً بڑی آزمائشوں اور بڑے امتحانوں سے گزرنا ہی پڑتا ہے۔ دنیا میں بھی یہی اصول کارگر ہے کہ زیادہ قیمتی شے کے لئے زیادہ محنت درکار ہے۔ سرور کائنات ﷺ سے روایت ہے کہ جنت خاردار جھاڑیوں سے گھری ہوئی ہے اور دوزخ خوبصورت دلکش باغات کے درمیان ہے۔ یعنی جنت والے اعمال نفس کی مخالفت میں ہیں۔

326- اللہ تعالیٰ کی مدد قریب ہے:-

آیتہ مبارکہ 214 کے آخری حصہ میں اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں کی انتہا نظر آتی ہے۔ مجاہدین جب گھبرا کر پوچھتے ہیں ''اللہ کی مدد کب آئے گی''، تو نصرت ایزدی کا دریا ٹھاٹھیں مارتا ان تک پہنچتا ہے اور مژدہ سنایا جاتا ہے **اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ** کہ اللہ سبحانہ کی مدد قریب ہے۔ پہلے مرحلہ میں اللہ تعالیٰ انہیں مصائب میں استقامت اور صبر کی قوت بخشتا ہے جو اس بات کی علامت ہے کہ ان کی دعا قبول ہوگئی ہے اور دوسرے مرحلہ میں غیبی امداد کے ذریعہ فتح عطا کرتا ہے۔ حضور پاک ﷺ کے غزوات اس طرح کی نصرت کی بہترین مثال ہیں۔

327- اللہ تعالیٰ کی مدد:-

اللہ تعالیٰ کی مدد کیا ہے اور کیسے ملتی ہے؟ قرآن حکیم شاہد ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا حکم صادر ہو جاتا ہے تو تمام کائنات اس کو پورا

کرنے میں مصروف ہو جاتی ہے۔ ماحول اور حالات میں ایسے موزوں اسباب پیدا ہو جاتے ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ جنات اور فرشتے اپنے اپنے دائرہ کار میں مدد کے لئے کوشاں ہو جاتے ہیں اور جو اشیا براہ راست مدد نہیں کر سکتیں وہ بھی اس بندے کے لئے نیک خواہشات کے ساتھ دعا گو ہو جاتی ہیں۔ اس کے برعکس جب اللہ تعالیٰ کسی سے ناراض ہو جاتا ہے تو تمام کائنات اس سے ناراض ہو جاتی ہے حتیٰ کہ زمین کے ذرات بھی اس پر لعنت بھیجتے ہیں۔ استغفر اللہ اس لئے انسان کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کوشش کرنا چاہئے اور اس سے نصرت کے لئے دعائیں کرتے رہنا چاہئے اور اپنی بساط کے مطابق اللہ تعالیٰ کے دین کو بلند کرنے کی طرف لگا رہنا چاہئے۔ حکم باری تعالیٰ ہے کہ "جس نے اللہ تعالیٰ کی مدد کی اللہ تعالیٰ نے اس کی مدد کی"۔

یہ سوال کہ کیا ماحول اور ہمارے اردگرد کی چیزوں کو شعور حاصل ہے تو اس کے لئے بھی قرآن کریم کی گواہی کافی ہے فرمایا ''**یسبح للہ مافی السمٰوٰت وما فی الارض**'' چیزوں کی تسبیح کرنے کا صاف مطلب ہے کہ انہیں اپنے خالق کا پورا پورا شعور حاصل ہے اور اب تو جدید فزکس بھی اس نتیجہ پر پہنچ رہی ہے کہ ہر ایٹم کا ایک شعوری وجود ہے۔ (For detail please see appendix iii,ix,xii) افسوس کہ بہت سے انسان اپنے مالک کا شعور نہیں رکھتے۔ حضور ﷺ سے روایت ہے کہ زمین سے ڈرو، قیامت کے دن وہ تم پر گواہی دے گی۔ اگلی آیۃ کریمہ 216-215 میں ان راہوں کو واضح کیا گیا ہے جن پر چلنے سے انسان اللہ تعالیٰ کی مدد کا حق دار بن جاتا ہے۔ فرمایا......

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۗ	215- آپ (ﷺ) سے (لوگ) پوچھتے ہیں ہم (اللہ کی راہ میں) کیا کچھ خرچ کریں؟
قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ	آپ بتا دیں انہیں کہ جو کچھ تم بھلائی کے لیے خرچ کرو،
فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ	وہ (ترجیحاً) والدین کے لئے ہے اور قرابت داروں کیلئے،
وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۗ	اور یتیموں مساکین اور مسافروں کے لئے ہے،
وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ	اور جو بھی بھلائی تم کرو گے،
فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ○	بے شک اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ
وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ
وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا
وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ
وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

216- تم پر فرض ہوا اقتال (جہاد) اور وہ تمہیں ناگوار ہے،
اور یہ عین ممکن ہے کہ جس چیز سے تمہیں کراہت ہو،
وہی تمہارے حق میں بہتر ہو۔ اور یہ عین ممکن ہے کہ
جس چیز سے تم محبت کرتے ہو وہی تمہارے لئے
باعث شر ہو، اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے؟۔

328- اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کے حقدار:-

اگر ہم اللہ تبارک تعالیٰ کی مدد، اس کی محبت اور قرب چاہتے ہیں تو اسکا فارمولا یہ ہے کہ اس کی رضا کے لئے ہم اسکا عطا کردہ رزق یعنی مال دولت وقت اور وسائل وہاں خرچ کریں جہاں وہ چاہتا ہے۔

آیۃ مبارکہ 205 میں ہدایت کی گئی ہے کہ بھلائی کے کاموں میں پہلے حق دار والدین ہیں اور ان کے بعد قریبی رشتہ دار، پھر یتامیٰ (بے سہارا بیوائیں) اور معاشرہ کے دیگر لاچار لوگ ہیں۔ اس ضمن میں **ابن السبیل** خصوصی طور پر وہ لوگ جو دین کے لئے سفر کرتے ہیں ان کی مدد خاص طور پر فرض ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ بیک وقت مسکین، مسافر، اللہ تعالیٰ کے رستہ میں مجاہد اور مبلغ دین ہیں۔

آیۃ مبارکہ 215 کے آخر میں فرمایا گیا ہے کہ "تم جو بھی بھلائی کرتے ہو اللہ تعالیٰ اسے بخوبی جانتا ہے"۔ لہٰذا بھلائی کے کاموں کی تشہیر کی ضرورت نہیں۔ لوگ تسلیم کریں یا نہ کریں اللہ تعالیٰ دیکھ رہے ہیں، اور صحیح نیت اور اعتقاد کے ساتھ کئے گئے کاموں کو قبول بھی فرماتے ہیں۔ (شکر الحمد اللہ)

329- جہاد آسان نہیں مگر.......:-

آیۃ مبارکہ 215 میں مال و دولت اور وسائل کا اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم تھا اور بتایا گیا تھا کہ انہیں کہاں کہاں خرچ کیا جائے، لیکن آیت مبارک 216 میں **كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ** فرما کر جان کی قربانی مانگی گئی ہے جو واقعی بڑی بہادری اور ایمان کا کام ہے۔ اس سے بڑوں بڑوں کے دل خوف زدہ ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے اللہ تبارک تعالیٰ نہایت ہی خوبصورت انداز میں فرماتے ہیں "اور تم پر فرض ہوا قتال اور تمہیں وہ ناگوار ہے، حالانکہ جس چیز سے تم کراہت محسوس کرتے ہو، ہوسکتا ہے کہ وہی تمہارے حق میں بہتر ہو اور جس چیز سے تم محبت کرتے ہو شاید اسی میں تمہاری خرابی ہو" آیۃ مبارکہ 216 میں دیا گیا اصول..... **وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ**

خَيْرٌ لَّكُمْ ۔ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۔ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ آخرت اور دنیاوی کامیابیوں کے لئے سنہرا اصول ہے۔ضروری نہیں کہ جو چیزیں ہمیں پسند ہیں وہ ہمارے لئے بہتر بھی ہوں۔اس لئے انسان اپنی پسند اور ناپسند کی بجائے یہ دیکھے کہ اللہ تعالیٰ اور اسکا رسولؐ اس سے کیا چاہتے ہیں پھر انشاء اللہ آپ کبھی دھوکا نہیں کھائیں گے۔اسی ضمن میں اسلام کا عام قانون یہ ہے کہ "کامیابی نفس کی مخالفت میں ہے" جو ایک طرح کا جہاد ہے۔رسول اکرم ﷺ کے فرامین اور قرآن حکیم کے زریں اصولوں سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ جو قوم نفس کو خوش کرتی ہے اور جہاد سے دل کتراتی ہے، وہ بالآخر دنیا میں ذلیل وخوار ہو جاتی ہے۔

330- اعلان جہاد اور فرضیت:۔

جہاد کے سلسلے میں یہ سوال بڑا اہم ہے کہ وہ جہاد جس میں قتال کا امکان ہو اسکا اعلان کرنے کا کون مجاز ہے؟ نبی پاک ﷺ اور خلفاء راشدہ کے طرزِ عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ جہاد کے اعلان کا مجاز صرف اولی الامر ہے۔یعنی عوام میں سے کچھ لوگ خود سے مل کر یہ فیصلہ نہیں کر سکتے کہ فلاں کے خلاف جہاد شروع کر دیں چونکہ اسطرح جہاد کی بجائے فساد کا زیادہ خطرہ ہے۔اس لئے آج کل کے حالات میں اس مسئلہ پر امت کا اجتہاد وقت کی اہم ضرورت ہے۔اسی طرح دہشت گردی اور جہاد میں فرق واضح کرنا بھی ضروری ہے۔

331- جہاد کیلئے نصرت اور عوامی فوج:۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ ایک عمومی حکم ہے جسکے مطابق ہر مسلمان پر جہاد فرض ہو جاتا ہے اور یہ ایمان اور عمل کا اعلیٰ ترین مقام ہے اسی ضمن میں جہادی قوتوں کے ساتھ تعاون کرنا، اللہ کی راہ میں جانے والوں کے لئے اسلحہ، خوراک، گاڑی وغیرہ کا انتظام کرنا اور شہداء کی بیواؤں کی پرورش اور دیکھ بھال وغیرہ یہ سب بھی جہاد ہی کا حصہ ہیں اور ہر مسلمان مرد اور عورت کی ذمہ داری ہیں اور یہ کام اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کا اعلیٰ ترین مصرف ہیں۔

مسلمانوں کیلئے حکم ہے "ہر وقت تیار رہو" (سورۃ نساء آیت 102)۔یوں جہاد کی فرضیت ہر مسلمان سے تقاضا کرتی ہے کہ وہ اپنی حد تک فتنہ اور برائی کے خلاف جدوجہد کرتا رہے اور لڑائی کا فن سیکھے تاکہ بوقت ضرورت کفر کے خلاف لڑ سکے۔

چونکہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑنے کا حکم ہر مسلمان کیلئے ہے اس لئے کسی بھی اسلامی حکومت میں باقاعدہ فوج کے علاوہ عوامی فوج بھی جہاد کی تیاری کا حصہ ہے۔بلکہ عوامی فوج کی تشکیل اور اس میں شامل ہونا سنت رسول ﷺ اور سنت صحابہ کرامؓ ہے لیکن ان احکام کو کیسے عملی شکل دی جائے یہ اولی الامر کا کام ہے۔ افسوس کہ یہودیوں نے تو اسرائیل میں عوامی فوج بنا ڈالی ہے لیکن مسلمان جن پر یہ فرض کفایہ ہے اس کے لئے کچھ نہیں کر رہے۔

332- کیا اچھا اور کیا برا؟

آیۃ مبارکہ 216 میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ "ہمارے لئے بالآخر کیا اچھا ہے اور کیا برا ہے" اس کا علم سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں۔ انسان کوتاہ بین اور جلد باز ہے، اس لئے بے صبری میں اچھے برے کے اندازے لگا تا رہتا ہے لیکن اصل اچھائی اور برائی کا اندازہ دیرپا نتائج سے پتہ چلتا ہے۔ آیہ مبارک 216 کے آخر میں اللہ تعالیٰ کا فرمان "حالانکہ جس چیز سے تم کراہت کرتے ہو، ہوسکتا ہے کہ وہی تمہارے حق میں بہتر ہو اور شاید جس چیز سے تم محبت کرتے ہو عین ممکن ہے کہ اس میں تمہارے لئے خرابی ہو اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے تم نہیں جانتے" زندگی میں پیش آنے والے مختلف واقعات کا تجزیہ کرنے اور ان سے اثرات لینے کے لئے سنہری اصول ہے۔

ہمیں واقعات کو ان کے دیرپا تناظر میں دیکھنا چاہئے ورنہ کوتاہ بینی (Short Term Vision) سے پریشانی ہوگی اور یہ "توکل علی اللہ" اور صبر کے اصولوں کے بھی خلاف بات ہے لیکن ہم بے صبری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اکثر اپنے حالات کو خود خراب کر لیتے ہیں۔ آیہ مبارک کے فرمان کے مطابق ہمیں جلد بازی اور بے صبری کی بجائے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے نتائج کا صبر سے انتظار کرنا چاہئے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول معظم ﷺ کے احکامات پر عمل کرنے سے اگرچہ تکلیف بھی محسوس ہو، تب بھی انہیں کر گزرنا چاہئے کہ اصل خیر انہی میں ہے۔

333- حرام کے مہینوں میں جہاد:۔

آیۃ مبارکہ 216 میں جہاد کی فرضیت کے بعد کسی مزید تفصیل کی ضرورت نہیں تھی لیکن پھر بھی کچھ لوگ شاید اس فریضہ سے جان چھڑانے کے لئے نبی پاک ﷺ سے پوچھنے لگتے کہ کیا حرام کے مہینوں یعنی ذی القعدہ، ذی الحج، محرم اور رجب میں بھی جہاد وقتال کرنا جائز ہے۔ عرب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقتوں سے یہ اصول چلا آ رہا تھا کہ وہ حج کے مہینوں میں دنگا فساد چھوڑ دیتے تا کہ کاروبار زندگی اور تجارت کے لئے امن میسر ہو جائے۔ ان مہینوں کے بعد وہ دوبارہ حالت جنگ میں داخل ہو جاتے۔ آیۃ مبارکہ 217 ان لوگوں کے اس سوال کا جواب ہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ؕ	217- آپ سے ماہ حرام میں لڑنے کے متعلق پوچھتے ہیں،
قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ	آپ فرمادیجئے۔ ان میں لڑنا بہت بری بات ہے۔
وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ	اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکنا، اور اس کا انکار کرنا
وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ	اور مسجد حرام سے روکنا، اور وہاں کے
وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ	رہنے والوں کو اس سے نکال دینا،

وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ	اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے بھی بڑے گناہ کی بات ہے۔ اور (یہ کہ) فتنہ قتل سے بھی زیادہ بدتر ہے۔
وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا	اور وہ تم سے ہرگز لڑنے سے باز نہیں آئیں گے، یہاں تک کہ تمہیں تمہارے دین سے پلٹا دیں اگر ان کے بس میں ہو۔
وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ	اور جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر گیا پھر مر گیا اور وہ کافر ہی رہا،
فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ	ایسوں کے اعمال دنیا و آخرت میں ضائع ہو گئے
وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ	اور یہی لوگ جہنم کی آگ والے ہیں۔
هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○	وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔
اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	**218-** وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے (اللہ تعالیٰ کے لئے) ہجرت کی، اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا،
اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ	یہی لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار ہیں۔
وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○	اور اللہ تعالیٰ نہایت معاف کرنے والا ہے۔

334- ماہ حرام میں جنگ وجدل کی ممانعت:-

جیسے پہلے بھی کہا گیا ہے آپس میں لڑنا بھڑنا امن عامہ کو برباد کرنا ہمیشہ ہی سے گناہ ہے، لیکن سال کے چار ماہ یعنی ذی القعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب جنہیں اسلام میں ماہ حرام (حرمت والے مہینے) کہا جاتا ہے، ان میں سنت ابراہیمی کے مطابق جنگ وجدل خصوصی طور پر منع ہے۔ یہ وہ مہینے ہیں جن میں لوگ دور دراز سے حج کے لئے خانہ کعبہ آتے تھے اور آج کل بھی یہی حال ہے۔ چنانچہ حاجیوں کی حفاظت کے لئے ان ایام میں قتل وغارت کو حرام قرار دیا گیا ہے اور یہ حج کی قبولیت میں ایک لازمی عنصر ہے۔ یعنی حاجی اگر دنگا فساد کرے گا یا کسی کو مارے گا یا بلا جواز کسی اور جاندار کو زخمی کرے یا مارے تو سخت گنہگار ہوگا جس سے نکلنے کے لئے فدیہ بمطابق شریعت

لازمی ہوجاتا ہے۔

335- الشہرِ الحرام کا آفاقی حکم:-

اگر عالمی تناظر میں دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ آیۃ مبارکہ 217 کا مضمون آفاقی ہے یعنی ماہ حرام میں جنگ وجدل کی حرمت ہر ملک وقوم اور علاقہ کے لئے ہے یعنی اسکا اطلاق پوری دنیا پر ہے اگر یہ حکم UNO کے چارٹر کا حصہ بن جائے تو پھر دنیا دیکھے گی کہ اسکے جھگڑے کیسے طے ہوتے ہیں لیکن افسوس کہ فی زمانہ خود مسلمان ان احکام کی طرف زیادہ توجہ نہیں دیتے اور ماہ حرام کی حرمت کو صرف مکتہ المکرّمہ کی حدود تک سمجھ لیا گیا ہے۔

آیۃ مبارکہ میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اگر کافر، مشرک اور ظالم لوگ مسلمانوں پر ظلم کریں تو وہ اس غلط فہمی میں نہ رہیں کہ ان کی زیادتی کے خلاف ماہ حرام کی وجہ سے مسلمان ہاتھ نہیں اٹھائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کسی حالت میں بھی ظلم کرنے کی اجازت نہیں دیتا بلکہ ظالم کے ظلم کا منہ توڑ جواب دینا مومنین کے فرائض میں شامل ہے۔ اگر ظالم حرمت کے مہینوں میں جنگ و جدل سے باز نہیں آتے مثلاً مسجدوں میں آنے جانے سے روکتے ہیں خصوصاً خانہ کعبہ میں یا حج کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں یا لوگوں کو ان کے گھروں سے بے دخل کرتے ہیں یا دین پر عمل کرنا مشکل بناتے ہیں مثلاً لوگوں کو نماز یا زکوٰۃ سے منع کرتے ہیں تو یہ جرم ماہ حرام کی حرمت توڑنے سے بھی بڑے گناہ ہیں۔ ایسے حالات میں ان کے خلاف جنگ کرنا لازم ہے تا کہ فتنہ کا سد باب ہو سکے۔

336- فتنہ قتل سے بھی بدتر ہے:-

آیۃ مبارکہ 217 کا فرمان۔ **اَلْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ**۔ سورۃ بقرہ میں تیسری مرتبہ آ رہا ہے جس سے کسی بھی مومن کیلئے اسکی اہمیت میں ذرا برابر بھی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہ جاتی ہے۔ یہ درخشاں اصول دنیا بھر کے مصلحین اور دانشوروں کے لئے نصیحت ہے کہ اگر وہ امن چاہتے ہیں تو فتنہ اور فتنہ کے محرکات کو ختم کریں ۔ اس سے مراد ہر طرح کا ظلم، استحصال اور دہشت گردی (Terrorism) ہے۔ یہ معاشرہ کا وہ کینسر ہے جسے فوری روکنا سب پر فرض ہے۔ (Nip the Evil in the bud)۔

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ ''فتنہ قتل سے بدتر ہے'' ایک عالمی حقیقت (Universal Truth) ہے۔ اگر مسلم معاشرے اس کی روشنی میں قانون سازی کریں اور فتنہ کے محرکات کو ختم کریں تو انشاء اللہ امن وامان قائم رہے گا۔ اسی ضمن میں اسلامی حکومت کے تمام محکموں پر بھی یہ فرض ہے کہ برائی کا فوری سد باب کیا کریں اور کسی طرح کے ظلم کو چھوٹا سمجھ کر نظر انداز نہ کیا جائے۔ اگر معاشرہ چھوٹی چھوٹی برائیوں کا قلع قمع کرتا جائے تو بڑی برائیوں سے خود ہی بچا رہے گا۔

337- کفار اپنی اسلام دشمنی سے کبھی باز نہیں آئیں گے:-

آیۃ 217 میں اس بات کی یاد دہانی بھی کرائی گئی کہ کفار اور مشرکین اپنی اسلام دشمنی سے کبھی بھی باز نہیں آئیں گے۔ فرمایا **وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوا۔** "وہ تم سے ہرگز لڑنے سے باز نہیں آئیں گے یہاں تک کہ تمہیں تمہارے دین سے پلٹا دیں"۔ یہ وہ حقیقت ہے جسکا اعادہ اسلامی تاریخ بار بار دیکھ چکی ہے اور قرآن کریم کی حقانیت کا ایک درخشندہ ثبوت ہے۔ وہ چودہ سو سالوں سے دیکھ رہے ہیں کہ کافروں کے دل کا سکون اس بات میں ہے کہ مسلمان اسلام سے مرتد ہو جائیں، اور اگر وہ مرتد نہیں ہوتے تو کم از کم اسلام ہی سے بیگانہ ہو جائیں۔ اس لئے انکو وہ مسلمان جو اسلام سے دور ہیں بھلے معلوم ہوتے ہیں اور انکی دنیاوی ترقیوں کیلئے بھی مدد کرتے ہیں۔ یہ وہ قیمت ہے جو آج کل ہر اچھے مسلمان کو دینا پڑ رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بتاتے ہیں کہ اسلام کے خلاف تمام کفر اکٹھا ہوگا اور کافر کبھی بھی کسی اچھے مسلمان کو پسند نہیں کریں گے۔ حقیقت یہ ہے اسلام کی ساری تاریخ آیۃ مبارکہ 217 کی تعبیر ہے۔ سپین میں جس طرح مسلمانوں کو یورپ والوں نے مل کر ختم کیا وہ عبرت کا نشان ہے۔ اب کٹر ہندو ہندوستان میں جو کچھ مسلمانوں کے خلاف کرتے ہیں، امریکہ اور روس میں جو کچھ ہو رہا ہے اور دنیا کے دوسرے خطوں میں جس طرح انہیں تنگ کیا جاتا ہے یہ سب لمحہ فکریہ ہے۔

اس لئے لازم ہے کہ مسلمان اپنے دشمنوں کو پہچانیں، ان پر اعتبار نہ کریں اور آپس میں اتحاد قائم کریں۔ یہ اسلامی سیاست کا اساسی اصول ہے۔ اس سلسلہ میں سیرت طیبہ ﷺ سے جو رہنمائی ملتی ہے اگر ہم اس سے سبق سیکھیں تو دھوکہ نہیں کھائیں گے۔ دراصل مومنین کے لئے زریں اصول ہے کہ "ہر وقت تیار رہو" (سورۃ نساء آیت 127) اور سرور کائنات ﷺ کی سنت "کہ پہل کرنے کی قوت اپنے اپنے ہاتھ میں رکھو" (Keep the Intiative in your own hand) میں ہماری بقاء ہے۔

338- مرتد کی سزا:-

آیۃ مبارکہ 217 کا فرمان **وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ۔ هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ** کہ اگر کوئی مسلمان اسلام سے مرتد ہو جاتا ہے اور ارتداد کی حالت ہی میں مر جاتا ہے تو اسکے تمام اعمال ضائع ہو جاتے ہیں اور وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا، سے ظاہر ہوتا ہے کہ ارتداد سب سے بڑا گناہ ہے۔ دراصل انسان جو کچھ بھی کرتا ہے اسکا مستقل ریکارڈ رکھا جا رہا ہے اور موت کے بعد جزا اور سزا انہی اعمال کے مطابق ہو گی۔ لیکن جو لوگ حالت ارتداد میں فوت ہو جاتے ہیں ان کے اچھے اعمال بھی ضائع جاتے ہیں اس لئے کہ ارتداد مانند صفر (Zero) ہے، یہ جس سے بھی ضرب کھاتا ہے اسے صفر کر دیتا ہے۔ ایسے کافروں کیلئے وہ جہنم ہے جہاں سے انہیں کبھی بھی

رہائی حاصل نہ ہوگی۔ البتہ اگر مرتد اپنی موت سے پہلے سچے دل سے توبہ کرلے اور دوبارہ مسلمان ہوجائے تو اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والے ہیں۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ چونکہ ارتداد بذات خود سب سے بڑا فتنہ ہے اس لئے اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے۔

339- حقیقی کامیاب لوگ:۔

آیۃ مبارکہ 218 میں ہجرت اور جہاد کی فضیلت بیان فرمائی گئی ہے۔ اس میں ان عظیم اور خوش قسمت لوگوں کا ذکر ہے جو کفر اور فتنہ کے خلاف جہاد کرتے ہیں، اگر انہیں اپنے ایمان کے تحفظ کے لئے گھر بار وطن سب کچھ بھی چھوڑنا پڑے تو بے دریغ چھوڑ دیتے ہیں، دین کے راستہ میں جیسی بھی آزمائشیں اور مصائب آئیں یہ دل نہیں ہارتے، ایسے بہادروں کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت اور اپنی رضا کی خوشخبری ہے۔ وہ انہیں کبھی بھی مایوس نہیں کرے گا، ان کی تمام چھوٹی موٹی غلطیاں معاف ہوجائیں گی اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کو ڈھانپ لے گی۔ یہی حقیقی کامیابی ہے۔

340- اسلامی معاشرہ کی خصوصیات:۔

اگلی آیۃ کریمہ میں اسلامی معاشرہ کے کچھ بنیادی خصائل کا ذکر کیا گیا ہے، جن میں اولین یہ ہے کہ وہ معاشرہ شراب اور جواء سے پاک ہوتا ہے اور یہ کہ اس کے لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے والے ہوتے ہیں اور خاص طور پر یتامیٰ کا خیال کرنے والے ہوتے ہیں۔ ان آیات کا انداز سوال و جواب کا ہے تا کہ بات اچھی طرح سمجھ میں آجائے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ ؕ	219- اے نبی ﷺ آپ سے خمر اور میسر کے متعلق سوال کرتے ہیں،
قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ	آپ فرما دیجئے،
وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ ؗ	ان دونوں میں بہت بڑا گناہ ہے،
وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ	اور ان میں لوگوں کے لئے کچھ فوائد بھی ہیں۔
مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ	(لیکن) انکا گناہ انکے نفع کی نسبت بہت زیادہ ہے۔
وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ	اور (اے حبیب ﷺ) یہ لوگ آپ سے
قُلِ الْعَفْوَ ؕ	سوال کرتے ہیں کہ (اللہ تعالیٰ کی راہ میں)
كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ	کیا خرچ کریں؟

لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۙ

آپ فرمادیجئے،
جو کچھ بھی تمہاری ضروریات سے زیادہ ہو۔
اسی طرح اللہ تعالیٰ تم لوگوں کے لئے
اپنی آیات کو بیان کرتا ہے تاکہ تم غور وفکر کرتے رہو۔

فِى الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ؕ
وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ؕ
قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ؕ
وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ؕ
وَاللّٰهُ يَعْلَمُ
الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ
وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

220- دنیا اور آخرت میں۔
اور وہ آپ ﷺ سے سوال کرتے ہیں
یتیموں کے بارے میں،
آپ فرمادیجئے ان کی اصلاح کے کام نیکی ہیں۔
اور اگر تم انہیں اپنے ساتھ ملالو تو وہ تمہارے بھائی ہیں۔
اللہ تعالیٰ خوب پہچانتا ہے مفسد کو مصلح سے،
اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمہیں مشقت میں ڈالتا،
بے شک اللہ تعالیٰ قوت والا حکمت والا ہے۔

341- خمر اور میسر گناہ کے کام ہیں:-

دنیا کے اکثر معاشروں میں خمر اور میسر کی بیماری چلی آرہی ہے۔ قطع نظر ان کی ہیئت، خمر کی تعریف میں تمام نشہ آور چیزیں اپنی مائع گیس یا ٹھوس سبھی حالتوں میں شامل ہیں۔ میسر کے زمرے میں اور وہ تمام کھیلیں اور کاروبار شامل ہیں جن میں نفع نقصان کی بنیاد چانس (Chance) پر رکھی گئی ہو، اسلام میں یہ دونوں حرام ہیں۔

جو لوگ ان برائیوں میں مبتلا ہیں وہ ان کی تعریفوں میں رطب السان ہوتے ہیں، لیکن مخالفین کو ان کے نقصانات ہی نظر آتے ہیں۔ اصل حقیقت کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے آیۃ کریمہ 219 میں نہائت خوبصورت طریقہ سے فرمایا ہے۔ **قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا** کہ "ان دونوں میں ضرور کچھ فوائد ہیں لیکن نقصانات بہت زیادہ ہیں۔" مثلاً عارضی طور پر جوا اور شراب سے سرور و کیف ملتا ہے۔ کچھ لوگوں کے کاروبار اور روزگار کا بھی ذریعہ ہیں اور خمری اشیاء بعض دوائیوں میں بھی استعمال ہوتی ہیں، لیکن ان فوائد کے مقابلہ میں ان کے روحانی، جسمانی اور معاشرتی نقصانات کا شمار کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ سب معاشرہ کے

کینسر ہیں اور جرائم کی ماں ہیں اور نتیجہ بالا آخر تباہی ہے۔لہٰذا ہر عقلمند اور دور اندیش آدمی اور مہذب معاشرہ کا فرض ہے کہ وہ خمری اشیاء کے استعمال اور میسر کی بنا پر کاروبار اور کھیلوں سے بچیں۔اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ان حدود کو توڑنے والوں پر حد جاری کرے۔

342- شراب یعنی خمر کیا ہے؟:-

آیۃ مبارکہ 219 میں لفظ خمر استعمال ہوا ہے جس کا ترجمہ اکثر شراب سے کیا گیا ہے۔لیکن خمر کے اصل معنی ڈھانپ دینا ہے۔ چنانچہ ہر وہ چیز جو انسانی دماغ پر حاوی ہو جاتی ہے وہ خمر یعنی شراب ہے۔اس تعریف کے مطابق ہر نشہ آور چیز خواہ وہ ٹھوس ہو یا مائع یا گیس سب ہی خمر کی مختلف اقسام ہیں اور ممنوع ہیں۔چنانچہ نشہ آور گولیاں افیون۔حشیش، ہیروئن وغیرہ اگر بغرض نشہ لی جاتی ہیں تو یہ بھی ویسے ہی حرام ہونگی جیسے الکوحل ہے۔

343- میسر یعنی جواء کیا ہے؟:-

لفظ میسر سے جوا کا ترجمہ کیا گیا ہے۔دراصل اس لفظ میں تمام وہ کاروبار آ جاتے ہے جس میں سٹہ ہو۔یہ لفظ یسر سے ماخذ ہے جس کا معنی آسان ہے۔جواء میں بھی بغیر کسی محنت کے فائدہ حاصل کرنے کی خواہش کار فرما ہوتی ہے اور نتائج کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اس لئے ہر وہ کاروبار جس میں سٹہ بازی کا پہلو غالب ہے وہ میسر کی تعریف میں آ جاتا ہے، چنانچہ ہر قسم کی لاٹری، چانس (Chance) پر مبنی نفع ونقصان والے کاروبار اور کھیل اور شرط سبھی جواء ہی کی مختلف اقسام ہیں اس لئے حرام ہیں۔اسی ضمن میں ایسی کمائی جس میں محنت کا دخل نہ ہو وہ بھی مشکوک ہے۔

344- کیا خرچ کیا جائے؟:-

آیۃ مبارکہ 219 میں ایک اور سوال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کے متعلق ہے فرمایا.....**یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ۔ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا۔ وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ۔ قُلِ الْعَفْوَ۔ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ** یہی سوال آیۃ مبارکہ 215 میں بھی کیا گیا تھا لیکن وہاں سوال کا ڈائرکٹ جواب نہیں دیا گیا بلکہ اس بات کو سمجھایا گیا تھا کہ کہاں خرچ کیا جائے، یہاں اس سوال کا براہ راست جواب دیا گیا ہے جو نہائت قابل غور ہے۔ فرمایا.....**قُلِ الْعَفْوَ** یعنی "جو کچھ بھی تمہاری ضروریات سے زائد ہے وہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ وہی ہمارا رب یعنی پروردگار ہے اور ہر جاندار کی زندگی کے لئے جتنے لوازم ہیں ان کا بہم پہنچانا اس نے اپنے ذمہ لیا ہوا ہے لیکن رزق کی تقسیم کے لئے وہ

انسان کوبطور سبب کے استعمال کرتا ہے۔ چنانچہ اگر اس نے کسی کو اس کی ضروریات سے زیادہ رزق دیا ہے تو وہ اسکا نہیں بلکہ دوسروں کے لئے ہے۔ لہٰذا اگر وہ خود ہی سب کچھ ہضم کر جاتا ہے تو بددیانتی کا مرتکب ہوتا ہے۔

345- ضرورت اور العفو:۔

آیۃ مبارکہ 219 "ضرورت سے زائد خرچ کرو" ایک حتمی قانون ہے لیکن ضرورت کیا ہے اور ضرورت سے زائد کیا ہے؟ کیسے خرچ کیا جائے؟ اور کیا خرچ کرنا ہے؟ ایسے بہت سے سوالوں کے جواب قرآن حکیم میں اصولی طور پر سمجھا دیئے گئے ہیں لیکن ان کی تفصیل اللہ تعالیٰ نے انسان کے اپنے غور وفکر پر چھوڑ دی ہے۔ جس کی طرف آیہ مبارک کے آخر میں فرمادیا گیا ہے **لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ** اور اگلی آیت 220 کے آغاز میں بتایا گیا ہے کہ اس غور وفکر کے وقت دنیا وآخرت دونوں کو سامنے رکھو اور اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی تعلیمات اور مثالوں کی روشنی میں اپنے لئے فیصلہ کرو۔ جہاں تک ضرورت کا تعلق ہے رسول ﷺ نے اپنی ضرورتوں کو کم سے کم کرنے کی ہدایت کی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پر فضول خرچی سے منع فرمایا ہے۔

اس سوال کے جواب میں کہ ''ہم کیا خرچ کریں؟'' اللہ تعالیٰ کا فرمان ''جو کچھ بھی تمہاری ضرورت سے زائد ہے'' سے صاف ظاہر ہے کہ اگر کسی چیز کی لوگوں کو ضرورت ہو اور آپ نے اسے زیادہ نفع کے لالچ میں روکا ہوا تو وہ بھی حرام ہوگئی۔ اسی آیہ مبارک میں ساہوکاری کے نظام کیخلاف بھی استدلال موجود ہے۔ خرچ کے برعکس بخل ہے اسلام میں بخل کی سخت مذمت ہے۔ اسکے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ ہمیں صدقات کا حکم دیتا ہے۔ فرمایا ''اللہ تعالیٰ صدقات کو بڑھاتا ہے اور سود کو مٹاتا ہے'' لہٰذا اگر ہم اس پر یقین کریں اور اپنی ضرورت سے زائد اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کریں گے تو رزق بڑھنا شروع ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکت اترنے لگے گی اس برکت کے نتیجہ میں آدمی بلاوجہ نقصان، غیر ضروری اخراجات مثلاً بیماری، مقدمہ، اولاد کی نافرمانی وغیرہ سے بچا رہے گا، اس کا مال مختلف خطرات سے بھی محفوظ رہے گا اور اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیبی مدد حاصل ہوگی (انشاء اللہ)۔

346- یتامیٰ کے حقوق اور ان کی نگہداشت:۔

اسی مضمون کو آگے بڑھاتے ہوئے آیہ مبارکہ 220 میں اگلا سوال یتامیٰ کے حقوق کے بارے ہے۔ جواب میں فرمایا گیا **قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ** یعنی یتامیٰ کی اصلاح اور ان کی تعلیم وتربیت کرو تا کہ وہ بھی بڑے ہوکر اچھے مسلمان بنیں۔ یاد رہے کہ اچھے مسلمان کی تعریف میں اچھا شہری، اچھا مجاہد، تعلیم یافتہ ہونا، نیک انسان سب کچھ ہی آ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے مطابق یتیم لڑکوں اور لڑکیوں کی تربیت اور اصلاح کے لئے انفرادی اور مجموعی حیثیت سے کوشش کرنا ہر مسلم معاشرہ کے فرائض میں شامل ہے جیسے حج اور عمرہ، اور ان کی بہتری کے لئے خرچ کرنا ہر صاحب وسائل پر لازم ہے۔

347- یتیم کے مال کی حفاظت:-

یہ کہ یتامیٰ کا مال جوان کے وارثوں نے چھوڑا ہے اسے کیسے خرچ کیا جائے؟ یہ ایک اہم سوال ہے۔ دراصل یتیم کا مال ایک حساس امانت ہے جس کے خرچ کرنے میں بے حد احتیاط لازم ہے۔ آیۃ مبارکہ 220 سے ظاہر ہے کہ ولی (Gaurdian) اس مال کو صرف اس کی اصلاح، پرورش اور تعلیم و تربیت پر خرچ کرسکتا ہے اپنے لئے نہیں۔ البتہ آیہ مبارک میں یہ تشریح بھی کردی گئی ہے کہ اگر ان کو فائدہ ہو تو نیک نیتی کے ساتھ یتامیٰ کے مال کو اپنے مال کے ساتھ ملا کر بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً اکٹھے کھانا پک سکتا ہے، کاروبار میں لگایا جاسکتا ہے۔ اس ضمن میں یتامیٰ کو اپنا بھائی تصور کرنا اور جن شرائط کے تحت اپنے سگے بھائی کا مال استعمال ہوسکتا ہے اسی احتیاط اور اخلاص کے ساتھ ان کا مال خرچ کرنا ہے۔ یہ ایک بڑی رعایت ہے جس کے نتیجہ میں ولی (Guardian) یتامیٰ کو علیحدہ رکھنے اور انکے مال اور اخراجات کا سختی سے علیحدہ حساب کتاب وغیرہ رکھنے سے بچ جاتا ہے۔

آیۃ مبارکہ کے آخر میں ''عزیز حکیم'' کی ترتیب بھی قابل غور ہے۔ عزیز ہے جو نہایت طاقت اور وسائل والا ہے اور حکیم جو بہت ہی دانائی عقل ودانش والا ہو۔ ایک ہی ہستی میں دونوں خوبیوں کا اکٹھا ہونا حاکمیت کیلئے ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اپنے رنگ میں پیدا کیا ہے اسلئے مسلمان کو چاہئے کہ وہ دنیا میں اللہ کی صفات کا مظہر ہو۔ خصوصاً اولی الامر میں ان صفات کا بدرجہ اولیٰ ہونا ضروری ہے۔

348- عورتوں کے حقوق:-

یتامیٰ کے حقوق واضح کرنے کے بعد اگلی آیات کریمہ عورتوں کے مسائل کے متعلق ہیں جس میں اہم ترین مسئلہ شادی نکاح کا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسانی معاشرہ کی بقا کے لئے عورت اور مرد دونوں کے لئے اس سے اہم اور کوئی مسئلہ نہیں۔ فرمایا.....

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ	221- اور تم مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو،
وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ	حتیٰ کہ وہ ایمان لے آئیں۔
وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ	اور یقیناً ایک مسلمان کنیز، آزاد مشرک
وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ	عورت سے بہتر ہے
وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ	اگرچہ وہ تمہیں پسند ہی کیوں نہ ہو۔
خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ	اور مشرک مردوں سے نکاح نہ کرو،

أُولَٰئِكَ يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ ۖ	حتیٰ کہ وہ ایمان لے آئیں، اور یقیناً مومن غلام بہتر ہے، آزاد مشرک سے، اگر چہ وہ تمہیں پسند ہی کیوں نہ ہو۔ وہ تمہیں دوزخ کی طرف بلاتے ہیں،
وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَى الْجَنَّةِ	اور اللہ تعالیٰ تمہیں جنت کی طرف دعوت دیتا ہے۔
وَالْمَغْفِرَةِ بِإِذْنِهِ ۖ	اور اپنے حکم سے تمہیں مغفرت کی طرف بلاتا ہے۔
وَيُبَيِّنُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ	اور اپنی آیات لوگوں کے لئے واضح کرتا ہے،
لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿﴾	تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

349- شادی کے لئے اولین ترجیح:-

آیۃ مبارکہ 221 میں یہ اصول دیا گیا کہ نکاح کے لئے اولین ترجیح ایمان کو حاصل ہے فرمایا... **وَلَا تَنكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَّ ۚ وَلَأَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكَةٍ وَلَوْ أَعْجَبَتْكُمْ ۗ وَلَا تُنكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا ۚ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكٍ وَلَوْ أَعْجَبَكُمْ** ۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان مرد کے لئے مشرکہ عورت اور مسلمان عورت کے لئے مشرک مرد سے نکاح کرنا حرام ہے اگر چہ وہ ایک دوسرے کی پسند ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ ٹھیک ہے کہ شادی کے وقت نفس کے سامنے محبت، خوبصورتی، دولت، معاشرتی مقام اور دیگر دنیاوی فوائد اہم ہوتے ہیں لیکن حقیقت میں آخرت کے لئے یہ سب بے وقعت اسباب ہیں۔ لہٰذا اگر صرف دنیاوی فوائد کے لئے شادی کی گئی تو جو خطرہ لاحق ہے وہ اتنا شدید ہے جس کے سامنے یہ فوائد بے حقیقت ہو جائیں گے اور بعد میں ان کا تدارک انتہائی مشکل امر ہوگا۔ جیون ساتھی میں سے اگر ایک مشرک ہے تو دوسرا مومن ہونے کے باوجود بھی شرک کے چھینٹوں سے اپنے آپ کو محفوظ نہیں رکھ سکے گا۔ لہٰذا نکاح کے لئے مرد اور عورت دونوں پر لازم ہے کہ وہ ایمان کی دولت کو ظاہری حسن اور دنیاوی دولت پر ترجیح دیں۔

آیۃ مبارکہ 221 کا فرمان **وَلَوْ أَعْجَبَكُمْ** ۔کہ ''اگر چہ وہ تمہیں پسند ہی کیوں نہ ہوں'' سے پسند کی شادی کی اجازت معلوم ہوتی ہے لیکن غیر مشرکین کے ساتھ پسند کی شادی بھی حرام ہے۔

350- مشرک اہل کتاب سے شادی:-

جہاں تک یہ سوال کہ مشرک کون ہے، ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے ساتھ کوئی اور عقیدہ رکھتا ہے مشرک ہے۔ چنانچہ بت

پرست ہندو، تثلیث کو ماننے والے نصاریٰ اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر فطرت (Nature) کو ماننے والے دہریئے سب ہی مشرک ہیں۔ ان سے شادی اسی صورت میں جائز ہے کہ وہ اسلام قبول کر لیں۔ بعض حضرات آج کل یورپین اور امریکن لڑکیوں سے اہل کتاب کے ناطے شادی کر لیتے ہیں حالانکہ ان میں اکثر مشرک یا بے دین ہوتی ہیں۔ ایسے لوگ محض اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہیں۔ شادی کی شرط اسلام اور بس اسلام ہے۔ ورنہ مشرک ساتھی اپنے ساتھی کو بھی دوزخ میں لے جائے گا۔ اسی طرح اگر مسلمان لڑکیاں کسی غیر مسلم سے شادی کرتی ہیں تو یہ ہرگز نکاح نہیں ہوگا اور وہ گنہگار ہوں گی۔

آیۃ مبارکہ 221 کے اخیر میں اللہ تعالیٰ کی انسان کے لئے محبت اور مہربانی عروج پر نظر آتی ہے۔ مالک کون و مکاں خود انسان کو جنت اور اپنی مغفرت کی دعوت دیتا ہے۔ فرمایا **اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ** "وہ (مشرک) تمہیں دوزخ کی دعوت دیتے ہیں اللہ تعالیٰ تمہیں جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے" سبحان اللہ۔ یہ قدر دانی...... افسوس انسان کی بے قدری پر کہ خالق کائنات کی دعوت کو رد کر کے دنیاوی خداؤں کی دعوت کو مانتا ہے اور شیطان کی بات کو سنتا ہے۔ کاش کہ ہم صراط مستقیم پر چل کر جہنم سے بچ جائیں جس سے نکلنے کا کوئی بھی راستہ نہیں ہوگا۔ (استغفر اللہ)۔

اگلی آیات مبارکہ بھی خاندانی مسائل ہی کے متعلق ہیں۔ مردوں کو عورتوں کے بارے میں پھیلی ہوئی غلط روایات اور خیالات سے متنبہ کیا گیا ہے اور احترام کی ہدایت کی گئی ہے۔ فرمایا......

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۭ	222- اور وہ آپ ﷺ سے حیض والی عورتوں کے متعلق پوچھتے ہیں۔
قُلْ هُوَ اَذًى ۙ	آپ ان سے فرما دیں کہ یہ ایک ناگوار حالت ہے،
فَاعْتَزِلُوا النِّسَاۗءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ	پس تم حیض کی حالت میں ان سے کنارہ کشی اختیار کرو،
وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ	اور ان سے قربت کے تعلقات نہ رکھو، حتیٰ کہ وہ پاک ہو جائیں
فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ۭ	پھر ان کے پاس جاؤ۔ جہاں سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے۔ (یعنی فطرت کے مطابق)
اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ	یقیناً اللہ تعالیٰ محبت رکھتے ہیں توبہ کرنے والوں سے،
وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ○	اور محبت رکھتے ہیں پاک وصاف رہنے والوں سے۔

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۪	223- تمہاری عورتیں تمہارے لئے مانند کھیتیوں کے ہیں،
فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۫	پس تم اپنی کھیتیوں میں آؤ جیسے چاہو،
وَ قَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ؕ	اور اپنے نفوس کیلئے (بھلائی کی) منصوبہ بندی کرو۔
وَ اتَّقُوا اللّٰهَ	اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔
وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ؕ	اور خوب جان لو کہ تم اس سے ملاقات کرنے والے ہو،
وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ○	اور آپ مومنین کو خوشخبری دیں۔

351- حیض ایک ناگوار حالت ہے ...... سائنسی وجوہ:-

موجودہ سائنسی دریافتوں کے مطابق حیض بگڑا ہوا خون ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان ربوبیت کے تقاضوں کے مطابق ہر ماہ بچہ دانی میں کچھ خون پیدا ہوتا ہے جس کا مقصد متوقع مہمان کی خوراک کا انتظام ہے۔ اگر حمل ٹھہر جاتا ہے تو اس کے کام آتا ہے اور بچہ کو ضروری نشوونما کا سامان مہیا کرتا ہے لیکن اگر بچہ کا وجود نہیں تو پھر کچھ دنوں بعد جسم اس کو ضائع کر دیتا ہے۔ جب جسم اس خون کو باہر نکالنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ نہیں چاہتا کہ مخالف سمت سے کوئی بیرونی چیز بھی جائے چنانچہ قدرتی طور پر عورت میں ان دنوں جنسی (Sexual) سے رغبت ختم ہو جاتی ہے اور اگر خاوند اس سے یہ تعلقات قائم کرتا ہے تو یہ اس کی طبیعت پر ناگوار ہوگا۔ چنانچہ اللہ تبارک تعالیٰ نے عورت کے احترام و اکرام میں ماہواری کے دوران قربت کے تعلقات سے منع فرما دیا لیکن اس ممانعت میں صرف عورت کا ہی نہیں بلکہ مرد کا بھی یکساں فائدہ ہے۔ جدید سائنس نے معلوم کیا ہے کہ خون ہر چیز سے زیادہ جراثیم اور بیکٹیریا پکڑنے والی چیز ہے، جو اپنی گزرگاہ سے گندگیاں اکٹھی کرتا جاتا ہے اور یوں ایک پلید مضر صحت مرکب بن جاتا ہے۔ چنانچہ جب یہ مواد آدمی کے اعضا کے ساتھ ملے گا تو کئی ایک بیماریوں کا باعث بن سکتا ہے سبحان اللہ کہ آج کل میڈیکل سائنس قرآن حکیم کی آیۃ مبار 222 کے اس حکم کی سب سے بڑی خود تائید کنندہ ہے۔

352- دوران ماہواری بیویوں سے تعلق:-

سبحان اللہ کہ ہم جن حلال باتوں کو کرنے سے شرماتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو کھول کر بتا دیتا ہے تا کہ انسانی زندگی کے پردے میں جو چھپے گوشے ہیں ان کے لئے بھی ہدایت مل جائے۔ انہی مسائل میں ایک مسئلہ دوران ماہواری بیویوں سے تعلقات کا ہے۔ اس مسئلہ پر یہودی مذہب کے احکام بڑے سخت ہیں، بچاری عورت خواہ وہ ماں ہو یا بیٹی، بہن ہو یا بیوی دوران ماہواری اسے گھر والوں سے الگ

تھلگ رہنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس عیسائی مذہب کے نزدیک ان حالات میں بیویوں سے قربت کے تعلقات کو معمول سے بھی بہتر سمجھا جاتا ہے۔ صحیح صورت کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں.... هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ۔ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ۔ "حیض عورت کے لئے ایک نا گوار حالت ہے پس تم ماہواری کے دوران ان سے قربت کے تعلقات نہ رکھو، حتیٰ کہ وہ پاک ہو جائیں"۔

353-حیض کے بعد پاک ہونا:-

شریعت کے مطابق ماہواری کے خاتمہ پر بیوی کے لئے غسل کرنا لازم ہے تاکہ وہ دوبارہ مطہر یعنی پاک صاف ہو جائے۔ دوران ماہواری اللہ تعالیٰ نے اسے نمازوں اور روزے کی جو چھوٹ دی تھی اب وہ رعایت ختم ہو جاتی ہے اور معمول کے مطابق تمام عبادات اس پر فرض ہو جاتی ہیں۔ یہ رب الرحیم کا عورت پر ایک خاص احسان ہے کہ ماہواری کے دوران چھوڑی گئی نمازوں کی قضا نہیں ہے ہاں البتہ روزے کی قضا واجب ہے۔ یہ خواتین کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک خاص انعام ہے اگرچہ اس دوران نمازیں نہیں پڑھی گئیں تھیں لیکن ثواب مقبول نمازوں کے مطابق مل گیا۔ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر نہایت مہربان ہے۔

354-اللہ تعالیٰ پاک صاف لوگوں کو پسند کرتا ہے:-

آیۃ مبارکہ 222 میں اللہ تعالیٰ کا محبوب بننے کا نسخہ بھی عطا کر دیا گیا ہے فرمایا.... اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ یعنی وہ لوگ جو توبہ کرتے رہتے ہیں اور صاف ستھرے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرتا ہے۔ یہ ایک عمومی حکم ہے لیکن مرد عورت کے خصوصی تعلقات کے ضمن میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ جب بیوی پاک ہو جائے تو فطرت کے مطابق اپنے تعلقات استوار کریں، اگر محبت سے مغلوب ہو کر دوران ماہواری کوئی غلطی کر بیٹھے تھے تو فوری توبہ کر لیں بے شک اللہ تعالیٰ نہ صرف معاف کرتا ہے بلکہ توبہ کرنے والوں سے وہ پیار بھی کرتا ہے۔ شکر الحمد اللہ، کہ ہمارے رب نے ہر طریقہ سے ہماری قدر افزائی کی ہے۔ صفائی آموں کے آم، گٹھلیوں کے دام والی بات کے مصداق ہے۔ جو میڈیکل فوائد ہیں وہ اپنی جگہ لیکن اس سے اللہ تعالیٰ کی محبت کامل جانا کمال کا انعام ہے۔ حضور ﷺ سے روایت ہے کہ صاف ستھرے ماحول میں اللہ کی رحمتیں اترتی ہیں۔

آیۃ مبارکہ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی نیت سے صاف کپڑے پہننا، نہانا، دھونا، گھر کی صفائی، گلی محلے گاؤں اور شہروں کی صفائی، گندگی سے احتراز ایسے سب کام عبادت میں شامل ہیں۔ یاد رہے کہ جس سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اس سے باقی مخلوقات خود بخود ہی محبت کرنے لگتی ہے۔

اس لئے آپ اگر لوگوں کے محبوب بننا چاہتے ہیں تو آسان نسخہ یہ ہے کہ توبہ اور صفائی سے اللہ تعالیٰ کے محبوب بن جائیں۔ اس

کے لئے طہارت کے تمام لوازمات کا خوب خیال رکھیں اور اگر ممکن ہو تو ہر وقت وضو میں رہیں۔ حضورﷺ کا فرمان ہے کہ وضو مومن کا اسلحہ ہے، اس سے روحانی اور جسمانی طاقت میں اضافہ ہوتا ہے اور شیطان اس سے ڈرتا ہے۔ آیۃ مبارکہ 222 سے یہ بھی ظاہر ہے کہ ماحول کی پاکیزگی کے لئے کوشش کرنا بھی عبادت ہے۔

355- میاں بیوی کے تعلقات کی مثال :-

آیۃ مبارکہ 223 میں میاں بیوی کے تعلقات کی عظمت، برکت اور تقدس کا ذکر ہے اور اسلام کی فیملی لائف کی تصویر کھینچ کر رکھ دی گئی ہے۔ فرمایا **نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ** ''تمہاری عورتیں تمہارے لئے مانند کھیتیاں ہیں''۔ یہ گھریلو تعلقات کی رونقوں اور خوبصورتی کے اظہار کے لئے ایک شاندار مثال ہے اس استعارہ کا صحیح ادراک وہی کر سکتے ہیں جو خود کسان ہوں۔ ایک کسان کا اپنی زمین سے پیار مثالی ہوتا ہے اور جس طرح وہ اس پر محنت کرتا ہے وہ بھی دیکھنے کے قابل ہے زمین سے اس کی زندگی کی تکمیل ہوتی ہے اور اس کے مقاصد کو پورا کرنے کا سبب ہوتی ہے۔ زمین کسان سے اپنے پیار کا اظہار اس طرح کرتی ہے کہ وہ اس کے لئے غذا اور سبزیات بلکہ اس کے مویشیوں کے لئے بھی خوراک پیدا کرتی ہے۔ یوں کھیتی اور کسان ایک دوسرے کے لئے زندگی کا سبب ہیں۔ ایسے ہی ایک اچھی بیوی اپنے خاوند کے لئے زندگی ہے، وہ اسے ہر طرح کی خوشیاں، راحت اور سکون کا سامان مہیا کرتی ہے اور دوسری طرف خاوند اپنی بیوی کے لئے سب کچھ ہے۔ جس طرح کسان اپنی زمین کی حفاظت کرتا ہے، اس کے اردگرد باڑ لگاتا ہے، اس میں ہل چلاتا ہے، پانی لگاتا ہے بیج ڈالتا ہے اور مشقت جھیل کر پودوں کی پرورش کرتا ہے، یہی حال ایک اچھے خاوند کا ہے، وہ اپنی بیوی کی قدر کرتا ہے، اس کی حفاظت کرتا ہے، اس کے لئے رزق کے وسائل پیدا کرتا ہے اور اس کے بچوں کے لئے ہر طرح کی مشقت جھیل کر پرورش کا انتظام کرتا ہے اور یوں وہ گھر جنت کا نمونہ بن جاتا ہے۔ (نوٹ۔ بعض لوگ آیۃ مبارک ۲۲۳ سے میاں بیوی کے درمیان ازدواجی تعلقات غیر معروف طریقوں سے کرنے کا جواز تلاش کرتے ہیں۔ یہ اسلام کی روح کے سراسر خلاف ہے۔)

356- اولاد کی پرورش اور تربیت کی ذمہ داری:-

میاں بیوی دونوں مل کر اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو قائم رکھنے کا مقدس فریضہ ادا کرتے ہیں۔ قدرت کے نزدیک ان کے تعلقات اور فطری محبت کی بنا یہی ہے اس لئے آیۃ مبارکہ 223 میں حکم ہے **وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ** یعنی اپنے لئے اور اپنے خاندان کی بہتری کے لئے منصوبہ بندی کرو، اس کا مطلب یہ ہے کہ باہمی تعلقات کو اس طرح نبھاؤ کہ آئندہ نسلیں قابل قدر مسلمان ہوں اور ان میں بہترین انسان کی ساری خوبیاں ہونی چاہئیں۔ حضورﷺ سے روایت ہے کہ اچھی اولاد ماں باپ کے لئے بہترین صدقہ ہے، اور پیچھے چھوڑے گئے اعمال میں سے بہترین ترکہ ہے۔

آیۃ مبارکہ 223 میں اللہ تعالیٰ کا فرمان............ **وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ۔ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ** یاددہانی کراتا

ہے کہ موت کے بعد یقیناً ہم اللہ تعالیٰ سے ملنے والے ہیں اور وہاں میاں بیوی کے باہمی تعلقات، حقوق فرائض اور اولاد کی تعلیم و تربیت اور پرورش کے متعلق ضرور سوال ہوں گے۔ مومنین کے لئے تو وہ وقت خوشخبری کا ہے کہ انہوں نے دنیا میں اپنے فرائض پورے کئے اور اب وہ اپنے انعامات وصول کریں گے، لیکن افسوس ان پر جنہوں نے آپس کے مقدس رشتوں کو پامال کیا ان کیلئے اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی سوائے ذلت اور ہمیشہ کی بے چارگی کے اور کچھ نہیں۔

357- انسانی کردار کی کمزوری:-

اگلی آیۃ کریمہ 224 میں معاشرتی کمزوریوں کے متعلق مزید ہدایات دی گئی ہیں۔ ان کا تعلق قسموں سے ہے۔ قسم آدمی جذبات کی شدت یا اپنی بات کو معتبر بنانے کے لئے یا دوسرے پر اپنی سچائی ثابت کرنے کے لئے کھاتا ہے لیکن اسکا اثر الٹا ہوتا ہے۔ زیادہ قسمیں کھانے والے آدمی کا اعتبار اٹھ جاتا ہے۔ خاص طور پر یہ میاں بیوی کے باہمی تعلقات اور معاشرہ کے لئے خطرناک نتائج کی حامل ہوتی ہیں۔ فرمایا......

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○	224- اور نہ بناؤ اللہ تعالیٰ کو بہانہ اپنی قسموں سے کہ نہ کرو گے تم نیکی، اور ڈرو اللہ سے اور کراؤ لوگوں کے درمیان صلح۔ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا، جاننے والا ہے۔
لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ○	225- اللہ تعالیٰ تمہارا مواخذہ نہیں کرتا بے ارادہ قسموں پر، البتہ مواخذہ کرے گا ضرور اس پر جو تمہارے دل و دماغ نے کمایا۔ اور اللہ تعالیٰ انتہائی معاف کرنے والا، حلم والا ہے۔
لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ	226- ان لوگوں کیلئے جو اپنی عورتوں سے تعلق نہ رکھنے کی قسم کھاتے ہیں

فَاِنْ فَآءُوْ — چار ماہ کی مہلت ہے۔ پس اگر اس (مدت) میں درستگی ہو جائے،

فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○ — تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور بہت رحم کرنے والا ہے۔

وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ — 227- اور اگر وہ طلاق کا پکا ارادہ کر چکے ہیں،

فَاِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ○ — تو اللہ تعالیٰ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

358- اللہ تعالیٰ کے نام پر قسم کھانا:-

آیۃ مبارکہ 224 واضح کرتی ہے کہ خواہ مخواہ اللہ تعالیٰ کے نام پر قسم کھانا بہت بری بات ہے۔فرمایا... **وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰہَ عُرْضَۃً لِّاَیْمَانِکُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَیْنَ النَّاسِ**۔ لیکن پھر بھی کچھ لوگ جھوٹی سچی عادتاً قسمیں کھاتے رہتے ہیں۔ اللہ کی قسم، رب کی قسم، خدا کی قسم وغیرہ وغیرہ۔عرب لوگ واللہ، واللہ، بات بات پر کہتے ہیں۔اس طرح کی غیر سنجیدہ قسمیں کھانا نہایت نامناسب ہے۔ خصوصاً اگر ان میں جھوٹ کی آمیزش بھی ہو تو قطعاً حرام ہیں۔بعض اوقات لوگ اس طرح کی قسم کھا لیتے ہیں "اللہ کی قسم، میں تمہیں کچھ نہیں دونگا۔ "اللہ کی قسم میں تم سے قطع تعلقات کرتا ہوں، اللہ کی قسم میں تم سے صلح نہیں کروں گا "۔خاوند نے بیوی سے کہا "خدا کی قسم میں تم سے نہیں بولوں گا" وغیرہ یہ سب گناہ کا باعث ہیں۔بعض دفعہ لوگ اپنی نیکی تقویٰ اور معصومیت ثابت کرنے کے لئے قسمیں کھاتے ہیں۔یہ بھی اللہ تعالیٰ کے مقدس نام کا غلط استعمال ہے آیۃ مبارکہ 225 میں ایسی لغو اور فضول قسموں سے اظہار ناپسندیدگی کیا گیا ہے۔یہ ایک قبیح عادت ہے جسے بچپن ہی سے روکنا چاہیے۔

بعض اوقات کوئی آدمی نیکی کے کام سے رک جانے کی قسم کھا لیتا ہے یہ بھی منع ہے مثلاً حضرت ابوبکر صدیق ؓ ایک شخص کی مدد کیا کرتے تھے لیکن وہی شخص حضرت عائشہ صدیقہ ؓ پر تہمت کے الزام میں بھی پیش پیش تھا، چنانچہ جناب صدیق ؓ نے کہا ''اللہ کی قسم میں اس شخص کو کچھ نہیں دونگا''۔ لیکن اس آیہ مبارک کے اترنے کے بعد صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی قسم کا کفارہ ادا کیا اور حسب عادت اسکی امداد بحال کر دی۔

وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ — 228- اور مطلقہ عورتیں روکیں اپنے آپ کو،

بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَۃَ قُرُوْٓءٍ — تین ماہواری پاک ہونے تک۔اور ان کے لئے حلال نہیں

وَلَا یَحِلُّ لَهُنَّ — کہ چھپائیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے رحم میں پیدا کیا ہے،

اَنۡ یَّکۡتُمۡنَ مَا خَلَقَ اللّٰہُ فِیۡۤ اَرۡحَامِهِنَّ
اِنۡ کُنَّ یُؤۡمِنَّ بِاللّٰہِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ ؕ
وَ بُعُوۡلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ اِنۡ
اَرَادُوۡۤا اِصۡلَاحًا ؕ
وَ لَهُنَّ مِثۡلُ الَّذِیۡ عَلَیۡهِنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ۪
وَ لِلرِّجَالِ عَلَیۡهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ
وَ اللّٰہُ عَزِیۡزٌ حَکِیۡمٌ ﴿۲۲۸﴾

اگر وہ اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر
واقعی ایمان رکھتی ہیں۔
اور ان کے شوہروں کا زیادہ حق ہے،
کہ وہ اس مدت میں ان کی طرف لوٹ جائیں،
اگر وہ واقعی اصلاح کے خواہش مند ہوں۔
اور عورتوں کے لئے بھی ایسے ہی حقوق ہیں،
جیسے ان کی طرف سے (مردوں کے لئے) ہیں،
اعلیٰ تہذیبی قدروں کے مطابق، البتہ مردوں کو ان پر
ایک درجہ (فضیلت) ہے، اور اللہ تعالیٰ زبردست
قوت والا غالب حکمت والا ہے۔

359-غلط قسم کھانے کا کفارہ:-

آیۃ مبارکہ 225 سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اگر واقعی دل سے قسم کھائی جائے اور پھر اس کو پورا نہ کیا جائے، یا قسم کسی غلط بات پر کھائی ہو جیسے میاں کہے "خدا کی قسم میں تم سے علیحدگی اختیار کرلوں گا"۔ ایسی قسموں پر پکڑ ہوگی۔ اس لئے چاہیے کہ فوری طور پر ان کا کفارہ ادا کیا جائے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی جائے۔ بے شک وہ بڑا ہی معاف فرمانے والا حلم والا اور بردبار ہے۔ قسم کا کفارہ حسب استطاعت صدقہ کرنا ہے یا روزہ رکھنا ہے۔

360-عورتوں سے تعلق نہ رکھنے کی قسم:-

آیۃ مبارکہ 226 میں میاں بیوی کے درمیان تعلقات توڑنے والی لغو قسموں کا خاص طور پر ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر چار ماہ کے عرصہ میں خاوند اپنی قسم سے توبہ نہیں کرتا اور بیوی کی طرف رجوع نہیں کرتا تو خود بخود طلاق واقع ہو جائے گی۔ چار ماہ کی مہلت ایک بہت بڑی رعایت ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ اس عرصہ میں میاں بیوی کو سوچنے سمجھنے کا موقع مل جائے اور عزیز و اقارب معاملات کی درستگی کی کوشش کرلیں لیکن اگر خاوند پھر بھی اپنے ارادہ سے باز نہیں آتا اور بیوی کو لوٹانے کے لئے تیار نہیں ہوتا تو پھر اس کا رجوع کرنے کا حق زائل ہو جاتا ہے اور طلاق دائمی واقع ہو جاتی ہے۔ (اس صورت میں نکاح جدید سے دوبارہ رکھ سکتا ہے حلالہ کی

ضرورت نہیں۔ مفتی محمد اسمائیل طورو)

361- ناپسندیدہ ترین شرعی اجازت:۔

آیتہ مبارکہ 225 کے آخر میں ایک دفعہ پھر یہ یاددہانی کرائی گئی ہے کہ "دل سے کھائی گئی قسموں پر ضرور مواخذہ ہوگا" ان میں سب سے حساس معاملہ بیوی کو طلاق والی قسموں کا ہے۔ اسلام نے طلاق کی اجازت دی ہے۔ یہ شرعی کاموں میں سے یہ ناپسندیدہ ترین کام (Necessary evil) ہے۔ اس لئے مرد پر ضروری ہے کہ وہ خوب سوچے کہ ایسی قسم کھا کر وہ کہیں ظلم نہ کر بیٹھے۔ اگر ایسا ہے تو اللہ تعالیٰ عورت کی فریاد سننے والا اور تمہارے دل کی بات کو جاننے والا ہے۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ خاوند طلاق کی اصل وجوہ کو چھپاتا ہے اور بیوی پر جھوٹے الزامات لگاتا ہے، آیتہ مبارکہ 227 میں واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی بات چھپائی نہیں جاسکتی وہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے، لہٰذا قیامت کے دن اس جھوٹ اور تہمت کی ضرور باز پرس ہوگی جو اس نے اپنی بیوی پر لگائی ہوگی۔ اگر یہی بات بیوی نے خاوند کے لئے کی ہے تو یقیناً اس کا بھی سخت مواخذہ ہوگا۔ اسلام میں جھوٹی تہمت لگانا اور کسی کو خواہ مخواہ بدنام کرنا بہت بڑا گناہ ہے اور مومن کی شان سے بعید بات ہے۔

362- دلوں کی کمائی پر پکڑ:۔

آیتہ مبارکہ 225 میں یہ ارشاد کہ "وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ۔ "وہ تمہیں پکڑے گا اس کی نسبت سے جو تمہارے دلوں نے کمایا" نہایت قابل غور اور قابل نصیحت بات ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ دلوں کی کمائی میں کیا کیا شامل ہے؟ اسکا جواب یہ ہے کہ ہماری سوچ ہمارے دلوں کی کمائی ہے جسکا تعلق ارادہ اور نیت سے ہے اس لئے انسان کی پکڑ اس کے ارادہ اور نیت پر بھی ہو سکتی ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری سوچوں کا بھی ریکارڈ رکھ رہا ہے جسکا حساب ہوگا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اپنے دلوں کو کینہ، نفرت، حسد، شر کی تدابیر اور برے خیالات سے پاک رکھا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ دلوں کی طہارت بیرونی جسم کی طہارت سے بھی زیادہ ضروری ہے اور دل کی صفائی میاں بیوی کے درمیان تو بہت ہی اہم بات ہے۔ اگلی آیت کریمہ بھی انہی خاندانی مسائل کو مزید سمجھانے کے لئے ہیں جن کا ذکر 226 اور 227 میں ہو چکا ہے۔

363- طلاق کے بعد صلح:۔

جیسا کہ پہلے بھی ہم کہہ چکے ہیں کہ اسلام نے طلاق کو مباح لیکن حلال چیزوں میں سے سب سے زیادہ قابل نفرت قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ پسند ہے کہ خاندان آباد رہیں لہٰذا طلاق سے بچنے کے لئے میاں بیوی کو پورا پورا موقع دیا جاتا ہے کہ وہ کسی طرح دوبارہ رجوع کرلیں۔ اس سلسلہ میں سب سے بہترین علاج وقت ہے۔ اس لئے طلاق جیسے نازک مسائل کا فیصلہ کرنے میں جلدی کرنا

گناہ ہے اور صبر سے کام لینا سب سے بہتر ثواب کا کام ہے۔ اگر خاوند طلاق دے بھی دیتا ہے تو طلاق فوراً وارد نہیں ہوتی بلکہ تین ماہواری تک انتظار کرنا لازمی ہے۔ عورتوں سے کہا گیا ہے کہ اس مدت میں کسی دوسرے مرد سے شادی تو کیا اس کا اظہار تک بھی نہ کریں، بھی پہلے خاوند کا زیادہ حق ہے کہ وہ رجوع کرلے اور صلح صفائی کے بعد دوبارہ گھر بس جائے۔ لیکن اسلام میں خاوند عورتوں کو زبردستی بھی گھر میں نہیں رکھ سکتا۔ اگر اسے طلاق کا حق تھا تو طلاق کے نوٹس پر عورت کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ وہ رہنا چاہتی ہے یا نہیں، اسے کوئی مجبور نہیں کرسکتا، نہ ہی کسی کو کسی پر زیادتی کی اجازت ہے۔

364- دورانِ عدت حمل کا اظہار:-

آیۃ مبارکہ 228 میں حکم ہے کہ بوقت طلاق عورت اگر حاملہ ہو تو اس بات کو ظاہر کردے۔ ایک تو ایسا کرنا نومولود کی پرورش کیلئے ضروری ہے اور دوسرا اس سے بیوی کے واپس لوٹنے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں اور تیسرا یہ کہ رحم میں موجود بچہ کی ولدیت متعین ہو جاتی ہے۔ سبحان اللہ کہ اللہ تعالیٰ اس کے حقوق کا بھی خیال کرتا ہے جو ابھی پیدا تک نہیں ہوا۔

365-عورت کے حقوق (Women Rights):-

آج کل عورتوں کے حقوق کی بڑی بات ہوتی ہے، بڑے بڑے سیمنار ہوتے ہیں اور قراردادیں پاس کی جاتی ہیں لیکن اگر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ان سب کے پیچھے محرک کچھ ایسے لوگ ہیں جو عورت اور مرد دونوں کا استحصال کررہے ہیں۔ وہ عورت کو حقوق نہیں دے رہے بلکہ اسے گھر سے نکال کر جاب مارکیٹ(Job Market) میں سستی لیبر (Cheap Labour) کے طور پر لانا چاہتے ہیں۔ وہ یہ کام یورپ، امریکہ اور جاپان میں کرچکے ہیں اور اب ان کی توجہ کا مرکز مسلمان ممالک ہیں تاکہ یہاں کی خاتون سے بھی اسکا گھر، اسکے بچے، اسکا خاوند چھین کر اسے بے سہارا اور بے رحم ہاتھوں میں کھلونا بنادیا جائے۔ ان کے پراپیگنڈہ کا ہدف وہ اعلیٰ اسلامی شعار ہیں جن سے عورت کو دنیا میں عزت، عفت، حفاظت اور معاشی آزادی ملی ہے۔

انکی پہلے نمبر پر ترجیح عورت کو بے پردہ کرنا ہے، پھر اسے گھر سے نکالنا، جاب مارکیٹ میں لانا، اور پھر اسے بدمعاشوں کے ہاتھوں رسوا کرانا ہے۔ اپنے اس پروگرام میں وہ اسقدر کامیاب ہیں کہ مغربی ممالک بشمول امریکہ 80% عورتیں طلاق پاتی ہیں، 60% کو شادی کئے بغیر مرد اپنے پاس رکھتے ہیں، جب چاہیں بلا کسی قانونی بوجھ کے چھٹکارا حاصل کرلیں، 75% حرامی بچوں کو جنم دیتی ہیں جنکا فراڈی باپ اپنے گناہ کو بیچاری عورت کے پاس چھوڑ کر غائب ہوجاتا ہے۔ عورت کی یہ قدر بھی اس وقت تک ہے جب تک اسمیں جنسی کشش ہے، بوڑھا ہونے یا بیماری کی صورت میں جب حسن ماند پڑ جاتا ہے تو بیچاری کو چوسی ہوئی گٹھلی کی طرح پھینک دیا جاتا ہے۔ یہ وہ ظلم ہے جو عورتوں کے حقوق(Women Rights) کے نام پر مغرب میں ہورہا ہے اور اب مشرق ان کا نشانہ (ٹارگٹ) ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ عورت کو اسلام نے جو حقوق دیئے ہیں وہ اسکی فطرت کے مطابق لاثانی ہیں۔ ان میں اولین ترجیح عورت کے لئے ایک پرسکون محفوظ گھر، خاوند کی محبت، بچوں کی عزت اور پیار ہے۔ اسلام نے اسے رزق کمانے کی ذمہ داری سے آزاد رکھا ہے تا کہ وہ نئی نسل کی تربیت پر پوری پوری توجہ دے اور یوں انسانیت بھلائی کی طرف ترقی کرتی جائے۔

اس ضمن میں آیۃ مبارکہ 228 کا یہ فرمان کہ "**وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ**۔" ''اور اعلیٰ تہذیبی قدروں کے مطابق عورتوں کو بھی ایسے ہی حقوق حاصل ہیں، جیسے ان پر مردوں کی طرف سے ہیں، البتہ مردوں کو ان پر ایک درجہ (فضیلت) حاصل ہے'' عورت اور مرد کے باہمی حقوق اور فرائض کی ضمانت ہے۔ احترام انسانیت کے اعتبار سے جو حقوق مردوں کو حاصل ہیں وہی عورتوں کو بھی ہیں۔ فرمایا "**ولقد کرمنا بنی آدم**" ''ہم نے بنی آدم کو مکرم ومحترم بنایا ہے''۔ اس حکم میں عورت اور مرد کی کوئی تخصیص نہیں، البتہ نظام حیات چلانے کے لئے جب وہ رشتہ ازواج میں منسلک ہو جاتے ہیں تو پھر مرد کو عورت پر ایک درجہ فضیلت حاصل ہے اور یہ اس وجہ سے ہے کہ مرد پر معاشی ذمہ داری ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ عام حالات میں ان کے فیصلے باہمی مشورہ سے طے پانے چاہئیں لیکن نزاع کی صورت میں آخری فیصلہ کا حق مرد کو حاصل ہوگا۔ اگر میاں بیوی اس نکتہ کو سمجھ جائیں تو ان کے درمیان بہت سے نزاعی مسائل حل ہو جائیں گے اور خاندان بچے رہیں گے۔

اسی ضمن میں ایک اور قابل غور بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عورت کو جذبات کی شدت عطا کی ہے تا کہ وہ بچوں کی حفاظت اور تربیت کر سکے اور خاوند کو ایسی محبت دے جو گھر کو جنت نما بنا سکے لیکن عملی زندگی میں جذبات کے منفی اثرات کو کنٹرول کرنے کے لئے اس ذات پاک نے مرد کو ان پر ایک درجہ فضیلت دے دی تا کہ باہمی معاملات میں وہ آخری فیصلہ کا ذمہ دار ہو۔ اس سے اللہ تعالیٰ نے عورت کو دنیاوی مسائل کا سامنا کرنے سے بھی بچالیا ہے تا کہ وہ اولاد کی تربیت اور گھر داری کے متعلق اپنی حساس ذمہ داریوں کو احسن طریقہ سے پوری کرتی رہے۔ آیہ مبارک کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت عزیز الحکیم کا ذکر فرمایا ہے اس سے یہ مطلب لیا جا سکتا ہے کہ نظام زندگی کو چلانے کے لئے مرد کو ان دو صفات کے لئے خصوصی طور پر کوشش کرنا چاہئے۔ (عورت کے مزید حقوق اور فرائض کے متعلق تفصیل کے لئے آیات 221 سے 242 کی تشریح دیکھیں)

366- بچے کی پیدائش پر ایک سائنسی نکتہ:-

آیۃ مبارکہ 228 میں ''**مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِیْٓ اَرْحَامِهِنَّ**'' کا جملہ ایک سائنسی حقیقت کا بھی اظہار ہے کہ نئی زندگی کا مقام عورت کا رحم ہے جسے ابتدائے حمل میں سوائے ہونے والی ماں کے، کوئی اور نہیں جانتا۔ آج سے چند صدیاں پہلے تک سائنس بھی اس بات سے نابلد تھی کہ بچہ کہاں پروان چڑھتا ہے اور پیدا ہونے سے پہلے اس کی زندگی کیسی ہے لیکن قرآن حکیم نے اس دریافت سے کئی صدیاں پہلے یہ حقیقت واضح کردی کہ پیدا ہونے والی زندگی کا مقام رحم مادر ہے۔ اس ضمن میں لفظ ''رحم'' خصوصی اہمیت اور معنی کا حامل ہے۔ اسی

لفظ سے ماخذ رحمت جیسی اعلیٰ قدر اور اللہ تعالیٰ کے محبوب نام رحمان اور رحیم بھی ہیں، لہٰذا اخلاقی طور پر "رحم" کا تقدس عورت اور مرد دونوں کی بہت بڑی ذمہ داری ہے اور پھر یہ بھی کہ رحم، رحمت اور محبت کے جذبات کا منبع ہے۔

مغربی حکماء کے برعکس مسلمان بزرگ ہمیں یہ بھی سکھاتے ہیں کہ بچہ کی سائیکالوجی اور اسکے شخصیت کے بناؤ سنگھار میں رحم کے اندر کا وقفہ بہت ہی اہم ہے۔ چاہیئے کہ دوران حمل ماں کو مکمل سکون باہم پہنچایا جائے اور پریشانیوں سے دور رکھا جائے، ماں کو بھی چاہیے کہ وہ اپنے رحم میں پروان چڑھنے والے بچہ کیلئے اچھے اچھے خیالات رکھے۔ اس سلسلہ میں بہترین عمل اس بچہ کو قرآن حکیم کا سنانا ہے۔ ماؤں کو چاہیئے کہ دوران حمل وہ قرآن کریم کی خوش الحالی سے تلاوت کریں تا کہ بچہ کی روح اس سے مانوس ہو جائے۔ سرورِ کائنات ﷺ کی سیرت طیبہ اور صحابہ کرامؓ کی زندگیوں کا مطالعہ بھی بچہ کی روحانی اور ذہنی نشوونما کے لئے بہت ضروری ہے۔ اس دوران خاوند پر بھی واجب ہے کہ وہ معمول سے زیادہ کوشش کرے کہ بیوی خوش رہے تا کہ قدرت نے ماں کو جو ذمہ داری عطا کی ہے وہ اس کی طرف بھرپور توجہ کر سکے۔ (For more details please see appendix ix,x,xiii) اس ضمن میں اگلی آیات کریمہ خاندانی مسائل میں طلاق کے تلخ مسئلہ کے حل کی طرف مزید احکام پر مشتمل ہیں۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪	229- طلاق دو بار ہے۔ اس کے بعد یا تو انہیں بھلائی کے
فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ	ساتھ روک لینا ہے، یا خوش اسلوبی کے ساتھ ان کا
بِاِحْسَانٍ ؕ	حق انہیں واپس کرنا ہے۔
وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ	تم پر یہ حلال نہیں، کہ جو چیز تم انہیں دے چکے ہو
اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا	اس سے کچھ واپس لو۔
اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ	مگر اس صورت میں کہ دونوں کو اندیشہ ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حدود قائم نہ رکھ سکیں گے۔
فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ	پس اگر تمہیں ڈر ہو کہ تم اللہ کی حدود پر قائم نہیں رہ سکو گے،
فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ	تو پھر ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ (عورت) اپنا فدیہ (حق مہر) دے کر نجات حاصل کرے۔
تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ	یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں،
فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ	
وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ	

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

ان سے تجاوز نہ کرو۔
اور جس نے اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کیا،
پس وہی ظالم ہے۔

فَاِنْ طَلَّقَهَا
فَلَا تَحِلُّ لَهٗ
مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ
فَاِنْ طَلَّقَهَا
فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ
اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ
اللّٰهِ ؕ
وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ
يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝

230- پھر جب کوئی اپنی عورت کو (آخری) طلاق دے چکا،
پس اس کے بعد وہ عورت اس پر حلال نہیں، حتیٰ کہ وہ
عورت نکاح کرے کسی اور خاوند سے۔ پھر اگر اس نے بھی
طلاق دے دی، تو ان دونوں پر گناہ نہیں کہ رجوع
کرلیں، (بشرطیکہ) دونوں گمان غالب رکھتے ہوں،
کہ (اب وہ) اللہ کی حدود کو قائم رکھیں گے۔
اور یہ حدود اللہ ہیں جنہیں وہ بیان کرتا ہے،
لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں۔

367- طلاق دو ہی بار ہے:- (اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ)

نکاح مرد اور عورت کے درمیان باہم زندگی گزارنے کا ایک دائمی شرعی معاہدہ کا نام ہے جب کہ طلاق اس معاہدہ کے ختم کرنے کا نام ہے، اس لئے حتی الوسع کوشش ہونی چاہئے کہ طلاق نہ ہو پائے۔ البتہ اشد حالت میں مرد طلاق دے سکتا ہے اور عورت قاضی کی عدالت سے نکاح فسخ کرواسکتی ہے جسے شریعت میں خلع کہا گیا ہے۔

آیۃ مبارکہ 229-230 سے یہ تو واضح ہے کہ خاندان کو بچانا فریقین کے لئے لازم ہے لیکن طلاق دے کر واپس لینا بھی بچوں کا کھیل نہیں کہ آدمی بیوی کو بار بار طلاق کی دھمکیاں دیتا رہے۔ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ دے دیا کہ طلاق دو ہی بار ہے۔؛ تیسری دفعہ طلاق کہو گے تو طلاق مغلظ ہو جائے گی، اس لئے میاں بیوی کے تعلقات میں اس لفظ کو کبھی استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ یہ سوال کہ، کیا ایک ہی موقع پر تین دفعہ "میں تمہیں طلاق دیتا ہوں، میں تمہیں طلاق دیتا ہوں، میں تمہیں طلاق دیتا ہوں" کی تکرار سے طلاق دائمی مغلظ واقع ہو جاتی ہے یا نہیں؟ اسمیں بعض فقہا کا اختلاف ہے لیکن طلاق دینے کا حلال طریقہ یہی ہے کہ یہ عمل تین ماہ میں پورا ہو اور ہر ماہ سوچ سمجھ کر ایک ایک کر کے طلاق دی جائے۔

368- طلاق کے بعد رجوع:-

چونکہ میاں بیوی کے تعلقات کوئی کھیل کی بات نہیں، اس لئے آیتہ مبارکہ 230 میں یہ حکم ہے کہ جب آخری طلاق ہوگئی تو پھر رجوع ممکن نہیں، تاوقتیکہ بیوی کسی دوسرے مرد سے شادی کرے اور پھر وہاں سے بھی بوجوہ طلاق ہوجائے اسکے بعد وہ اپنے پہلے خاوند سے دوبارہ باقاعدہ شادی کرسکتی ہے۔ اسے شریعت میں حلالہ کہتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے ضابطے ہیں، ان سے کھیلنا نہایت خطرناک ہے۔ کچھ ناعاقبت اندیش اپنی عورت کو غصہ میں آ کر تین طلاقیں دے دیتے ہیں بعد میں جب پچھتاتے ہیں تو عورت کسی دوسرے مرد سے طلاق لینے کی نیت سے شادی کرلیتی ہے اور یوں قانونی تقاضہ پورا کرنے کے بعد پہلے مرد سے شادی کرلیتی ہے، یہ شادی جعلسازی کی شادی ہوگی جو سوائے گناہ کے کچھ نہیں اور موجب لعنت ہے (ابوداؤد شریف)۔ آیتہ مبارکہ 229 میں اللہ تعالیٰ کا فرمان...... **تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا۔ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ** سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی اور اسکی حدود کو توڑنا بہت بڑا گناہ ہے، جس کا سخت عذاب ہے۔

369- خلع اور طلاق میں خوش اسلوبی کا حکم:-

آپ نے اوپر کی آیات میں دیکھا ہوگا کہ اللہ تبارک تعالیٰ بار بار تاکید فرماتے ہیں کہ میاں بیوی طلاق ،خلع اور علیحدگی کے مسائل کو دائرہ تہذیب کے اندر رہتے ہوئے نہایت خوش اسلوبی اور احسان کے ساتھ حل کریں۔ آیتہ مبارکہ 229 میں حکم باری تعالیٰ ہے کہ آخری طلاق کے بعد مرد اور عورت میں ہمیشہ کی جدائی ہو جائے گی، لیکن یہاں بھی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ جدائی بھی خوش اسلوبی سے ہو۔ فرمایا... **تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ**۔ اسکا مطلب یہ ہے طلاق سے پہلے مرد جو تحائف حق مہر اور جہیز بیوی کو دے چکا ہے، واپس لینے کا حق دار نہیں بلکہ پسندیدہ بات یہ ہوگی کہ پچھلی رفاقت کے پیش نظر کچھ مزید بھی دے۔

بہر حال طلاق سے پہلے باہمی صلح صفائی کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے لیکن اگر اکٹھے رہنا ناممکن ہو تو پھر عورت کو بھی علیحدگی کا پورا حق ہے اس حق کو شریعت میں خلع کہا گیا ہے۔ اگر عورت خلع یعنی عدالت میں جا کر مرد سے علیحدگی کا حق لے لیتی ہے تو پھر قانونی طور پر مرد کی طرف سے دیئے گئے تحائف اور حق مہر پر اسکا کوئی حق نہیں رہتا۔ البتہ اس صورت میں بھی اگر حسن سلوک کے تحت مرد انہیں واپس نہ لے تو یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت پسندیدہ عمل ہے۔ طلاق کے بعد خوش اسلوبی سے علیحدگی اعلیٰ ترین تہذیب کی بات ہے جو اسلام نے دنیا کو سکھائی۔ افسوس کہ آجکل لوگ طلاق کو دشمنی پر لے آتے ہیں۔

اگلی آیات مبارکہ 231-232 میں بھی طلاق ہی کے مسائل کی مزید وضاحت فرمائی گئی ہے۔ فرمایا.....

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ
اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ
اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۠
وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ
وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ
فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۭ
وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۡ
وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ
وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ
مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ
يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ
وَاعْلَمُوْٓا
اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

231- اور جب تم عورتوں کو طلاق دے چکو،
پھر وہ اپنی عدت کی مدت کو پہنچ جائیں،
تو انہیں اچھے طریقہ کے ساتھ روک لو،
یا اچھی طرح رخصت کردو،
اور نہ روکو انہیں نقصان پہنچانے کی نیت سے،
کہ تم ان پر زیادتی کرو۔
اور جو کوئی ایسا کرے گا پس تحقیق
اس نے اپنے نفس پر ظلم کیا۔
اور اللہ تعالیٰ کی آیات کو مذاق نہ سمجھو،
اور اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو،
اور جو اس نے تم پر اتاری ہیں (یعنی) کتاب اور حکمت، وہ اس
سے تمہیں نصیحت کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔
اور خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ
فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ
اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ
ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ
مَنْ كَانَ مِنْكُمْ
يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ
ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ۭ
وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

232- اور جب تم طلاق دے چکو اپنی عورتوں کو،
اور پھر وہ اپنی (عدت) کی مدت کو پہنچ جائیں،
تو تم ان کے آڑے نہ آؤ،
کہ وہ اپنے شوہروں سے نکاح کرلیں،
جب کہ وہ آپس میں دستور کے مطابق راضی ہوں۔
یہ نصیحت کی جاتی ہے تم میں ہر اس شخص کو
جو اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔
یہ تمہارے لئے بہت ہی پاکیزہ اور نہائت

صاف ستھری بات ہے

اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ہو۔

370- دائمی علیحدگی کے اسلوب:-

اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ میاں بیوی باہمی محبت اور احسان کے ساتھ رہیں لیکن اگر وہ دیکھیں کہ ایسا نا ممکن ہے تو پھر علیحدگی بھی نہایت دوستانہ خوش اسلوبی سے ہو۔ فرمایا" **فَامْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ اَوْسَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ** "اس لئے دیانیداری اور اخلاص کے ساتھ کوشش کی جائے کہ دونوں رجوع کر جائیں اسی سلسلہ میں اگر باہمی رضامندی ہو جائے تو عدت کی مدت کے آخری دن تک رجوع کرنے کا حق حاصل ہے آیۃ مبارکہ 231 سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اسی میں ہے کہ وہ رجوع کر لیں اور اچھی طرح رجوع کریں۔ اس میں معروف طریقوں کے مطابق خوشی وغیرہ کے اظہار کی اجازت ہے لیکن اگر عدت کا آخری دن بھی گزر جائے اور طلاق دائمی واقع ہو جائے تو کیا کرنا چاہئے؟ آیت ہذا میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اس صورت میں مرد اپنی بیوی کو احسن طریقہ سے آزاد کر دے، جو اسے دے چکا ہے اسے لے کر جانے دے، بلکہ پرانی قرابت کے پیش نظر مزید تحائف بھی دے اور بہت اچھی طرح الوداع کہے۔

371- رجوع میں نیک نیتی:-

آیۃ مبارکہ 231 میں اللہ تعالیٰ کا یہ بھی حکم ہے کہ اگر عورتوں سے رجوع کر لیتے ہو تو نیک نیتی سے کرو یہ نہیں کہ انہیں نقصان پہنچانے کی غرض ہو حکم ہے" **وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا** "اگر پھر بھی نیت نقصان پہنچانا یا تنگ کرنا ہے تو یہ زیادتی ہے اور جو کوئی ایسا کرے گا وہ اپنے ہی نفس پر ظلم کرے گا اور دنیا میں بھی اس کا سکھ چین چھین لیا جائے گا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ مظلوم عورت کو اس کے اس ظالم شوہر سے بدلہ دلوائے گا۔ لہٰذا جو لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام میں سے من پسند تاویلیں نکالتے ہیں وہ دراصل آگ سے کھیل رہے ہیں۔ انہیں معلوم ہونا چاہئیے کہ اللہ تبارک تعالیٰ نیتوں، ارادوں اور اعمال غرض ہر چیز کو اچھی طرح جانتا ہے۔ اس لئے وہ بچ کر کہیں بھی جا نہ سکیں گے۔

372- قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی نعمت:-

آیہ مبارک 231 میں اللہ تعالیٰ کا فرمان...... **وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ** ایک اچھی گھریلو زندگی اور دنیا و آخرت کی کامیابی کے لئے بہترین فارمولہ ہے اس کے مطابق ہمیں چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا، جن میں بیوی بچے اور گھر بھی شامل ہیں شکریہ ادا کرتے رہیں، اور اپنی گھریلو زندگی میں قرآن پاک کو نافذ کریں۔ بے شک اگر انسان اپنی عقل کو قرآن حکیم کے تابع رکھ کر زندگی گزارے گا تو کبھی بھی گمراہ نہ ہو گا۔

373- مطلقہ عورت خود مختار ہے:-

آیۃ مبارکہ 232 مطلقہ عورتوں کے حقوق کی ضمانت ہے۔ طلاق کے بعد خاوند کو یا کسی اور کو ہرگز اس بات کا اختیار نہیں کہ اس کے معاملات میں ٹانگ اڑائے۔ اگر وہ شادی کرنا چاہے تو وہ اسے روکنے کا حق نہیں رکھتے۔ اس طرح عدت سے پہلے عورت اگر اپنے پہلے خاوند کے ساتھ رجوع کرنا چاہتی ہے تو عورت کے خاندان یا مرد کے خاندان میں سے کسی کو اس بات کی اجازت نہیں کہ انہیں باہم ملنے نہ دیں۔ جیسے آیۃ مبارکہ 232 میں فرمایا گیا ہے **وَلَا تُمۡسِكُوهُنَّ ضِرَارًا** یعنی قرآنی احکام پر عمل کرنے سے معاشرہ ہر طرح کے شر اور گندگی سے پاک ہو جائے گا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے دیئے گئے قانون ہی بہترین ہیں۔ وہی ہمارے نفع ونقصان سے پوری طرح آگاہ ہے۔

374- طلاق کا صحیح طریقہ:-

ابھی تک جو احکامات ہم نے سیکھے ہیں ان سے طلاق کا طریقہ مندرجہ ذیل معلوم ہوتا ہے: (مزید رہنمائی کیلئے اپنی اپنی فقہ سے رجوع کریں)

☆ یہ کہ طلاق رجعی تین ماہواری کے بعد بائن وارد ہو جاتی ہے یعنی طلاق دینے اور اس کے بااثر ہونے میں تقریباً 90 دن کا وقفہ ہے جس میں اگر مرد چاہے تو عورت کی طرف رجوع کر سکتا ہے لیکن زبردستی نہیں کر سکتا۔

☆ ایک دفعہ غصہ یا جذبات میں آ کر تاکید کی نیت سے طلاق طلاق خواہ کتنی ہی بار کیوں نہ کہا جائے یہ تکرار ایک ہی طلاق شمار ہوگی۔

☆ اگر وجہ طلاق قائم رہتی ہے اور باوجود کوشش کے میاں بیوی میں صلح نہیں ہوتی تو مرد سوچ سمجھ کر ایک ماہ بعد پھر سے طلاق دے گا۔ اب طلاق دو بار ہوگئی۔

☆ دو طلاق کے بعد بھی رجوع کی گنجائش ہے لیکن جب تیسری ماہواری بھی گزر جاتی ہے یعنی پہلی طلاق کو دیئے تین ماہ ہو جاتے ہیں اور اس دوران میاں بیوی رجوع نہیں کرتے تو طلاق خود بخود پکی ہو جائے گی۔ اس کے بعد وہ عورت اور مرد ایک دوسرے کے لئے حرام ہو جائیں گے۔

☆ تیسری طلاق کے بعد مطلقہ عورت شریعت کے مطابق کسی اور مرد سے شادی کر سکتی ہے اسکے بعد اگر دوسرا شوہر کسی خاص وجہ سے اسے طلاق دے دیتا ہے تو پھر وہ اسلامی دستور کے مطابق اپنے پہلے شوہر سے بھی شادی کر سکتی ہے۔ البتہ طلاق حاصل کرنے کی غرض سے کسی دوسرے مرد سے شادی اور پھر پہلے مرد سے شادی حرام ہے۔

☆ طلاق کے بعد مرد کو یہ حق حاصل نہیں کہ عورت کو دیئے گئے تحائف، جائیداد، جہیز یا حق مہر یعنی جو کچھ بھی بحالت

نکاح دے چکا ہے اس سے زبردستی واپس لے۔ بلکہ حکم یہ ہے کہ مزید بھی کچھ دے اور خوش اسلوبی سے رخصت کرے اور علیحدگی کے بعد ایک دوسرے کی غلطیوں کو معاف اور رنجشوں کو ختم کر دیا جائے۔

☆ عورت کو بھی طلاق لینے کا حق ہے لیکن وہ طلاق دے نہیں سکتی۔ وہ عدالت میں علیحدگی کیلئے خلع کی درخواست دے گی۔ تقاضا کی صورت میں مرد نے اسے جو کچھ دیا ہے اسے واپس کردے گی اور عدالت کے حکم کے مطابق اسے طلاق ہو جائے گی۔

نوٹ:- اکثر فقہا جن میں بریلوی، دیوبندی، جماعت اسلامی اور عرب جدہ کی فقہی کونسل شامل ہے کے نزدیک ایک ہی دفعہ تین بار ''میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔ میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔ میں تمہیں طلاق دیتا ہوں'' کہنے سے طلاق دائمی ہو جاتی ہے لیکن شیعہ فقہ اور غیر مقلدین کا اختلاف ہے۔ بہرحال سبھی کے نزدیک اس طرح طلاق دینے والا سخت گنہگار ہے۔

375- دودھ پیتے بچوں کے حقوق (Rights of the Infant):-

اگلی آیۃ مبارکہ میں ان مسائل کی طرف ہدایت فرمائی گئی ہے جو طلاق کے ساتھ ہی پیدا ہو جاتے ہیں۔ ان میں اولین مسئلہ چھوٹے بچوں کا ہے، خاص طور پر جو دودھ پیتے ہیں، علیحدہ ہونے والے ماں باپ کو ان کی فکر ہو یا نہ ہو لیکن پروردگار عالم کو ہے۔ فرمایا......

وَ الْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ	233- اور مائیں اپنے بچوں کو دودھ پلائیں،
حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ	پورے دو سال۔
لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ	یہ ان کے لئے ہے جو رضاعت کی تکمیل کرنا چاہیں۔
وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ	اور جس کا بچہ ہے، اس کے ذمہ ہے
وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ	اس کا کھانا اور کپڑا اچھی طرح سے۔
لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ	(اور یاد رکھو) کسی شخص پر اسکی طاقت اور برداشت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالا جاتا۔
لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا	نہ کسی ماں کو تکلیف پہنچائی جائے اسکے بچہ کے باعث،
وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۗ	اور نہ کسی باپ کو تکلیف پہنچائی جائے اس کے بچہ کے باعث،
وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ	
فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا	

اور یہی حکم وارث کے لئے بھی ہے۔

وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ۗ
پس اگر وہ دونوں باہمی رضامندی اور مشورہ سے دودھ چھڑوانا چاہیں

وَإِنْ أَرَدْتُمْ
تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں۔

أَنْ تَسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَكُمْ
اور اگر (باہمی رضامندی سے) تم اپنے بچوں کو

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ
(کسی اور ذریعہ سے) دودھ پلانا چاہو تو تب بھی تم پر کوئی

إِذَا سَلَّمْتُمْ مَا آتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوفِ ۗ
گناہ نہیں، بشرطیکہ ادا کر دو وہ جو دینا ہے اچھے طریقہ سے۔

وَاتَّقُوا اللَّهَ
اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اچھی طرح جان لو،

وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ○
کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ دیکھنے والا ہے۔

376- نومولود بچے کی پرورش:-

انسانی حقوق میں پہلا حقدار نومولود بچہ ہے۔ اسلام میں ان کے حقوق کا خاص خیال رکھا گیا ہے یہاں تک انہیں دودھ پلانے کا تعلق ہے اوپر آیۃ مبارکہ 233 میں اللہ تعالیٰ نے تعین کر دیا ہے کہ مائیں انہیں دو سال تک دودھ پلائیں اور اس دوران اگر باپ ماں کو طلاق دے دیتا ہے تو دودھ پلانے کی وجہ سے وہ ماں کے روٹی کپڑے مکان کا ذمہ دار ہوگا اور اپنی طاقت کے مطابق احسن طریقہ سے اسے معاوضہ دے گا۔ آیہ مبارک سے یہ بھی ظاہر ہے کہ دو سال کی یہ مدت زیادہ سے زیادہ مدت ہے۔ اگر بچہ کو نقصان پہنچنے کا احتمال نہ ہو تو باہمی رضامندی سے دودھ پہلے بھی چھڑایا جا سکتا ہے۔ باہمی رضامندی شرط ہے جس کا یہ مطلب ہے کہ ماں کی مرضی کے بغیر اس سے بچہ علیحدہ نہیں کیا جا سکتا اور ماں بھی باپ کی مرضی کے بغیر بچہ کو چھوڑ کر نہیں جا سکتی ہے۔ دونوں بچے کی جسمانی اور ذہنی پرورش کے ذمہ دار ہیں۔

377- مائیں اپنا دودھ پلائیں:-

بچوں کے حقوق کے سلسلہ میں آیۃ مبارکہ 233 سے واضح ہوتا ہے کہ ماں کا دودھ پلانا بچے کا حق ہے، اور غور طلب بات یہ ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ ماؤں کو خاص اپنا دودھ پلانے یعنی Breast Feeding کا حکم دیتا ہے۔ جس کے لئے آج کل میڈیکل ڈاکٹر بھی تلقین کرتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ ماں کے دودھ کا کوئی نعم البدل نہیں اور اس سے بھی بڑھ کر جب ماں گود میں لے کر چھاتی سے لگا کر اپنا دودھ اس کے منہ میں ڈالتی ہے تو محبت اور سکون جو اس وقت بچے کو ملتا ہے وہ اس کی شخصیت سازی کیلئے انتہائی ضروری ہے۔ مزید

یہ کہ اپنا دودھ پلانے سے بچوں کی پیدائش میں ضروری وقفہ بھی قدرتی طور پر ہو جاتا ہے۔ افسوس کہ آج کل فیشن کی وجہ سے اکثر مائیں Breast Feeding سے احتراز کرتی ہیں جس سے نہ صرف ان کے بچہ کو نقصان پہنچتا ہے بلکہ وہ حکمِ ربی کی مخالفت بھی کرتی ہیں اور بچے کو اپنا دودھ پلانے کے ثواب سے بھی محروم رہ جاتی ہیں۔

378- ماں کا عزت واحترام:-

اگرچہ ماں کا اپنے بچے کو دودھ پلانا فطری تقاضا ہے، یہ ماں کی ممتا ہے لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کے نزدیک ماں کا بچے اور باپ دونوں پر احسان ہے اور حکم دیا گیا ہے کہ "مرد اس احسان کا بدلہ دے" دوسری طرف بچوں پر ماں کا ادب اور عزت واحترام بھی فرض کر دیا گیا۔ سبحان اللہ وہ ذات پاک کس طرح ہر ایک کے حقوق کا خیال کرتی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا "جنت ماں کے قدموں تلے ہے۔"

379- دودھ پلانے میں باہمی رضامندی:-

ناگزیر حالات میں مثلاً ماں کی صحت اجازت نہ دے یا اس کے ذاتی مسائل کچھ ایسے ہوں کہ وہ دودھ نہ پلا سکتی ہو تو پھر ماں باپ باہمی رضامندی اور مشورہ سے کسی دوسرے سے بھی دودھ پلوا سکتے ہیں یا کوئی آیا بھی رکھ سکتے ہیں۔ اس کا اصول آیہ مبارک.... **فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا۔** میں دیا گیا ہے کہ دودھ پلانے کا کام بھی باہمی رضامندی اور مشورے سے ہونا چاہیے، خصوصاً بچوں کی تربیت کے لئے باہمی رضامندی اور مشورہ مومنین کے فرائض میں شامل ہے۔ افسوس کہ آج کل اس بات کا اکثر خیال نہیں رکھا جاتا۔ آیۃ مبارکہ 233 میں فرمایا گیا ہے کہ "یہی احکام وارثوں کے لئے بھی ہیں"۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ اگر باپ نہ ہو مثلاً کہیں چلا جاتا ہے، یا فوت ہو جاتا ہے، یا اپنی ذمہ داری پوری کرنے سے گریز کرتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ نے بچوں کے حقوق کا ذمہ دار وارثوں کو قرار دیا ہے اور حکم فرمادیا کہ "خبردار باہمی اختلاف کی وجہ سے (جو طلاق کے بعد اکثر ہوتے ہیں) ماں اور بچہ کے حقوق متاثر نہ ہوں"۔ اگرچہ باہمی مشورہ سے آیا رکھنا جائز ہے لیکن ماں کے حقوق پھر بھی مقدم ہیں جس کے لئے خبردار کیا گیا ہے، "اللہ تعالیٰ سے ڈرو جو کچھ تم کرتے ہو وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔"

380- طلاق کے بعد خوش اسلوبی کی اہمیت:-

طلاق کے بارے میں جتنی بھی آیات ہیں ان سے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم عیاں ہے کہ "عورت مرد جب طلاق کے بعد علیحدہ ہوں تو اچھی طرح ہوں"۔ یوں تو لوگوں کے درمیان باہمی عزت، تعاون، بھلائی، نیکی، خوش اخلاقی، اسلامی معاشرہ کا طرہ امتیاز ہے لیکن طلاق کے معاملات میں، خاص کر جب اکثر لوگ رنجش اور انتقام کے جذبات سے مغلوب ہوتے ہیں، خوش اخلاقی، خاطر تواضع، انصاف اور باہمی رضامندی اور مشورہ کا جو مقام ہے وہ تہذیب کا بہت اعلیٰ وارفع نمونہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ لازم قرار دے دیا ہے کہ علیحدہ ہونے والے مرد اور عورت ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کی نیت بھی نہ کریں اور نہایت خوش اخلاقی اور تہذیب سے علیحدہ ہوں، خصوصاً جہاں بچوں کی

تربیت کا معاملہ ہو وہاں خاص احتیاط کی ہدایت ہے۔ بے شک اسلام نے جس طرح بچوں اور عورتوں کے حقوق کا تحفظ کیا ہے اس کا عشر عشیر بھی کسی اور تہذیب میں نہیں ملتا۔

381- بیوہ عورتوں کے حقوق (Rights of Widows):-

دراصل خاندانی مسائل کی اہمیت اس قدر ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ چھوٹی چھوٹی باتوں کو بھی نظرانداز نہیں کرتے مثلاً اس ضمن میں اگلی آیات 242-234 میں ان عورتوں کے حقوق اور فرائض کا تفصیلی ذکر ہے جن کے شوہر فوت ہو جاتے ہیں اور یہ حقوق وراثت میں ان کے حصہ کے علاوہ ہیں۔ فرمایا......

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ
اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ
وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ
فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا
فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ
وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ○

234- اور تم میں جو لوگ وفات پا جاتے ہیں،
اور چھوڑ جاتے ہیں اپنی بیویاں،
تو انکو چار مہینے اور دس دن انتظار کرنا ہے۔
پھر جب وہ اس مدت کو پہنچ جائیں
تو تم پر اس کا کوئی گناہ نہیں کہ وہ
اپنے بارے میں وہ کریں جو مناسب ہو۔
اور تم جو عمل بھی کرتے ہو
اللہ تعالیٰ اسے کو خوب جانتا ہے۔

382- بیوہ اور حکمت عدت:-

مرد کی وفات کے ساتھ عورت خود بخود اس کے نکاح سے آزاد ہو جاتی ہے لیکن حسب شریعت وراثت میں حصہ کا حق رکھتی ہے۔ جہاں تک شادی کا تعلق ہے اب اسے کسی ولی کی اجازت کی ضرورت نہیں۔ البتہ دوسرے نکاح کے لئے چار ماہ دس دن جسے عدت کہتے ہیں مدت کا انتظار کرنا لازمی ہے۔ اس مدت میں اگر کوئی بچہ اس کے رحم میں اپنے پہلے خاوند سے موجود ہے تو وہ بھی ظاہر ہو جائے گا اور دیگر یہ کہ اس کے ساتھ جو رفاقت تھی اس کا بھی یہی تقاضا ہے کہ عورت انتظار کرے، غم کے اثرات کم ہوں اور اس کے سسرال والوں کے ساتھ جو رشتہ تھا اس کا تقدس بھی برقرار رہے اور کسی کی دل آزاری نہ ہو۔ مزید یہ بھی کہ اس مدت میں جو خانگی، مالی اور انتظامی مسائل ہیں وہ بھی خوش اسلوبی سے طے ہو جائیں۔

فقہ کی بعض کتابوں میں عدت کے دوران عورت کو گھر سے نکلنے، زینت والے کپڑے پہننے اور ایسا رویہ جس سے غیر معمولی خوشی کا اظہار ہو

کی اجازت نہیں ہے۔ البتہ اس مدت کے بعد عورت آزاد ہے اور حسب شریعت اپنے بارے میں جو چاہے فیصلہ کا اختیار رکھتی ہے، نکاح بھی کر سکتی ہے، گھر سے بھی شرعی ضروریات کے لئے نکل سکتی ہے۔

383- بیوہ عورت کی آزادی اور فرائض:۔

اسلام سے پہلے بیوہ کی زندگی اجیرن تھی۔ اکثر معاشروں میں اسے ساری عمر مرحوم خاوند کے گھر کی دہلیز پر زندگی گزارنے کے لئے مجبور کیا جاتا تھا۔ کچھ مذاہب، جیسے ہندو مذہب ہے، عورت کو مرد کی لاش کے ساتھ ہی چتا میں جلنے پر مجبور کرتے۔ آج بھی ان معاشروں میں بیوہ کی زندگی اجیرن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ذریعہ عورت کو جو آزادی اور حقوق دیئے ہیں ان کی مثال کہیں اور نہیں ملتی لیکن اس کے ساتھ ساتھ کچھ فرائض بھی ہیں تاکہ توازن برقرار رہے کہ وہ مادر پدر آزاد بھی نہیں۔ حیا اور ناموس عورت کا زیور ہے جن کا تحفظ اسے ہر حال میں کرنا چاہیے۔

آیتہ مبارکہ 234 میں یہ فرمان کہ **فَعَلْنَ فِيٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ** ''اپنے بارے میں مناسب طریقہ سے فیصلہ کرے'' سے ظاہر ہے کہ خاوند کے وارث یا عورت کے اپنے رشتہ دار اسے بیوگی کی زندگی پر مجبور نہیں کر سکتے، نہ ہی بیوہ عورت کو دوبارہ شادی کیلئے کسی کی اجازت کی ضرورت ہے، لیکن یاد رہے کہ اسلام میں باہمی رضامندی، مشورہ، معروف خوش اسلوب طریقوں کی جو اہمیت ہے اس کے پیش نظر ان آزادیوں کا فائدہ دین کی روح کے اندر رہ کر ہی جائز ہے۔ اگر ایسا نہیں کیا اور آزادی کا غلط فائدہ اٹھالیا تو یہ اللہ تعالیٰ کے احکام سے کھیلنے کے مترادف ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی گستاخی سے محفوظ رکھے۔

384- وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں:۔

آیتہ کریمہ 233 میں ایک اور بہت ہی اہم اصول عطا فرمایا گیا ہے کہ **لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا**۔ یعنی ''کسی شخص پر اس کی برداشت اور طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے (یہ اصول قرآن پاک میں کئی دفعہ دہرایا گیا ہے) لہٰذا خاندانی مسائل میں تمام اسلامی احکام کا اطلاق آدمی اور عورت کی وسعت یعنی قوت برداشت، مالی حالات، صحت، عمر وغیرہ کو مدنظر رکھتے ہوئے ہوگا۔

اس اصول سے یہ مطلب بھی اخذ کیا جاتا ہے کہ آخرت میں حساب کتاب بھی دنیا میں انسان کی وسعت، طاقت اور ذرائع کے مطابق ہوگا۔ مثلاً ایک امیر کبیر کا حساب غریب جیسا، یا ایک عقلمند پڑھے لکھے کا حساب ان پڑھ اور کم عقل جیسا نہیں ہوگا۔ اس لئے دنیا کی طاقت، شہرت اور فراوانی کوئی فخر یا خوشی کی بات نہیں بلکہ ایک آزمائش ہے۔ اس لحاظ سے کم وسائل والے زیادہ خوش قسمت ہیں اور جنہیں دنیا والے خوش قسمت کہتے ہیں، اگر وہ اپنی وسعت ذرائع کے مطابق اللہ تعالیٰ کے احکام کو پورا نہیں کرتے تو وہ بدقسمت ہیں، البتہ وہ جنہوں نے عطا کردہ وسائل سے انصاف کیا اور انہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا ان کے لئے بہت بڑا اجر ہے۔ اگلی آیتہ کریمہ 235 میں مطلقہ اور بیوہ عورتوں کے ساتھ نکاح کے قواعد کی مزید وضاحت کی گئی ہے۔ فرمایا......

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ
مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنْتُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ
عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ
وَلَكِنْ لَا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَنْ تَقُولُوا
قَوْلًا مَعْرُوفًا وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ
حَتَّى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ
وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنْفُسِكُمْ
فَاحْذَرُوهُ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ

235- اور تم پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ
(دوران عدت) اشارۃً عورتوں کو نکاح کا پیغام دو،
یا اپنے دلوں میں چھپا رکھو۔
اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تم ضرور ان سے ذکر کرو گے،
لیکن ان سے خفیہ (نکاح کا) وعدہ نہ کرو۔
البتہ کوئی بات عزت وحرمت کے موافق کہہ دو،
اور عقد نکاح کا عزم نہ کرو،
حتیٰ کہ عدت اپنے خاتمہ کو نہ پہنچ جائے۔
اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے، جو تمہارے نفس
میں ہے۔ پس ڈرو اس سے، اور سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ
بہت زیادہ بخشنے والا بردبار ہے۔

385- بیوہ کا نکاح:-

آیۃ مبارکہ 235 سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام اس بات کی حوصلہ افزائی کرتا ہے کہ بیوہ عورتیں نکاح کریں۔ لہٰذا اگر کچھ مسلم معاشروں میں بیوہ عورتوں کے نکاح کو معیوب سمجھا جاتا ہے تو یہ غیر اسلامی اثرات کی وجہ سے ہے۔ بیوہ سے شادی کرنا سنت رسول ﷺ ہے اور اس وجہ سے یہ ایک بڑا نیکی کا کام بھی ہے حضور پاک ﷺ کی تمام زوجہ محترمات جن کا درجہ ہماری ماؤں سے بھی بڑھ کر ہے ماسوائے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے بیوہ تھیں۔

386- بیوہ کو نکاح کا پیغام:-

آیۃ مبارکہ 235 میں انسانی آداب کے پیش نظر حکم فرمایا گیا ہے عدت کے دوران صبر سے کام لیا جائے اور شادی بیاہ کی بات نہ کی جائے۔ یہ نہایت غیر مناسب اور ناشائستہ بات ہوگی کہ عورت اپنے خاوند کے غم میں ہو، اس کے گھر والے پریشان ہوں اور مرد شادی کے پیغام بھیج رہے ہوں۔ لہٰذا عدت کے دوران منگنی اور کھلے بندھوں نکاح کا پیغام دینے سے منع فرمایا گیا ہے البتہ اشارہ کنایہ سے اپنے ارادے کا اگر اظہار کر دیا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن باہمی رضامندی کے باوجود بھی دوران عدت شادی کی تیاریاں کرنا

ممنوع ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی کی دل آزاری پسند نہیں اور ایسا کرنے سے میت کے قریبی رشتہ داروں کی دل آزاری ہونا فطری بات ہے۔

آیۃ مبارکہ کے آخر میں اللہ تعالیٰ کی پردہ پوشی اور معاف کرنے کی صفت اور اللہ تعالیٰ کے حلم تحمل اور بردباری کا ذکر آیا ہے۔اس میں یہ نکتہ پنہاں ہے کہ بعض اوقات شادی بیاہ کے مسائل میں چھوٹی موٹی غلطیاں ہو ہی جاتی ہیں، ایسے میں چاہیے کہ انسان توبہ کرے اور اللہ تعالیٰ کی مغفرت سے مایوس نہ ہو اور اپنے معاملات نرمی اور حلم سے طے کرے۔

387- خفیہ منگنی یا خفیہ نکاح کی ممانعت:-

آیۃ مبارکہ 235 سے یہ تو ظاہر ہے کہ مرد عورت کو مناسب انداز میں نکاح کا عندیہ دے سکتا ہے لیکن خفیہ طریقہ سے ملنا اور شادی کے وعدے لینا منع ہے۔ آیۃ مبارکہ 235 سے یہ بھی حکم نکلتا ہے کہ نکاح کا اعلان نکاح کی لازمی شرط ہے، یعنی خفیہ نکاح ناجائز ہے۔ اعلان کے طور پر معروف رسم ورواج کے مطابق تقریبات جائز ہیں بشرطیکہ اسراف نہ ہو۔ ولیمہ کی دعوت میں بھی یہی حکمت پنہاں ہے۔

اوپر کی آیات کریمہ میں بیوہ عورتوں کے مسائل کا حل دیا گیا ہے۔ اگلی آیہ کریمہ میں اللہ تعالیٰ ان عورتوں کے مسائل کے متعلق ہدایت فرماتے ہیں جن بیچاریوں کو نکاح کے فوری بعد طلاق کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ فرمایا..........

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ	236- تم پر کوئی گناہ نہیں کہ طلاق دو عورتوں کو
اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ	جب کہ تم نے انہیں ہاتھ نہ لگایا ہو،
مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ	یا ان کے لئے مہر نہ مقرر کیا ہو، (اس صورت میں)
اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚۖ وَّمَتِّعُوْهُنَّ ۚ	تم انہیں ہدیہ دو (استعمال کی اشیاء تحفہ کرو۔)
عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ	صاحب ثروت پر اس کی حیثیت کے مطابق،
مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ	اور تنگدست پر اس کی حیثیت کے مطابق،
حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ○	اور یہ عمل خوش اسلوبی سے ہونا چاہیے۔ (اور یہ) واجب ہے نیک لوگوں پر۔

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ	237- اور اگر تم ان کو طلاق دو اس سے پہلے
مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ	کہ تم نے انہیں ہاتھ لگایا،
لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ	اور تم مقررہ کر چکے تھے ان کیلئے مہر،
اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ	تو دو نصف مہر جو تم نے مقرر کیا تھا،
اَوْ يَعْفُوَا الَّذِىْ	مگر یہ کہ وہ خود (اپنا حق) معاف کر دیں،
بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ	یا وہ چھوڑ دے جس کے ہاتھ میں عقدہ نکاح ہو۔
وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى	اور یہ کہ اگر تم (باقی نصف حصہ) معاف کر دو،
وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ	تو یہ بہت قریب ہے تقویٰ کے۔
اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ○	اور آپس میں لطف و احسان نہ بھولو، تحقیق
	تم جو کچھ بھی کرتے ہو،
	اللہ تعالیٰ خوب دیکھ رہا ہے۔

388- حق مہر کی فرضیت اور مالیّت :-

حق مہر عورت کا حق ہے۔ اس سے اس کی عزت افزائی اور قدر کا اظہار ہوتا ہے اور اس سے اس کا تحفظ درکار ہے اور اس کی کوئی حد نہیں۔ باہمی رضامندی سے کچھ بھی مقرر ہو سکتا ہے۔ کچھ لوگ جو شرعی حق مہر 32 روپے بتاتے ہیں اس کی کوئی سند نہیں۔ اللہ کا حکم ہے عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۔ "صاحب ثروت پر اس کی حیثیت کے مطابق۔ تنگ دست کے پر اس کی حیثیت کے مطابق" یعنی حق مہر کی مالیت آدمی کی حیثیت کے مطابق ہے لیکن اللہ تعالیٰ کو اسراف اور دکھاوا پسند نہیں اس لیے بہت زیادہ حق مہر اور اس کا دکھاوا بھی نازیبا ہے۔ حق مہر کی ادائیگی معجّل یعنی فوری یا غیر معجّل یعنی تاخیر سے ہو سکتی ہے اس بات کی تشریح وقت نکاح ضروری ہے۔

389- طلاق کی صورت میں حق مہر کی ادائیگی :-

آیۃ مبارکہ 237-236 سے ثابت ہوتا ہے کہ عورت کا حق مہر نکاح کی لازمی شرائط میں سے ہے اور اس کی تاکید کا یہ حال ہے کہ اگرچہ میاں بیوی کے درمیان ازدواجی تعلق سے پہلے ہی طلاق ہو جائے اور حق مہر مقرر بھی نہ ہوا ہو، تب بھی علیحدگی کی صورت میں مرد

پر اس کی حیثیت کے مطابق واجب ہے کہ عورت کو ہدیہ اور اس کے استعمال کیلئے ضروری اشیاء تحفتہً دے۔

اگر حق مہر مقرر ہو چکا تھا لیکن جنسی تعلق سے پہلے ہی طلاق ہوگئی تو نصف حق مہر دینا فرض ہے مگر جیسے کہ آیتہ مبارکہ 237 سے ظاہر ہے مرد اگر اپنا باقی آدھا حق بھی اسے دیدے تو یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت پسندیدہ بات ہوگی۔

390- آپس میں لطف واحسان کا حکم:-

آیتہ مبارکہ 237 میں انسانی تہذیب کیلئے ایک بہت اعلیٰ اصول دیا گیا ہے کہ **وَلَا تَنسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ**۔ "آپس میں لطف واحسان کو نہ بھولو"۔ یہ حکم عمومی اور اسلامی معاشرہ میں لطف وکرم کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ تحفہ وتحائف دینا، کھانے پر دعوت کرنا، ایک دوسرے کی قدر افزائی کرنا، سلام میں پہل کرنا ملاقات پر خوشی کا اظہار کرنا وغیرہ وغیرہ عبادت کے کام ہیں لیکن جہاں شکر رنجی ہو جیسے میاں بیوی کے درمیان طلاق کا مسئلہ ہے، وہاں لطف وکرم کا اظہار اللہ تعالیٰ کو بہت ہی پسند ہے۔ جیسے پہلے بھی حکم ہوا ہے میاں بیوی جب طلاق کے بعد ہمیشہ کیلئے جدا ہو رہے ہوں تو اس وقت خوش اسلوبی سے معاملات طے پانا ان پر فرض ہے۔

391- جس کے ہاتھ میں عقدہ نکاح ہے:-

آیتہ مبارکہ 237 میں حق مہر میں سے کچھ معاف کر دینے کا اختیار اس کو بھی دیا گیا ہے جس کے ہاتھ میں عقدہ نکاح ہے۔ یہ عورت کے ولی ہیں، مثلاً باپ، چچا، بھائی، یا جسے بھی اس نے اپنے اختیار تفویض کر دیئے ہوں۔ نکاح کے وقت "جن کے ہاتھ میں عقد نکاح ہے" کا تعین کر دینا چاہئے۔ اگر عورت کی طرف سے پہلے سے مقررہ شدہ ولی ہوں گے تو جھگڑے کی صورت میں مرد یا اس کے خاندان کے لوگوں کو ان سے بات چیت اور مسائل کو سلجھانے میں مدد مل جاتی ہے اور یوں عورت کے حقوق کا تحفظ بھی بہتر طریقہ سے ہو جاتا ہے۔

392- حق مہر کا تعین معجّل یا غیر معجّل:-

آیتہ مبارکہ 236 میں یہ نکتہ بھی عیاں ہے کہ حق مہر کا تعین نکاح سے پہلے ہونا چاہیے لیکن اگر کسی وجہ سے نہیں ہوا تو نکاح کے بعد بھی ہو سکتا ہے۔ البتہ حق مہر کبھی معاف نہیں ہوتا تاوقتیکہ بیوی خود ایسا نہ کر دے۔ یہ اس کا خاص حق ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مرد کی حیثیت کے مطابق نکاح کے فرائض میں شامل فرما دیا ہے البتہ اس کی ادائیگی باہمی رضامندی سے بعد میں بھی ہو سکتی ہے، عورت اگر چاہے تو خاوند کو معاف بھی کر سکتی ہے۔

نکاح نامہ میں حق مہر معجّل اور غیر معجّل لکھا جاتا ہے۔ غیر معجّل کا مطلب ہے بعد میں کسی وقت بھی جب عورت مانگے اور معجّل کا مطلب فوری ادائیگی ہے اس لئے معجّل حق مہر کا جنسی تعلقات سے پہلے ادا کرنا فرض ہے۔ آیتہ مبارکہ 227 کے آخر میں یہ یاد دہانی کرائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو دیکھ رہا ہے تا کہ انسان خبردار رہے۔ (عورتوں کے حقوق اور معاشرہ کے اس طرح کے مسائل

قرآن پاک کی متعدد دوسری سورتوں مثلاً نساء، نور اور طلاق وغیرہ میں بھی کئی دفعہ دہرائے گئے ہیں جن سے ان کی اہمیت واضح ہوتی ہے اور عام مسلمانوں پر ان کا جاننا ضروری ہے)۔

393- ہر حال میں صلوٰۃ کی پابندی:-

خاندانی مسائل خصوصی طور پر جن کا انجام طلاق پر جا پہنچتا ہے نہایت ہی الجھے ہوئے پریشان کن مسائل ہوتے ہیں جن میں فریقین کا شدید ذہنی تناؤ میں ہونا لازمی امر ہے لیکن ان حالات میں بھی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے **ولا تنسوا الفضل بینکم** آپس میں ایک دوسرے سے لطف و احسان کو نہ بھولو" لیکن باہمی تناؤ کے ماحول میں یہ بات آسان نہیں بلکہ ان جھمیلوں میں صلوٰۃ جیسے لازمی فرض میں بھی کوتاہی ہونے کا امکان ہے۔اس لئے اگلی آیت کریمہ یاددہانی کرائی گئی ہے کہ حالات خواہ کیسے بھی ہوں، صلوٰۃ کو نہیں بھولنا۔تبھی اپنے باہمی معاملات میں اللہ تعالیٰ کے احکام پورے کرسکو گے۔جو اپنے رب کے فرائض کو بھول جاتا ہے اس سے دوسرے انسانوں سے خیر کی توقع کیا ہوسکتی ہے۔

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ
وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۚ
وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ○

238- حفاظت کرو اوپر صلوٰۃ کے،
اور خصوصی طور پر صلوٰۃ وسطیٰ کی۔
اور اللہ تعالیٰ کے لئے فرمانبردار کھڑے رہو۔

فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ
فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ
كَمَا عَلَّمَكُمْ
مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ○

239- پھر اگر تمہیں (دشمن کا) ڈر یا اندیشہ ہو،
تو (پڑھ لو نماز) چلتے ہوئے یا سواری پر۔ پھر جب تم
امن پاؤ، پس اللہ تعالیٰ کو خوب یاد کرو، جیسے کہ اس نے
تمہیں سکھایا ہے، جو تم نہیں جانتے تھے۔

394- صلوٰۃ کیا ہے؟:-

قرآن کریم میں جس حکم کی سب سے زیادہ تاکید کی گئی ہے وہ صلوٰۃ کے متعلق ہے۔آیۃ مبارکہ 238 میں فرمایا گیا ہے.. ..حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى۔وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ.... یہاں پر صلوٰۃ کی حفاظت کی تاکید کی گئی ہے جیسے یہ کوئی بڑی قیمتی چیز ہے۔حقیقت بھی یہی ہے کہ جو اپنی صلوٰۃ کی حفاظت نہیں کرتا اس کا دین خطرے میں پڑ جاتا ہے۔

صلوٰۃ کا مادہ صل ہے جسکا مطلب جوڑنا ہے، لہٰذا صلوٰۃ پڑھنا گویا اللہ سے جوڑ پیدا کرنا ہے۔ یوں اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل پیرا ہونا، اس کے احسانات کا شکر ادا کرنا، اس کی تعریف وتوصیف اور ذکر کرنا، اس کے خیالات میں رہنا، اس کیلئے جینا مرنا یہ سب باتیں صلوٰۃ ہیں۔ اسطرح اپنے عمومی معنوں میں صلوٰۃ وہ تمام اعمال اور عبادات ہیں جن سے بندے کا اپنے رب کے ساتھ تعلق مضبوط ہو، لیکن عام اصطلاح میں اس سے مراد نماز پنجگانہ ہے۔ جو ہر بالغ مومن مرد اور عورت پر فرض ہے۔

395- صلوٰۃ وسطیٰ کونسی ہے؟:-

آیتہ مبارکہ 238 میں صلوٰۃ الوسطیٰ کی حفاظت کی خصوصی تاکید کی گئی ہے۔ بعض روایات میں صلوٰۃ وسطیٰ سے مراد عصر کی نماز ہے اور کہا جاتا ہے کہ عصر کی نماز پڑھنے کی تاکید باقی نمازوں سے زیادہ ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ ظہر کی نماز ہے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن یہ بات صحیح معلوم نہیں ہوتی اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے پانچوں نمازوں کو ہی فرض قرار دیا ہے اور سب کی حفاظت برابر ضروری ہے۔ (واللہ اعلم)

ہمارے خیال میں جب کہ صلوٰۃ سے مراد تمام طرح کی عبادات ہیں صلوٰۃ وسطیٰ سے خصوصی طور پر مراد پنجگانہ نماز ہے۔ اس کی حفاظت کرنے کا یہ مطلب ہے کہ ہر نماز کو مقرر اوقات پر باوضو ہو کر جماعت کے ساتھ (مخصوص حالات میں اکیلے بھی) اس طرح ادا کیا جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے حبیب ﷺ نے تعلیم دی۔ آپ کے مقدس طریقہ سے ہٹ کر اگر کوئی اپنے طریقہ سے صلوٰۃ ادا کرتا ہے تو وہ قبول نہیں ہوگی۔

396- صلوٰۃ کی حفاظت اور اسلامی نظام حیات:-

آیتہ مبارکہ 238 کا آغاز **حٰفِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ** سے ہوتا ہے اس فرمان میں صلوٰت کی حفاظت کے لئے خصوصی اقدام کا حکم ہے، تاکہ صلوٰۃ کو نقصان نہ پہنچ جائے، مطلب یہ کہ جیسے اہم ترین چیزوں کے اوپر سکیورٹی کا نظام قائم کیا جاتا ہے، اسی طرح مومنوں پر فرض ہے کہ وہ اپنی صلوٰت کی حفاظت کے لئے خصوصی انتظامات کریں۔ یاد رکھیں کہ ہماری صلوٰۃ کا سب سے بڑا دشمن شیطان ہے۔ جب حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے پر وہ راندہ درگاہ ہوا تو اس نے مہلت مانگی اور کہا کہ میں لوگوں کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان بیٹھوں گا تاکہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے روک سکوں۔ لہٰذا نظام صلوٰۃ قائم کرنے کے لئے اکٹھے ہو کر ایک ایسا ماحول قائم کرنا ضروری ہے۔ جس کے تحت دین پر عمل پیرا ہونا آسان ہو جائے۔ لہٰذا "**حٰفِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ**" کا تقاضا ہے کہ معاشرہ میں اسلامی ماحول اور ملک میں اسلامی نظام قائم کرنے کی کوشش کی جائے، کم از کم انفرادی طور پر جس طرح ہم اپنے گھروں کی چور ڈاکوؤں سے حفاظت کا انتظام کرتے ہیں، اہل خانہ مل کر ایسا ماحول ضرور پیدا کریں جس سے نمازوں کی حفاظت خود بخود ہوتی رہے۔

397- مشکل میں نماز اور رعایت:-

آیہ مبارک 239 سے ظاہر ہے کہ حالات خواہ کیسے بھی ہوں تم صلوٰۃ نہیں چھوڑ سکتے ہو۔ حضور پاک ﷺ نے فرمایا "نماز دین کا

ستون ہے اور جان بوجھ کر چھوڑنے والا کفر کے نزدیک تر ہے'' ۔ لہٰذا امن ہو یا جنگ ، ڈر ہو یا خوف کسی حالت میں بھی نماز معاف نہیں ۔ اگر نماز ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہو تو پیدل چلتے ہوئے یا سواری پر بیٹھے بیٹھے اس فرض کی ادائیگی ہو سکتی ہے لیکن چھوڑ نہیں سکتے اور نہ ہی یہ معاف ہوتی ہے ۔ البتہ رکعتوں میں رعایت ہے مثلاً دوران سفر نماز ظہر ، عصر اور عشاء کے چار فرض کی بجائے دو فرض پڑھے جا سکتے ہیں ، نوافل اور سنت نماز تھکاوٹ یا بیماری میں چھوڑ سکتے ہیں بلکہ بعض کے نزدیک تو اللہ تعالیٰ کی دی گئی رعایت سے فائدہ نہ اٹھانا کفرانِ نعمت ہے

آیۃ مبارکہ 239-238 میں صلوٰۃ کی اس تاکید کے فوراً بعد اللہ تعالیٰ دوبارہ خاندانی مسائل کا ذکر فرماتے ہیں جن میں خصوصاً بیوہ کے حقوق کا ذکر ہے ۔ اسلئے کہ ان مسائل کا احسن طریقہ سے حل بھی صلوٰۃ ہی کی ایک شکل ہے اور دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کی مدد بھی صلوٰۃ اور صبر میں ہے ۔ فرمایا......

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ	**240- اور جو تم میں سے فوت ہوں اور بیویاں چھوڑ جائیں ،**
اَزْوَاجًا ۖۚ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ	**وہ اپنی بیویوں کے لیے وصیت کر جائیں**
مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ	**سال بھر کے نان ونفقہ کی ، گھر سے نکالے بغیر ،**
فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ	**پھر اگر وہ خود چلی جائیں تو تم سے**
فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۗ	**مواخذہ نہیں ہوگا ، جو وہ دستور کے مطابق کریں ،**
وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○	**اور اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ہے ۔**
وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ	**241- اور مطلقہ عورتوں کیلئے معروف طریقہ کے مطابق**
حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ○	**نان ونفقہ ضروری ہے**
	اور یہ متقین پر ثابت شدہ واجب امر ہے ۔
كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ	**242- یوں اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنی آیات بیان**
لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ○	**فرماتے ہیں تاکہ تمہیں عقل آجائے ۔**

398- بیوہ عورتوں کے حق میں وصیت :-

آیۃ مبارکہ 239-238 میں صلوٰۃ قائم کرنے کی تاکید تھی جس کے ایک رخ کی تفسیر آیۃ مبارکہ 240 میں فرمائی گئی ہے اور وہ

یہ ہے کہ مرد مرتے دم تک بھی اپنی بیوی کے حقوق کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ اگر چہ اس کے لئے وراثت میں حصہ مقرر ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ ملتے ملتے بہت دیر ہو جائے اس لئے خاوند پر یہ واجب کر دیا گیا ہے کہ وہ وصیت کے ذریعہ ایسے انتظامات کر جائے جن کی بنا پر اس کی موت کے بعد اس کی بیویوں کے لئے کم از کم ایک سال کیلئے نان ونفقہ اور رہائش یقینی ہو۔ اگر اس سے زیادہ کرے تو یہ احسان ہوگا۔ عورت کو اختیار ہے کہ اس سے فائدہ اٹھائے یا نہ اٹھائے۔

آیتہ مبارکہ 234 کے مطابق اگر وہ چاہے تو چار ماہ دس دن کی عدت کے بعد دوسری شادی کر لے یا اپنی مرضی اور سہولت کے مطابق خاوند کا گھر چھوڑ کر دوسری جگہ چلی جائے، لیکن بہر حال مرد پر واجب ہے کہ اس کیلئے کم از کم ایک سال کیلئے وصیت کر جائے اور اس کے رشتہ داروں کا یہ فرض ہے کہ اس کے بعد اس کی وصیت کو پورا کریں، اسے کسی طرح بھی تنگ نہ کریں اور اس کی مرضی میں رکاوٹ نہ بنیں۔ یاد رکھیں کہ اس کے یہ حقوق وراثت کے حق کے علاوہ ہیں۔

399- مطلقہ عورتوں کیلئے نان ونفقہ کا حکم:-

آیتہ مبارکہ 241 میں یہی حقوق طلاق یافتہ عورتوں کو بھی عطا کئے گئے ہیں فرمایا...**وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ** عورتوں کے لئے یہ ایک ایسا حق ہے جس کی مثال دنیا بھر میں نہیں۔ اگر چہ طلاق ہو چکی ہے لیکن پھر بھی مناسب مدت کیلئے ان کے نان ونفقہ کی ذمہ داری مرد پر ڈال دی گئی ہے اور اسے تقویٰ کی واضح شرط قرار دیا گیا ہے، البتہ اگر عورت اپنی مرضی سے اس کا فائدہ نہیں اٹھانا چاہتی تو اسے اختیار حاصل ہے۔

400- مہذب اور سمجھ دار معاشرہ کا قیام:-

یہ سوال کہ عورتوں کیلئے اتنی زیادہ مراعات کیوں؟ آیتہ مبارکہ 242 میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں **كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ** کہ ان احکام کا مقصد ہمیں عقل سکھانا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عقل کا اصل کام ایک مضبوط اور پر سکون خاندانی نظام کا قیام ہے۔ اسلامی قوانین کا ایک بڑا مقصد خاندانی تحفظ ہے اور آیات 242-220 میں جو احکامات دیئے گئے ہیں وہ اس سلسلے میں آئینی درجہ رکھتے ہیں جن پر عمل کرنے سے خوش وخرم معاشرہ کا قیام یقینی ہے۔ دراصل خاندانی معاملات، طلاق اور بیواؤں کے متعلق ان احکامات اور مراعات کا مقصد خاندان میں باہمی صلح، محبت اور قربت قائم کرنا اور مرد کی بالادستی کے باوجود بھی عورت کے حقوق اور اس کے سکون کو تحفظ دینا ہے، اس لئے کہ عورت بحیثیت ماں، بیٹی، بہن بیوی، ایک مہذب اور خوش حال معاشرہ کی بنیاد ہے۔ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان باتوں کی سمجھ اور ان پر عمل کرنے اور کروانے کی استطاعت عطا فرمائے۔

آئندہ آنے والی آیات میں اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے اور معاشرہ کی بہتری کے لئے کچھ مزید مسائل کا ذکر ہے۔ فرمایا......

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ	243- کیا تم نے نہیں دیکھا ہے انہیں جو اپنے گھروں سے نکلے
وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ	اور وہ ہزاروں میں تھے موت سے ڈرے ہوئے
فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ	پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے فرمایا۔ مرجاؤ۔ پھر انہیں زندہ کیا۔
اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ	بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے،
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ○	لیکن اکثر لوگ اس کا شکر ادا نہیں کرتے۔

401- قوموں کی حیات و ممات:۔

اب تک بہت سی آیات میں خاندانی اور معاشرتی مسائل کا حل دیا گیا تھا۔ اس سلسلہ کو بڑھاتے ہوئے آئندہ کچھ آیات میں قوموں کی حیات و ممات کا مسئلہ طے کیا گیا ہے۔ آیۃ مبارکہ 243 میں ایک اہم تاریخی واقعہ کے حوالہ سے اس مسئلہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ بھرپور توجہ مبذول کراتے ہوئے آیت کا آغاز یوں ہوتا ہے ''کیا آپؐ نے ان لوگوں کے حالات پر غور نہیں کیا........'' یہ ایک قوم تھی جو تعداد کے لحاظ سے ہزاروں افراد پر مشتمل تھی لیکن اپنی بے راہ روی کے سبب بزدل ہو چکی تھی۔ دنیا کی محبت کے سبب یہ لوگ موت کے خوف میں مبتلا تھے اور دشمن سے مقابلہ کی بجائے اسی خوف و ہراس نے انہیں اپنے گھروں سے نکلنے پر مجبور کیا لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت سے کوئی بھاگ نہیں سکتا۔ پھر (کچھ ایسے واقعات ہوئے کہ) وہ سب مر گئے لیکن اس موت کے بعد انہیں پھر سے حیات نو ملی۔

یوں آیۃ مبارکہ 243 قوموں کی حیات و ممات کے سلسلہ کو واضح کرتی ہے ''ہر کمال راز وال...... ہر زوال را کمال'' کے مصداق قومیں ابھرتی ہیں، پھر جب ان پر دنیا کی محبّت غالب آجاتی ہے تو بے نامی کی موت میں چلی جاتی ہیں اور اپنے ادبار کے زمانہ میں بلا لحاظ تعداد مایوسی اور خوف کا شکار ہوتی ہیں۔ یوں وہ جیتے جاگتے مردہ ہوتی ہیں۔ ان کی تعداد سے کچھ فرق نہیں پڑتا جیسے ہمارے زمانہ میں مسلمانوں کا حال ہے کہ یہود و نصاریٰ کے سامنے مُردوں سے بھی بدتر حالت میں مبتلا ہیں۔ لیکن آیۃ مبارکہ 243 جانفزا مژدہ ہے کہ قوموں کی قسمت میں ہمیشہ کی بے بسی نہیں لکھی گئی، بلکہ اللہ تعالیٰ انہیں بار بار موقع عطا فرماتے ہیں بشرطیکہ وہ اپنی حالت بدلنے کیلئے خود تیار ہوں۔ جب دنیا کی محبت چھوڑ کر کوئی قوم روحانی اقدار کی طرف لوٹ آتی ہے تو اسے حیاتِ نو عطا کر دی جاتی ہے۔ انشاء اللہ، مسلمان بھی جب اسلام کی رسی کو پھر سے مضبوطی سے پکڑ لیں گے تو ان کا ایک اور شاندار دور شروع ہو جائے گا۔ دراصل حیات نو کا یہ نسخہ اللہ تعالیٰ کے دیئے گئے قوانین کی پابندی میں ہے، جو قوم بھی اس نسخہ پر عمل کرے گی وہ زندہ جاوید ہو جائے گی۔

402- دوبارہ حیات کا سائنسی پہلو:۔

آیۃ مبارکہ 243 میں مردوں کے دوبارہ زندہ ہونے کے مسئلہ کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ فرمایا۔ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ

اَحْيَاهُمْ جو موجودہ سائنسی دور میں بہت اہمیت کا حامل ہو گیا ہے۔ جیسے جیسے جینز کی سائنس (Genetic Engineering) ترقی کرتی جاتی ہے یہ ممکنات میں سے نظر آنے لگا ہے کہ کسی مردہ کے جسم سے لئے گئے خلیہ (Cell) کی نمود سے دوبارہ وہی انسان بن جائے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے بیج سے پودا پیدا ہو جاتا ہے۔ ایسے تجربات حیوانات پر ہو چکے ہیں اور ان میں کسی حد تک کامیابی بھی ہوئی ہے۔ آئندہ جلد یا بدیر اس طریقہ پر انسانی نقل (Copy) کا پیدا ہونا بھی ممکن معلوم ہوتا ہے۔ تو کیا سائنسی ترقی سے حیات بعد الموت جو کہ صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے کے عقیدہ پر زد نہ آئے گی؟

آیۃ مبارکہ 243 سے ظاہر ہے کہ ہزاروں کی تعداد میں کچھ لوگ مر گئے تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں پھر سے زندہ کر دیا۔ یہ قرآنی مثال واضح کرتی ہے کہ موت کے بعد حیات کا تعلق صرف قیامت کے ساتھ ہی نہیں بلکہ اس سے پہلے بھی ہو سکتا ہے اور اگر سائنس دان خلیہ کی نمود سے مردہ شخص کی نقل تیار کر لیتے ہیں تو یہ مسلمانوں کے عقیدہ رجعت کی تفسیر ہی ہوگا اور قرآن حکیم کی تصدیق ہوگا۔ سرور کائنات نبی الصادق الامین ﷺ نے تو پہلے ہی بتایا ہے کہ قیامت سے پہلے دنیا پر دجال کا ظہور ہوگا اور وہ بھی مردوں کو زندہ کر کے دکھائے گا لیکن زندہ ہونے والا شخص اصل نہیں بلکہ اسکی نقل ہوگا۔ کلوننگ (cloning) کی سائنس بھی نقل ہی پیدا کرنے کا دعوے کرتی ہے۔ اس میں اور قیامت کے بعد والی حیات میں فرق یہ ہے کہ وہ ہمیشہ کی زندگی ہے جس کے بعد موت نہیں ہوگی، جبکہ سائنسی رجعت عارضی ہے۔ اسی سلسلہ میں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ خلیات سے پیدائش دراصل تخلیق نہیں بلکہ اس کے اندر پہلے سے موجود انسان کی نمود ہے جیسے قلم سے درخت لگائے جاتے ہیں۔ لہٰذا یہ سائنسی کارنامہ حیات بعد الموت نہیں بلکہ زندہ سے زندہ کی نمود ہے۔

(For detail see appendix xiv,ix)

403- قوموں کی حیات جہاد میں ہے:-

آیۃ مبارکہ 243 میں اس سبق کے بعد کہ جو قوم موت سے ڈرتی ہے خواہ اسکی تعداد جس قدر بھی ہو وہ ایک مردہ قوم ہے، اگلی آیۃ کریمہ میں قوموں کی حیات کا وہ نسخہ بتایا گیا ہے جس کا نام جہاد ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں جدوجہد جس کی انتہا یہ ہے کہ آدمی اپنی سب سے قیمتی متاع یعنی اپنی جان بھی قربان کر دینے سے دریغ نہ کرے۔ جس قوم میں جذبہ جہاد زندہ رہتا ہے وہ قوم کبھی نہیں مر سکتی۔ فرمایا.....

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ	**244- اور تم اللہ کی راہ میں قتال (جنگ) کرو، اور اچھی طرح سمجھ لو**
وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝	**کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا، اور سب کچھ جاننے والا ہے۔**

جہاد اللہ تعالیٰ کی راہ میں (فی سبیل اللہ) اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے جنگ کرنے کا نام ہے اور یہ مسلمانوں پر فرض ہے۔ جب تک اہل اسلام اللہ تعالیٰ کیلئے اپنی قیمتی سے قیمتی متاع، حتیٰ کہ زندگی بھی قربان کر دینے پر تیار رہیں گے اور ظلم، کفر اور شرک کو برداشت نہیں کریں

گے وہ دنیا وآخرت میں عزت سے رہیں گے۔ جیسے آیۃ مبارکہ 243 کی مثال سے واضح کیا گیا ہے جب وہ جہاد سے منہ موڑ لیں گے تو ان پر بحثیت قوم مجموعی موت لکھ دی جائے گی۔

حضور سرور کائنات ﷺ کی احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ آپؐ نے مسلمانوں کے زوال کی پیش گوئی کی اور بتایا کہ ان پر یہود و نصاریٰ اور مشرکین چڑھ دوڑیں گے جیسے بھوکے مویشی ہرے کھیت کو تہہ و بالا کر دیتے ہیں۔ اس پر صحابہ اکرامؓ نے پوچھا کہ کیا وہ اس وقت تعداد میں کم ہوں گے؟ آپؐ نے فرمایا ''نہیں بلکہ وہ تعداد میں بہت زیادہ ہوں گے لیکن جہاد کو چھوڑ چکے ہوں گے'' لہٰذا، موجودہ حالات میں جب کہ زندگی مسلمانوں پر قبر سے بھی زیادہ بھیانک ہو چکی ہے ان کیلئے حیات نو کا راستہ صرف اور صرف جہاد کا ہے جس کی طرف پہلا قدم فی سبیل اللہ باہمی قربانی اور دفاعی تیاریاں ہیں۔ (سورۃ صف میں جان و مال سے جہاد کے فلسفہ کی مزید وضاحت کی گئی ہے)

اس ضمن میں آگے ارشاد ہے:۔

مَنْ ذَا الَّذِیْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا	245- کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دے، تاکہ وہ اسے کئی گنا بڑھا دے، (بلکہ) اس سے بھی بہت زیادہ۔
فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ؕ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ ۪	اور اللہ تعالیٰ ہی (رزق میں) تنگی کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ ہی کشادگی کرتا ہے،
وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝	اور تم سب کو اسی کی طرف لوٹنا ہے۔

404- اللہ تعالیٰ کیلئے قرض حسنہ:۔

آیۃ مبارکہ 245 کا یہ اعلان مَنْ ذَا الَّذِیْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا نہایت زوردار اور قابل غور ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دینے سے مراد وہ مال ہے جو اللہ سبحانہٗ کی راہ میں جہاد اور اعلائے کلمۃ الحق کیلئے یا کسی ضرورت مند کو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے یا کسی مظلوم کی مدد کیلئے خرچ کیا جائے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ مالک کون ومکاں اپنے ہی بندے سے اپنے ہی دیئے گئے رزق سے قرض مانگتا ہے سبحان اللہ کہ وہ اپنے بندے کی کس قدر افزائی کرتا ہے اور ایک لے کر سات سو دیتا ہے۔

405- سب سے زیادہ نفع بخش تجارت اور اللہ تعالیٰ کی برکت:۔

انسان کو مال بڑھانے اور نفع کی خواہش ہوتی ہے۔ آیۃ مبارکہ 245 میں اللہ تعالیٰ نے مال کو بڑھانے کا ایسا نسخہ عطا فرمایا ہے جس پر مومنین کو شک نہیں ہو سکتا اور منافقین کی سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ حکم ہے اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دو وہ اسے کئی گنا بڑھا کر واپس کرے گا اور یہ نفع صرف دنیا تک ہی محدود نہیں بلکہ آخرت میں بھی جاری رہے گا، یہ ایسا بنک اکاؤنٹ ہے جس کا منافع ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہے۔ جو

اپنی جان پیش کر دیتے ہیں، ان کا انعام یہ ہے کہ انہیں بلا حساب بخش دیا جاتا ہے، ساری کائنات ان کے سامنے کھول دی جاتی ہے جس میں آزادی بھی ہے اور رزق بھی ہے، جدھر چاہیں اپنے رب کی تخلیقات سے لطف اندوز ہوتے رہیں، یہ شہید کی زندگی ہے لامحدود قابل رشک زندگی۔ جسے سورۃ صف میں بہترین تجارت کہا گیا ہے۔

جہاں تک دنیا میں تنگ دستی سے نجات کی بات ہے تو اس کا علاج بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو۔ وہی فراخی عطا فرمانے والا ہے۔ آیہ مبارک کے آخر میں اس بات کی یاد دہانی کرائی گئی ہے کہ تم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہو۔ یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرو گے، تو پھر کیا یہ مال ہمیشہ کیلئے تمہارا ہو گیا؟ ہرگز نہیں۔ کفن کی کوئی جیب نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کے حضور حاضری تن تنہا اور خالی ہاتھ ہوگی۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ موت آنے سے پہلے زیادہ سے زیادہ آگے بھیج دیا جائے۔

اگلی آیہ کریمہ میں قوموں کے عروج و زوال کے مسائل کو ایک تاریخی مثال (Case History) سے واضح کیا گیا ہے۔ یہ ایک قوم تھی جو جہاد سے اعراض اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال نہ خرچ کرنے کی وجہ سے مغلوب ہو چکی تھی لیکن جب وہ دوبارہ جہاد کی طرف لوٹ آئے اور سچے دل سے توبہ کر کے نشاطِ ثانیہ کیلئے کوشش شروع کی تو اللہ تعالیٰ نے کامیاب کر دیا۔ اس مثال سے ہم بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ فرمایا......

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ	**246-** کیا آپ نے نہیں دیکھا (غور نہیں کیا)،
مِنْۢ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰی ۘ	موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد بنی اسرائیل کے
اِذْ قَالُوْا لِنَبِیٍّ	سرداروں کی طرف،
لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ	جب ان لوگوں نے اپنے نبی سے کہا۔
اللّٰهِ ؕ قَالَ هَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَیْكُمُ	ہمارے لئے ایک امیر مقرر کر دیجئے،
الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ؕ	تا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتال (جنگ) کریں۔
قَالُوْا وَ مَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ	ان کے نبی نے کہا کہ "ہو سکتا ہے جب تم پر قتال فرض
وَ قَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِیَارِنَا وَ اَبْنَآىِٕنَا ؕ	کر دیا جائے تو تم قتال نہ کرو"۔ انہوں نے کہا
فَلَمَّا كُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقِتَالُ	"ہم کیوں نہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑیں گے،
تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ ؕ	ہمیں ہمارے گھروں سے نکالا گیا
وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ ○	اور اولادوں سے جدا کیا گیا"

پھر جب ان پر قتال فرض ہوا
تو چند لوگوں کے علاوہ باقی سب پھر گئے۔
اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ
إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا ۚ
قَالُوا أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا
وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ
وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِنَ الْمَالِ ۚ
قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ
وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۖ
وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَنْ يَشَاءُ ۚ
وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ○

247- ان کے نبی نے انہیں کہا،
"بے شک اللہ تعالیٰ نے طالوت کو
تمہارا امیر مقرر کر دیا ہے"
وہ بولے "کیسے ہو سکتی ہے اسکی بادشاہت ہمارے اوپر
جب کہ حکومت کے لئے ہم اس سے زیادہ اہل ہیں،
اور اسے (تو ہم سے) زیادہ دولت
و ثروت نہیں دی گئی"۔
(نبی نے) کہا۔ "بیشک اللہ تعالیٰ نے
اسے تم لوگوں میں سے چن لیا ہے
اور اسے علم اور جسمانی طاقت میں ممتاز کیا ہے،
اور اللہ تعالیٰ جسے چاہے حکومت عطا فرماتا ہے۔
اور اللہ تعالیٰ کی ذات پاک لا متناہی ہے،
وہ (لوگوں کی اہلیت سے) خوب آگاہ ہے"۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ
إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ
أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ
مِنْ رَبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ
وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ ۚ

248- اور ان کے نبی نے ان سے کہا،
"اس کی حکومت کی نشانی یہ ہے، کہ تمہاری طرف
"تابوت" آئے گا، اس میں تمہارے رب کی طرف
سے سامانِ تسکین ہوگا،
اور کچھ بچی ہوئی چیزیں جو
آلِ موسیٰ اور آلِ ہارون چھوڑ گئے تھے،

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لَّکُمْ	اسے فرشتے اٹھالے آئیں گے۔
اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ع	بے شک اس (واقعہ) میں تمہارے لئے
	(واضح) نشانی ہے اگر تم واقعی ایمان والے ہو"۔

406- ایک شیرازہ بکھری قوم کا حشر:-

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تبلیغ اور جدوجہد کے نتیجہ میں قوم اسرائیل کو معجزانہ طور پر فرعون کی غلامی سے آزادی مل گئی اور ایک علیحدہ وطن بھی نصیب ہوا جہاں وہ اللہ تعالیٰ کے رسول کی امامت میں شریعت الٰہیہ کے مطابق حکومت کریں۔تربیت کی خاطر اپنے نئے وطن میں وہ بہت سی آزمائشوں سے بھی گزارے گئے تا کہ عہد غلامی میں جو برے اطوار ان کے اندر سرایت کر گئے تھے ان سے پاک ہو جائیں۔لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جلد بعد وہ غیر اقوام کے اثرات میں آ کر خلافت الٰہیہ سے دور ہوتے گئے اور آپس میں لڑنے بھڑنے لگے جس سے ان کا شیرازہ بکھر گیا۔آخر کار ان کے دشمنوں نے انہیں شکست فاش دی، شہروں سے نکال دیا، ان کی اولادوں کو قیدی بنالیا اور وہ دوبارہ صحرا میں پناہ لینے پر مجبور کر دیئے گئے۔

ایک عرصہ کے بعد اپنی حالت زار پر غور وفکر کے نتیجہ میں ان کے سرکردہ لوگوں کو احساس ہوا کہ ان کی ذلت کا باعث ان کا جہاد کو چھوڑ دینا، آپس کے اختلافات اور کسی مسلمہ لیڈر کا فقدان ہے۔(آج کل کی مسلم اقوام کا بھی یہی حال ہے) اس احساس کے ساتھ وہ اپنے نبی کے پاس حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ ان کے اوپر کسی کو حکمران مقرر کر دیں جسکی رہنمائی میں وہ جہاد لڑیں، لیکن دل اب بھی اکٹھے نہیں تھے۔ ہر ایک کو یہی خیال تھا کہ شاید اللہ کا نبی اسے ہی حکمرانی عطا کر دے گا۔اسلئے جب اللہ تعالیٰ کے نبی نے حضرت طالوت کو ان کا حکمران نامزد کر دیا تو وہ اس پر مطمئن نہیں ہوئے بلکہ ان کی غربت کا جواز بنا کر اعتراض کرنے لگے۔تاریخی طور پر یہ واقعہ حضرت شموئیل علیہ السلام کے عہد کا ہے اور اسلامی ریاست اور سیاست کے کئی پہلوؤں کو اجاگر کرتا ہے۔اس کیس ہسٹری (Case History) میں مندرجہ ذیل اہم مسائل ہیں۔

407- اسلامی ریاست کے خدوخال:-

سب سے پہلے یہ کہ ہر جمعیت خواہ وہ چھوٹی ہو یا بڑی اس کا ایک امیر ہونا ضروری ہے جس کے تحت حکومت کے تمام معاملات طے ہوں جس قوم کا کوئی امیر نہیں وہ اختلافات میں پھنسی رہے گی اور دوسری اقوام ان پر غالب رہیں گی۔ گویا امیر قومی اتحاد اور طاقت کی علامت ہوتا ہے اور اس کی سیاست کا مقصد دین کا نفاذ اور جہاد کی کامیابی کے لئے تیاری کرتے رہنا ہے۔

408-امیر کا انتخاب:-

امیر کا انتخاب کیسے ہو؟ کیا اس کا فیصلہ جمہور کریں یا صالح افراد کا ایک مخصوص گروہ۔ آیہ مبارک 247 سے ظاہر ہے کہ حضرت طالوت کی حکمرانی کا فیصلہ جمہور کا نہیں بلکہ قوم کے سرکردہ لوگوں نے اپنے نبی سے کروایا۔ آج کل اس کے متبادل طریقہ یہ ہوسکتا ہے کہ لوگ موجودہ جمہوری طریقہ سے انہی نمائندہ پارلیمنٹ کا انتخاب کریں پھر یہ نمائندے باہمی مشورہ سے دو یا تین مناسب افراد کا امیر کے عہدہ کے لئے چناؤ کریں اور پھر ان میں سے کسی ایک کی نامزدگی اولی الالباب علماء کی مجلس کرے۔ حضور ﷺ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی امت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہونگے۔ چنانچہ علم و فضل تجربہ اور حکمت کے معیار کو سامنے رکھ کر ہر ملک کے بڑے بڑے علماء اور دانشوروں کی ایک کونسل ہونی چاہیے جو حکمرانوں کے انتخاب کو منظور کرے، لیکن اس کونسل کے ممبران بذات خود حکمرانی میں حصہ نہ لیں البتہ حکمرانوں کا احتساب کرتے رہیں۔

409- حکمران کے چناؤ کی شرائط:-

حکمران کے چناؤ کیلئے ضروری شرائط کیا ہیں؟ آیۃ کریمہ 247 سے ظاہر ہوتا ہے کہ حکمران کی پہلی ضروری شرط یہ ہے کہ اس کی زندگی اسلامی لحاظ سے مکمل ہو، عمل اور ایمان کے نکتہ سے وہ دین کے اعلیٰ معیار کا حامل ہو، اور اسے اہل دین کی حمایت بھی حاصل ہو۔ جہاں تک مادی ذرائع، دولت، تعلقات، قبیلہ، خاندانی وقار وغیرہ جو آج کل کے جمہوری نظام میں کامیاب ہونے کیلئے ضروری ہیں اسلامی حکومت کے امیر کے انتخاب میں بے وقعت اوامر ہیں اور ایک غریب آدمی بھی اہلیت کی بنا پر حکمران بن سکتا ہے۔ حضرت طالوت کی نامزدگی کے واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام میں تقویٰ کے بعد حکمرانی کے معیار صرف دو ہیں، علمی قابلیت (Mental Fitness) اور جسمانی قابلیت (Physical Fitness) یعنی حکمرانی کا امیدوار علم و حکمت اور جسمانی قوت و صحت میں دوسروں سے ممتاز ہونا چاہئے۔

410- مبارک حکمران کی نشانی:-

آیۃ مبارکہ 248 سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ نیک صالح اور عالم حکمران اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکات کا باعث ہوتا ہے اور لوگوں کو اس کی ذات سے تسلی اور سکون ملتا ہے۔ یعنی اگر حکمران اچھا ہے تو اس کی نیکی کی وجہ سے ملک بھی خوشحال ہوگا، پریشانیاں ختم ہو جائیں گیئں اور غیبی خزانے کھل جائیں گے۔ اسکے برعکس ایک فاسق و فاجر حکمران تباہی کا باعث ہوگا یعنی قوم کی خوشحالی یا بدبختی میں حکمران کی شخصیت کا بہت بڑا دخل ہے۔ اس لئے حکمران کا چناؤ نہایت احتیاط سے ہونا چاہئے۔

411- اللہ کے انبیاء اور اولیاء اکرام کے تبرکات:-

آیۃ مبارکہ 248 میں جس تابوت سکینہ کا ذکر ہے اس کی تفصیل میں کہا گیا ہے کہ وہ ایک صندوق تھا جس میں حضرت موسیٰ علیہ

السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کے تبرکات تھے۔ جنہیں بنی اسرائیل نے ان کی یاد کے طور پر ایک مضبوط صندوق میں رکھا ہوا تھا۔ بنی اسرائیل کا تجربہ تھا کہ ان تبرکات کی برکات سے انہیں، سکون، حفاظت، فتح اور رزق میں وسعت ملتی ہے۔ وہ جنگ میں بھی اس صندوق کو آگے آگے رکھا کرتے تھے جس سے انہیں بڑا حوصلہ ملتا جو جیت کیلئے ضروری امر ہے۔ آیہ کریمہ میں تابوت سکینہ کی ان خصوصیات کو رد نہیں کیا گیا بلکہ اسے حضرت طالوت علیہ السلام کی حکمرانی کی سند کے طور پر لایا گیا ہے۔

اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ...اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ بڑا معنی خیز ہے اور ثابت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے انبیاء، اولیاء، صدیقین اور صالحین کی متعلقہ چیزوں سے برکت حاصل کرنا جائز ہے۔ اس لحاظ سے سرور کائناتؐ کے نوادرات، تابوت سکینہ کے نوادرات سے یقیناً زیادہ مقدس اور زیادہ برکت کے باعث ہونے چاہئیں۔ اللہ تعالیٰ کے اولیاء اکرام کی نشانی رکھنا بھی اسی واقعہ سے جائز معلوم ہوتا ہے مثلاً حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے سر پر ایک ٹوپی رکھا کرتے تھے جس میں سرور کائنات ﷺ کے چند بال مبارک تھے۔ حضرت خالدؓ فرماتے ہیں کہ جس معرکہ میں یہ ٹوپی سر پر رکھ کر جاتا اللہ تعالیٰ موئے مبارک کی برکت سے مجھے فتح عطا فرماتے۔

412- مظلوم کے حقوق کی جنگ اور اللہ تعالیٰ کی نصرت:-

آیۃ مبارکہ 246 کے فرمان ...وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِیَارِنَا وَاَبْنَآئِنَا ۔ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ظالم کے خلاف مظلوم کی جنگ بھی اللہ تعالیٰ ہی کے راستہ میں جنگ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا بھی ارشاد ہے کہ "جو کوئی اپنے مال و جان کی حفاظت کرتا ہوا مارا گیا پس وہ شہید ہے"۔ یعنی اپنی ملکیت، آزادی کے تحفظ اور اپنے جائز حقوق کے لئے کوشش بھی جہاد ہے اور ان کے بچانے کے لئے اگر زندگی چلی جاتی ہے تو وہ شہادت کی موت ہے۔

413- فرشتوں کی مدد:-

آیۃ مبارکہ 248 میں قدرت کے عوامل کی ادائیگی میں فرشتوں کے کردار کی ایک مثال دی گئی ہے کہ تابوت تسکین کو فرشتے اٹھا لائیں گے جو حضرت طالوت کی حکومت کے اہل ہونے کی نشانی ہوگی۔ یہ صندوق کچھ عرصہ پہلے بنی اسرائیل کے دشمن ایک جنگ میں چھین کر لے گئے تھے لیکن اب وہ اس سے ڈرنے لگے تھے کہ یہ ان کے لئے برکت کی بجائے زحمت کا باعث ہے۔ چنانچہ انہوں نے صندوق کو ایک بیل گاڑی میں رکھ کر اپنے شہر سے ہانک دیا اور یوں وہ حضرت طالوت کے انتخاب کے تھوڑی دیر بعد بنی اسرائیل کے شہر میں پہنچ گیا۔ اس نشانی کو دیکھ کر بنی اسرائیل نے حضرت طالوت کی حکمرانی کو تسلیم کرلیا۔ یہ واقعہ اتفاقیہ بھی کہا جاسکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی چیز اتفاقیہ نہیں ہوتی۔ ہر چیز کا کوئی نہ کوئی سبب اور مقصد ہوتا ہے۔ گو صندوق کو بظاہر آوارہ پھرتی بیل گاڑی لے کر آ گئی لیکن اصل میں یہ کام اللہ تعالیٰ کے فرشتوں نے سرانجام دیا تھا جو بیلوں کی راہنمائی کرتے تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ظاہری اسباب کے ساتھ

ساتھ اللہ تعالیٰ کے فرشتے یعنی کچھ غیبی طاقتیں بھی ہوتی ہیں جو ہونے والے واقعہ کا اصل سبب ہوتی ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ جس طرح چاہے اپنے بندوں کی مدد کرتا ہے۔ شرط صرف ایمان ہے۔

آیۃ مبارکہ 248 کے بعد میں آنے والی چند آیات حضرت طالوت کے حوالے سے فوجی نظم وربط کے متعلق ہیں۔ فرمایا......

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ
قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ
فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي
وَمَنْ لَمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي
إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ
فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ فَلَمَّا جَاوَزَهُ
هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ
قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ
قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلَاقُو اللَّهِ
كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ
غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ
وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ○

249- پھر جب طالوت اپنے لشکر کے ساتھ باہر نکلا،
تو اس نے کہا اللہ تعالیٰ تمہاری ایک نہر سے آزمائش کرنے والا ہے،
پس جس نے اس سے پیا، وہ مجھ سے نہیں ہوگا،
اور جس نے خواہش نہ کی،
مگر چلو بھر اپنے ہاتھ سے لے، وہ مجھ سے ہوگا،
پھر سب نے اس میں سے جی بھر کر پانی پیا
سوائے چند ایک کے۔
پھر جب طالوت اور اس کے مومن ساتھی نہر کو عبور کر گئے تو کہنے لگے،
ہم میں آج جالوت اور اس کے لشکروں کے ساتھ لڑنے کی ہمت نہیں۔ (لیکن) جو اللہ تعالیٰ سے ملاقات پر پختہ یقین رکھتے تھے بولے،
بارہا چھوٹی جماعتیں غالب آئی ہیں
بڑی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے۔
اور اللہ صابرین کے ساتھ ہے۔

وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ

250- اور جب وہ جالوت اور اسکے لشکروں کے آمنے سامنے ہوئے،

قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا
وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا
وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝

تو اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کرنے لگے،
"اے ہمارے رب، ہم پر صبر ڈال دے،
اور ہمیں ثابت قدم رکھ،
اور کافروں پر ہماری مدد فرما"۔

فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ
وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ
وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ
وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ
وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ
لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ
وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝

251- پس انہوں نے انہیں شکست دی اللہ تعالیٰ کے حکم سے،
اور داؤد نے جالوت کو قتل کر دیا،
اور اللہ نے اسے (داؤد علیہ اسلام) حکومت اور
حکمت عطا فرمائی، اور اسے سکھایا جو چاہا،
اور (یہ بات یاد رکھو) اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کا بعض
سے دفاع نہ کرتا، تو یقیناً زمین فساد سے بھر جاتی۔
لیکن اللہ تعالیٰ کائنات پر فضل و کرم فرمانے والا ہے۔

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ
وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝

252- یہ آیات الٰہی ہیں، اور ہم پڑھتے ہیں انہیں آپ پر
حق کے ساتھ، اور یقیناً آپ رسولوں میں سے ہیں۔

414- فوج میں ڈسپلن کی اہمیت:-

آیات مبارکہ 252-249 میں مسلمانوں کو فوجی ڈسپلن کی تعلیم دی گئی ہے۔ حضرت طالوت علیہ السلام کا لشکر مختلف قبائل پر مشتمل تھا جو جنگ کے جوش اور جذبہ انتقام کی وجہ سے سرشار ان کے ساتھ ہو گئے تھے لیکن ابھی تک ان میں ایمان نظم اور ربط وضبط کا فقدان تھا جسکی وجہ سے وہ نافذ شدہ ڈسپلن کی پابندی نہ کر سکے اور مصیبت کے وقت اکثریت نے اپنے امیر کے حکم کو ماننے سے انکار کر دیا جسکے نتیجہ میں ان میں کم ہمتی آ گئی۔ ان آیات کریمہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ محاذ جنگ میں کامیابی کیلئے مندرجہ ذیل نہایت ضروری خصائل ہیں۔

1- امیر کی اطاعت

2- ڈسپلن کی پابندی

3- تکالیف میں صبر اور ثابت قدمی

4- اللہ تبارک تعالیٰ سے کامیابی کے لئے دعا

آیۃ مبارکہ 249 سے ایسے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت طالوتؑ نے اپنی فوج کا امتحان یوں لیا کہ صحرا میں ان کو خوب دوڑایا ہوگا، گرمی کا موسم تھا، پیاس سب کو لگی ہوئی تھی اور آگے ایک نہر تھی جس کے پار دشمن سے معرکہ پیش آنا تھا۔ حکم دیا کہ میرے ساتھی وہی ہیں جو نہر سے پانی نہیں پئیں گے ماسوائے جن کا پیاس کی شدت سے بہت ہی برا حال ہو، لیکن وہ بھی چلو بھر سے زیادہ نہیں لے سکتے۔ یہ اطاعت امیر، ڈسپلن اور تکلیف میں ثابت قدمی اور صبر کا کڑا امتحان تھا۔ ہزاروں کے لشکر میں سے صرف چند سو بعض روایات کے مطابق 313 نے حکم پر عمل کیا باقی سب پانی پر پل پڑے جس سے انکا نفاق ظاہر ہوگیا۔ چنانچہ حضرت طالوت علیہ السلام نے تمام نافرمانبرداروں کو واپس بھیج دیا۔ اصول جنگ ہے "Do or Die -- Never Say Why"؟ چنانچہ ان آیات مبارکہ سے جنگی حکمت عملی کا یہ اصول ثابت ہوتا ہے کہ ایک چھوٹی اطاعت گزار منظم اور صابر فوج غیر منتظم انبوہ کثیر سے بہت بہتر ہے۔

415- دشمن کا سامنا اور توکل علی اللہ:۔

جب دشمن کا آمنا سامنا ہوا تو مومنین کا یہ گروہ دشمن کی تعداد دیکھ کر گھبرا گیا لیکن فوری طور پر توکل علی اللہ کی بنا پر یاد آیا **كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ**۔ "بارہا چھوٹی جماعتیں غالب آئی ہیں بڑے گروہوں پر"۔ یہ وہ حقیقت ہے جو تاریخ میں بار بار دہرائی جاتی رہی ہے۔ حق والے ہمیشہ ہی اقلیت میں رہے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی مدد کے سہارے ثابت قدمی اور صبر کے ساتھ جب وہ حق کی راہ پر چل پڑتے ہیں تو اکثریت زیر ہوجاتی ہے۔ ان کا خاصہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے، حسب استطاعت ظاہری اسباب سے فائدہ اٹھاتے ہوئے، صبر اور صلوٰۃ کے ذریعہ اس کی مدد کے طالب ہوتے ہیں اور دعا کرتے ہیں "اے ہمارے رب ہمیں صبر عطا کر، ہمیں حوصلہ دے، اور ثابت قدم رکھ، اور ہمیں کافروں پر فتح نصیب فرما"۔ پھر جب اللہ تعالیٰ کی مدد آتی ہے تو ایسی فتح نصیب ہوتی ہے جو سب کو حیران کردیتی ہے۔

416- ظلم کے خاتمہ کا اصول:۔

آیۃ کریمہ 251 میں یہ بتایا گیا ہے کس طرح اللہ تعالیٰ برائی کی قوتوں کو بھلائی کی قوتوں سے پامال کرتا رہتا ہے ورنہ دنیا میں برائی ہی برائی پھیل جائے۔ آیۃ مبارکہ 251 کا فرمان **وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ** "کہ اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کا بعض سے دفاع نہ کرتا تو زمین فساد سے بھر جاتی" ایک بہت بڑی تاریخی حقیقت ہے اور فلسفہ جہاد کی بنیاد ہے۔ اس میں انسانیت کے لئے

سبق ہے کہ دنیا میں ہر وقت، ہر جگہ ایسے لوگ ضرور ہونے چاہئیں جو ظلم کے خلاف مسلسل اخلاقی، زبانی، کتابی اور جسمانی جدوجہد کرتے رہیں۔ جب تک ایسا ہوتا رہے گا زمین ٹوٹل فساد سے محفوظ رہے گی اور ظلم ایک حد سے آگے نہیں بڑھے گا۔ اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ صلاح احوال کے لئے نہی عن المنکر اتنا ہی اہم ہے جتنا امر بالمعروف، ورنہ ظالموں کی اقلیت، شریف لوگوں کی اکثریت کو پامال کرتی رہے گی۔

417- آیات الٰہی، روشنی کا مینار (Beacon Lights):-

آیۃ مبارکہ 252 میں ارشاد..... تِلْکَ اٰیٰتُ اللّٰہِ نَتْلُوْھَا عَلَیْکَ بِالْحَقِّ۔ وَاِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ہماری توجہ اس طرف کراتا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی آیات پر غور وفکر کریں، ان کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھال لیں اور صاحب قرآن کو اپنے لئے نمونہ بنائیں۔ آیت کا مطلب اللہ تعالیٰ کی نشانی ہے جس کی طرف چل کر انسان صراط مستقیم کو پا سکتا ہے، جیسے بندرگاہوں پر بیکن لائٹ ہوتی ہیں جسے دیکھ کر بحری جہاز رات کی تاریکی میں اپنی منزل پر پہنچ جاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ حضرت طالوت کے واقع (Case History) میں جو واقعات بتائے گئے ہیں وہ کچھ عالمی سچائیوں کو ظاہر کرتے ہیں اور مسلمانوں کو ان سے سبق حاصل کرکے اپنی سیاسی اور جنگی حکمت عملی طے کرنا چاہیے۔

418- اللہ تعالیٰ کے رسول۔ خصوصی انسان:-

آیۃ مبارکہ 252 کے آخر میں فرمان وَاِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ کا خطاب سرور کائنات خاتم النبین ﷺ کی طرف ہے یعنی آپ اللہ تعالیٰ کے رسولوں سے علیحدہ نہیں بلکہ ان کی سچائی کی تصدیق اور ان کے مشن کی تکمیل کرنے والے ہیں، اسلئے آپ کی ذات مبارک میں تمام زمان ومکان کی شان سمیٹ دی گئی ہے۔ اور یوں آپ تمام رسولوں کے مجموعۃ الاخلاق، سب کے اوپر گواہ اور روشن مثال ہیں جن کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔

تِلْکَ الرُّسُلُ	**253- وہ (ایک جماعت) مرسلین تھے۔**
فَضَّلْنَا بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ مِنْھُمْ مَّنْ	فضلیت دی ہم نے بعض کو اوپر بعض کے،
کَلَّمَ اللّٰہُ وَرَفَعَ بَعْضَھُمْ دَرَجٰتٍ	ان میں سے وہ بھی ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا،
وَاٰتَیْنَا عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ الْبَیِّنٰتِ	اور ان میں سے بعض کے درجات بہت بلند کیے،
وَاَیَّدْنٰہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ	اور عیسیٰ ابن مریم کو معجزاتی دلائل عطا کئے،
مَا اقْتَتَلَ الَّذِیْنَ مِنْ بَعْدِھِمْ	اور روح القدس کے ذریعہ ان کی خصوصی تائید کی۔
مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْھُمُ الْبَیِّنٰتُ وَلٰکِنِ	اور اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوتی

اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۟ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ۝

توان کے بعد کے لوگ آپس میں
خون ریزی نہ کرتے،
خصوصاً جب ان کے پاس روشن دلائل آ چکے تھے،
لیکن انہوں نے باہم اختلاف کیا۔ پھر ان میں سے کوئی
تو ایمان لے آیا، اور کوئی ان میں سے کفر پر ہی رہا۔
اگر اللہ چاہتا تو وہ نہ لڑتے،
مگر اللہ تعالیٰ وہی کرتا ہے جو وہ ارادہ کرتا ہے۔

آیت 253 سے ظاہر ہوتا ہے کہ قطع نظر اس کے کہ رسالت کا اظہار کب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے رسول پیدائشی طور پر ہی نامزد ہو کر دنیا میں آتے ہیں، یعنی کوئی آدمی اپنی عبادت ریاضت اور مجاہدہ سے رسول نہیں بن سکتا۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضور ﷺ کا نور مبارک کائنات کے وجود سے پہلے موجود تھا اور عالم امر میں تمام نبیوں کی ارواح نے آپ ﷺ کی رسالت کی، اور آپؐ نے ان کی صداقت کی شہادت دی۔ تمام انبیاء کرام اپنے اپنے عہد کے خصوصی نمونہ انسان تھے اور اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ﷺ ہمیشہ کیلئے نمونہ شخصیت ہیں۔

419- بعض کی بعض پر فضیلت:-

اگرچہ رسالت کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے سب رسول برابر ہیں لیکن اپنے مشن کے دائرہ کار، عملی جدوجہد کی نوعیت، معجزات، دلائل، پیغام اور فضائل میں ہر ایک کا اپنا اپنا امتیازی مقام ہے جیسے آیہ مبارکہ 253 میں فرمایا گیا ہے **فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ** ''فضیلت دی ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر'' ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جن سے اللہ تبارک تعالیٰ نے بلا واسطہ کلام فرمایا انہی میں حضرت موسیٰ تھے (سرور کائنات ﷺ کو جب معراج عطا ہوئی تو عرش معلیٰ کے پاس آپ کو بلا واسطہ گفتگو اور دیدار کا اعزاز حاصل ہوا اور آپؐ مقام محمود میں جلوہ افراز ہوئے)۔ انہی میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل اللہ کا بلند مقام ملا۔ جلیل القدر رسولوں میں حضرت عیسیٰ السلام بھی ہیں جن کے معجزات مردوں کو زندہ کرنا، اندھوں کو ٹھیک کرنا، کوڑھیوں کو تندرست کرنا تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی روح القدس سے بھی بدرجہ اتم تائید فرمائی۔

یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ روح چونکہ امر ربی ہے اس لیے ہر انسان کو کسی نہ کسی درجہ میں روح القدس کی تائید حاصل ہوتی ہے۔ (قل الروح من امر ربی) لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں تو یہ تائید خاص طور پر نمایاں تھی۔ سرور کائنات ﷺ کی شان ایسی ہے کہ روح القدس کو بھی آپ کی خدمت پر فخر تھا اور سفر معراج اس بات کا بین ثبوت ہے۔

420- مقاصد رسالت:-

تمام انبیاء علیہ السلام کی رسالت کا مقصد انسانوں کو سیدھی راہ دکھانا تھا جس کی وہ خود ایک عملی مثال تھے۔ ان سب کا دین اسلام تھا جس کا ایک مطلب ''امن'' ہے اور دوسرا بلا شرکت غیر اللہ تعالیٰ کی بندگی ہے۔ چنانچہ ان کی بعثت کا مقصد فساد کو مٹانا اور امن قائم کرنا تھا تا کہ لوگ سکون سے اپنے خالق حقیقی کی بندگی کر سکیں جس میں اکثر بلا واسطہ یا بلواسطہ کامیاب بھی ہوئے۔ لیکن شیطان جو فتنہ فساد کی جڑ ہے اس کے زیر اثر لوگ جلد ہی سیدھی راہ چھوڑ کر فساد میں مبتلا ہو جاتے۔

جیسا کہ آیہ کریمہ 253 میں فرمایا گیا ہے.... **وَلَوْشَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۗ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ** اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو انسان کی فطرت ہی میں سے برائی ختم کر دیتا لیکن اس کی مشیت انسان کو ایک با اختیار مخلوق کے طور پر پیدا کرنا تھا۔ یوں اسے اختیار بھی دیا اور اسے برائی اور بھلائی میں تمیز سکھانے کے لئے اپنے رسول بھی بھیجے تا کہ لوگ اپنے اچھے برے کا خود فیصلہ کریں۔ ان میں سے بہتوں نے کفر کیا، آپس میں خون ریزی کی اور ایک دوسرے کے حقوق کو تلف کیا۔ ایسے لوگ اپنے مقصد حیات سے بہت دور نکل گئے اور بالآخر وہ دوزخ تک پہنچ گئے، لیکن جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی پیروی کی وہ کامیاب ہوئے۔ ان کے راستہ کی ایک جھلک آئندہ آنے والی چند آیات میں دیکھی جا سکتی ہے۔ فرمایا.....

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا	**254- اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو،**
اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ	**خرچ کرو (اللہ کی راہ میں)، اس میں سے جو تمہیں دیا گیا ہے،**
مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ	**پیشتر اس کے کہ وہ دن آجائے، جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی،**
وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ۗ	**اور نہ دوستی (وہاں کام آئے گی)، اور نہ ہی (گنہگاروں کو) شفاعت نصیب ہوگی۔**
وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○	**اور جو اس سے انکار کرنے والے ہیں، وہی ظالم ہیں۔**

421- اللہ تعالیٰ کے پاس امانت:-

آیہ مبارکہ 254 کا پیغام تمام پیغمبروں اور رسولوں کی تعلیمات کا نچوڑ ہے، زندگی میں ہمیں کیا کرنا چاہیے اور آخرت میں کیا کام آئے گا کی تصویر کھینچ کر رکھ دی گئی ہے فرمایا۔ **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ۗ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ** یہ ایک نہایت قابل فکر، بروقت وارننگ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو زندگی، صحت، طاقت، ذہانت، تعلیم، مال و

دولت، عزت، گھر بار، دوست ساتھی، عرض یہ کہ ہر طرح کی نعمت، بغیر مانگے عطا کی ہے۔ یہ سب اس کا عطا کردہ رزق ہے۔ اسکی شان کریمی دیکھیں کہ دینے والا اپنی عطا میں سے کچھ حصہ مانگ رہا ہے اور وہ بھی اپنی کسی ضرورت کیلئے نہیں بلکہ ہمارے ہی لئے، تا کہ جب موت ہم سے دنیا چھین لے، گھر والے خالی ہاتھ مٹی کے سپرد کر آئیں تو اس وقت یہ مال ہمارے کام آئے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا دراصل اللہ تعالیٰ کے پاس امانتاً رکھنے کے مترادف ہے۔ جس دن انسان کے پاس خریدنے کے لئے کچھ نہ ہوگا، کوئی دوستی، کوئی رشتہ داری اور تعلق باقی نہ رہے گا، کہیں سے کوئی مدد نہ مل سکے گی، نہ ہی کوئی سفارش کام آئے گی، اس دن صرف اور صرف یہی امانت کام آئے گی۔ اس بے چارگی کے عالم میں اسے پا کر جو خوشی ہوگی اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔

422- اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ:-

آیۃ مبارکہ 254 میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں، مادی اور روحانی ذرائع کو اللہ کے دین کے فروغ کیلئے، دنیا سے ظلم کو مٹانے کیلئے اور اللہ کی دیگر مخلوق کو سکھ پہنچانے کیلئے خرچ کریں۔ افسوس کہ آج کا مسلمان اس فریضہ کی ادائیگی میں عیسائیوں اور دیگر غیر مسلم اقوام سے بھی بہت پیچھے رہ گیا ہے اور ایسا پیچھے رہ گیا ہے کہ ہر چیز میں پیچھے رہ گیا ہے، حالانکہ وہ اللہ کی کتاب میں پڑھتے ہیں کہ غربت اور محرومی کا علاج اللہ کی راہ میں خرچ کرنے میں ہے۔

423- آیت الکرسی۔ اللہ تعالیٰ کا تعارف:-

جبکہ آیۃ مبارکہ 254 نجات کے اس راستہ کی نشاندہی کرتی ہے جو اللہ کی طرف جاتا ہے اگلی آیہ مبارک انسانوں کو رب العزت کی ذات پاک کا تعارف کرواتی ہے۔ اس کا نام آیت الکرسی ہے اور فضائل میں یہ بے مثل آیت ہے۔ روایت ہے کہ اس اکیلی آیت مبارکہ کے نزول کے وقت اس کے ساتھ تیس ہزار فرشتے اترے تھے جس سے اس کی شان ظاہر ہوتی ہے۔ آیت الکرسی میں اللہ تبارک تعالیٰ نے حفاظت کے اثرات رکھے ہیں۔ مثلاً گھر سے نکلتے وقت اگر آیت الکرسی توکل علیٰ اللہ کے ساتھ پڑھ لی جائے تو انسان تمام خطرات سے انشاء اللہ محفوظ رہیگا۔

اس ضمن میں ایک نہایت دلچسپ اور اہم واقعہ میرا اپنا ہے۔ 1993 میں جب میں ضلع خوشاب میں پاکستان کا پہلا خود ساختہ ایٹمی ری ایکٹر لگا رہا تھا تو حفاظت کے لئے ساری بلڈنگ کے اردگرد لوہے کی پٹیوں سے دس دس فٹ اونچے الفاظ میں آیت الکرسی لکھ دی گئی۔ عام طور پر ایسے بڑے منصوبوں میں یہ ہوتا ہے کہ دوران تکمیل دس بارہ آدمی حادثات کا شکار ہو کر مرجاتے ہیں لیکن الحمد اللہ اس کلام کی برکت سے، ہم ہر طرح کے حادثات، خطرات اور دشمنوں کے شر سے محفوظ رہے۔ اس کے علاوہ باوجودیکہ ہم پہلی دفعہ خود ڈیزائن کر کے پاکستانی ساختہ ایٹمی ری ایکٹر لگا رہے تھے اللہ تعالیٰ نے ہمیں غلطیوں سے بھی بچائے رکھا، الحمد اللہ! ہم نے ایک مثالی ایٹمی ری ایکٹر بنایا جو ہر طرح کے نقص سے پاک اب تک چل رہا ہے۔ یہ سب رب العزت کے کلام کی برکت ہے۔

فرمایا......

اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ۚ
اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ
لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّ لَا نَوْمٌ ؕ
لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ مَنْ
ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ ؕ
یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْہِمْ وَ مَا خَلْفَھُمْ ۚ
وَ لَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖٓ
اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ
وَسِعَ کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ ۚ
وَ لَا یَئُوْدُہٗ حِفْظُھُمَا ۚ
وَھُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ○

255- اللہ! نہیں ہے کوئی معبود اس کے سوا،
زندہ جاوید جس پر کبھی فنا طاری نہ ہوگی،
ہمیشہ کیلئے قائم ودائم، مسبب الاسباب
غفلت، اونگھ، اور نہ نیند اسے،
(لمحہ بھر بھی جہانِ ہستی کی تدبیر سے غافل نہیں)
اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے
اور جو کچھ زمین میں ہے۔
کون ہے وہ جو سفارش کر سکے اس کے حضور
بغیر اس کی اجازت کے ؟
وہ جانتا ہے جو ان کے (مخلوقات کے) آگے ہے،
اور جو ان کے پیچھے ہے،
(کائنات کے اول وآخر کا علم رکھتا ہے)
اور نہیں کوئی پا سکتا اس کے علم میں سے کوئی چیز، مگر جو
وہ چاہے۔ اس کی کرسی (قدرت اور علم) وسیع ہے
آسمانوں اور زمین سے،
اور نہیں کوئی بوجھ اس پر ان کی حفاظت کا،
وہ رفعت وکمال اور عظمت وجلال والا ہے۔

424- آیت الکرسی کی تشریح:-

آیۂ مبارکہ 255 کو آیت الکرسی کہتے ہیں۔ یہ آیت اللہ تعالیٰ کی پہچان، اللہ تعالیٰ کے تمام رسولوں کی دعوت کا کمال، تمام انبیاء کرامؑ کی تعلیمات کا نچوڑ، قرآن حکیم کی عظیم ترین آیت، اسم اعظم، جس کی تلاوت میں حفاظت وبرکت اور رفعت کے وہ تمام مقامات شامل ہیں جن کی اس میں نشاندہی کی گئی ہے۔ غرض یہ رب تعالیٰ کی پہچان کا مرقع ہے، جو اس کو سمجھ گیا سب کچھ سمجھ گیا، جس نے اس کو پالیا، سب کچھ پالیا۔ اللہ نام ہے یکتا خالق حقیقی، معبود ومحبوب کا۔ بے مثل، خالق کل، اول وآخر۔ لیکن وہ کون ہے؟ آیت الکرسی اس کی صفات اور معرفت کے ادراک کے لئے مشعل راہ ہے۔ فرمایا......

425- اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ :-

یہ اعلان ہے اس بات کا کہ کائنات میں ہر موجود اور معدوم، جمادات و نبادات، حیوانات، انس و جن ملائیکہ غرض ہر مخلوق کا اللہ ہی خالق اور اصل معبود ہے اسکے مقابلہ میں اور کوئی نہیں۔ جس نے اسکے علاوہ اپنے دل کی گہرائیوں میں کسی اور کو سجالیا، خواہ یہ پتھر کی مورتی ہو، دنیا کی ہوس ہو، خواہش کی موج ہو، محبوب کی محبت ہو، غرض کسی اور الہ کو اگر دل میں جگہ دی تو وہ دل اللہ تعالیٰ سے بے آباد ہو گیا۔ سائنسی دریافت کہ زماں و مکاں میں ہر سو ایک ہی طرح کے قوانین ہیں کا مطلب بھی یہی ہے کہ ذرہ ذرہ لا الہ الا اللہ کی شہادت دیتا ہے۔ اول، آخر، ظاہر و باطن، وجود اور عدم وجود، طبیعات اور مابعد طبیعات کی وحدت اسی ایک کلمہ میں ہے۔ سائنس کی گرانڈ سنگولیرٹی (Grand Singularity,Law of Everything) یعنی ''ہر چیز کا قانون'' بھی یہی کلمہ ہے۔

(For more detail please see **Appendix II**)

اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ کی شہادت کا عملی مطلب مخلوقات کی غلامی سے آزادی اور صرف اللہ واحد کی غلامی ہے۔ یعنی انسان صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی کرے اور مخلوقات کے خوف و خطر کو اپنے دل سے نکال دے۔ اگر ایسا نہیں کر سکا تو پھر اس نے **لا الٰہ اِلَّا ھُوَ** کا بھی ابھی پوری طرح مزہ نہیں لیا۔

اس کلمہ کی شان یہ ہے کہ نبی پاک ﷺ مکہ مکرمہ کی گلیوں میں لوگوں کو سمجھاتے پھرتے تھے کہ ''**یا ایھا الناس قولوا لا الہ الا اللہ تفلحوا**۔ اے لوگو **لا الہ الا اللہ** کہو فلاح پا جاؤ۔'' ہم بھی اگر دنیا جہاں کی فلاح کے خواہش مند ہیں تو وہ **لا الہ الا اللہ** کی سمجھ اور اس پر عمل کرنے سے ملے گی۔ حضور پاک ﷺ کا فرمان ہے کہ **لا الہ الا اللہ** میں دنیا و آخرت کی بادشاہت ہے، مظلوموں کے لئے اس میں اعلیٰ ترین آزادی کا پیغام ہے۔ کہو **لا الہ الا اللہ**، **لا الہ الا اللہ**، بار بار کہو **لا الہ الا اللہ**، دل کے سکون اور روح کی آزادی کا راز اسی کی تکرار میں ہے۔

(For more details please see appendix ii,iii,iv,v)

426- اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ:-

اللہ تعالیٰ کی شان **اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ** ہے، اس کی زندگی کسی چیز کی مرہون منت نہیں بلکہ بذات خود وہ زندگی ہے اور ہر ایک کی زندگی کا منبع ہے، ہر شے میں زندگی اسی کا عکس ہے۔ وہ پرورش کا محتاج نہیں بلکہ خود سب کا پروردگار ہے۔ وہ فنا سے بالاتر ہے، زمان و مکان اس کو بوڑھا نہیں کر سکتے۔ وہ خالق اور مالک ہے اور کائنات اس کی مظہر ہے۔ وہ قیوم ہے، ہمیشہ سے قائم و دائم، زمان و مکان سے بالاتر، مسبب الاسباب جو سب کا سہارا ہے اور اسے کسی سہارے کی ضرورت نہیں۔ سب موجودات کا وجود اس کی وجہ سے ہے، سب معدومات کا عدم اسی کی وجہ سے ہے۔ کائنات کے نکتہ آغاز یعنی بگ بینگ (Big Bang) سے پہلے بھی وہی تھا اور کائنات کے نکتہ انجام یعنی Big Crunch کے بعد بھی وہی ہوگا۔ عدم وجود سے وجود، اور وجود سے عدم وجود میں لانے والا بھی وہی ہے۔ اور موت اور حیات کو قیام دینے

والا وہی ہے۔ اس لئے کہ وہ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ہے۔

اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ کے ذکر میں بیماروں کے لئے شفاء، کمزور کے لئے طاقت، مظلوموں کے لئے نجات ہے۔ حضور پاک ﷺ اکثر کہتے یا حیّ یا قیوم ۔ برحمتک استغیث۔ کیا خوب دعا ہے۔ (سبحان اللہ)

427- لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ :-

ہمارے رب کی صفت لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ہے۔ کائنات میں اربوں کھربوں، غرض حساب کے ہندسوں سے زیادہ دنیائیں ہیں اور ہر دنیا اپنے اپنے کام میں مگن ہے۔ وہ اول سے ازل تک سب کا رب اور سب کا انتظام کرنے والا ہے نہ اسے کوئی تکان، نہ اونگھ، نہ غفلت ،اس کی ذات پاک میں مستعدی (Dynamism) ہی مستعدی (Dynamism) ہے۔

مخلوقات وقت کے ساتھ سست پڑ جاتی ہیں، آرام مانگتی ہیں، سوئے بغیر نہیں رہ سکتیں، نیند جسم کے اجزاء کی توڑ پھوڑ کی بحالی کیلئے ضروری ہے، لیکن وہ ذات پاک زمان ومکان کا حاکم، سب کمزوریوں سے مبرا، طاقت کا سرچشمہ، ہر لحاظ سے مکمل اور چوکس وہ اپنی مخلوقات کے ذرے ذرے سے باخبر ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ان صفات پر یقین رکھتے ہوئے لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ کے ذکر کرنے سے آدمی کو تھکاوٹ اور سستی سے نجات مل جاتی ہے (انشاء اللہ)

428- لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ :-

اس کی حکومت لازوال اور لامحدود ہے، آسمان وزمین میں جو کچھ بھی ہے اسی کا ہے اور اسی کیلئے کام کر رہا ہے، سب کا نظام اس کے ہاتھ میں ہے وہ مالک کل ہے۔ جس کی ملکیت میں کوئی اور حصہ دار نہیں۔ ایٹم بھی اسی کا ہے اور کہکشاں بھی اسی کی۔ اگر کسی کے پاس کچھ ہے تو وہ بھی اس کا دیا ہوا ہے اور جسے دیا ہوا ہے وہ بھی اسی کا ہے۔ غرض کوئی بھی چیز، چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی اس کی ملکیت سے باہر نہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ ہم اس کیلئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ سب بڑے چھوٹے اسی کی تسبیح کرتے ہیں۔

لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْض کے ذکر سے غربت اور بیچارگی سے نجات ملتی ہے (انشاء اللہ)۔

429- مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ :-

اس کی بادشاہت میں شرکت تو بہت دور کی بات، کون ہے وہ، کس کو ہے ہمت کہ اس کی عظمت کے سامنے بلا اجازت لب کشائی بھی کر سکے؟ اپنی یا کسی اور کی سفارش کر سکے؟ کوئی نہیں! سوائے اس کے جسے وہ خود اجازت عطا فرمائے۔ اور وہ ہستی صرف سرور

کائناتؐ، عارفِ ذات پاک کی ہے جنہیں مالک کبھی محمدؐ (تعریف کیا گیا) اور کبھی احمدؐ (تعریف کرنے والا) کے پیارے ناموں سے یاد کرتا ہے، نبیوں کے سردار، وجہ تخلیق کارخانہ حیات، احسن التقویم ﷺ۔ جنہیں اس نے اپنی معرفت، پہچان اور اظہار کیلئے پیدا کیا۔ صرف اور صرف انہی کو شفاعت کی اجازت ہے اور وہ بھی ان کیلئے جو شفاعت کا حق دار ہوں گے۔ آپؐ کے بعد کسی نبی، رسول، ابرار یا ولی کو اگر شفاعت کی اجازت ملے گی تو آپ ﷺ ہی کی وساطت سے ملے گی۔ آپؐ ہی وسیلہ ہیں، راہ بھی آپؐ اور رہنما بھی آپؐ۔

سفارش وسیلہ اور شفاعت کی کامیابی کے لئے مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ کا ورد کریں۔ انشاءاللہ کام بن جائے گا۔

430- یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ :-

اس کا علم ٹوٹل اور لا انتہا ہے، تمام مخلوقات کا اول و آخر اس کے سامنے ہے، ماضی حال و مستقبل اس کیلئے ایک سے ہیں، جب کہ مخلوقات کا علم زمان و مکان کا پابند ہے، علم اس کی ذات پاک کی صفت ہے۔ وہ بیک وقت ساری کی ساری کائنات کے حالات سے واقف ہے اور ہر جگہ اس کا حکم چلتا ہے۔ معلومات اور کنٹرول کے لئے نہ اسے چیزوں کے پاس جانا پڑتا ہے اور نہ چیزوں کو اس کے پاس لانے پڑتا ہے۔ وہ بیک وقت ان کے اندر بھی ہے اور باہر بھی، زمان بھی خود اور مکان بھی خود۔ یہ کہ اللہ تعالیٰ تمام کائنات کی ہر چیز کا بیک وقت کیسے علم رکھتا ہے اور ان کو کیسے کنٹرول کرتا ہے؟ جدید انفارمیشن ٹیکنالوجی کی دریافتوں کے بعد ان سوالات کے جواب کا ادراک مشکل نہیں ہونا چاہئے۔ (علم ادراک اور عقل و فہم میں ترقی کے لئے اس آیت کا ذکر کرنا چاہیئے)

431- وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ :-

مخلوقات میں سے جس کسی کے پاس جو بھی علم ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کا عطا کردہ ہے۔ نبیوں اور رسولوں کا علم بھی اسی کا دیا ہوا ہے، سائنس دانوں اور موجدوں کا علم بھی اسی کی عطا ہے۔ وہ جب چاہے، جتنا چاہے اور جس پر چاہے اپنا علم ظاہر کر دیتا ہے، جیسے شفاعت کیلئے شفاعت کا حقدار ہونا ضروری ہے اس طرح علم کیلئے علم کا حق دار ہونا ضروری ہے، اور یہ حق اسے ملتا ہے جسے علم کی سچی طلب ہو اور طلب کے ساتھ حقیقی محبت بھی ہو۔

پچھلی ایک دو صدیوں میں جو بے شمار سائنسی دریافتیں ہوئی ہیں آیہ مبارک سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کے پروگرام کے مطابق ہو رہا ہے۔ آگے کیا ہوگا وہی جانتا ہے۔ یہ بات کہ پچھلے چند سو سالوں میں علمی اور سائنسی دریافتیں مغرب ہی میں کیوں ہوئی ہیں اور مشرق ان سے کیوں محروم رہا اس کی وجہ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت مبارک ہے کہ "جو ڈھونڈتا ہے وہ اس کو راہ دکھلاتا ہے" لہٰذا اس میں مذہب کا کوئی استحقاق نہیں۔ جو کوئی بھی اخلاص اور لگن کے ساتھ تحقیق کرے گا اللہ تعالیٰ اس پر اپنے علم کے دروازے کھول دے گا۔ مسلمانوں کی پہلے ہزار سال میں علمی ترقی، جب مغرب جہالت میں ڈوبا ہوا تھا، ان کے شوق اور جستجو ہی کی وجہ سے تھی۔

محققین (Research Workers) اور طالب علم ان خوبصورت کلمات کے ورد کو اگر اپنی عادت بنا لیں اور علم کے حصول

کیلئے محنت کریں تو اللہ تعالیٰ ان کے اوپر غائب کے راز کھول دے گا۔(انشاء اللہ)

432- وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ :-

اس کی طاقت عظمت، علم، حکمت اور حکومت کائنات کے ذرہ ذرہ کو گھیرے ہوئے ہے، اس کی وسعت لامحدود ہے، کائنات کے اندر اور باہر اس کی ذات پاک ہے۔ سرور کائناتؐ نے بتایا کہ ''زمین کی جو نسبت آسمانوں سے ہے، وہی نسبت آسمانوں کو کرسی سے ہے اور عرش جس پر کرسی ہے، اپنی وسعت وعظمت اور شان میں لامحدود ہے۔ اسلئے ان کی حقیقت کا ادراک انسانی استطاعت سے باہر ہے۔ کائنات بھی ایک نہیں بلکہ بے شمار ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ جب چاہے گا ان سب کا راز انسان پر کھول دے گا۔

433- کرسی، عرش اور لامحدودیت:-

یہ سوال کہ کائنات کا مرکز کہاں ہے؟ اس کے لئے لامحدودیت (Infinity) کو سمجھنا ضروری ہے۔ لامحدود (Infinite) کی کوئی حد نہیں ہوتی، اس لئے اس کے باہر کوئی نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا کائنات کی لامحدودیت (Infinity) کی وجہ سے کوئی خاص مقام اس کا مرکز نہیں ہوسکتا بلکہ اس میں ہر مقام مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ یوں لامحدود کے لامحدود مرکز ہوں گے، اسی طرح لامحدود (Infinite) کی کوئی خاص سمت نہیں ہوتی بلکہ ساری سمتیں اس کے اندر ہی ہوتی ہیں یعنی لامحدود کی لامحدود سمتیں ہیں۔ اس لئے اسے جدھر بھی دیکھو، جس جگہ سے بھی دیکھو اس کے آگے اور پیچھے لامحدودیت (Infinity) ہی ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ جو لامحدود (Infinite) ہے اس کے لئے کسی مقام، سمت اور جسم کا تصور بے ادبی ہے۔ (Please see appendix v)

شاید لامحدودیت کے تصور کو لاوجودیت کے حوالہ سے سمجھنا آسان ہو صفر لاوجود ہے لہٰذا اگر کروڑوں صفر بھی جمع کرلیں تو حاصل جمع صفر ہی رہتا ہے، اور صفر کے کروڑوں حصے کردیں تو ہر حصہ پھر بھی صفر ہی ہوگا۔ بالکل ایسے ہی لامحدود کو خواہ اربوں سے ضرب دے لیں حاصل ضرب لامحدود ہی ہوگا اور اسے کھربوں سے تقسیم کردیں حاصل تقسیم تب بھی لامحدود ہوگا۔ لہٰذا مشاہدہ کے حوالہ سے لامحدود کے لامحدود مراکز ہوتے ہیں۔ یوں انسانی حیات کے حوالہ سے کائنات کا مرکز زمین ہے اور اگر کسی اور جگہ بھی انسان رہتے ہیں تو ان کے حوالہ سے ان کی زمین کائنات کا مرکز ہوگی یعنی ہر شاہد (Observer) اپنی جگہ پر کائنات کا مرکز ہے۔

اس سے ثابت ہو جانا چاہیے کہ یہ سوال کہ اللہ تعالیٰ کی کرسی کہاں ہے اور اس کا عرش کہاں ہے، ایک بے معنی بات ہے۔ ''کہاں اور یہاں'' کدھر اور جدھر۔ کب اور کیوں'' وغیرہ یہ سب محدودیت کے تصورات ہیں۔ جبکہ وہ ذات پاک لامحدود ہے اور اس لامحدودیت میں اس کا عرش اور کرسی ہر جگہ ہے اور ساری کی ساری کائنات اس کے سامنے صفر ہے۔ وہ ہر چیز کے اندر بھی ہے اور باہر بھی، چیزوں کا اول آخر، ظاہر باطن اسکی ذات پاک کی صفت ہے۔ غرض اسکی شان کا تصور ہماری عقلوں سے باہر کی بات ہے۔ حضورﷺ نے فرمایا ہے ''آسمان وزمین میرے رب کو سما نہیں سکتے مگر مومن کا دل'' حضرت علی کا فرمان ہے ''جس نے اپنے نفس کو پہچانا وہ اپنے رب کو

پہچان گیا اور جس نے اپنے رب کو پہچان لیا اسکی زبان بند ہوگئی‘‘۔

434- وَلَا يَـُٔودُهٗ حِفۡظُهُمَا :-

رب العالمین پر کوئی چیز بار نہیں۔ وہ اسکے کنٹرول کے لئے کسی کا محتاج نہیں، اسکا نظام حکومت مادی اسباب اور طبیاتی قوانین پر انحصار نہیں رکھتا بلکہ وہ بیک وقت ہر جگہ پر خود موجود ہے، اسے کام کرنے کے لئے طاقت نہیں چاہیے بلکہ وہ خود ہر طاقت کا منبع ہے۔ اس لئے وسیع وعریض بے شمار زمینوں اور آسمانوں پر مشتمل کائناتوں کی حفاظت اور انتظام اس پر بالکل گراں نہیں ہے۔ اس کے نظام میں ہر چھوٹی بڑی چیز اس کے قانون کی تابعدار ہے۔ ذرے ذرے کو یہ عرفان حاصل ہے کہ اسے کیا اور کیسے کرنا ہے اور کسی کی مجال نہیں کہ اپنے دائرہ کار سے سرمو بھی تفاوت کر سکے۔ اس کا قانون **لا تبدیل** لکلمت اللہ **لا تبدیل لخلق اللہ**۔ ’’اللہ تعالیٰ کے کلمہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کی خلق میں کوئی تبدیلی نہیں‘‘ زمان ومکان سے بالاتر ہر جگہ ہر وقت اٹل حقیقت ہے۔ آئن سٹائن کے نظریہ اضافت کی بنیاد بھی یہی نکتہ ہے۔

یوں اللہ تعالیٰ کے قوانین، فرشتے اور دیگر غیبی طاقتیں سب کی سب اس کے ڈیزائن اور پروگرام کو پورا کرنے کے لئے بلا چون وچرا کام کر رہی ہیں اور زمین وآسمان کا انتظام بغیر کسی روک اور کمی کجی کے ہمیشہ سے اس کی مرضی کے مطابق چل رہا ہے اور اس پر اسکا کوئی بوجھ نہیں۔ ہمیں بھی چاہیے کہ ہم اپنے معاملات اسکے سپرد کر دیں اور اس پر توکل کرتے ہوئے اسباب کا انتظام کریں (انشاء اللہ تعالیٰ ان آیات کے ورد سے ہر طرح کی حفاظت ملے گی)۔

435- وَهُوَ الۡعَلِىُّ الۡعَظِيۡمُ :-

وَهُوَالۡعَلِىُّ الۡعَظِيۡمُ کے معنوں کا عرفان اس بات کو دل وجان سے تسلیم کرنے میں ہے کہ اس کی ذات پاک لا انتہا بلند مرتبہ عظمت والی ہے۔ وہ لامحدود طور پر رفعت وکمال اور عظمت وجلال کا مالک ہے۔ اس کے سامنے باقی سب کچھ ہیچ ہے۔ تمام زبانوں کے الفاظ، تمام مخلوقات ملائکہ، جن وانس کی تسبیحات، اسکی شان بیان کرنے کے لئے ناکافی ہیں۔ اگر تمام سمندر سیاہی بن جائیں اور تمام درخت قلم تو میرے رب کی باتیں نہ لکھی جاسکیں اگرچہ ایسا بار بار ہوتا رہے۔ جدید سائنس اللہ تعالیٰ کی عظمت کی سب سے بڑی گواہ خود ہے کہ باوجود کروڑوں سائنسدانوں کی دن رات کی محنت کے، بڑے سے بڑا سائنس دان بھی یہی کہتا ہے کہ انسان کا کائنات کے متعلق علم ایسے ہی ہے جیسے ریت کا ایک ذرہ زمین کے مقابلے میں ہو۔

یاد رہے کہ مخلوقات میں صرف انسان ہی وہ ہستی ہے جسے اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے عرفان کے لئے پیدا کیا ہے اور اسکی عظمت کو اپنی عظمت کے ادراک سے منسلک کر دیا ہے۔ چونکہ کون ومکاں میں رب العالمین کی عظمت کا جو عرفان سرور کائنات ﷺ کو حاصل تھا وہ بے مثال ہے لہٰذا مخلوقات میں آپ کی عظمت بھی بے مثال ہے اور آپ کی سنت طیبہ کی اتباع ہی سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوسکتی ہے۔ چونکہ

آپ کی بعثت نے ہر چیز کو واضح کر دیا اور راہ حق کو منور کر کے دکھا دیا اس لئے اب کسی کو دین کے مسئلہ میں مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ اس لحاظ سے اگلی آیہ مبارک انسانیت کے لئے مذہبی آزادی کا بین الاقوامی چارٹر ہے۔ فرمایا.....

لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ
قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ
فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ
فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ
لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

256- (اب) دین میں کوئی جبر نہیں،
تحقیق ظاہر ہوگئی ہے ہدایت گمراہی سے۔
پس جس نے انکار کیا طاغوت کا،
اور ایمان لایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ،
اس نے یقیناً پکڑا ایک نہایت مضبوط سہارا،
کبھی نہیں ٹوٹے گا یہ سہارا،
اور اللہ تعالیٰ نہایت سننے والا جاننے والا ہے۔

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوْتُ
يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ
اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ
هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

257- اللہ تعالیٰ ولی ہے ان کا جو ایمان لائے،
وہ نکالتا ہے انہیں اندھیروں سے نور کی طرف،
اور جو لوگ کافر ہوئے،
ان کا دوست ہے طاغوت
وہ انہیں نکالتا ہے نور سے ظلمت کی طرف،
یہی وہ لوگ ہیں جو آگ کے ساتھی ہیں،
وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

436- بنیادی انسانی حق، مذہبی آزادی:۔

آیۃ مبارکہ 256 کا فرمان... **لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ۔ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ** دنیا بھر کے لئے مذہبی آزادی کا شاندار مدلل عالمی اعلان (Universal Charter of Tolerance and Freedom of Religion) ہے۔ اب جبکہ آخری نبی تشریف لے آئے ہیں، حق اور باطل میں فرق واضح ہو چکا ہے، دین فطرت کو دلائل اور عمل سے سمجھا دیا گیا ہے اس حجت کے بعد کسی کو اس کی مرضی کے خلاف مذہب کے مسئلہ میں مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ اب انسان کو اپنی عقل، سمجھ اور اختیار کو استعمال کرتے ہوئے

اپنے لئے دین کا فیصلہ خود ہی کرنا ہو گا۔ اگر مجبور ہی کرنا ہوتا تو اللہ تعالیٰ انہیں اختیار نہ دیتا اور فطرتی طور پر سب انسانوں کو دین اسلام پر پیدا کر دیتا۔ جب اس نے ایسے نہیں کیا تو پھر کسی اور کو بھی یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کسی کو دین کے مسئلہ میں مجبور کرے۔ البتہ دین کی تبلیغ آدمی کا آدمی پر انسانی حق ہے اور مومن کا فرض ہے کہ وہ دوسروں کو جہنم سے خبردار کرے۔ بے شک انسانیت کی سب سے بڑی خدمت کسی کو دوزخ کی آگ سے بچانا ہے۔ لیکن ہدایت کے لئے زبردستی کرنا جائز نہیں۔

437- مضبوط ترین سہارا:-

آیۃ مبارکہ 256 میں نہایت خوبصورت استعارہ سے دین اور کفر کا فرق واضح کیا گیا ہے۔ فرمایا... **وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا** ۔ دین اسلام **اَلْعُرْوَةُ الْوُثْقٰى** ، ہے جو ایک نہ ٹوٹنے والا مضبوط سہارا ہے۔ جسے پکڑ کر انسان تمام مشکلات اور رکاوٹوں پر قابو پا کر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر سکتا ہے۔ اس کا ایک سرا علیین میں ہے اور دوسرا مومن بندہ کے ہاتھ میں ہے۔ اس شک وشبہ سے بالاتر، نہ ٹوٹنے والے سہارے کو پکڑ کر انسان دوزخ کے اوپر سے چھلانگ لگا کر با آسانی جنت میں پہنچ سکتا ہے۔ اس کے برعکس باطل ایک کمزور سہارا ہے جو ٹوٹے ہی ٹوٹے اور آدمی کو دوزخ میں لے ڈوبے گا۔

438- اللہ ولی اور اللہ کے ولی:-

آیۃ مبارکہ 257 میں ہر مسلمان کیلئے زبردست خوشخبری ہے کہ **اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ**.... جب اللہ تعالیٰ تو ہر اہل ایمان کا ولی ہے تو چاہیے کہ ہم بھی جلدی سے بڑھ کر اسکے ولی بن جائیں۔ جب وہ ہمیں اندھیروں سے اجالوں کی طرف لے کر جانا چاہتا ہے تو پھر ہم کیوں اندھیروں میں رہیں۔ لوگ اللہ تعالیٰ کو پیروں فقیروں کے پاس ڈھونڈتے پھرتے ہیں کیوں نہ ہم بلا واسطہ اپنے رب کے مقرب بن جائیں۔

آیۃ مبارکہ 257 میں یہ بھی بتایا گیا ہے منافقوں اور کافروں کے دوست سرکش شیطان صفت لوگ ہیں جو انہیں اجالوں سے ظلمتوں کی طرف اور بالآخر اپنے ساتھ انہیں جہنم میں دھکیل کر لے جاتے ہیں۔ ان سے بچنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے دوستوں کے ساتھ دوستی رکھیں اور حق وباطل کے فرق کو سمجھ جائیں۔ لیکن ہمارے زمانہ کا بڑا المیہ ہے کہ باطل حق کا لبادہ اوڑھ کر سامنے آتا ہے اور لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اس سے بچاؤ کی یہی صورت ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے محبت کریں اور اپنے اندر مومن کی فراست پیدا کریں جو قرآن کریم اور سیرت طیبہ ﷺ کے مطالعہ سے ہی آتی ہے۔

439- اللہ تعالیٰ کا نور:-

آیہ مبارک 257 میں نہایت شاندار کلمات میں فرمایا گیا ہے کہ **اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ**

اَلَی النُّوْرِ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو قلب اللہ تبارک تعالیٰ پر ایمان سے خالی ہے وہ تاریکی میں ڈوبا ہوا ہے۔ ایمان کی مثال نور کی ہے اور کفر کی مثال ظلمت کی۔ جیسے جیسے انسان کا اللہ تعالیٰ پر ایمان مضبوط ہوتا جاتا ہے ویسے ویسے ہی اس کا دل روشن ہوتا جاتا ہے۔ اور وہاں بے اطمینانی کی بجائے سکون چھا جاتا ہے۔ (**الابذکر اللہ تطمئن القلوب**)(الرعد) "بے شک اللہ تعالیٰ کے ذکر میں تمہارے دلوں کے لئے چین ہے"۔ یہ ایمان کا ٹیسٹ ہے۔

ایمان کا الٹ کفر ہے، جو قلوب کیلئے مانند تاریکی ہے۔ جس پر یہ تاریکی چھا گئی وہ اپنی منزل کھو دیتا ہے، انتشار کا شکار ہو جاتا ہے، اسے سیدھا راستہ نظر نہیں آتا اور وہ زندگی بھر اندھیروں میں بھٹکتا رہتا ہے۔ اسی ذہنی انتشار کے ساتھ بالآخر دوزخ کی آگ میں گر جاتا ہے جہاں سے وہ کبھی بھی نہیں نکل سکتا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی دعوت قبول کرتے ہوئے ہمیں اپنے دلوں کو اس کے نور سے منور کرنے کی طرف دھیان کرنا چاہیے، اس کے لئے موقع یہی دنیاوی حیات کا وقت ہے۔

یہ کہ اللہ تعالیٰ کا نور کیا ہے؟ اس کی مثال روشنی سے دی جاتی ہے لیکن یہ دنیاوی مادی روشنی نہیں بلکہ اس سے لامحدود دفعہ زیادہ لطیف اور حساس روحانی لہر ہے۔ جیسے روشنی چیزوں پر ٹکرا کر آنکھ میں منعکس ہو کر دماغ میں انکا شعور پیدا کرتی ہے ویسے ہی اللہ تعالیٰ کے نور سے آدمی کو حق اور باطل کا شعور حاصل ہوتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ روشنی تو صرف چیزوں کے ظاہر کا عکس دماغ پر ڈالتی ہے، اللہ تبارک تعالیٰ کا نور چیزوں کے ظاہر اور باطن دونوں کو روشن کر دیتا ہے۔ دراصل نور اللہ تبارک تعالیٰ کی ذات پاک سے ہے۔ جس نے کائنات اور مافیھا سب کا اندر اور باہر سے احاطہ کیا ہوا ہے۔

جدید سائنس نے ایک ایسا لطیف ذرہ دریافت کیا ہے جسکو نیوٹرینو (Neutrino) کا نام دیا گیا ہے ان کی تعداد بے حساب اور طاقت لاجواب ہے۔ سائنسدانوں کا حساب یہ بتاتا ہے کہ فی سیکنڈ فی مربع میٹر کروڑوں کی تعداد میں زمین کے آر پار ہوتے رہتے ہیں۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق کا حال ہے۔ یہیں سے آپ اللہ تعالیٰ کے نور کا تصور کر لیں کہ وہ کیا بے مثل چیز ہوگی ہے جسکا منبع خود ذات پاک ہے۔

جیسے روشنی سے دیکھنے کے لئے بصارت چاہئے، اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھنے کیلئے بصیرت چاہئے اور ان دونوں میں بہت فرق ہے۔ جبکہ بصارت جسم کی صفت ہے، بصیرت کا تعلق روح سے ہے۔ جس روح میں جس قدر بصیرت زیادہ ہوگی اسی نسبت سے وہ عالم غیب کا زیادہ عرفان رکھتی ہے اور چیزوں کے ظاہر اور باطن کا شعور رکھتی ہے یعنی مومن چیزوں کو اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے جبکہ ظاہر بین انہیں روشنی سے دیکھتا ہے۔ جیسے جیسے بصیرت میں ترقی ہوتی جاتی ہے آدمی میں اسی نسبت سے حق اور باطل کے فرق کو سمجھنے کی فراست بڑھتی جاتی ہے اور مخلوقات کا اصل اس پر واضح ہونے لگتا ہے۔

یہ سوال کہ روشنی کی رفتار تو 186000 میل فی سیکنڈ کی ہے نور کی کیا رفتار ہے؟ اسکا جواب یہ ہے کہ نور کا تعلق اللہ پاک کی ذات

سے ہے جو ہر جگہ ہے اس لئے نور کو سفر نہیں کرنا پڑتا، بلکہ ہر چیز پہلے ہی سے اس سے منور ہے اور ہر چیز کا شعور اسکے اندر ہی ہے۔اس لئے کوئی چیز اربوں نوری سال دور ہو یا ہماری شہ رگ کی طرح قریب ' اس کے لئے دونوں برابر ہیں۔

(For more details please see appendix ii,iii,iv,v)

440-طاغوتی طاقتوں کی مثال۔ ایمان اور کفر کا موازنہ:۔

اگلی آیتہ کریمہ ایک عظیم صاحب بصیرت کے حالات (Case History) کے حوالہ سے ہے۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے جن کا ایمان مثالی ہے۔ان کے مدمقابل ایک طاقتور مغرور بادشاہ تھا جو اپنے کفر کی ظلمتوں میں گرفتار تھا کا نام نمرود تھا اور اپنے آپ کو رب کہلاتا تھا۔دراصل طاغوت کی یہ روایت ہمیشہ سے یونہی چلی آرہی ہے، اس کا نام نمرود ہو، فرعون ہو یا ہامان، سرمایہ داری ہو یا کمیونزم، پہلے وہ رب کائنات کا انکار کرتے ہیں اور پھر لوگوں کو اپنا غلام بنانے کیلئے اپنے آپ کو رب بنا کر پیش کرتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کے بندے سنت ابراہیمی کے مطابق انتہائی نامساعد حالات میں بھی حق اور دلیل کے ساتھ ان کا مقابلہ کرتے جاتے ہیں۔فرمایا......

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَٰهِمَ فِي
رَبِّهِ أَنْ آتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ
إِذْ قَالَ إِبْرَٰهِمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ
قَالَ أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ
قَالَ إِبْرَٰهِمُ فَإِنَّ اللَّهَ
يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ
فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ
فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ
وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّٰلِمِينَ ۝

258- کیا آپ نے نہیں دیکھا (غور نہیں کیا)
اس شخص کو جو حضرت ابراہیم سے
جھگڑا کرتا تھا، اس کے رب کے بارے۔
اللہ نے اسے حکومت عطا کی تھی۔
جس وقت ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا،
"میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے"
تو وہ (جھٹ سے) بولا،
"میں (بھی تو) زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں"۔
(اس پر) ابراہیم علیہ السلام نے (دلیل کو بدل کر) کہا،
"بے شک میرا رب لاتا ہے سورج کو مشرق سے،
پس تو لے آ اسے مغرب سے"
تو وہ کافر مبہوت ہو گیا۔
یقیناً اللہ تعالیٰ ظالموں کو راہ ہدایت نہیں دکھاتا۔

441- دلائل کی قوت:-

آیات مبارکہ 259-258 ایک شاندار جدوجہد کی منظر کشی کر رہی ہیں۔حق و باطل کا عجب معرکہ تھا۔ایک طرف مغرور کافر بادشاہ تھا جو اپنے آپ کو رب کہلاتا تھا دوسری طرف ایک نوجوان (علیہ السلام) نشہ وحدت میں مخمور کھڑا تھا۔ بادشاہ کے ساتھ دنیا کی ساری طاقت تھی اور حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ اپنے رب کی عطا کی ہوئی حکمت اور ہدایت۔آپؑ نے اسکے خدائی کے دعویٰ کو چیلنج کرتے ہوئے بھرے دربار میں کہا رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ "میرا رب تو وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔تو اپنے آپ کو رب کیسے کہلاتا ہے"؟۔اس پر نمرود جھٹ سے بولا۔"میں بھی تو یہ کام کرتا ہوں جس کو چاہوں مار دیتا ہوں اور جسے چاہوں چھوڑ دیتا ہوں" اور واقعی اس نے ایک بیگناہ کو قتل کر دیا اور ایک پھانسی لگے کو چھوڑ دیا۔اس پر حضرت ابراہیمؑ نے اندازہ کر لیا کہ نمرود کی مغرور کھوپڑی میں یہ بات نہیں آئے گی تو فوراً دلیل کو بدلا اور کہا "میرا رب زمین پر مشرق سے سورج طلوع کرتا ہے تم اگر اپنے رب ہونے کے دعوے میں سچے ہو تو پھر اس نظام کو بدل ڈالو۔سورج کو مغرب سے طلوع کر کے دکھاؤ"۔اس شاندار دلیل کا اسکے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔شرمندگی سے ادھر ادھر دیکھنے لگا اور جیسا کہ ظالموں کی عادت ہے کہ ایسے موقع پر وہ اپنے ظلم پر اتر آتے ہیں نمرود نے بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

اس آیۃ مبارکہ میں مسلمانوں کے لئے ایک زبردست نصیحت اور سبق ہے کہ دشمن کو دلیل سے مارو، اس سے بڑا کوئی اور ہتھیار نہیں۔اس لئے آج مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان کے علماء سائنس اور علماء قرآن کریم اسلام کی حقانیت کو سائنسی لحاظ سے ثابت کریں تاکہ کم از کم وہ لوگ جو اسکے بارے غلط فہمیوں میں مبتلا ہیں وہ تو راہ راست پر آ کر ہمارے ساتھی اور بھائی بن جائیں۔مسلمانوں کے ذمہ اللہ تعالیٰ نے یہ کام لگایا ہے کہ وہ انسان کو جہنم کی آگ سے بچالیں۔جنہیں ہم کافر کہتے ہیں ان کافروں میں بھی بہت سے ایسے ہیں جن کے دل ہدایت کے لئے ابھی بند نہیں ہوئے۔وہ اپنے کفر پر اس لئے قائم ہیں کہ ان کو کوئی رہبر نہیں ملا یا دلائل سے سمجھایا نہیں گیا۔ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ ضرور ہدایت کے مواقع عطا فرماتا ہے اور ان کی زندگی میں ایسے کئی واقعات وحالات پیش آتے ہیں جن پر غور وفکر کے بعد وہ راہ راست پر آ سکتے تھے۔

مندرجہ ذیل آیۃ کریمہ میں ایسی ہی ایک مثال (Case History) ہے۔کسی آدمی کو ہدایت کی جستجو تھی، اللہ تعالیٰ نے اسے حیات بعد الموت کا عملی تجربہ کر کے دکھایا تاکہ وہ ہدایت پالے۔ فرمایا.....

أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَىٰ قَرْيَةٍ	**259- (کیا آپ نے غور نہیں کیا) اس شخص پر جو**
وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا	**ایک گاؤں کے پاس سے گذرا،**
قَالَ أَنَّىٰ يُحْيِي هَٰذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا	**اور وہ (گاؤں) اپنی چھتوں کے بل گر چکا تھا،**
فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ	**تو وہ بولا، "اس موت (تباہ و بربادی) کے بعد**

ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ
قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ
قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ
فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ
وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ
وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ
وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ
وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا
ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ
فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ
اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

اللہ اسے کیسے زندہ کرے گا"؟ پس موت دی اللہ تعالیٰ
نے اسے ایک سو سال تک، پھر اسے دوبارہ زندہ کر دیا۔
کہا، تم کتنا عرصہ اس حالت میں رہے ہو؟
بولا، میں ایک دن یا اس سے بھی کم عرصہ رہا ہوں گا۔
"کہا، بلکہ تم (اس حالت میں) ایک سو سال رہے ہو،
پس دیکھو تم اپنے کھانے کو اور پینے کو،
وہ خراب نہیں ہوئے،
اور دیکھو تم اپنے سواری کے) گدھے کی حالت
تا کہ ہم تمہیں لوگوں کے لئے ایک نشانی بنا دیں،
اور اب تم (گدھے کی) ہڈیوں کی طرف دیکھو،
ہم کیسے انہیں ترتیب سے اٹھاتے ہیں،
پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں"،
پس جب یہ سب اس کے سامنے ظاہر ہوا،
تو بولا۔ "میں اب سمجھا اللہ تعالیٰ ہر چیز
پر قادر ہے"۔

442-حیات بعد الموت:-

حیات بعد الموت ایک ایسی حقیقت ہے جسے سمجھنا آسان نہیں۔ اس لئے اس پر من وعن یقین اور اعتقاد رکھنا ہی عقل کی بات ہے۔ جیسے کوئی کبھی اپنے باپ کے بارے میں ثبوت نہیں مانگتا بس ایک یقین ہے کہ وہ میرا باپ ہے۔ اسی طرح ہم روزمرہ کی زندگی میں بے شمار چیزوں کو بلا ثبوت مانتے ہیں مثلاً تار میں بجلی کا سبب اس میں سے بہتے ہوئے الیکٹران ہیں یا ٹیلی ویژن پر نظر آنے والی تصویریں کمرے کی فضا میں بھی موجود ہیں ہمارے احساس کو ان کا ادراک نہیں، لیکن ہم ان سب کو اسلئے مانتے ہیں کہ سائنس دانوں نے ہمیں ایسا ہی بتایا ہے۔ اگر دنیا کی سچائیوں کے بارے میں ہمارے ایمان کی بنیاد سائنس دان ہیں تو حیات بعد الموت کا محض اس وجہ سے انکار کہ یہ ہمارے تجربہ کی بات نہیں یا ہماری سمجھ میں نہیں آتی، بڑی غیر سائنسی بات ہے۔ ہماری عقل تو ہمارے اردگرد موجود لاکھوں چیزوں کے سمجھنے

سے قاصر ہے تو کیا ہم اس وجہ سے ان سب کے وجود کا انکار کر دیں گے؟ اگر ہم سائنسدانوں کی باتوں پر بلا تامل یقین کر لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے سفیروں کی باتوں کو کیوں نہ مانیں جوان سے ہزاروں درجہ زیادہ سچے اور ہمارے ہمدرد انسان تھے؟ (تفصیل کے لئے ہماری کتاب ''قیامت اور حیات بعد الموت'' کا مطالعہ کریں) (For more details please see appendix vii,viii)

443- سچی جستجو کو مطمئن کیا جاتا ہے:-

آیۃ مبارکہ 259 میں ایک ایسے ہی آدمی کا ذکر ہے جو حیات بعد الموت کے عقیدہ پر حیران تھا، وہ یہ جاننا چاہتا تھا کہ موت کے بعد زندگی کیسے ممکن ہے۔ چنانچہ جب اس نے ایک کھنڈر گاؤں کو دیکھا تو دل میں سوچنے لگا کہ اللہ تعالیٰ اس تباہ شدہ گاؤں کو کیسے زندہ کرے گا؟ لیکن وہ اپنی جستجو میں مخلص تھا اور مخلص جستجو کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ مایوس نہیں کرتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے موت دی اور ایک سو سال بعد دوبارہ زندہ کر دیا۔ یوں اسے حیات بعد الموت کے عملی تجربہ سے گزارا۔ اگرچہ سو سال گزر چکے تھے لیکن اسے بالکل اس بات کا احساس نہیں تھا جو اس بات کا ثبوت ہے کہ وقت کا ادراک زندگی کے ساتھ ہے، حالت موت میں وقت جم جاتا ہے، اربوں سال کے بعد بھی جب آدمی دوبارہ اٹھے گا تو اسے یونہی محسوس ہوگا جیسے کل کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو یہ بھی دکھایا کہ عام حالات میں گلنے سڑنے والی چیزیں مثلاً اسکا کھانا پینا بھی ایک سو سال تک یونہی تازہ رہا، البتہ اس کے گدھے کی صرف چند ہڈیاں باقی رہ گئی تھیں۔ یوں اللہ تعالیٰ نے پہلے تو اس شخص کو موت کی حقیقت کو تجرباتی طور پر دکھایا اور پھر ان گلی سڑی ہڈیوں میں دوبارہ جان ڈال کر اسے حیات بعد الموت کا منظر دکھایا۔ اس کا گدھا اس کے سامنے زندہ ہو گیا۔ یوں اس نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ کر سکتا ہے اور وہ مردہ کو زندہ اور زندہ کو مردہ کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ اس واقعہ میں مبلغین دین کے لئے بھی سبق ہے کہ اپنے مخالف کو ہر طرح کے دلائل اور ثبوت دیکر مطمئن کرنے کی کوشش کی جائے۔ اگر رب تعالیٰ یہاں تک چلا جاتا ہے تو ہم معمولی انسان کیوں نہ خوش دلی سے کوشش کریں کہ مخالفین پر دین کی باتیں واضح ہو جائیں۔

444- دوبارہ زندگی اور کلوننگ (Cloning):-

آیۃ مبارکہ میں جس واقعہ کی تفصیل بتائی گئی ہے اگرچہ وہ ایک معجزاتی واقعہ ہے لیکن ایسی مثالوں سے ہمیں یہ بھی سبق ملتا ہے کہ حیات بعد الموت کا تعلق صرف قیامت کے بعد آنے والی دنیا ہی سے نہیں بلکہ موت کا پلٹ جانا اس زمین پر بھی ممکنات میں سے ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ قیامت کے بعد کی زندگی مستقل ہے اس کے بعد موت نہیں لیکن زمینی حیات ہر بار عارضی ہے۔ جینز کی انجینئرنگ (Genetic Engineering) میں پچھلے بیس تیس سال سے جو سائنسی تجربات ہوئے ہیں ان سے یہ چیز تو عیاں ہے کہ کسی جاندار کے جرثومہ کو محفوظ کیا جا سکتا ہے اور ایک لمبے عرصہ کے بعد بھی اگر مناسب ماحول اور توانائی بہم پہنچا دی جائے تو وہ بڑھ کر وہی چیز بن جائے گا جس سے وہ لیا گیا تھا۔ لیکن اس سے پیدا ہونے والا جانور کچھ عرصہ زندہ رہنے کے بعد پھر سے مر جائے گا۔ اس سے لئے گئے جرثومہ کو

دوبارہ بھی محفوظ کیا جاسکتا ہے، یوں حیات، موت اور حیات کا مسلسل عمل جاری ہوسکتا ہے لیکن ہر بار موت بھی یقینی ہے۔اس قسم کی سائنسی دریافتیں دراصل انسانوں کے لئے حیات بعد الموت کے تجرباتی نشان ہیں یعنی اگر انسان یہ کرسکتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کے لئے تو یہ نہائت معمولی بات ہے۔آیہ کریمہ 259 سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ہڈی سے لئے گئے جینز سے نشوونما زیادہ ممکن ہوگی۔شاید اسکی وجہ یہ ہو کہ ہڈی جینز کے لئے ایک مضبوط قلعہ (Strong Store Room) کا کام کرتی ہے۔

(For details see appendix xii, xiii, xiv)

445- خوراک کا محفوظ رہنا:-

آیہ کریمہ 259 میں کھانے پینے کی چیزوں کا سوسال تک خراب ہونے کا ذکر ہے جو اس طرف دلالت کرتا ہے کہ مناسب طریقہ اور ماحول سے چیزوں کو بہت لمبے عرصے تک گلنے سڑنے سے محفوظ رکھا جاسکتا ہے جیسے آج کل ہم کئی ماہ تک ڈیپ فریزر کے ذریعہ گوشت اور سبزیوں کو خراب ہونے سے بچالیتے ہیں۔اسکی وجہ یہ ہے کہ ٹھنڈ میں جراثیمی نشوونما سست پڑجاتی ہے، چونکہ ختم نہیں ہوتی اس لئے ٹھنڈک سے چیزوں کو بہت لمبی مدت کے لئے محفوظ نہیں کیا جاسکتا۔ آیۃ مبار 259 سے ظاہر ہوتا ہے کہ بغیر ٹھنڈ کے بھی ایسا ماحول پیدا کرنا ممکن ہونا چاہیے جس میں چیز خراب نہ ہو۔آج کل نیوکلیئر شعاعوں کے ذریعہ کھانے پینے کی چیزوں کو سالہا سال تک محفوظ رکھنے کے کامیاب تجربات ہوچکے ہیں۔اگر ماحول کو جراثیموں سے بالکل ہی پاک کردیا جائے تو چیزیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بھی خراب ہونے سے محفوظ رہ سکتی ہیں۔قرآن پاک ممکنات کی مثالیں بیان کرتا ہے اب یہ انسان کا کام ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی عقل اور اس کے قوانین کو استعمال کرتے ہوئے وہ ان ممکنات کو حقیقت میں بدل ڈالے۔

446- زوال کے بعد کمال:-

اس واقعہ سے یہ بھی سبق ملتا ہے کہ تباہی اور بربادی کے بعد بحالی ہوسکتی ہے اس لیے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔(سورہ کہف میں بیان کردہ واقعہ سے بھی یہی سبق ملتا ہے) اللہ تعالیٰ جب چاہے حالات کو بدل سکتا ہے۔ مردہ قومیں زندہ ہوسکتی ہیں بشرطیکہ ان میں اپنے حالات بدلنے کی تڑپ پیدا ہوجائے اور بہتری کے لئے وہ اپنے پچھلے گناہوں اور غلطیوں سے توبہ کریں اور مستقبل کے لئے رب العزت سے دعا کرتے رہیں۔

اگلی آیۃ کریمہ 260 میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حوالہ سے بتایا گیا ہے کہ حیات بعد الموت کا مسئلہ صرف عام آدمی کیلئے ہی مشکل نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر نبیوں اور رسولوں کیلئے بھی اسے سمجھنا آسان نہیں تھا۔اس لیے بہتر یہی ہے کہ ہم بلا ثبوت اسکی تصدیق کریں۔البتہ اگر اخلاص نیت سے تحقیق کریں یا سمجھنے کیلئے سوال کریں تو یہ بھی گناہ نہیں۔فرمایا......

وَ اِذۡ قَالَ اِبۡرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیۡ كَیۡفَ تُحۡیِ الۡمَوۡتٰی ؕ قَالَ اَوَلَمۡ تُؤۡمِنۡ ؕ قَالَ بَلٰی وَ لٰكِنۡ لِّیَطۡمَئِنَّ قَلۡبِیۡ ؕ قَالَ فَخُذۡ اَرۡبَعَةً مِّنَ الطَّیۡرِ فَصُرۡهُنَّ اِلَیۡكَ ثُمَّ اجۡعَلۡ عَلٰی كُلِّ جَبَلٍ مِّنۡهُنَّ جُزۡءًا ثُمَّ ادۡعُهُنَّ یَاۡتِیۡنَكَ سَعۡیًا ؕ وَ اعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیۡزٌ حَكِیۡمٌ ۠

260- اور (وہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے) جب ابراہیمؑ نے عرض کی، اے میرے رب دکھا مجھے کہ تو کیسے زندہ کرتا ہے مردوں کو؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ''کیا تم ایمان نہیں رکھتے ہو''؟ (ابراہیمؑ نے) کہا، ضرور ہے، لیکن (میرا یہ سوال) اطمینان قلب کے لئے ہے۔ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا! تو پھر چار پرندے پکڑو، پھر انہیں اپنی طرف مانوس کرو۔ پھر رکھ دو مختلف پہاڑوں پر ان میں سے سب کا ایک ایک ٹکڑا، پھر انہیں اپنی طرف بلاؤ، تو وہ دوڑتے ہوئے آپ کے پاس آئیں گے۔ اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ بڑا زبردست ہے بڑا حکمت والا ہے۔

447- دل کے اطمینان کی خاطر سوال کی ممانعت نہیں:-

آیۃ مبارکہ 259 میں بتایا گیا تھا کہ کیسے ایک تباہ شدہ قوم کے حالات سے متاثر ہو کر کسی نیک انسان نے حیات بعد الموت اور قیامت کے بعد دوبارہ زندگی کے بارے میں حیرانی کا اظہار کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسکے اشتیاق اور سچائی کی جستجو کے سبب اسے حیات بعد الموت کے تجربے سے گزار کر یقین کی دولت عطا فرمائی۔ آیۃ مبارکہ 260 میں اللہ تعالیٰ کے اس عظیم بندہ کا ذکر ہے جسکا نام ابراہیم علیہ السلام اور خطاب خلیل اللہ ہے۔ آپ یقین اور دلیل دونوں کے بادشاہ تھے۔ آپ نے عقل وشعور (Deductive Logic) کی مدد سے اللہ تعالیٰ کی ہستی کو سمجھا اور لوگوں پر ثابت کیا، لیکن عین الیقین کی بھی خواہش تھی۔ آپ کو حیات بعد الموت پر کوئی شک نہیں تھا لیکن دل میں یہ جاننے کی خواہش تھی کہ اللہ تعالیٰ یہ کیسے برپا کرے گا، لہٰذا دل کے اطمینان کی خاطر اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ''اے رب، دکھا مجھے کہ تو کیسے زندہ کرے گا مردوں کو''، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دل کے اطمینان اور اعتقاد کو محکم کرنے کی خاطر علم غیب کے متعلق سوال کرنا، تجسس اور تحقیق کرنا جائز ہے اور اللہ تعالیٰ اس پر ناراض نہیں ہوتے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوال پر اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ چار پرندے پکڑ کر انہیں اپنے آپ سے خوب مانوس کر لو، جب وہ تمہیں اچھی طرح پہچاننے لگیں تو پھر انہیں ذبح کر کے ان کے گوشت کے ٹکڑوں کا قیمہ بنا لو، پھر اس قیمہ میں سے تھوڑا تھوڑا مختلف پہاڑوں کی چوٹیوں پر رکھ دو اور پھر ایک ایک پرندے کا نام لے کر بلاؤ، وہ دوڑتے ہوئے آپ کے پاس آئیں گے۔ جب آپ علیہ السلام نے ایسا کیا تو ان کی آواز پر وہ پرندے معجزانہ طور پر اڑتے ہوئے ان کے پاس آ گئے۔ یوں انہیں مشاہدہ کرایا گیا کہ قیامت کے دن بھی

جب اللہ تعالیٰ ایسے ہی ایک ایک آدمی کو بلائے گا تو اس کے ذرات جگہ جگہ سے لبیک لبیک کہتے اکٹھے ہو کر اپنی پہلی صورت میں آ کر حاضر ہو جائیں گے۔

448- مرنے سے تعلق ختم نہیں ہوتے (ایٹمی یادداشت):۔

آیۃ مبارکہ 260 سے ایک بہت اہم سائنسی نکتہ واضح ہوتا ہے کہ مخلوق کے مرنے کے بعد بھی ان کا رجوع برقرار رہتا ہے، خاص طور پر ان سے جن سے وہ مانوس ہوتی ہیں۔ جس طرح زندگی میں لوگ مقام انس کی طرف رجوع کرتے ہیں، مر کر بھی وہ ادھر ہی کا رخ کریں گے۔ سچ ہے کہ محبت فاتح عالم ہے، آپ محبت سے بلاتے رہیں سخت سے سخت اور مردہ سے مردہ دل بھی آخر کار مائل ہو کر آپ کی طرف آ جائے گا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ انسانوں سے ان کی ماں کی نسبت ستر گنا زیادہ محبت کرتا ہے، اس لئے ہمارا قدرتی رجوع بھی اپنے رب ہی کی طرف ہونا چاہیے۔

آیۃ مبارکہ 260 سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ موت کے بعد یادداشت ختم نہیں ہو جاتی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پرندوں کا چھوٹے سے چھوٹا ٹکڑا بھی اپنی جگہ جانتا تھا کہ کون کسے بلا رہا ہے اور ان کا تعلق جسم کے کس حصہ سے ہے۔ موجودہ سائنس نے یہ دریافت کیا ہے کہ جسم کا ٹکڑا تو بڑی بات ہے خوردبین سے نظر آنے والا انتہائی چھوٹا ذرہ بھی اپنی ذات میں اپنے مالک کی پوری شخصیت کا امین ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ جدید سائنس اس نتیجہ پر بھی پہنچ چکی ہے کہ ذرات (ایٹم) کی بھی یادداشت ہے اور دو ایٹم اگر کبھی اکٹھے تھے تو علیحدگی کے اربوں سالوں بعد بھی وہ اپنے ملاپ کے اثرات کو نہیں بھولتے۔ اگرچہ تھیوری کی حد تک تو یہ نظریہ 1935 سے چلا آ رہا تھا لیکن تجرباتی طور پر 1985 میں فرانس کی پیرس یونیورسٹی میں پہلی دفعہ دیکھا گیا کہ روشنی کے ذرات جو ایک ہی منبع سے نکلتے ہیں ایک دوسرے کو نہ صرف یاد رکھتے ہیں بلکہ کسی غیر مرئی طریقہ سے ان کے درمیان ایک تعلق بھی قائم رہتا ہے (حوالہ New Scientist 1985)۔ جب بھی ان کے رب کا حکم ہو گا وہ سب اس حکم پر اکٹھے ہو جائیں گے۔ لہٰذا موت کے بعد زندگی انہی جانے پہچانے ذرات کا اپنے ڈیزائن کی طرف لوٹ آنے کا نام ہے۔ اگرچہ انسان کو جلا دیا جائے، اسے پانی کے جانور کھا جائیں، گل سڑ کر وہ مٹی کا حصہ بن جائے لیکن اس کے ایٹمی ذرات اپنی پہلی حالت کو کبھی نہیں بھولتے اور نہ ہی وہ اپنے مالک حقیقی سے کبھی غافل ہوتے ہیں۔ اس لئے حیات بعد الموت کے ممکنات پر سوچنے کی بجائے اہم تر بات یہ ہے کہ ہم وہ عمل کریں جس سے حیات بعد الموت کامیاب ہو جائے۔

(For more details please see appendix xii,xiii, ix)

اگلی کچھ آیات کریمہ ان اوامر کے متعلق ہیں، جن پر عمل پیرا ہو کر ہم حیات بعد الموت کو کامیاب بنا سکتے ہیں۔ فرمایا......

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ

261- مثال ان لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں، ایسی ہے جیسے کہ ایک دانہ،

فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کَمَثَلِ حَبَّۃٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ
سَنَابِلَ فِیْ کُلِّ سُنْۢبُلَۃٍ
مِّائَۃُ حَبَّۃٍ ؕ وَاللّٰہُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ ؕ
وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ○

اگیں جس سے سات بالیاں (خوشے)،
ہر ایک بالی (خوشے) میں ہوں سو دانے،
اور اللہ تعالیٰ بڑھا دیتا ہے (اس سے بھی کئی گنا)
جسے وہ چاہتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا،
ہر بات کو جاننے والا ہے۔

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ فِیْ سَبِیْلِ
اللّٰہِ ثُمَّ لَا یُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا
مَنًّا وَّلَآ اَذًی ۙ
لَّھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ ۚ
وَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ○

262- وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں
اپنے مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں،
پھر جو خرچ کیا اس کے پیچھے نہ احسان جتاتے ہیں،
اور نہ ہی دکھ دیتے ہیں، ان کا اجر ان کے رب کے
پاس ہے، ان پر کوئی خوف ہوگا نہ غم۔

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَۃٌ
خَیْرٌ مِّنْ صَدَقَۃٍ یَّتْبَعُھَآ اَذًی ؕ
وَاللّٰہُ غَنِیٌّ حَلِیْمٌ ○

263- (یاد رکھو) اچھی بات کرنا اور درگزر کرنا
بہتر ہے اس صدقہ سے، جس کے پیچھے دکھ پہنچانا ہو۔
اور اللہ تعالیٰ کسی کا محتاج نہیں، وہ بڑا ہی بردبار ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِکُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰی ۙ
کَالَّذِیْ یُنْفِقُ مَالَہٗ رِئَآءَ النَّاسِ
وَلَا یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ
فَمَثَلُہٗ کَمَثَلِ صَفْوَانٍ

264- اے لوگو۔ جو ایمان لائے ہو مت ضائع کرو
اپنے صدقات کو احسان رکھ کر اور اذیت کے ساتھ،
اس شخص کی طرح جو اپنا مال
لوگوں کے دکھاوے کی خاطر خرچ کرتا ہے،
اور اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر یقین نہیں رکھتا ہے۔
سو اس کی مثال تو ایسی ہے کہ جیسے ایک چکنا پتھر ہو،

عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا	جس پر کچھ مٹی ہو، پھر زور کی بارش ہو، سو وہ اسے بالکل صاف کر دے۔
لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا	ایسے لوگ کچھ بھی نہ پا سکیں گے اپنی کمائی سے،
وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ○	اور اللہ تعالیٰ کافروں کو راہ ہدایت نہ دکھائے گا۔

449- اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کیلئے برکات وانعامات:-

اوپر کی آیات میں خرچ کرنے کے آداب بتائے گئے ہیں۔کمانا اور خرچ کرنا ہر انسان کا مشغلہ ہے لیکن نیتوں اور طریقوں میں فرق ہے۔ان میں ایک وہ ہیں جو اپنا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں محض اس کی رضا اور خوشنودی کیلئے خرچ کرتے ہیں اور دوسرے وہ ہیں جو اپنی دنیاوی وجوہ کی خاطر خرچ کرتے ہیں۔آیۂ مبار 261 میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کو اس بیج (Seed) سے تشبیہہ دی گئی ہے جو ایسا صحت منداور حیات پرور ہے کہ اس سے سات بالیوں والا پودا اگتا ہے اور اس کے ہر خوشہ سے سو سو دانے نکلتے ہیں، یعنی اس ایک دانہ کی برکت سے سات سو مزید دانے پیدا ہوتے ہیں۔جیسے کہ آیہ مبارک کے آخر میں فرمایا گیا ہے **وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ** پھل اس سے بھی زیادہ ہو سکتا ہے۔اللہ تعالیٰ جیسے چاہے برکت ڈال دے، وہ بہت وسعت والا، علم والا ہے۔

450- سخی آدمی کی مثال:-

اللہ تعالیٰ کے سخی بندہ کی مثال بھی ایسے ہی زرخیز دانے کی سی ہے کہ وہ اپنی ذات میں ایک پورا ادارہ (Institution) ہوتا ہے۔اس کی بابرکت ذات کے دم سے سخاوت کا عمل جاری رہتا ہے۔اس کی وجہ سے بے شمار لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں اور یوں اس کی زندگی اس کیلئے صدقہ جاریہ بن جاتی ہے۔آیہ مبارک 261 سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے سے مال کم نہیں ہوگا بلکہ بڑھتا ہی جائے گا۔جتنا زیادہ خرچ کرو گے، رب تعالیٰ اس سے کئی گناہ زیادہ عطا کرتا جائے گا۔یہ اس بات کی گارنٹی (ضمانت) ہے کہ جو افراد، خاندان اور اقوام اللہ تعالیٰ کی راہ میں نیک نیتی سے خرچ کرتی ہیں وہ انھیں کبھی بھی مایوس نہیں کرے گا۔ان پر غیب کے خزانوں سے فراوانی رزق ہوتی رہے گی، بات صرف یقین کی ہے۔

451- فی سبیل اللہ کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ کی راہ یعنی فی سبیل اللہ خرچ کرنے کا مطلب صرف مال و دولت ہی نہیں بلکہ اس میں انسان کے تمام تر اسباب اور صلاحیتیں مثلاً مال و دولت، وقت، عقل، صحت وغیرہ شامل ہیں اور ان سب کا اللہ تعالیٰ کی راہ میں اس طرح خرچ کرنا جیسے قرآن حکیم اور

نبی کریم ﷺ نے خرچ کرنے کے لیے کہا لازم ہے۔اس میں اپنی ذات اور اپنے خاندان کی کفالت، مساکین وفقر اور یتامیٰ کی امداد، مخلوقات الٰہی کے فائدے کے کام، اسلام کی تبلیغ کے کام، مبلغین اور مجاہدین اسلام کے لئے ذرائع کا مہیا کرنا، حکومت اسلامی کی امداد وغیرہ ضروری اوامر ہیں اور جو لوگ ایسا کریں گے کبھی بھی گھاٹے میں نہیں رہیں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی جانوں کو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بیچ دیا ہے۔ایسے لوگوں کا کھانا، پینا، پہناوا اور رہائش سبھی عبادت ہیں۔

452- قابل قبول صدقات اور خصوصی انعام:-

آیۃ مبارکہ 262 میں خرچ کرنے کا سلیقہ بتایا گیا ہے کہ وہی صدقات قربانی اور جدوجہد قبول ہوگی جو خالصتاً اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے ہے اور اس کا اجران کے رب کے پاس ہے، فرمایا......**اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ** ...... یہ بہت ہی بڑی بات ہے اور بے حساب اجر کی امید رکھی جا سکتی ہے لیکن اگر مقصد کوئی اور ہے، مثلاً لوگوں پر احسان جتانے کے لئے، ان کی عزت نفس کو مجروح کرنے کے لئے، اپنے اثرات بڑھانے کے لئے، کاروبار کو چمکانے کے لئے یا اپنے نفس کو خوش کرنے کے لئے تو یہ سب کچھ بیکار میں گیا۔ان کا بدلہ وہی دے گا جن کے لئے خرچ کیا گیا۔اگر اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ سے بدلہ کیسا؟ ہاں البتہ اگر اس کی رضا کے لئے خرچ کیا ہے تو پھر اس کے پاس اجر کی کمی نہیں اور جیسے آیہ مبارک 262 میں فرمایا گیا ہے... **وَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَ لَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ** ان کا مزید خصوصی انعام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں مستقبل کے خوف سے آزادی عطا کرتا ہے اور ماضی کے رنج والم کو ان کے دلوں سے نکال دیتا ہے۔ ذہنی تناؤ سے آزادی، قناعت اور اطمینان کی یہ دولت تو انہیں دنیا ہی میں مل جاتی ہے لیکن آخرت میں جو ملے گا اس کا تو حساب ہی نہیں۔

453- عزت نفس:-

آیۃ مبارکہ 263 میں ہدایت کی گئی ہے کہ ''اچھی بات کرنا اور درگزر کرنا بہتر ہے اس صدقہ سے جسکے پیچھے دکھ پہنچانا ہو'' **قَوۡلٌ مَّعۡرُوۡفٌ وَّ مَغۡفِرَةٌ خَيۡرٌ مِّنۡ صَدَقَةٍ يَّتۡبَعُهَاۤ اَذًى** ممکن ہے کہ بعض اوقات آپ کے پاس دینے کے لئے کچھ نہ ہو یا سائل کا رویہ غیر مناسب ہو، ایسے میں بھی اسے جھڑکنا منع ہے اور ڈانٹنا تو ہرگز ہی جائز نہیں بلکہ اس کی غلطی سے درگزر کرتے ہوئے اچھے الفاظ میں معذرت کر لینا زیادہ مناسب ہے۔ یہ اس سے بہت اچھا ہے کہ تنگ آکر آپ سوالی کو کچھ دے بھی دیں لیکن ساتھ ہی اسے ڈانٹ بھی دیں۔حاصل سبق یہ کہ سائل کی عزت نفس کو ہرگز مجروح نہیں کرنا چاہئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ عمل ہے حتیٰ کہ گداگر کی عزت نفس کا خیال رکھنا بھی آپ کی ذمہ داری ہے۔

454- احسان کا صدقہ:-

آیۃ مبارکہ 264 میں واضح کر دیا گیا ہے کہ اے لوگو جو ایمان لائے ہو اپنے صدقات کو احسان رکھ کر یا اذیت دے کر ضائع مت کرو، فرمایا.... **يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُبۡطِلُوۡا صَدَقٰتِكُمۡ بِالۡمَنِّ وَالۡاَذٰى** یہ بہت سخت وارننگ ہے اس لئے اپنا محاسبہ

کرتے رہنا چاہیے کہ کہیں ہمارے غلط رویہ کی وجہ سے ہمارے صدقات زکوٰۃ اورلوگوں کی بھلائی کے دیگر کام ضائع تو نہیں جارہے۔اگر کسی کی امداداس لئے کی کہ وہ آپکا احسان یادرکھے، یا آپ اس پر احسان ڈالیں اور بدلہ طلب کریں یا دینے کے بعد اسے جتائیں اور اس کی عزت نفس کو مجروح کریں تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسا دینا، نہ دینا برابر ہے اور قیامت میں اس کا کوئی اجر نہیں ملے گا بلکہ اس سے کسی کے دل کو جو ایذا پہنچائی تھی اس کا الٹا گناہ ہوگا۔

455- دکھاوے کا صدقہ:-

آیۃ مبارکہ 264 کے مطابق نمائش اورلوگوں کے دکھاوے کی خاطر خرچ کرنے والوں کا حال بھی براہے۔یہ مال ضائع کرنے کے مترادف ہے، کچھ حاصل نہ ہوگا بلکہ اسراف ہے جس کی اپنی سزا ہے۔افسوس کہ آج کل بہت سے نیکی کے کام دکھاوے کے لئے کئے جاتے ہیں جن کی وجہ سے لوگ روحانی اثرات اور برکات سے محروم رہتے ہیں۔دکھاوے کے خرچ سے انسان دنیاوالوں کی داد کا طلب گار ہوتا ہے لیکن داد تو کیا ملے گی وہ الٹے حاسد پیدا کرتا جاتا ہے، اور اللہ تبارک تعالیٰ سے بھی دور ہوتا جاتا ہے۔حضورﷺ نے فرمایا بہترین صدقہ وہ ہے کہ اوپر والے ہاتھ کو نیچے والے ہاتھ کا علم تک نہ ہو، ہاں البتہ اس نیت سے کہ دوسرے لوگوں میں بھی صدقات اور نیکیوں کی عادت پڑے، دکھاوا جائز ہے۔

456- باطل سخی کی مثال:-

آیۃ مبارکہ 264 میں باطل طریقوں سے خرچ کرنے والوں کی مثال ایک چکنے پتھر سے دی گئی ہے جس کے اوپر تھوڑی سی مٹی ہو، اس میں اگرچہ بیج بوتے رہیں، اگے گا نہیں، جب بھی بارش ہوگی یا ویسے ہی پانی دیں گے تو مٹی بہہ جائے گی اور بیج خشک ہو کر مرجائے گا۔ ایسے ہی باطل راہوں پر اور باطل طریقوں سے خرچ کئے گئے مال ضائع ہوجاتے ہیں۔لہٰذا خرچ کرنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ یہ بندوں سے بدلہ (Credit) کیلئے نہ ہو بلکہ خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے ہو۔بہتر شخص وہ ہے جو بدلہ (Credit) کی خواہش کے بغیر دوسروں سے بھلائی کرتا رہتا ہے۔ایسے لوگوں کا تھوڑا عمل بھی بہت اثرات کا حامل ہوگا۔

457- ماہرین زراعت اور ایک سائنسی نکتہ:-

آیۃ مبارکہ 261 میں ایک اہم سائنسی نکتہ ماہرین زراعت کے لئے بھی ہے۔وہ یہ کہ زراعت ایک ایسا شعبہ ہے جس میں سینکڑوں گنا منافع ممکن ہے۔اللہ تعالیٰ جو مثالیں دیتا ہے وہ ہمیشہ حقیقت پر مبنی ہوتی ہیں اس لیے محکمہ زراعت اور کسان حضرات کیلئے آیہ مبارک ایک کھلا چیلنج ہے کہ وہ بیج کی نسبت سے کم از کم سات سو گنا خوراک حاصل کر کے دکھائیں اور اگر وہ کوشش کریں گے تو بفضل تعالیٰ اس سے بھی زیادہ حاصل کرسکتے ہیں۔

آیہ مبارکہ زیادہ فصل حاصل کرنے کیلئے اعلیٰ بیج کی اہمیت کو بھی واضح کرتی ہے۔ یہ بیج ہی کی اپنی خصوصیت ہے کہ اس سے ایک بالی ہوگی یا سات یا اس سے کم یا زیادہ۔ اسی طرح ہر بالی میں کس قدر پھل آئے گا یہ سب باتیں بیج کے اندر ہی پنہاں ہیں۔ لہٰذا بیج کے اوپر جس قدر تحقیق ہوگی اتنا ہی ملک خوشحال ہوگا۔

آیۃ مبارکہ 264 زمین کی خصوصیت کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ پتھروں والی زمین کم فصل دے گی، اسی طرح پانی کے علاوہ مٹی کے پرت کی موٹائی کا بھی زمین کی زرخیزی میں بڑا دخل ہے۔ یعنی، سخت زمین زراعت کیلئے مناسب نہیں۔ اگر صرف اوپر نرم ہو تب بھی پودے کی جڑیں گہرائی میں نہ جانے کی وجہ سے پھل کم آئے گا۔

اب ہم اگلی آیۃ مبارکہ 265 کے پرمغز معانی پر غور کرتے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خالص نیت سے خرچ کرنے والوں کی کیفیت، زراعت کے شعبہ ہی کی ایک اور نہایت عمدہ مثال سے واضح کی گئی ہے۔ فرمایا......

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ
ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ
وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ
اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ
فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۗ
وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ○

265- اور ان لوگوں کی مثال جو اپنے مال
اللہ کی رضا کی تلاش میں خرچ کرتے ہیں، اور اپنے
نفوس کی پختگی سے ایک گھنے باغ کی مانند ہے،
جو بلند اور اعلیٰ درجہ کی زمین پر ہو۔
جب اس پر زور کی بارش پڑے تو دوگنا پھل لائے گا،
پھر اگر نہ بھی زور کی بارش ہو تو ہلکی پھوار بھی کافی ہے۔
اور تم جو کچھ کرتے ہو،
اللہ تعالیٰ اسے خوب دیکھنے والا ہے۔

458- ایمان اور یقین کی ترقی:-

آیۃ مبارکہ 261 میں وہ جو فی سبیل اللہ خرچ کرتے ہیں انہیں اناج کے ایک دانہ سے تشبیہ دی تھی جو بڑھ کر سینکڑوں دانے بن جاتا ہے۔ اسکے بعد آیۃ مبارکہ 265 میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو اپنا مال اللہ کی خوشی اور اپنے نفس کی اصلاح کیلئے خرچ کرتے ہیں فرمایا۔ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ ۔ ان کی مثال ایک گھنے باغ سے دی گئی ہے جو ارد گرد کی زمین سے اونچی اور زرخیز جگہ پر ہو۔ اس کا جو نظارہ ہے وہ تو اپنی جگہ، یقیناً سارے ماحول سے یکتا ہوگا، لیکن اس باغ کے فیض سے جو اللہ

تعالیٰ کی مخلوقات کو فائدہ پہنچتا ہے وہ بھی بے مثال ہے۔ بارش زیادہ ہو یا کم ہو، دونوں صورتوں میں وہ خوب پھل لاتا ہے۔ کیا خوب مثال ہے۔ بارش سے مراد اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے خرچ کیا گیا رزق ہے۔ مومن بندہ امیر ہو یا غریب ہو، وہ ہر حال میں اپنی توانائیاں اور مال و اسباب اپنے رب کی خوشی میں خرچ کرتا رہتا ہے اور جیسے فرمایا گیا" **وَ تثبیتا من انفسھم** "اور پختگی اپنے نفوس کی سے" خرچ کرتے وقت اسکا دل گھبراتا نہیں بلکہ مزید مضبوطی کا باعث بنتا ہے۔ یہ وہ صفت ہے جو اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے، اس لئے چاہیے کہ ہم بھی اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں مضبوط کرتے رہیں اور خرچ کرتے وقت دل چھوٹا نہ کریں۔

آیۃ مبارکہ 265 سے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے اور دلوں میں ایمان کی پختگی کا تعلق بھی ظاہر ہوتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے ایمان کی قوت بڑھتی جاتی ہے۔ اگر خرچ کرتے وقت دل میں تنگی محسوس ہو تو سمجھ لیں کہ ابھی دل میں ایمان پختہ نہیں ہوا۔ بخل کی اس بیماری کا علاج اللہ کی راہ میں مزید خرچ کرنے اور اسکے وعدوں پر یقین پختہ کرنے میں ہے۔

459- ایک زرعی نکتہ:-

آیہ مبارک میں زرعی سائنس دانوں اور کاشتکاروں کے لئے بھی ایک اہم سائنسی نکتہ ہے کہ باغات کے لئے بہترین زمین وہ ہے جو اردگرد کی سطح سے بلند ہو اور خوب زرخیز بھی۔ ایسی جگہ دھوپ بلا رکاوٹ پہنچتی ہے اور شبنم وغیرہ بھی خوب پڑتی ہے، بارش اگر زیادہ ہو تو پانی ٹھہرتا نہیں۔ اس کے برعکس نشیب زمین باغات کے لئے نسبتاً غیر موزوں ہے۔ پانی کی نکاسی نہ ہونے کی وجہ سے باغ سوکھ جائے گا اور سورج کی روشنی بھی وہاں کم پہنچتی ہے، جس کا اثر بذات خود منفی ہے۔ یہی حال آدمیوں کا ہے۔ بلند حوصلہ اور بلند کردار لوگوں کے کام بھی بڑے ہوتے ہیں۔

آیت مبارک 265 کے آخر میں دوبارہ یاد دہانی کرائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے حال سے خوب واقف ہے۔ **وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ** وہ ہمارے دلوں کے راز جانتا ہے۔ ہم جو کچھ اس کی راہ میں دیتے ہیں وہ اسے بھی دیکھتا ہے، ہمیں بھی دیکھتا ہے اور اسے بھی جس کو دے رہے ہیں، اس لئے ڈھنڈورہ پیٹنے کی ضرورت نہیں۔

اگلی آیہ کریمہ 266 میں بھی انسان کے اعمال کو باغ سے تشبیہ دے کر یاد دہانی کروائی گئی ہے کہ اپنی غلط نیتی سے انہیں ضائع نہ کریں۔ اگر ایسا ہوا تو آخر کار سوائے شدید محرومی اور مایوسی کے اور کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔ فرمایا......

اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ	**266-** کیا تم میں سے کوئی یہ چاہے گا، کہ اس کا ایک سرسبز و شاداب گھنا باغ ہو،
مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ اَعْنَابٍ	کھجوروں کا اور انگوروں کا،

تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ
لَهٗ فِیْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ
وَ اَصَابَهُ الْكِبَرُ وَ لَهٗ ذُرِّیَّةٌ ضُعَفَآءُ ۚ
فَاَصَابَهَاۤ اِعْصَارٌ فِیْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ؕ
كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ
لَكُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۟

جس کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں،
اور اس باغ کے اندر تمام اقسام کے میوے ہوں،
اور وہ بوڑھا ہو چکا ہو،
اور ابھی اس کی کمزور اولاد بھی ہو۔
ایسے حالات میں اس (باغ) پر ایک آندھی کا بگولہ آئے،
اور اس (بگولے) میں آگ بھی ہو،
تو وہ باغ جل جائے،
اللہ تعالیٰ اسی طرح تمہارے لئے
کھول کر اپنی نشانیاں بیان فرماتا ہے،
تا کہ تم غور وفکر سے کام لو (اور راہ راست پر آجاؤ)۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا
اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ
وَ مِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۪
وَ لَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ
مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ
وَ لَسْتُمْ بِاٰخِذِیْهِ
اِلَّاۤ اَنْ تُغْمِضُوْا فِیْهِ ؕ
وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ ۟

267- اے ایمان والو جو تم نے محنت سے کمایا،
اس میں سے عمدہ اور بہتر چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو، اور اس میں سے بھی جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا ہے،
اور خراب اور ردی چیز کا قصد بھی نہ کرو،
حالانکہ تم خود بھی اسے لینے والے نہیں،
مگر چشم پوشی اور کراہت کے ساتھ۔
اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ (تمہارے مال سے)
بے نیاز ہے۔ سب حمد وثنا کے لائق وہی ہے۔

اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُكُمُ الْفَقْرَ
وَ یَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ
وَ اللّٰهُ یَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَ فَضْلًا ؕ

268- شیطان تمہیں محتاجی سے ڈراتا ہے،
اور حکم دیتا ہے تمہیں معصیت اور برائی کا،
اور اللہ تعالیٰ تم سے وعدہ کرتا ہے،

وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيۡمٌ ۝ اپنی مغفرت اور رزق میں کشائش کا۔

اور اللہ تعالیٰ بڑی وسیع قدرت والا، نہایت علم والا ہے۔

460-حاصل زندگی:-

آیتہ مبارکہ 266 میں زندگی کا پورا پروگرام واضح کر دیا گیا ہے۔ کیا کمایا، کیا گنوایا۔ آدمی کی مثال ایک مالی سی کی ہے۔ ہم سب اپنے اعمال کے پودے لگا رہے ہیں جو بڑھ کر ایک ہرا بھرا ثمر آور ہماری سنہری امیدوں کا باغ بن جاتا ہے۔ ہماری اولادیں، مال و دولت، جائیداد مکان، دوست یار، شہرت اور زندگی کی دیگر سہولیات اسی باغ کا حصہ ہیں۔ اس امید پر کہ یہ ہمارے کام آئیں گے انہی پر محنت کرتے کرتے بوڑھے ہو جاتے ہیں۔ فرض کرو کہ اخیر زندگی ہو، چھوٹی چھوٹی اولاد ہو اور اچانک تمام ذرائع چھن جائیں، کیسی مایوسی ہو گی؟ آیہ مبارک میں ایسے ہی ایک آدمی کی مثال ہے جو ساری عمر ایک خوبصورت باغ لگا تا رہا جب وہ بوڑھا ہو گیا تو خوش ہوتا کہ یہ باغ اس کے بچوں کے کام آئے گا لیکن اچانک ایک آگ کے بگولہ نے اس باغ کو جلا کر خاکستر کر دیا۔ اس وقت اسکی مایوسی کی انتہا نہیں تھی۔

یہ نشانی ان لوگوں کیلئے نہایت غور طلب ہے جو حیات بعد الموت کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی زندگی کو لہو ولعب میں گزار دیتے ہیں اور اپنی حیات نو کے لئے آگے کچھ نہیں بھیجتے۔ موت کا بگولہ ان کی زندگی بھر کی کمائی کو جلا کر راکھ کر دے گا اور وہ نہائت مایوسی اور بے چارگی کے عالم میں دوسری دنیا میں داخل ہوں گے۔ کاش کہ ہم غور و تدبر سے کام لیکر اپنے آپ کو اس ہلاکت سے بچالیں۔

461- اچھی اشیاء کا صدقہ:-

آیتہ مبارکہ 267 میں کھل کر بتایا گیا ہے کہ موت کے بعد کی زندگی، عالم قبر، عالم برزخ، حشر اور حشر کے بعد کی زندگی کے لئے اگر کچھ چاہتے ہو تو اپنی محنت کی کمائی سے اچھی اچھی چیزیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر کے آگے محفوظ کرالو۔ **اَنۡفِقُوۡا مِنۡ طَيِّبٰتِ مَاكَسَبۡتُمۡ** اگر بیکار چیزیں آگے بھیجو گے تو وہاں انہی کو پاؤ گے۔ افسوس کہ کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں حاجت مندوں کو وہ چیزیں دیتے ہیں جنہیں وہ خود استعمال کرنا پسند نہیں کرتے، ایسے آدمی دراصل اپنی آخرت کے لئے ردی جمع کر رہے ہوتے ہیں۔

462- شیطان محتاجی سے ڈراتا ہے:-

آیتہ مبارکہ 268 میں بتایا گیا ہے کہ شیطان آدمی کو محتاجی کے خوف سے ڈراتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے سے اس کا مال کم ہو جائے گا، بلکہ انسان کو حرام ذرائع سے، دوسروں کا حق چھین کر اپنی دولت بڑھانے کی ترغیبات دیتا رہتا ہے۔ **يَعِدُكُمُ الۡفَقۡرَ وَيَاۡمُرُكُمۡ بِالۡفَحۡشَآءِ** افسوس کہ اکثر لوگ اس کے داؤ اور دباؤ میں آ کر اس کی خواہش کے مطابق زندگی گزار رہے ہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ انسان سے اپنی مغفرت اور فضل کا وعدہ کرتا ہے کہ اس کی راہ میں مال خرچ کرنے سے کم نہیں ہوتا بلکہ بڑھتا ہے، لیکن بدقسمت انسان پھر بھی اسکی راہ میں دینے سے جھجکتا ہے۔

463- دوطرح کے مال:-

آیۃ مبارکہ 267 میں ایک اور قابل غور نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مال کی دوقسموں کا ذکر کیا ہے، ایک وہ جو انسانی محنت کے نتیجے میں حاصل ہوتا ہے۔ جسکے بارے میں کہا اَنۡفِقُوۡا مِنۡ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبۡتُمۡ "اے ایمان والو جو تم نے اپنی محنت سے کمایا اس میں سے خرچ کرو" اس میں زراعت، مزدوری، انڈسٹری اور تجارت وغیرہ شامل ہیں۔ دوسرے وہ مال جسکے بارے فرمایا... وَمِمَّاۤ اَخۡرَجۡنَا لَـكُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ "اور اس میں سے بھی جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا ہے" یہ وہ مال ہے جو زمین سے بلا محنت نکلتا ہے اس میں ہر قسم کی قدرتی نباتات، جنگلات، معدنیات اور پانی کے ذخائر وغیرہ شامل ہیں۔ اسلامی فقہ کے مطابق یہ ملک میں بسنے والوں کی مجموعی ملکیت ہیں، اگر کوئی فردِ واحد ان پر زبردستی قبضہ کرکے دوسروں کو ان سے فائدہ اٹھانے سے روک دیتا ہے تو یہ ناجائز ہوگا۔ ان کے اوپر ملکیت کا حق صرف حکومت کو ہے وہ کسی فرد کو پٹہ یا ٹھیکہ پر دے سکتی ہے لیکن مالکانہ حقوق مجموعی ہی رہیں گے۔

464- گھٹیا مال کی قربانی یا صدقہ:-

جیسا کہ آیۃ مبارکہ 267 اور 268 سے ظاہر ہے خرچ کرتے وقت یہ احتیاط لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو کچھ بھی دیا جائے وہ بہترین ہو، اگر بہترین نہیں تو کم از کم ویسا تو ہو جسے آپ اپنے لئے پسند کرسکتے ہیں۔ اس لئے اپنی ناپسندکی چیز کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے سے بہتر ہے کہ کچھ خرچ نہ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے وَلَا تَيَمَّمُوا الۡخَبِيۡثَ مِنۡهُ تُنۡفِقُوۡنَ وَلَسۡتُمۡ بِاٰخِذِيۡهِ "اور خراب اور ردی چیز کا قصد بھی نہ کرو۔ حالانکہ تم خود بھی اسے لینے والے نہیں"، لیکن پھر بھی کچھ لوگ صدقہ اور قربانی وغیرہ کے لئے گھٹیا اور سستا مال ڈھونڈتے ہیں۔ اگر یہ مجبوری کی وجہ سے ہے تو بہتر ہوگا کہ ایسی صورت میں قربانی وغیرہ نہ دیں۔ اگر فراوانی کے ہوتے ہوئے ایسا ہے تو یہ نفاق کی نشانی ہے لیکن اس بات کو وہی سمجھ سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حکمت کی دولت عطا فرمائی ہو، جس کے بارے میں ارشاد ہے......

يُّؤۡتِى الۡحِكۡمَةَ مَنۡ يَّشَآءُ ۚ	269- وہ عطا کرتا ہے حکمت، جسے چاہے،
وَمَنۡ يُّؤۡتَ الۡحِكۡمَةَ	اور جسے دی گئی حکمت،
فَقَدۡ اُوۡتِىَ خَيۡرًا كَثِيۡرًا ؕ	اسے یقیناً بہت بڑی نعمت مل گئی۔
وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ○	اور نصیحت حاصل نہیں کرتے مگر صاحبانِ عقل ودانش۔

465- حکمت خیرِ کثیر:-

اس عظیم آیۃ مبارکہ میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں میں سے انسان کیلئے سب سے بڑی نعمت حکمت ہے اللہ تعالیٰ

فرماتے ہیں کہ وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ''جسے حکمت عطا ہوئی اسے گویا خیر کثیر مل گئی''۔ یعنی خیر کثیر مال و دولت، بلند معیار زندگی، طاقت، حکومت، شہرت وغیرہ میں نہیں بلکہ حکمت سے ہے اور حکمت کا حاصل کمال یہ ہے کہ حکیم اپنے مقصد حیات کو پہچانتا ہو، دنیا و آخرت کی اقدار کو سمجھتا ہو اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی اہمیت کو جانتا ہو اور ان سے نصیحت حاصل کر کے ان کے مطابق اپنی زندگی گزارتا ہو۔ وہ دنیا و آخرت کے معاملات کو ان کی اہمیت کی نسبت سے اہمیت دیتا ہے اور متوازن طور پر حقوق اللہ اور حقوق العباد کو پورا کرنے کے لئے کوشش کرتا ہے۔

جو معاشرہ اس بات کو سمجھ گیا وہ دنیا و آخرت ہر جگہ کامیاب ہو گیا۔ حکمت میں دنیاوی سائنسی علوم اور دین کی سمجھ دونوں ہی شامل ہیں۔ اگر کوئی معاشرہ صرف سائنسی علوم کو پا گیا تو دنیا کی ساری خیر اسکو مل جائے گی، اگر دین کی حکمت مل گئی تو آخرت کی ساری خیر اسے مل گئی، اور جس نے دونوں پالئے تو وہ دونوں جہانوں میں کامیاب ہو گیا۔

اگر عقل ہدایت نہیں سکھاتی تو وہ عقل نہیں بلکہ جہل ہے۔ ابو جہل کو مکہ والے ابو الحکم یعنی حکمت کا باپ کہتے تھے لیکن اسکی سیاست اور عقل اسے راہ ہدایت سے دور ہی لے جاتی رہی۔ دراصل دنیاوی عقل اور حکمت میں بڑا فرق ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے اور انکے بدلے انعامات اور برکات کے وعدے اگرچہ ظاہری عقل کی نفی کرتے ہیں لیکن جنہیں اللہ تعالیٰ نے حکمت عطا کی ہے وہ انکے فوائد کو خوب سمجھتے ہیں اور اسکے وعدوں پر یقین کرتے ہوئے دنیا پر آخرت کو ترجیح دیتے ہیں۔ یہ بات سیکھنے اور سکھانے والی ہے، ورنہ عقل تو شیطان کے پاس بھی بہت ہے اور کافروں کے پاس بھی۔ ہمیں مومن کی فراست کا طلبگار ہونا چاہئے کہ آخرت کی ضروریات کو دنیا کی ضروریات سے مقدم رکھا جائے۔ اگلی کچھ آیات مبارکہ اسی حکمت کے مختلف پہلوؤں کو واضح کرتی ہیں۔ فرمایا...

وَمَا أَنفَقْتُم مِّن نَّفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُم مِّن نَّذْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهُ ۗ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنصَارٍ ○

270- اور تم جو کچھ بھی ضروریات زندگی میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہو، یا جو نذر اپنے لئے لازم کر لیتے ہو، پس یقیناً اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے۔ اور جو لوگ ظالم ہیں، ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

إِن تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ

271- اگر تم اپنے صدقات کو ظاہر کرو تو تب بھی یہ اچھی بات ہے،

فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَإِنْ تُخْفُوهَا	اور اگر تم انہیں چھپاؤ، اور فقراء کو دو،
وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ	تب تو یہ تمہارے حق میں (اور بھی) بہتر ہوگا۔
فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ	اور اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں پر پردہ پوشی کرے گا،
وَيُكَفِّرُ عَنكُم مِّن سَيِّئَاتِكُمْ	اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ تعالیٰ
وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ○	اس سے خوب باخبر ہے۔

466- نذر کی اہمیت :-

آیتہ مبارکہ 270 میں بتایا گیا ہے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو کچھ بھی خرچ کیا جاتا ہے وہ اسے جانتا ہے لہٰذا اس کا فائدہ مل کر ہی رہے گا۔ دوسری بات نذر کے متعلق ہے۔ اگر ہم اللہ کی راہ میں کوئی خاص صدقہ، خیرات، قربانی دینے کا وعدہ کر لیں مثلاً یہ کہ ''اگر اللہ تعالیٰ ایسے کر دے تو میں یہ قربانی کروں گا، میں اتنی خیرات کروں گا، وغیرہ وغیرہ'' اگر چہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا کوئی مطالبہ نہیں تھا لیکن بندے نے خود ہی اپنے رب تعالیٰ سے ایک وعدہ کر لیا ہے، اسے نذر کہتے ہیں اور اسے پورا کرنا لازمی ہے اور اگر نہ پورا کیا جائے تو اللہ تعالیٰ سے وعدہ توڑنے کے مترادف ہے۔

467- اللہ تعالیٰ کی حدود توڑنے والا بے یار و مددگار :-

آیت 270 میں یہ یاد کرایا گیا ہے **وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنصَارٍ** .... ''ظالموں کا کوئی حامی اور مددگار نہیں ہوگا''۔ قرآن پاک کی اصطلاح میں ظالم وہ لوگ ہیں جو اللہ تبارک تعالیٰ کی عائد کردہ حدود کو توڑتے ہیں، مثلاً زکوٰۃ نہ دینا، حاجت مند مسکین کی مدد نہ کرنا، ماں باپ اور اولاد پر خرچ نہ کرنا، بے جا اسراف کرنا، نماز کو جان بوجھ کر چھوڑنا، دوسروں کا استحصال کرنا وغیرہ ایسی سب باتیں اللہ تعالیٰ کی حدود کو توڑنے والی ہیں جن پر آخرت میں سخت سزا ہے۔ وہاں ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا اور انہیں حضور ﷺ کی شفاعت بھی نصیب نہ ہوگی۔ (استغفر اللہ)۔ عمومی معنوں میں آیہ مبارک سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ظالم دنیا ہی میں بالآخر بے آسرا ہو جاتا ہے۔ اگر ہم بہتر زندگی کے طلب گار ہیں تو اللہ تعالیٰ کی حدود کا خیال کرنا ہوگا۔ انشاء اللہ وہ ضرور ہمارا خیال کرے گا۔

468- صدقات و زکوٰۃ کا ظاہر کرنا یا نہ ظاہر کرنا :-

آیتہ مبارکہ 271 میں صدقات اور زکوٰۃ کے ظاہر کرنے یا نہ کرنے کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ ''اگر تم اپنے صدقات کو ظاہر کرو تو تب بھی یہ اچھی بات ہے اور اگر تم انہیں چھپاؤ تو یہ تمہارے حق میں مزید بہتر ہوگا'' لہٰذا صدقات کے ظاہر کرنے میں اگر دکھاوے کی نیت نہیں تو کوئی مضائقہ نہیں، لیکن زیادہ پسندیدہ عمل یہی ہے کہ تشہیر نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں چھپا کر دیا جائے تا کہ حاجت مند کو شرمندگی نہ

ہو۔ اللہ تعالیٰ کے پیارے حبیب ﷺ کا ارشاد ہے "پوشیدہ طور پر خرچ کرنا اللہ تعالیٰ کے غضب کو ٹھنڈا کر دیتا ہے" جس طرح پانی آگ کو بجھاتا ہے، اسی طرح یہ انسان کے گناہوں کو ختم کر دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر بلا کا ردصدقہ ہے۔

469-خفیہ طریقہ سے خرچ کرنے کا خصوصی فائدہ:۔

آیۃ مبارکہ 271 کے آخر میں خفیہ طریقہ سے خرچ کرنے کا خصوصی فائدہ یہ بتایا گیا ہے..... وَيُكَفِّرُ عَنكُم مِّن سَيِّاٰتِكُمْ اللہ تعالیٰ اس رازداری کی بنا پر تمہارے کچھ گناہوں پر سے پردہ پوشی کرے گا"۔ قیامت کے دن جب اعمال نامے کھولے جائیں گے، صرف اس لئے کہ تم خرچ کرنے میں دکھاوا نہیں کرتے تھے، حاجت مند کی عزت نفس کی خاطر چھپا کر دیتے تھے، لوگوں کی مجبوری کا ڈھونڈورا نہیں پیٹتے تھے بس اتنی سی بات کے عوض اللہ تعالیٰ ہمارے بہت سے گناہوں پر پردہ ڈال دے گا اور ہمیں بہت سی شرمندگیوں سے بچا لے گا۔ (سبحان اللہ)۔ آیت کے آخر میں پھر سے یاددہانی کروائی گئی ہے کہ جو بھی تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے خبردار ہے، وہ ہمارے دلوں کے حال جانتا ہے، اور ہمارا کوئی عمل اس سے چھپا نہیں۔

اس بنا پر اگلی آیۃ مبارکہ میں سرور کائنات ﷺ اور مبلغین اسلام کو بتایا گیا ہے کہ تم پر تبلیغ وتلقین کرنا تو لازم ہے لیکن ہدایت دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ اگر کوئی نہیں مانتا تو بلاضرورت اصرار نہ کرو بلکہ اس کا معاملہ اپنے رب پر چھوڑ دو۔ فرمایا......

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ	272- تم پر ان کی ہدایت کی ذمہ داری نہیں،
وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ	بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے، وہ جسے چاہے ہدایت عطا فرمائے۔
وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ	اور تم جو کچھ بھی اچھی چیزوں میں سے خرچ کرتے ہو، وہ تمہارے اپنے ہی لئے ہے،
وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ	اور تم نہ خرچ کرو مگر اللہ تعالیٰ کی توجہ حاصل کرنے کے لئے۔
وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝	اور اچھی چیزوں میں سے جو کچھ تم نے خرچ کیا، (اسکا بدلہ) تمہیں دیا جائے گا، اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

470- راہ ہدایت میں مجبوری نہیں:-

آیہ مبارک 272 میں سب سے پہلے اس اہم نکتہ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ **لَیْسَ عَلَیْکَ ھُدٰھُمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ** جسکا مطلب یہ ہے کہ مومنین کی ذمہ داری ارشاد و تبلیغ تک محدود ہے۔لہٰذا ہم اپنی بات کو منوانے کے لئے لوگوں کو مجبور نہ کریں بلکہ ان کی ہدایت کے لئے دعا کرتے رہیں،اگر وہ انکار کرتے ہیں تو زیادہ اصرار نہ کریں بلکہ انہیں بار بار کے انکار کے گناہ سے بچانے کے لئے کچھ دیر کے لئے چپ ہو جائیں۔یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے، وہ جسے چاہے گا ہدایت دے گا۔کچھ لوگ مسلسل انکار کی بنا پر وہاں تک چلے جاتے ہیں جہاں سے ان کیلئے ہدایت کی طرف آنا ناممکن ہو جاتا ہے اس لئے مقام ناواپسی (Point of No Return) سے لوگوں کو بچانا مبلغین کا فرض ہے۔اسی طرح اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب کا معاملہ ہے۔زبردستی لوگوں کا مال راہ حق پر لگانے کی بھی ممانعت کی گئی ہے۔یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے جس کا مال قبول کرے اور جس کا چاہے رد کر دے۔

471- اللہ تعالیٰ کی توجہ حاصل کرنے کا ذریعہ:-

آیۃ مبارکہ 272 میں خاص طور پر ان مومنین کے عمل کو سراہا گیا جو اپنے اموال اللہ تعالیٰ کی توجہ حاصل کرنے کے لئے خرچ کرتے ہیں۔دراصل اللہ تعالیٰ کی رضا کی تلاش اور اس کی توجہ کا حصول ہی مقصود مومن ہے اور آیۃ مبارکہ 272 میں یہ خوشخبری ہے کہ ہم اپنے اموال میں سے طیب اور اچھا مال خرچ کر کے اپنے رب کی توجہ اور رضا حاصل کر سکتے ہیں۔**وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْہِ اللّٰہِ** اسلام کی راہ میں مالی قربانی قرب الٰہی حاصل کرنے کا بہترین نسخہ ہے۔یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک دوسرے سے بڑھ کر اپنا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے تھے۔

472- راہ حق میں خرچ۔پس انداز:-

آیۃ مبارکہ 272 میں یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو گے تو اس کی توجہ اور رضا کا خصوصی انعام ملے گا مزید یہ کہ تم جو کچھ بھی اس کی راہ میں خرچ کرتے ہو وہ تمہارے اپنے ہی لئے ہے۔(سبحان اللہ،کیا ذات کریم ہے کہ ہر طریقہ سے انسان کی پذیرائی کرنا چاہتی ہے)۔آیہ مبارک کے آخر میں یقین دلایا جا رہا ہے کہ مال مانگ کر تم پر ظلم نہیں کیا جا رہا بلکہ جیسے پہلے آیت مبارک 261 میں وعدہ فرمایا گیا ہے وہ تو ایک کا سات سو، بلکہ اس سے بھی زیادہ کر کے دے گا اور خفیہ صدقات کی فضیلت کی بنا پر گناہوں کی پردہ پوشی بھی کرے گا،اور یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ کسی کی قربانی کو بھولنے والا نہیں ہے،نہایت ہی قدردان ہے۔لہٰذا چاہئے کہ ہم اس پر اعتبار کریں اور اس کی راہ میں دل کھول کر اپنے اموال اور ذرائع استعمال کریں اور حق داروں کے حقوق پورے کریں۔اس ضمن میں آیۃ مبارکہ 273 بتاتی ہے کہ صدقات کے خصوصی طور پر کون حق دار ہیں۔فرمایا......

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ
أُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ
ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ۫
يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ
تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ
لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ
وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ
فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۟

-273 (تمہارے مال کے خصوصی حقدار وہ ہیں)
جو حاجت مند ہیں اور اللہ تعالیٰ کی راہ
میں گھر چکے ہیں اور ملک میں کہیں چل پھر نہیں سکتے،
(یعنی جہاد یا تبلیغ یا کسی اور مجبوری کی وجہ سے)،
ناواقف انہیں دولت مند خیال کرتا ہے، ان کے صبر
اور سوال نہ کرنے کی وجہ سے، (لیکن) تم انہیں ان
کی علامتوں سے پہچان لوگے، وہ لوگوں سے لپٹ کر
نہیں مانگتے۔ اور ہر اچھی چیز جو تم اللہ تعالیٰ کی
راہ میں خرچ کرتے ہو، وہ اسے خوب جانتا ہے۔

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ
وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً
فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ
وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۟

-274 وہ لوگ جو رات دن ہمہ وقت اپنے مال
پوشیدہ اور اعلانیہ طور پر خرچ کرتے ہیں،
ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے،
اور ان پر کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ غم۔

473- صدقات وامداد کے خصوصی حق دار:-

یوں تو ہر سوالی کی حاجت روائی نیک کام ہے لیکن آیہ مبارکہ 273 میں خصوصی حق داروں کی نشان دہی کی گئی ہے۔ پہلا حق ان کا ہے جن کے بارے میں فرمایا گیا ہے.... **لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ** یہ وہ لوگ ہیں جو جہاد یا تبلیغ دین یا اللہ تعالیٰ کے لئے ایسی مصروفیات میں لگے ہوئے ہیں کہ ان کے لئے کسب معاش کے لئے نہ وقت ہے نہ ذرائع۔ ان کی نشانی یہ ہے کہ وہ شریف النفس غیرت مند بندے ہیں بھوکے ہوں گے لیکن ہاتھ اٹھا کر سوال نہیں کرتے۔ اس لئے یہ آپ کی ذمہ داری ہے کہ انہیں تلاش کریں اور ان کے گھر خود امداد پہنچائیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس عادت شریفہ کا خصوصی طور پر ذکر فرمایا ہے کہ **لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا** ''کہ وہ لوگوں سے لپٹ کر سوال نہیں کرتے''۔ انہی میں غریب قریبی رشتہ

دار بھی شامل ہیں جو غیرت کی وجہ سے سوال نہیں کر سکتے انہیں دینے کا دگنا ثواب ملتا ہے، حتیٰ کہ بیوی خاوند کو بھی صدقہ دے سکتی ہے۔ مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود کی زوجہ محترمہ ایک دفعہ سرور کائنات ﷺ کے پاس آئیں اور پوچھا کہ وہ اپنی کمائی سے کسی غریب کو صدقہ دینا چاہتی ہیں لیکن اپنے خاوند جناب عبداللہ سے زیادہ کوئی غریب آدمی نظر نہیں آتا، کیا میں ان کو صدقہ کر سکتی ہوں؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا "بے شک، اس کا دہرا ثواب ہے، ایک صدقہ کا دوسرا قرابت کی پاسداری کا"۔

آیۃ مبارکہ 273 میں یہ فرما کر کہ **وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ** یعنی "ہر اچھی چیز جو تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہو وہ اسے خوب جانتا ہے، ترغیب دی ہے کہ اس کی راہ میں اپنا بہترین مال خرچ کرو، صدقات اور قربانی میں بھی اچھی سے اچھی چیز دو۔

474- پیشہ ور گداگر کا مسئلہ:-

عموماً پیشہ ور گداگر لپٹ کر سوال کرنے والے ہوتے ہیں اور بڑے اصرار سے مانگتے ہیں۔ اسلام انہیں خیرات دینے سے منع نہیں کرتا لیکن انکی حوصلہ افزائی بھی نہیں چاہتا۔ جہاں تک بھیک مانگنے کا تعلق ہے حضور اکرم ﷺ نے اسکی مذمت فرمائی ہے۔ آپؐ نے فرمایا "جو آدمی مال جمع کرنے کیلئے لوگوں سے بھیک مانگتا ہے وہ انگارے جمع کر رہا ہے۔ تھوڑے انگارے جمع کرے یا زیادہ اسکی اپنی مرضی ہے" (حوالہ ضیاء القرآن ص 192)۔ اس لئے آپکے صدقات، زکوٰۃ اور خیرات کے صحیح حق دار وہ غیرت مند غریب، مسکین حاجت مند ہیں جنہیں مانگنے سے شرم آتی ہے۔ اگر آپ انکا یہ حق ان تک خود پہنچائیں گے تو یہ ایسی نیکی ہے جس کا اجر بے حساب ہے۔

475- قابل تعریف بندے:-

آیۃ مبارکہ 274 میں اللہ تعالیٰ اپنے سخی بندوں کی صفت بیان کی ہے۔ **اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ** "یہ وہ لوگ ہیں جو رات دن ہمہ وقت اپنے اموال اور ذرائع اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں۔ ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے" یہ وہ خوش قسمت لوگ ہیں جو کبھی بھی اپنی تجوریوں کے منہ بند نہیں کرتے اور حالات کے مطابق چھپا کر یا علانیہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں دیتے ہیں اور اجر کے لئے صرف رب تعالیٰ سے امید رکھتے ہیں۔ ان کے لئے کوئی خوف و خطرہ نہیں اور نہ انہیں کسی محرومی کا غم ہوگا۔ (سبحان اللہ)۔ اللہ تعالیٰ کے یہ بندے آخرت میں بلا کسی تردد کے خوش و خرم ہوں گے لیکن دنیا میں بھی ان کے دل مطمئن ہو جاتے ہیں۔ وہ تکلیف میں بھی خوش ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں سخی کر دیتا ہے اور ان کی ضروریات غیب سے پوری ہونے لگتی ہیں۔ ان کے برعکس بخیل لوگ ہیں جبکہ سخی کا انعام خوف اور غم سے آزادی ہے بخیل باوجود اپنے مال و دولت کے خوف اور غم میں مبتلا رہتا ہے۔

اگلی کچھ آیات میں ان بدقسمت لوگوں کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ تو کیا کریں گے ان کا لالچ اس قدر ہے کہ وہ دوسروں کا مال بھی ہضم کرنے سے نہیں ڈرتے ان میں اولین نمبر پر سود خور ہیں جن کے بارے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ فرمایا......

اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ
اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ
مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَیْعُ
مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ
الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ
فَانْتَهٰی فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ
وَاَمْرُهٗٓ اِلَی اللّٰهِ ؕ
وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ
هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ○

275- وہ لوگ جو (ربٰوا) سود کھاتے ہیں۔
(آخرت میں وہ)
نہیں کھڑے ہوں گے مگر اس شخص کی طرح،
جسے دیوانہ کر دیا ہو شیطان نے چھو کر۔
ان کی یہ حالت اس لئے ہے کہ وہ کہتے ہیں،
"بیع بھی تو سود ہی کی طرح ہے"
حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال قرار دیا ہے،
اور سود کو حرام۔
پس جس کسی کو نصیحت اسکے
پروردگار کی طرف سے پہنچے، پھر وہ باز آ جائے،
تو جو کچھ پہلے ہو چکا ہے وہ ہو چکا،
اور اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالہ ہے۔
لیکن جو لوگ اس گناہ پر اصرار کریں،
پس وہی ہیں جہنم والے،
اور ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

یَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا
وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ ؕ
وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ
کُلَّ کَفَّارٍ اَثِیْمٍ ○

276- اللہ تعالیٰ سود مٹاتا ہے،
اور صدقات بڑھاتا ہے۔
اور اللہ تعالیٰ کسی ناشکرے گنہگار سے محبت نہیں کرتا۔

476- ربٰوا اور سود کی مذمت:-

آیۃ مبارکہ 276-275 میں اسلام کے معاشی نظام کو واضح کر دیا گیا ہے اور ربٰواء کی پرزور مذمت کی گئی ہے۔ یہ سوال کہ ربٰواء کیا

ہے، قرآن کریم اور نبی پاک ﷺ کی احادیث سے صاف ظاہر ہے کہ ہر قسم کا معاشی استحصال ربواء ہے۔ ان میں سے بدترین سود در سود ہے جس میں قرض پر دی گئی رقم بڑھتی ہی جاتی ہے۔ آیہ مبارک 275 میں سود کی کراہت اور اس کے اثرات کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ یہ شیطان کی لگائی ہوئی دیوانگی ہے کہ جو بڑھتے بڑھتے پورے معاشرہ کو باولا کر دیتی ہے، معیشت (Economic) تباہ ہو جاتی ہے، آپس میں ہمدردیاں ختم ہو جاتی ہیں ظلم بڑھ جاتا ہے، بالآخر معاشرہ انتشار کا شکار ہو جاتا ہے، شر اور برائی کی قوتیں ان پر قابو پا لیتی ہیں اور وہ پھر سرکشوں اور شیطانوں کے چنگل سے کبھی نہیں نکل سکتے۔ آخر کار سودی معاشرہ پاگل ہو جاتا ہے اور انہیں سود کے چکر سے نکلنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا یہ تو دنیا میں ان کا حال ہے، میدان حشر میں سود خور سیدھے کھڑے ہو سکیں گے نہ چل سکیں گے، لڑکھڑاتے سب کو نظر آئیں گے کہ ''وہ سود خور جا رہا ہے''۔ قرآن حکیم اور نبی پاک ﷺ نے جس قدر سود کی مذمت کی ہے شاید ہی کسی اور گناہ کی مذمت کی ہے اور جس قدر خوفناک عذاب قبر سود خوروں کیلئے ہے شاید ہی کسی اور کیلئے ہو۔

477- سود تجارت نہیں:-

آیۃ مبارکہ 275 میں بتایا گیا ہے سود خور لوگوں کو یہ کہہ کر دھوکہ دیتے ہیں کہ **اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا** "بیع یعنی تجارت بھی تو سود کی طرح ہے لیکن اللہ تعالیٰ ان کی اس دلیل کو رد کرتا ہے۔ دراصل ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے بلکہ یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ سود کی بنیاد انسانی مجبوری ہے جب کہ تجارت باہمی رضامندی اور خوشی سے طے شدہ ایک معاشی عمل ہے۔ تجارت میں انسانی محنت کا لازمی دخل ہے جبکہ سود میں پیسہ پیسے کو کماتا ہے، تجارت میں نفع و نقصان دونوں کا احتمال ہے جبکہ سود خور نقصان میں حصہ دار نہیں ہوتا۔ تجارت سے پیداوار بڑھتی ہے، پیسہ گردش میں آتا ہے، لوگ نفع کی غرض سے محنت کرتے ہیں، جبکہ سود خور لوگوں کی مجبوریاں خریدتا ہے۔ آج کل سود کے حامی بینکنگ سسٹم کو تجارت کا ایک اہم ستون کہتے ہیں لیکن سبھی کو معلوم ہے کہ اس بینکنگ سسٹم نے دنیا کی اسی فیصد آبادی کو غریب کر رکھا ہے۔ دنیا کی ساری دولت بینکاری نظام کی وجہ سے سود خوروں کے پاس چلی جا رہی ہے۔ جبکہ بینکوں کا نظام امیر سے امیر تر ہوتا جا رہا ہے، قرض خواہ غریب سے غریب تر ہوتے جاتے ہیں۔

کچھ بے وقوف مسلمان یہ کہتے ہیں کہ ربواء کا مطلب ذاتی قرض کا سود ہے لیکن ان کی یہ دلیل تو خود اللہ تعالیٰ نے یہ فرما کر رد کر دی ہے کہ ''اس نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام" خواہ ذاتی قرضہ ہو یا تجارتی قرضہ ہو سب پر سود حرام ہے۔ اصول، اصول ہی ہوتا ہے۔ تقویٰ کا تقاضا یہی ہے کہ بغیر حیل و حجت ہر قسم کے استحصالی معاشی نظام کو ربواء سمجھ کر اس سے بچا جائے اور سود سے توبہ کی جائے۔

478- سود پر لیت ولعل کرنے والے:-

آیۃ مبارکہ 275 میں تنبیہ کی گئی ہے کہ سود کی حرمت ظاہر ہونے کے بعد بھی جو لوگ اس سے باز نہیں آتے وہ جہنمی ہیں۔ فرمایا

گیا ہے...... وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ہُمْ فِیْہَاخٰلِدُوْنَ......پس جولوگ لیت ولعل سے کام لیتے ہیں اور غیر شرعی تاویلات سے اس حکم کے اثرات سے بچنا چاہتے ہیں ان کے لئے پکا پکا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ چونکہ آیہ مبارک کا حکم قطعی اور بلا استثناء ہے اس لئے یہ سمجھنے میں مشکل نہیں ہونی چاہئے کہ سودخوروں کے نیک کام بھی کسی کام کے نہیں۔ سود سب نیکیوں کو مٹاڈالتا ہے، نماز روزہ حج زکوٰۃ سبھی کو ضائع کر دیتا ہے۔ (استغفر اللہ)

479- اللہ تعالیٰ صدقات بڑھاتا ہے۔سود مٹاتا ہے:-

آیتہ مبارکہ 276 میں مسلمانوں کے لئے نصیحت کی ایک بہت بڑی بات کہی گئی ہے اور خوشحالی امن وسکون کا فارمولا دیا گیا ہے فرمایا... یَمْحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ یعنی ''اللہ تعالیٰ سود مٹاتا ہے اور صدقات بڑھاتا ہے'' ۔دراصل سود اور صدقات دونوں باہمی ضد ہیں۔سود کی بنیاد ظلم ہے اور صدقات کی رحم۔اللہ تعالیٰ کو سود ناپسند ہے اور صدقات پسند ہیں۔لہٰذا سودی معاشرہ میں سے برکت اٹھ جاتی ہے اور اس کے رزق میں ترقی رک جاتی ہے۔اس کا ثبوت ان مسلمان ملکوں کے حالات ہیں جہاں سود کی لعنت پھیل چکی ہے۔باوجود پیداواری ذرائع کی بہتات کے ان کی معیشت تباہ ہوکر رہ گئی ہے۔کفار پر سود کے اثرات کم نظر آتے ہیں اس لئے کہ ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں، اور یہ بھی کہ ان ملکوں میں اگرچہ سودی نظام ہے لیکن اتنا ظالمانہ نہیں اور کسی حد تک ان میں اسلام کا معاشی عدل کا نظام بھی کام کررہا ہے۔

480- ہماری غربت کی وجہ اور اس کا علاج:-

آیتہ مبارکہ 276 اور اس سے پہلے بھی بہت سی آیات سے عیاں ہے کہ صدقات رزق میں برکت اور مال بڑھانے کا ذریعہ ہیں اور جس معاشرہ میں دوسروں پر خرچ کرنے کی عادت زیادہ ہوگی اسی نسبت سے اس میں خوشحالی زیادہ ہوگی۔امریکہ، سویڈن، جاپان اور جرمنی اگرچہ غیر مسلم ہیں ان کی مثال ہمارے سامنے ہے، دنیا میں کہیں بھی کوئی مصیبت یا آفت آجائے وہاں ان کے جہاز امداد سے لدے پہنچ جاتے ہیں۔اس اچھے عمل کی وجہ سے دنیا میں انہیں خوب بدلہ مل رہا ہے۔

جہاں تک سود کا معاملہ ہے وہ بھی ان ملکوں میں کم سے کم ہے، مثلاً جاپان میں بینک دو تین فیصد سود پر قرضہ دیتے ہیں، چین میں یہ شرح اس سے بھی کم ہے، یورپ میں بھی تین فیصد کے قریب ہے، خود امریکہ میں بھی بہت کم ہے۔یعنی وہ ملک جو معاشی طور پر خوشحال ہیں وہاں عملی طور پر بلاسودی معاشی نظام چل رہا ہے۔

لیکن اس ضمن میں بیشتر مسلم ممالک کی مثال افسوس ناک ہے۔نہ صرف یہ کہ ان میں سود کی شرح بہت زیادہ ہے بلکہ صدقات میں بھی وہ باقی اقوام سے پیچھے ہیں۔یہ جانتے ہوئے بھی کہ سود سرمایہ دار کا ہتھیار ہے جس سے وہ لوگوں کی ضروریات کا استحصال کرکے اپنا پیسہ بڑھاتا جاتا ہے، وہ پھر بھی انہی IMF, W.B, ADB وغیرہ سے سود در سود پر قرضے لیتے جاتے ہیں اور ان کے جال میں پھنس کر

دین سے مزید دور ہوتے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا رزق تنگ ہو گیا ہے۔ جبکہ حسب وعدہ حق تعالیٰ، غربت کا علاج اللہ تعالیٰ کی راہ میں زیادہ سے زیادہ خرچ کرنے اور سود سے بچنے میں ہے۔ دراصل سود کی وبا میں مبتلا لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور محبت سے دور ہوتے جاتے ہیں، گویا وہ اپنی جانوں پر خود ہی ظلم کرنے والے ہیں۔ اگلی آیات مبارکہ دین کی طرف لوٹ آنے کی زبردست دعوت ہیں۔ فرمایا ......

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
وَ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَوُا الزَّکٰوۃَ
لَہُمۡ اَجۡرُہُمۡ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ ۚ
وَ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ○

277- بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے،
اور نیک عمل کیے،
اور صلوۃ قائم کی، اور زکوۃ ادا کی،
ان کے لئے ان کا اجر ہے، ان کے رب کے پاس،
ان پر نہ کوئی خوف ہوگا، اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ
وَ ذَرُوۡا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰۤوا
اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ○

278- اے ایمان والو، ڈرو اللہ تعالیٰ سے
اور چھوڑ دو جو باقی رہ گیا ہے سود سے،
اگر تم واقعی ایمان والے ہو۔

فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا فَاۡذَنُوۡا بِحَرۡبٍ
مِّنَ اللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ ۚ وَ اِنۡ تُبۡتُمۡ
فَلَکُمۡ رُءُوۡسُ اَمۡوَالِکُمۡ ۚ
لَا تَظۡلِمُوۡنَ وَ لَا تُظۡلَمُوۡنَ ○

279- پس اگر تم نے ایسا نہ کیا،
تو پھر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ؐ
سے جنگ کیلئے تیار ہو جاؤ۔
اور اگر تم توبہ کرلو تو پھر تمہیں اصل مال مل جائے گا،
نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔

وَ اِنۡ کَانَ ذُوۡ عُسۡرَۃٍ
فَنَظِرَۃٌ اِلٰی مَیۡسَرَۃٍ ؕ
وَ اَنۡ تَصَدَّقُوۡا خَیۡرٌ لَّکُمۡ
اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ○

280- اور اگر (مقروض) تنگ دست ہو تو مہلت دو،
اسے فراغت اور خوشحالی تک۔
اور اگر تم بخش دو، تو یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے۔
کاش تم جانتے ہوتے۔

وَ اتَّقُوْا یَوْمًا 281- اور ڈرو اس دن سے،

تُرْجَعُوْنَ فِیْهِ اِلَی اللّٰهِ جب تم لوٹائے جاؤ گے اللہ تعالیٰ کی طرف،

ثُمَّ تُوَفّٰی كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ پھر ہر نفس کو پورا پورا دیا جائے گا،

وَ هُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ۠ جو کچھ اس نے کمایا ہوگا۔ اور ان کی حق تلفی نہ ہوگی۔

481- خوف وغم سے آزادی کا انعام:-

آیۃ مبارکہ 277 کا پیغام ساری دنیا کے لئے خوف اور غم سے نجات کا فارمولا ہے۔ آج دنیا کا سب سے بڑا مسئلہ بھی یہی ہے کہ باوجود معاشی خوشحالی اور ترقی یافتہ حکومتی مشینری کے لوگ ایک انجانے خوف اور غم میں مبتلا ہیں۔ مشرق ہو یا مغرب بے شمار خودکشیوں کے واقعات اسی کا نتیجہ ہیں۔ آیۃ مبارکہ 277 میں ان چند بنیادی شرائط کی طرف توجہ مبذول کرائی گئی ہے جن کو پورا کرنے سے انسان خوف اور غم سے آزادی حاصل کرسکتا ہے۔ اصل آزادی تو جنت میں ہوگی لیکن دنیاوی حیات میں بھی اطمینان کی دولت اسقدر مل جاتی ہے کہ انسان بے شمار پریشانیوں سے بچا رہتا ہے۔

یہ انعام نظام صلوٰۃ اور نظام زکوٰۃ قائم کرنے والوں کے لئے ہے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد میں کوتاہی نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ کی راہ میں زکوٰۃ وصدقات دیتے ہیں اور سود سے بچتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو حقیقی معنوں میں **لا الٰہ الا اللہ** کہنے والے لوگ ہیں اس کے بعد ان کے دلوں سے غیر اللہ کا خوف اور غم اٹھ جاتا ہے۔ اگر انہیں کوئی فکر رہتی ہے تو ایک ہی کہ ان کا رب ان سے کہیں ناراض نہ ہوجائے۔

482- سود خور مومن نہیں ہوسکتا:-

آیۃ مبارکہ 278 میں بتایا گیا ہے کہ ایمان زبانی اور خالی خولی اعتقاد کا نام نہیں بلکہ اپنے ایمان کو اپنے عمل سے ثابت کرنا لازمی بات ہے۔ اس کی پہلی شرط دل میں اللہ تعالیٰ کا ڈر پیدا ہوجانا ہے۔ جس کی عملی صورت یہ ہے کہ ایماندار لوگ سود نہیں کھاتے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ ''ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور چھوڑ دو جو باقی رہ گیا ہے سود سے، اگر واقعی تم ایمان دار ہو''۔ **وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ** یعنی ایمان کی شرط سود سے پرہیز ہے، لہٰذا جو آدمی سود کھاتا ہے وہ ایماندار نہیں ہوسکتا اگرچہ وہ دیگر باتوں میں شریعت پر عمل بھی کیوں نہ کرتا ہو۔ یہ ہم سب کے لئے بہت بڑا لمحہ فکریہ ہے۔ دوسری طرف لوگوں کی مجبوری ہے کہ موجودہ معاشی نظام میں بینکوں سے بچنا تقریباً ناممکن ہے اور بعض دفعہ حفاظت کی غرض سے بھی ان میں رقم جمع کرانا ضروری ہوگیا ہے۔ اس صورتِ حال میں کیا جمع شدہ رقم پر بینکوں سے سود لینا چاہیئے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں ایک اجتہاد یہ ہے کہ سود کی رقم بینکوں کو نہیں چھوڑنی چاہئے، البتہ اسے اپنے اوپر بھی خرچ

نہ کیا جائے، بلکہ یہ رقم غرباء میں صدقہ کردی جائے۔

483- اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے جنگ:-

آیۃ مبارکہ 279 نہایت شدید وعید ہے اور غالباً قرآن حکیم میں اس سے زیادہ جلال والی کوئی دوسری آیت نہیں۔ فرمایا، **فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا فَاۡذَنُوۡا بِحَرۡبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ** ''اگر تم نے (سود) نہ چھوڑا تو اعلان جنگ سن لو، اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے رسولؐ کی طرف سے۔'' کیا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ سے کوئی مسلمان جنگ کرنے کی جرات کرسکتا ہے؟ (استغفر اللہ)۔ لہٰذا سود کیلئے اصرار کرنے والا کبھی مسلمان نہیں ہوسکتا اور نہ کبھی وہ فلاح پاسکتا ہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ اس جنگ میں کون ہارے گا کون جیتے گا؟

افسوس کہ اپنی موجودہ حالت میں بینکاری نظام کفر کا سب سے بڑا آلہ کار ہے اور جس گناہ کو اللہ تعالیٰ مٹانا چاہتا ہے یہ اسے بڑھانا چاہتے ہیں اور یوں بینکوں کو چلانے والے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ سے ایک طرح کی لڑائی لڑ رہے ہیں۔ اس لئے تمام سچے مسلمانوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ سودی نظام کے خلاف جدوجہد کرتے رہیں تاوقتیکہ سود مٹ جائے، اور جہاں تک ممکن ہو وہ خود بلاسودی کاروبار کریں۔ جب وہ اس طرف صدق دل سے لگ جائیں گے تو جیسے فرمایا گیا ہے **لَا تَظۡلِمُوۡنَ وَلَا تُظۡلَمُوۡنَ** نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے'' اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکات اور رحمتوں کا نزول شروع ہوجائے گا۔

484- موجودہ بینکاری نظام:-

سود کی لعنت اپنی جگہ، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ موجودہ بینکاری نظام سرمائے کے انتقال اور بحیثیت امانت دار بھی کام کرتا ہے جس کے بغیر کسی بڑے پیمانے پر تجارت تقریباً ناممکن ہے۔ ان مشکلات کے پیش نظر بعض مسلم علماء بنک کے سودی کاروبار کو جائز قرار دیتے ہیں، یعنی بینکوں کے نظام کی اصلاح کی بجائے وہ قرآن کریم کی اصلاح کرنے لگے ہیں۔ یہ اجتہاد نہیں بلکہ بہت بڑا انفاق ہے۔ ان کی یہ دلیل بھی ٹھیک نہیں کہ اس نظام سے بچنا ناممکن ہے۔ افسوس کہ بلاسودی نظام کو قائم کرنے کے لئے بھی اگر کچھ سنجیدہ کوششیں ہوئی ہیں تو وہ بھی یورپ میں عیسائیوں کی طرف سے ہوئی ہیں۔ مسلمانوں میں آج کل اسلامی بینک کے نام پر جو کوششیں ہو رہی ہیں انہیں خوش آمدید کہنا چاہیے لیکن ابھی تک ان میں سے شاید ہی کوئی صحیح اسلامی معاشی نظام کی تصویر پیش کرتا ہے۔

485- اسلامی بینکاری نظام ..... بینک بحیثیت امین:-

اسلامی نظام میں بینک کا رول ایک امانتدار کا ہونا چاہیے جو نہ سود لیتا ہے، نہ سود دیتا ہے بلکہ تجارت کا ایک ذریعہ ہے جو اپنے اخراجات سروس چارجز سے پورا کرتا ہے وہ سرمایہ جمع کرانے اور سرمایہ استعمال کرنے والے دونوں سے لیتا ہے، اسکے علاوہ وہ خود تجارت بھی کرتا ہے اور کھاتہ داروں کی اجازت سے (جو کہ کھاتہ دار کھاتہ کھلوتے وقت بینک کو دے گا) جمع شدہ مال کو نفع و نقصان کی بناء پر تجارت میں لگاتا ہے، اس نظام کے تحت بینک بحیثیت امین کام کرتا ہے جو کہ بالکل جائز ہے۔ لہٰذا بنکاری نظام توڑنے کی ضرورت

نہیں بلکہ اصل بات اس کی اصلاح کی ہے۔

موجودہ بینک بھی اگر سود دینا اور لینا بند کردیں اور خدمت کے معاوضہ پر کام شروع کریں اور کھاتہ داروں کی اجازت سے بحیثیت امین اور وکیل ان کی رقم تجارت انڈسٹری وغیرہ میں لگائیں تو یہ اسلام کے مقاصد کے عین مطابق ہوگا، یوں یہی بینک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ دوستی کا آلہ بن سکتے ہیں، نہ کہ دشمنی کا، جو موجودہ حالات میں وہ کررہے ہیں۔خود کئی غیر مسلم مغربی ماہرینِ اقتصادیات سودی نظام کے خلاف ہیں اور انہوں نے ثابت کیا ہے کہ افراط زر (Inflanation) کا تعلق سود سے ہے۔ اگر شرح سود زیادہ ہوگی تو افراط زر بھی زیادہ ہوگی اور تجارتی ترقی بھی رک جائے گی۔ چنانچہ آج کل یورپی ممالک، جاپان، امریکہ اور چین وغیرہ میں شرح سود نہ ہونے کے برابر ہے۔ان کے برعکس جن ملکوں میں شرح سود زیادہ ہے وہاں افراط زر بھی زیادہ ہے، تجارتی اور صنعتی ترقی بھی رکی ہوئی ہے ۔یوں مسلمانوں پر کفار کی طرف سے بھی حجت قائم ہوچکی ہے کہ وہ سودی نظام سے چھٹکارا حاصل کرلیں۔

486-مقروض سے رعایت کا حکم:۔

آیۃ مبارکہ 280 انسانی حقوق کی عظیم ضمانت ہے۔فرمایا.....**وَاِنْ كَانَ ذُوْعُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ** .....مطلب یہ کہ اگر مقروض تنگ دست ہو، یا کسی اور شرعی وجہ سے قرض ادا نہ کرسکتا ہو قرض خواہ کو ہرگز یہ حق نہیں کہ اس کی جائیداد نیلام کرکے اپنا قرض وصول کرے بلکہ فرمان الٰہی کے مطابق اس پر لازم ہے کہ وہ مقروض کو مہلت دے اور انتظار کرے کہ وہ اس قابل ہوجائے کہ اپنا قرض ادا کرسکے۔اگر وہ قرض ادا نہیں کرسکتا تو حکم ہے کہ "اسے بخش دو"۔اور یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت احسن بات ہے البتہ اگر کوئی شخص طاقت کے باوجود جان بوجھ کر قرض ادا کرنا نہیں چاہتا تو پھر حکومت زبردستی وصول کرکے قرض خواہ کا حق ادا کرنے کی مجاز ہے۔

487-اعمال کا حساب:۔

آیۃ مبارکہ 281 شاہد ہے کہ انسان کے تمام اچھے برے اعمال کا حساب رکھا جارہا ہے یہی اس کی کمائی ہیں اور آخرت میں جب اللہ تعالیٰ کے دربار میں ہماری حاضری ہوگی، تو مجسم شکل میں ہمارے اعمال ہمارے ساتھ ہونگے۔اس وقت کسی کا حق ضائع نہیں ہو گا۔کسی کے ساتھ رعایت نہیں برتی جائے گی۔ پورا پورا انصاف ہوگا۔اس لئے دنیا میں ہم جو کچھ بھی کرتے ہیں یاد رکھنا چاہئے کہ یہ عارضی واقعات نہیں کہ ہوگئے اور گزر گئے، بلکہ یہ مستقل اثرات کے حامل ہیں اور ہمارا ایک ایک عمل اللہ تعالیٰ کے دفاتر میں محفوظ کیا جارہا ہے۔ اس لئے عقلمندی کا تقاضا یہی ہے کہ بہتر سے بہتر مال آگے بھیجیں اور منفی اعمال سے بچتے رہیں ورنہ وہ حشر ہوگا کہ الامان۔ (استغفر اللہ)

488-ظلم کا علاج:۔

آیۃ مبارکہ 279 کا سنہری اصول.... **لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ** "نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے"۔اسلامی معاشرت

کا بنیادی اصول ہے۔ ظلم سب سے بڑا گناہ ہے۔ شرک بشمول تمام برائیاں ظلم ہی کی پیداوار ہے۔ اسلام کا مقصد ہر طرح کے استحصال اور ظلم کا خاتمہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ جب مکہ مکرمہ کی گلیوں میں اعلان کرتے پھرتے تھے "**یا ایھا الناس قولوالا الہ الا اللہ تفلحو**"۔ تو یہ اعلان ہر قسم کے روحانی اور جسمانی استحصال اور ظلم کے خلاف اعلان جنگ تھا اور تمام جھوٹے خداؤں سے انسان کی آزادی کا پیغام تھا۔ لہٰذا ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ نہ صرف خود ظلم کرنے سے باز رہے بلکہ ظلم ہونے ہی نہ دے۔

یہ بھی یاد رہے کہ مظلوم بن کر زندگی گزار دینا بھی مسلمان کا شیوہ نہیں۔ حضور سرور کائنات ﷺ نے جب ارشاد فرمایا کہ "ظالم کی مدد کرو، مظلوم کی مدد کرو" تو صحابہ کرامؓ نے پوچھا کہ "حضور مظلوم کی مدد تو ہم سمجھتے ہیں لیکن ظالم کی مدد کیسے کی جائے؟" تو آپؐ نے فرمایا 'ظالم کو ظلم سے روکنا اس کی مدد کرنا ہے اور مظلوم کو اس کا حق دلانا اس کی مدد کرنا ہے'۔ یعنی مسلمان ظالم کا دشمن نہیں، اس کے ظلم کا دشمن ہے۔" امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بھی یہی تفسیر ہے۔ اسلام بدلہ کی اجازت دیتا ہے لیکن زیادتی کی نہیں۔ اگر کسی جگہ ظلم ہو رہا ہے اور تم بالکل بے بس ہو، اسے روک نہیں سکتے تو پھر بے بسی کی زندگی گزارنے کی بجائے وہاں سے ہجرت کر جانا اسلام ہے۔

اگلی آیات کریمہ وہ معرکتہ الاراء آیات ہیں جن میں انسان کے مالی معاملات کے متعلق آداب لین دین سکھائے گئے ہیں تاکہ بھول چوک کی وجہ سے جو کاروباری ظلم ہوتا ہے اس کی بھی گنجائش نہ رہے۔ فرمایا......

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا	**282-** اے لوگو جو ایمان لائے ہو،
اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ	جب تم لین دین کا معاملہ کسی خاص
اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ؕ	مقررہ مدت تک کرنے لگو تو اسے لکھ لو
وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۠	اور لازم ہے کہ تمہارے درمیان لکھنے والا انصاف کے مطابق (دستاویز) لکھے،
وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ	اور لکھنے والا لکھنے سے انکار نہ کرے،
اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ	اور وہ لکھے جیسا کہ سکھایا اسے اللہ تعالیٰ نے۔ پس چاہیے کہ وہ لکھے،
وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ	اور وہ شخص لکھوائے جس کے ذمہ حق واجب ہے،
وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ	اور ڈرے اللہ تعالیٰ سے جو اس کا پروردگار ہے،
وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ	
فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا	

أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ
أَنْ يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ ۚ
وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ
مِنْ رِجَالِكُمْ ۖ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ
فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ
مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ
أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا
فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ ۚ
وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا ۚ
وَلَا تَسْأَمُوا أَنْ تَكْتُبُوهُ
صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا إِلَىٰ أَجَلِهِ ۚ
ذَٰلِكُمْ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ
وَأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنَىٰ أَلَّا تَرْتَابُوا
إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً
حَاضِرَةً
تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ
فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا تَكْتُبُوهَا ۗ
وَأَشْهِدُوا إِذَا تَبَايَعْتُمْ ۚ
وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ
وَلَا شَهِيدٌ ۚ
وَإِنْ تَفْعَلُوا فَإِنَّهُ فُسُوقٌ بِكُمْ ۗ
وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ

اوراس میں سے کچھ کم کرے نہ زیادہ کوئی چیز۔
پھر اگر وہ جس کے ذمہ حق واجب ہے،
عقل کا کوتاہ ہو یا کمزور ہو، (دیوانہ گونگا ضعیف وغیرہ)
اوراس قابل نہ ہو کہ خود لکھوا سکے،
تو چاہئے کہ لکھوائے اسکا سرپرست
ساتھ انصاف کے.
اوردو گواہ بناؤ اپنے مردوں میں سے،
پس اگر نہ ہوں دومرد،
تو پھر ایک مرد اور دو عورتیں ہوں گواہ،
جن پر تمہیں اطمینان ہو،
تا کہ ان دوعورتوں میں سے ایک بھول جائے
تو دوسری یاد کروائے۔
اور گواہ جب بلائے جائیں تو انکار نہ کریں۔
اور (قرض کے معاملہ میں) نہ سستی کرو اسکی میعاد معین
کے لکھنے میں، اگرچہ ہو یہ تھوڑا یا زیادہ۔
یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عدل کے قریب تر ہے،
اور یہ (لکھنا) بہت محفوظ رکھنے والا ہے گواہی کو،
اور آسان طریقہ ہے تمہیں شک سے بچانے کے
لئے، مگر یہ کہ سودا دست بدست ہو،
جس کا تم لین دین آپس میں کرو،
پس (اس صورت میں) تم پر کچھ حرج نہیں اگر نہ لکھو۔
اور گواہ بنالیا کرو جب خرید وفروخت کرو۔
اور نہ ضرر پہنچاؤ لکھنے والے کو اور نہ گواہ کو،
اور اگر تم ایسا کرو گے تو یہ تمہارے لئے

وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ نافرمانی کی بات ہوگی، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو،

اور اللہ تعالیٰ تمہیں سکھاتا ہے (آداب لین دین)،

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ○ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

489- اقتصادی دستاویز کا حکم۔آداب لین دین:-

آیۂ کریمہ 282 ہر طرح کے مالی معاملات اور انتظامات (Finance Management) کیلئے شاہکار ہے اور دنیا بھر کے مالیاتی ماہرین کیلئے ایک زبردست آئینی دستاویز ہے اس میں اللہ تبارک تعالیٰ نے کاروبار، تجارتی اور اقتصادی نظم (Decipline) کے متعلق تفصیلاً احکام دیئے ہیں تاکہ معاشرہ ظلم، جھگڑے، اختلافات اور مقدمہ بازی سے محفوظ رہے۔افسوس کہ آجکل مسلمان معاملہ کرتے وقت دستاویز لکھنے سے شرماتے ہیں لیکن بعد میں شک وتردد کا شکار ہوکر لڑنا بھڑنا شروع کردیتے ہیں۔اس آیہ کریمہ میں مالی لین دین کے قواعد کے سلسلہ میں انیس احکام بیان کئے گئے ہیں جو کہ حسب ذیل ہیں:

1- لین دین کی ساری شرائط ضبط تحریر میں لانا لازمی ہے۔

2- لین دین کی دستاویز کوئی تیسرا شخص لکھے۔

3- کاتب کو چاہئے کہ دستاویز لکھتے وقت حق کو پیش نظر رکھے اور عین واقعہ کے مطابق لکھے۔

4- کاتب دستاویز لکھنے میں گریز نہ کرے۔

5- معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا دستاویز لکھنے سے احتراز نہ کیا جائے۔

6- معاملے کے دونوں فریق میں سے جس نے قرض لیا ہے وہ املاء لکھائے۔

7- مقروض یا جس کے ذمہ حق واجب الادا ہے املاء کراتے وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور تحریر واضح طور پر لکھائے تاکہ بعد میں کوئی شک وشبہ نہ ہو۔

8- اگر مقروض کم عقل، نادان صفت ہو یعنی اپنے معاملات کی دیکھ بھال نہ کرسکتا ہو، اپنے نفع ونقصان کو نہ سمجھتا ہو تو والی مقرر کرے جو اس کی طرف سے لکھوائے۔

9- والی کو بھی چاہئے کہ انصاف وعدل کے تمام تقاضے پورے کرے۔

10- طرفین کیلئے دستاویز پر دو گواہ بنانے ضروری ہیں۔

11- یہ دونوں گواہ بالغ مسلمان ہوں۔

12- ایک مرد اور دو عورتیں بھی گواہی دے سکتی ہیں۔

13- گواہ قابل اعتماد ہونا ضروری ہیں۔

14- جب گواہ دو مرد ہیں تو ان میں سے ہر ایک علیحدہ علیحدہ گواہی دے گا۔

15- اگر گواہ دو عورتیں اور ایک مرد ہوں تو چاہئے کہ جب عورتوں میں سے ایک گواہی دے رہی ہو تو دوسری اس بات کا خیال رکھے کہ وہ کچھ بھول تو نہیں رہی اور بھولنے کی صورت میں یاد کروا دے۔

16- قرض کا معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا تحریر میں لانا چاہئے۔قرض تھوڑا ہونے کی بناء پر بھی دستاویز کے لکھنے میں کوتاہی نہیں ہونی چاہئے۔

17- اگر معاملہ نقد ہو تو دستاویز لکھنا ضروری نہیں۔

18- نقد معاملات کی صورت میں اگرچہ تحریر ضروری نہیں لیکن (خصوصاً بڑے معاملات میں) گواہ بنا لینا بہتر ہے۔

19- گواہوں اور کاتبوں پر کسی قسم کا پریشر، تشدد یا سختی کرنا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنا ہے۔

490- ڈاکومینٹڈ اکانومی(Documented Economy) کاروبار میں حساب کتاب:-

موجودہ دور میں(Ducomented Economy) ڈاکومینٹڈ اکانومی کا بڑا چرچا ہے اور جدید مالیاتی نظام کی کامیابی میں اسکی جو اہمیت ہے اس سے کون واقف نہیں، لیکن جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے آیۃ مبارکہ 282 سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کیلئے تو یہ ایک عبادت بھی ہے۔ عقل حیران ہے کہ 1400 سال پہلے اللہ تعالیٰ نے لین دین کے مسائل پر ڈاکومنٹیشن(Documentation) کی کس قدر تاکید کی ہے۔مغربی دنیا کی اقتصادی ترقی کا راز بھی اللہ تعالیٰ کی کتاب میں دی گئی انہی ہدایات کی بنا پر ہے۔افسوس مسلمانوں پر کہ آج وہ معاملہ کرتے وقت لکھنے سے شرماتے ہیں لیکن بعد میں غلط فہمیوں اور شک وشبہات کی بنا پر جھگڑا کرنے میں شیر ہوتے ہیں۔ آپس کے بہت سارے جھگڑے اور مقدمہ بازی کی بنیاد ان ہدایات پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے ہے۔

491- لکھنے والے کی قدرومنزلت:-

آیۃ مبارکہ 282 لکھنے کی تاکید کے ساتھ لکھنے والے کی قدرومنزلت بھی ظاہر کرتی ہے اور یہ ایک وجہ تھی کہ ابتداء اسلام میں مسلمانوں میں لکھنے پڑھنے کا سو فیصد شوق پیدا ہو گیا اور ان میں حساب کتاب اور دستاویز کا علم بڑی ترقی کر گیا۔مثلاً اسلام کے ابتدائی دور ہی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ دوم نے اسلامی خلافت کے تمام علاقوں میں مالیہ کے دفاتر قائم کئے اور حساب کتاب کا نظام رائج کیا، زمین کی پیمائش کرائی اور آبادی کی مردم شماری کی گئی۔

492-عورتوں کی گواہی:۔

آیۃ مبارکہ 282 میں عورتوں کو بھی گواہی کا حق دیا گیا ہے۔ یہ عورتوں کے انسانی حقوق کی طرف بہت بڑی پیش رفت تھی۔ زمانہ ماقبل قرآن، دنیا میں عورت کی کوئی حیثیت نہیں تھی حتیٰ کہ اس کی گواہی بھی قبول نہیں ہوتی تھی۔ اس آیہ مبارک سے تاریخ میں پہلی دفعہ عورت کو معاشرہ کے لین دین کے معاملات اور عدالتوں میں مرد کے برابر مقام عطا ہو گیا۔

بعض کوتاہ بین متشرقین اوران کے زیراثر مسلمان دانشور، اللہ تعالیٰ کے حکم "اگر دو مرد نہ ہوں تو پھر ایک مرد اور دو عورتیں گواہ بنالو' پر تنقید کرتے ہیں کہ عورت کی گواہی آدھی ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ایک ہی عورت نے گواہی دینی ہے۔ یعنی ایک عورت کی گواہی پوری گواہی ہے، دوسری عورت اس لئے ہے کہ عدالت میں اپنی قدرتی شرم وحیاء کی وجہ سے گھبرا نہ جائے اور اگر گھبراہٹ میں کچھ بھول جائے تو اس کی ساتھی اسے یاد کرادے تاکہ گواہی میں کوئی اعتراض کا پہلو نہ رہ جائے لیکن افسوس ان ذہنیتوں پر جو آدھی گواہی کے نام پر اپنے رب تعالیٰ کا مذاق اڑانے کی جسارت کرتے ہیں۔ (استغفر اللہ)

اس ضمن میں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ دو عورتوں کی گواہی کی شرط مالی معاملات کے سلسلہ میں ہے لہٰذا اس حکم کا دوسرے مسائل اور مقدمات میں اطلاق ایک اجتہادی مسئلہ ہے۔

493- گواہوں کے حقوق وفرائض:۔

آیۃ مبارکہ 282 میں گواہوں کے حقوق اور فرائض کو بھی واضح کیا گیا ہے اور حکم دیا گیا ہے کہ گواہ اور کاتب کو کسی قسم کا ضرر، تکلیف یا نقصان نہ پہنچایا جائے۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اگرچہ لین دین میں حساب کتاب کا رکھنا (Documentation) فرض ہے لیکن اگر سودا دست بدست ہو تو پھر تحریر نہ لکھنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں، البتہ بہتر یہی ہے کہ کسی نہ کسی طرح کا ثبوت رکھا جائے۔ بہر حال گواہ کرنا ضروری ہے۔ آیہ مبارک کے آخر میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں لین دین یعنی اسلامی معاشی نظام قائم کرنے کے لئے ضروری آداب سکھاتا ہے اور وہ خوب جانتا ہے کہ تم کیا عمل کرتے ہو۔ اسکی آخرت میں ضرور پوچھ گچھ ہوگی۔

اس سے اگلی آیت کریمہ میں غیر معمولی حالات میں کاروباری لین دین نمٹانے کے متعلق ہدایات ہیں۔ فرمایا..

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ	**283-** اور اگر تم سفر پر ہو،
وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا	اور نہ پاؤ کوئی لکھنے والا،
فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ	تو کوئی چیز گروی رکھ لیا کرو باقبضہ۔

فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا
پس اگر تم ایک دوسرے پر اعتبار کرتے ہو،

فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ
تو چاہئے کہ جس پر اعتبار کیا گیا اپنی امانت واپس کر دے،

وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ
اور ڈرے اللہ تعالیٰ سے جو اس کا رب ہے۔

وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ
اور مت چھپاؤ گواہی کو،

وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ
اور جو شخص چھپاتا ہے تو یقیناً گنہگار ہے دل کا،

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ○
اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔

لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ
284- اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے، اور زمین میں ہے،

وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِىْٓ اَنْفُسِكُمْ
اور اگر تم ظاہر کرو جو کچھ تمہارے نفس کے اندر ہے،

اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ
یا اسے چھپاؤ، اللہ تعالیٰ اس کا تم سے حساب لے گا۔

فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ
پھر بخش دے گا جسے چاہے گا، اور عذاب دے گا جسے چاہے گا،

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ○
اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

494- گروی اور رہن:-

آیۃ کریمہ 282 میں اقتصادی معاملات کرتے وقت لکھنے کی ہدایت کی تھی لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ لکھنے والا نہ ملے یا کسی اور وجہ سے معاملہ لکھا نہ جا سکے۔ آیۃ مبارکہ 283 میں اس طرح کے غیر معمولی حالات کے لئے حکم دیا گیا ہے کہ قرض دینے والا مقروض کی کوئی چیز گروی یا رہن رکھ لے۔ ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ جب مقروض قرضہ واپس کر دے تو گروی میں دیا گیا مال و اسباب واپس کر دیا جائے۔ شریعت میں مالک کی اجازت کے بغیر گروی شدہ مال کا استعمال منع ہے۔

495- گواہی چھپانا سخت گناہ ہے:-

آیۃ مبارکہ 283 میں گواہی کی حرمت کا بیان ہے۔ انسان کا سارا قانون اور کاروبار گواہی پر ہی چلتا ہے۔ اگر گواہ حق کو چھپائیں،

جھوٹی گواہی دیں تو پورے معاشرہ میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایاوَ لَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ اورمت چھپاؤ گواہی اور جو شخص گواہی کو چھپاتا ہے یقیناً وہ دل سے گنہگار ہے"۔ اسکا یہ مطلب ہے کہ حق بات ظاہر کرنا ضروری ہے اگر جانتے ہوئے بھی ہم حق کی گواہی کو چھپاتے ہیں تو قلب پر گناہ چڑھتا رہے گا حتیٰ کہ یہ ہدایت قبول کرنے کے قابل نہیں رہے گا۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ خود فرمادے کہ" وہ یقیناً دل سے گنہگار ہے" تو اس کے دوزخی ہونے میں کیا شک باقی رہ جائے گا۔ دل سے گنہگار ہونے کا یہ بھی مطلب ہے کہ ان کے دل میں نفاق ہوتا ہے بالآخران کے دلوں سے دین اٹھ جاتا ہے اور وہ کفر پر مرتے ہیں۔

بعض اوقات لوگوں کے سامنے جرم ہوتا ہے لیکن مصلحت کی بناء پر یا پولیس اور عدالتوں کے خوف سے گواہ نہیں بنتے چنانچہ گواہوں کے نہ ملنے کی وجہ سے مجرم فائدہ اٹھا جاتا ہے۔ بظاہر ایسا ہونا مجبوری کی وجہ سے ہے اس لئے ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ معاف فرمادے، لیکن آیۃ مبارکہ 283 سے صاف ظاہر ہے کہ یہ بھی ایک بڑا گناہ ہے اللہ تعالیٰ ان کے گواہی چھپانے کے عمل کو جانتا ہے دراصل وہ اللہ تعالیٰ کے چور ہیں۔ جسکی انہیں سزا مل کر رہتی ہے۔

آیۃ مبارکہ 284 میں اس بات پر بھی زور دیا گیا ہے کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے اور اس سے کوئی چیز چھپی نہیں۔ لہٰذا اگر تم گواہی چھپاتے ہو یا کوئی گناہ چھپ کر کر لیتے ہو تو دنیا جانے یا نہ جانے، اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اور وہ ایک ایک بات کا حساب رکھتا ہے۔ یہ اس کی شان ہے کہ جسے چاہے بخش دے اور جسے چاہے عذاب دے، لیکن حساب (Accountability) سے بچت نہیں ہوگی اس لئے ہمیں ہر حال میں رب تعالیٰ سے ڈرنا چاہئے۔ اس کی پکڑ بڑی سخت ہے اور حق کو چھپانا اور ظالم کے خوف سے ظلم کے خلاف گواہی نہ دینا سخت ناپسندیدہ عمل ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ظلم کے خلاف حق کی گواہی دینا ایک قسم کا جہاد ہے اور یہ قرآن حکیم کی تعلیم کا ایک بہت اہم حصہ ہے۔ اگلی آیات مبارکہ ایمان کی گواہی کے سلسلہ میں مسلمان اور کافر کے امتیاز کو واضح کرتی ہیں ۔فرمایا......

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ	285- رسول (ﷺ) ایمان لایا اس پر،
مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ	جو اس کے رب کی طرف سے اس پر نازل ہوا، اور مومنین بھی۔
كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ	یہ سب ایمان لائے ہیں اللہ تعالیٰ پر اور اسکے فرشتوں پر،
وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ	اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر،
لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ	

وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ق
غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ○

(اور شہادت دی کہ) ہم اس کے رسولوں میں سے
کسی ایک کے درمیان بھی فرق نہیں کرتے،
اور کہا ہم "نے غور سے سنا اور اطاعت کی،
تیری بخشش ہو ہمارے لئے، اے رب ہمارے
اور ہمیں تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ
لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ
رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ
اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ
رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ
اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ
عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ
رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ
وَاعْفُ عَنَّا وقفہ
وَاغْفِرْ لَنَا وقفہ
وَارْحَمْنَا وقفہ اَنْتَ مَوْلٰىنَا
فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ○

286- اللہ تعالیٰ کسی پر مشقت نہیں ڈالتا
مگر اسکی وسعت کے مطابق،
اس کے لئے وہ ہے جو کمایا اس نے،
اور اسے بدلہ ملے گا کمائی کے مطابق۔
(اور وہ دعا مانگتے ہیں)
اے رب ہمارے، نہ مواخذہ کر ہم سے
ہماری بھول چوک پر اور ہماری خطاؤں پر۔
اے رب ہمارے، اور نہ ہم پر بوجھ ڈال
جیسا تو نے ڈالا تھا ہم سے پہلے لوگوں پر۔
اے رب ہمارے، اور نہ ہم سے وہ اٹھوا،
جس کی برداشت کی طاقت ہم میں نہیں۔
ہمیں معاف فرمادے، اور ہمیں بخش دے اور
ہم پر رحم فرما، تو ہی ہمارا آقا ہے،
پس تو ہمیں کافروں پر کامیابی عطا فرما۔

496- محمد رسول اللہؐ۔ حق کا اولین گواہ۔ پہلا مومن:۔

سورۃ بقرہ کا آغاز تھا.... ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ "یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی

شک نہیں اور ہدایت ہے متقین کے لئے'' اسکے آخر میں فرمایا گیا ہے ...**اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّه**.....''رسول ایمان لایا اس پر جو اس کے رب کی طرف سے اس پر اترا''

متقین کا سردار، سچا ترین انسان، خاتم النبین، صادق الامین آپ ﷺ پر کروڑوں درود و سلام، سب سے پہلے آپ کی ذات اقدس خود اللہ تعالیٰ کی وحی کی تصدیق کرتی ہے اس پر ایمان لاتی ہے اور پھر اسے تمام دنیا کے انسانوں کے سامنے پیش کر دیتی ہے۔تا کہ وہ بھی یہی گواہی دیں **'' اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھدان محمد ا رسول اللہ''**

آیۃ مبارکہ 285 اس بات کو واضح کرتی ہے کہ ہم سب کے ایمان کی بنیاد ہی رسالت مآب ﷺ پر ایمان ہے۔اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، ان سے پہلے آنے والے رسولوں اور غیب کے تمام حقائق پر ہمارا ایمان شمع رسالت ہی ایک کرن ہے۔ان کی ذات پاک سے ہی ہم نے سیکھا ''اللہ تعالیٰ کے نبیوں اور رسولوں میں فرق نہ کرو''۔یوں ہم تمام سچے مذاہب کے نمائندے بن کر دنیا کے سامنے آئے، اور ان کے پیغمبروں پر ایمان لائے۔یہ سب آپ کے عالی مقام ﷺ کا نتیجہ ہے۔اللہ تعالیٰ کی اطاعت بھی آپ ﷺ کی سمع و اطاعت کے دم سے ہے۔آپ ﷺ پر کھربوں کھربوں درود و سلام۔بے شک اگر آپ ﷺ نہ ہوتے تو آج دنیا جاہل مطلق ہوتی۔

اللّھمّ صل علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد ۔ کما صلیت علیٰ

ابراھیم وعلیٰ آل ابراھیم۔ انك حمید مجید

497 - دین کا خلاصہ:-

آیۃ مبارکہ 285 کے آخر میں مومن کی زبان سے یہ کہلایا گیا **سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا۔ غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَاِلَیْکَ الْمَصِیْرُ**
''ہم نے سنا اور اطاعت کی۔ہم تیری ہی بخشش چاہتے ہیں اور ہمیں تیری ہی طرف لوٹنا ہے'' یہ ہے دین کا خلاصہ۔مومن وہ ہے جو حجت باز نہیں۔جب اسے اللہ کا کلام یا نبی پاک ﷺ کا کوئی حکم سنایا جاتا ہے تو اس کا ردعمل تامل کا نہیں ہوتا، نہ ہی وہ اس کے فوائد اور نقصانات کے متعلق سوچتا ہے بلکہ فوری اطاعت اور عمل کی طرف پہل کرتا ہے، اپنی کمزوریوں پر نظر رکھتا ہے اور بہترین کوشش کے باوجود متواتر معافی کا خواستگار رہتا ہے۔اسکی زندگی میں اگر کوئی فکر ہے تو یہی کہ مالک ناراض نہ ہو جائے، اور جب اس کے سامنے حاضری ہو تو غلام رسوانہ ہو جائے۔

498- استطاعت اور اعمال:-

آیۃ مبارکہ 286 جملہ انسانیت کے لئے بڑی خوشخبری اور اسکی تسلی کا باعث ہے۔رب تعالیٰ کا یہ فرمان کہ **لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ لَهَا مَا کَسَبَتْ وَعَلَیْهَا مَا اکْتَسَبَتْ**۔ہر ایک شخص کے لئے خوشیوں کا پیغام ہے۔''اللہ تعالیٰ کسی نفس پر اس کی استطاعت سے بڑھ کر مشقت نہیں ڈالتا اور ہر ایک کے لئے وہی ہے جو اس نے کمایا'' یہ روحانی اور دنیاوی زندگی کے لئے عالمی

قانون عدل (Universal Law of Justice) بھی ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کے تمام فرائض اور احکامات ہر انسان کی استعداد اور استطاعت کے اندر اندر اس کے امتحان کے پرچہ جات ہیں، یعنی اگر استطاعت کم ہے تو احکام کی تعمیل میں بھی اسی قدر رعایت ہو جاتی ہے۔مثلاً حج اسی پر فرض ہے جس کے پاس جسمانی اور مالی ذرائع ہیں، روزہ کی بیمار اور مسافر پر رعایت ہے، زکوٰۃ مال دار پر ہے، نماز میں قیام رکوع اور سجود سبھی شرائط صحت اور قوت کے ساتھ منسلک ہیں۔

یعنی اللہ کے دین میں خواہ مخواہ کی سختی نہیں۔ جسے کم دیا گیا اس کی اسی قدر کم ذمہ داری ہے اور جسے زیادہ دیا گیا وہ اسی قدر زیادہ ذمہ دار ہوگا۔اس لئے انسان کا یہ فرض ہے کہ حسب استطاعت اطاعت میں اپنی بہترین کوشش کرتا رہے توفیق اسی ہی کی طرف سے ہے۔باقی اللہ تعالیٰ دلوں کے بھید جانتا ہے، وہ ہر چیز کا پورا پورا حساب رکھ رہا ہے لیکن غفور الرحیم بھی ہے۔حضور پاک ﷺ کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے اسکے ظن کے مطابق معاملہ کرتا ہے۔اس لئے ہمیں اپنے رب تعالیٰ سے بہترین توقع رکھنی چاہیے۔

یہیں سے ہمیں یہ سبق بھی ملتا ہے کہ آپس کے معاملات میں بھی انسان کو قانون استطاعت کو رہنما بنانا چاہئے کہ کسی پر اس کی وسعت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے مثلاً مزدور سے اس کی ہمت اور قوت سے زیادہ کام نہ لیا جائے، لوگوں پر ٹیکس وغیرہ ان کی وسعت سے زیادہ نہ لگائے جائیں، نہ ہی استطاعت سے زیادہ ذمہ داری ڈالی جائے اور نہ ہی قابلیت سے بڑھ کر کسی کو کوئی عہدہ دیا جائے۔یعنی میرٹ فسٹ (Merit First) بنیادی انسانی حق ہے۔

499- عالمی قانون انصاف:-

آیۃ مبارکہ 286 کا حکم **لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ** ''اس کے لئے وہ ہے جو اس نے کمایا اور اس پر وہی ہے جو اس نے کیا''۔انسانی حقوق کیلئے بنیادی اصول ہے ،یعنی لوگوں کو ان کی محنت اور صلاحیت کا بدلہ ملنا چاہئے۔اس لحاظ سے صلاحیت سے کم یا زیادہ دینا دونوں ہی ناجائز ہیں۔معاوضہ کی شرح کا تعین بھی صلاحیت اور محنت کے مطابق ہونا چاہئے علاوہ ازیں کسی دوسرے کو کسی کے قصور میں نہیں پکڑا جا سکتا، نہ ہی کسی کی محنت کا حق کسی اور کو دیا جا سکتا ہے، محنت کرے کوئی دوسرا اور فائدہ اٹھائے کوئی اور، اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔

اس آیۃ مبارکہ کے مطابق ہر قسم کا استحصال، ناحق ذرائع کا استعمال، غیر قانونی قبضہ، رشوت، اقربا پروری اور بلا محنت کی کمائی ناجائز ہیں۔یہ برابر مواقع (Equal opportunity) کا قانون ہے اسکے مطابق جنس، رنگ نسل، امارت غربت، خاندان وغیرہ کی بنا پر مواقع کی فراہمی میں کسی سے امتیاز کرنا گناہ ہوگا۔زندگی ہو یا موت انسان کے زمان و مکان کے سفر میں ہر جگہ یہی قانون لاگو ہے۔

حضور پاک ﷺ کے سامنے ایک فاطمہ نامی خاتون کو چوری کے جرم میں لایا گیا جو کسی معزز خاندان سے تھی۔ صحابہ کرامؓ میں سے بعض نے سزا میں نرمی کی استدعا کی تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''خدا کی قسم اگر فاطمہؓ بنت محمد ﷺ نے بھی چوری کی ہوتی تو میں اسے بھی یہی سزا دیتا''۔ ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے اپنی لختِ جگر فاطمۃ الزہرہؓ سے فرمایا ''فاطمہ اس خیال میں نہ رہنا کہ میں نبی کی بیٹی ہوں بے شک ہر انسان کو وہی کچھ ملے گا جس کے لئے اس نے کوشش کی''۔

500- جامع دعا:-

سورہ بقرہ کا اختتام ایک نہائت شاندار، جامع، پرمعنی اور پرہدایت دعا پر ہوتا ہے، ایسی دعا جس کا ایک ایک لفظ قابل غور ہے۔ اس دعا میں آدمی اپنے رب سے زندگی کی مشکلات وامتحانات اور آزمائشوں سے پناہ مانگتا ہے، اپنی کمزوریوں کا اعتراف کرتا ہے اور دین کے فرائض کی ادائیگی میں طاقت، قوت اور استطاعت کی بھی دعا کرتا ہے اور جو طاقت سے باہر ہے اس کیلئے معافی کی درخواست کرتا ہے۔ یعنی یہ صرف دعا ہی نہیں، بلکہ مومن کو عمل پر ابھارنے کا نسخہ بھی ہے۔

ہم اگر اسکے مطابق اپنی اصلاح کا عمل جاری رکھیں تو قبولیت میں کوئی شک نہیں ہونا چاہیے، اس لئے کہ دعا سکھانے والا بھی وہ خود اور معاف کرنے والا بھی خود ہے (سبحان اللہ) فرمایا ''**رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا** . . اے ہمارے رب! ہمیں نہ پکڑ ہماری بھول چوک پر۔ ہماری کمزوریوں اور کوتاہیوں پر.........'' اس کا مطلب یہ ہے کہ بلا ارادہ بھول چوک، کوتاہی اور کمزوری قابل معافی ہے اور آپس کے معاملات میں ان باتوں پر درگزر کرنا عین اسلام ہے۔

یہ دعا جہاد کا بھی پیغام دیتی ہے، اللہ کی راہ میں مشکلات اٹھانے اور قربانی کرنے کے لئے ذہن سازی بھی کرتی ہے۔ اس میں دعا کے ساتھ ساتھ مومن کی زندگی کا مقصود بھی واضح ہوتا جاتا ہے، جو کفر پر فتح حاصل کرنا ہے۔ فرمایا **اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ** ''اے اللہ تو ہمارا مالک ہے، کافروں کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما'' جو اس بات کا آئینہ دار ہے کہ کفر اور اسلام کی جنگ تاقیامت جاری رہے گی۔ مومنین کی یہ شان ہے کہ وہ اس معرکہ میں ثابت قدم رہنے کی کوشش کرتے ہیں، ہر طرح کے کفر کے خلاف حسب استطاعت برسرپیکار رہتے ہیں اور اس جہاد میں اللہ تعالیٰ سے کامیابی کے لئے مسلسل دعائیں مانگتے رہتے ہیں۔

غرض آیۃ مبارکہ 286 قرآن کریم کی بہترین دعاؤں میں سے ایک دعا ہے۔ جو لوگ دل سے اسے زندگی کا ورد بنالیں گے انشاءاللہ ان کے ظاہری اور باطنی حالات ٹھیک ہو جائیں گے، ان کی غیب سے مدد ہوگی، انہیں مشکلات ومصائب اور آزمائشوں سے بچالیا جائے گا، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انہیں ہدایت مل جائے گی اور مرنے کے بعد ان سے آسانی کا برتاؤ ہوگا (انشاءاللہ)۔

آؤ پھر سے دعا کریں۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا..... "اے رب ہمارے، ہمیں ہمارے اندر کے کفر سے نجات عطا فرما، باہر کے کفر کے خلاف ہماری نصرت فرما اور تو ہم سے راضی ہوجا۔ آمین!

☆☆☆..................☆☆☆..................☆☆☆

Tahir - Atif

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میں نے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس سورۃ البقرہ کی طباعت کے وقت اس کا ہر صفحہ بغور پڑھا ہے یقین ہے کہ اس کی کتابت کے الفاظ اور اعراب دونوں بالکل صحیح ہیں۔ دورانِ طباعت اگر چھپائی میں کوئی زیر، زبر، پیش، جزم تشدید رہ جائے تو اس کا متن کتابت کی صحت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ لہٰذا میرا یہ سرٹیفکیٹ متن کی صحت کی حد تک محدود ہے۔

مصطفیٰ

5-4-2003

حافظ القاری غلام مصطفیٰ

ضمیمہ - ۱

ارتقائے آدم...........ایک سائنسی کہانی

(اس کہانی کی بنیاد انسان کے متعلق جدید سائنسی دریافتیں ہیں)

انسان کی کہانی اگرچہ ہماری اپنی کہانی ہے لیکن اس مسئلہ پر جس قدر مذہب اور سائنس میں نزاع ہے اتنا کسی دوسرے مسئلہ پر نہیں۔ موجودہ سائنس انسان کے ارتقاء کی قائل ہے جسکے مطابق انسان منزل درمنزل نچلی سطح سے ترقی کرتا ہوا آدمی کے مقام تک پہنچا ہے۔اس نظریہ کی بنیاد پرانی ہڈیوں کے تجزیہ پر ہے لیکن ابھی تک دس بارہ ہزار سال سے زیادہ پرانا مکمل انسانی ڈھانچہ نہیں ملا ہے۔اس لئے انسان کے بارے سائنسی دریافتیں حتمی نہیں ہیں۔اس سلسلہ میں چھوٹی چھوٹی ہڈیوں کے ٹکڑے تیس لاکھ سال پرانے بھی ملے ہیں جن پر گمان ہے کہ وہ شاید کھڑی حالت میں چلنے والے کسی حیوان کے ڈھانچہ کے حصے ہوں لیکن وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔یوں انسان کی تخلیق کے بارے میں ابھی تک سائنسی علم کی بنیاد صرف ظن وتخمین ہے۔جہاں تک مذاہب کا تعلق ہے انکے نظریات کی بنیاد اعتقاد پر ہے۔ذیل میں ہم قرآن پاک کے حقائق اور جدید سائنس کی دریافتوں کے مطابق اس مسئلہ پر روشنی ڈالیں گے۔

سائنسی تعریف کے مطابق وہ تمام حیوانات جو دو ٹانگوں پر سیدھا چلتے ہیں وہ انسانی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔چنانچہ چمپینز اور بندر بھی چونکہ دو پاؤں اور چار پاؤں، دونوں طرح چل سکتے ہیں اس لئے ان کا بھی کسی وقت انسان کے ساتھ رشتہ ملا دیا گیا ہے۔یعنی کسی جانور کی انسانی تعریف اسکی مشابہت کی بنا پر ہے اسکے روحانی اور دماغی پہلوؤں کا اس میں کوئی دخل نہیں اس موضوع پر انگریزی رسالہ ٹائم (The Times, Jan17, 2000) میں اب تک ہونے والی سائنسی دریافتوں کا تجزیہ پیش کیا گیا تھا۔اس کے مطابق صورت حال کچھ یوں ہے کہ ''اگرچہ آدمی بھی دوسرے حیوانوں کی طرح ایک حیوان ہے جو مختلف ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے موجودہ حالت تک پہنچا ہے، لیکن اپنی موجودہ حالت میں وہ تمام حیوانی نوع سے بہت مختلف ہے۔زبان، تہذیب، صنعت میں وہ یکتا ہے۔بنیادی بیالوجی میں بھی وہ باقی حیوانات سے علیحدہ ہے۔اس لئے اسکا ارتقاء ایک خصوصی اور یکتا عمل ہی ہوسکتا ہے''۔یعنی سائنس اس بات کو ماننے لگی ہے کہ انسان اپنی تخلیق میں تمام نوع حیوانی سے علیحدہ خصوصی حیثیت کا مالک ہے۔یہ وہی بات ہے۔جس کے متعلق قرآن حکیم واضح طور پر دعوت دیتا ہے۔

ٹائم میں دیئے گئے مضمون سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ڈارون کے انسانی ارتقاء کے متعلق نظریہ میں پچھلی دوصدیوں میں کافی تبدیلیاں آچکی ہیں خاص طور پر یہ ثابت ہو چکا ہے کہ فطرت میں کسی نئی چیز کی تخلیق ہمیشہ کسی بہت بڑی اچانک جست (Quantum Jump) کے نتیجہ کی وجہ سے ہوتی ہیں۔لہٰذا ڈارون کا آہستہ آہستہ تبدیلی والا نظریہ کہ انسان بندروں سے بنا ہے اور یہ کہ طاقتور باقی رہ

جاتے ہیں (Survival of the Fittest) ٹھیک نہیں ہے۔ہم ان سائنسی دریافتوں کے تجزیہ کے بعد یہ کہہ سکتے ہیں کہ جدید انسانی سائنسی کہانی قرآن کریم کی نفی نہیں کرتی بلکہ کلام اللہ میں تخلیق آدم کا جو خاکہ بیان کیا گیا ہے وہ اسے سمجھنے میں مدد دیتی ہے۔

اس جدید سائنسی کہانی کے مطابق انسان سے پہلے زمین پر کروڑوں سالوں تک کئی قسم کے دو ٹانگوں پر چلنے والے حیوانات کے ادوار آتے رہے ہیں لیکن ان میں کسی ایک کو بھی انسان نہیں کہا جا سکتا۔ یہی وہ بات ہے جو قرآن کریم میں بھی سمجھائی گئی ہے۔اللہ تعالیٰ کی کتاب میں بھی دو، چار، چھ یا اس سے بھی زیادہ ٹانگیں رکھنے والے حیوانات کا ذکر ہے (45) 24،یعنی اسکے مطابق بھی انسان سے پہلے دو ٹانگوں والے حیوان زمین پر موجود رہے ہیں لیکن وہ انسان نہیں تھے۔سائنسی تحقیقات کے مطابق دو ٹانگوں پر چلنے والے حیوانات کا اچانک نکتہ آغاز کوئی پچاس لاکھ سال پہلے افریقہ میں ہوا تھا۔اس سے پہلے کے تمام حیوانات چار یا چار سے زیادہ ٹانگوں پر چلتے تھے،لیکن اس اچانک تبدیلی سے ایک نئی نوع کا حیوان وجود میں آ گیا جس کی نسل دو پاؤں پر چلنے کو ترجیح دینے لگی۔ یہ دو ٹانگی حیوان زمین پر کوئی بیس لاکھ سال تک رہے۔ پھر کچھ خوش آئند اچانک تبدیلیاں آئیں جن سے یہ کھڑے ہو کر چلنے والا حیوان مزید ترقی کر گیا لیکن ابھی تک وہ بندر نما ہی تھا۔ایک عرصہ کے بعد پھر اچانک کچھ تبدیلی آئی جس سے ان کا دماغ پہلوؤں کی نسبت زیادہ تیز ہو گیا۔ پچھلے بیس لاکھ سال تک، جب سے انسان نما حیوان نے سر اٹھا کر چلنا سیکھا تھا کچھ نہیں بدلا تھا لیکن اس نئے حیوان نے پتھر مار مار کر دوسرے جانوروں کو ہلاک کرنا شروع کر دیا اور یوں وہ سبزی خور سے گوشت خور بھی بن گیا۔ پتھروں کے استعمال کی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ وہ انسان نما حیوان ٹیکنالوجی کے دور میں داخل ہو گیا۔اس تبدیلی نے اس کے رہن سہن پر بھی کافی اثر ڈالا، وہ پہلے سے زیادہ سوچنے لگا اور زیادہ ہوشیار ہوتا گیا جس سے اس کا دماغ بھی بڑھنے لگا۔ لیکن پھر بھی وہ انسان نہیں تھا۔

اس کے بعد کی سائنسی کہانی یہ بتاتی ہے کہ کوئی بیس لاکھ سال پہلے زمین پر پھر اچانک کچھ خوش آئند قدرتی تبدیلیاں آئیں جس کے نتیجہ میں ان بندر نما انسانوں سے ایک نئی نسل پیدا ہوئی جو اپنے آباؤ اجداد سے زیادہ ہوشیار اور تیز چلنے والی تھی۔ ان کا جسم بھی زیادہ سیدھا تھا اور پہلے والوں کی نسبت لمبے بھی زیادہ تھے۔ تقریباً چار لاکھ سال بعد انہوں نے اپنے وطن افریقہ کو خیر باد کہا اور وہاں سے دوسرے براعظموں میں پھیلنے لگے۔ یہ حیوان جس کو (Homoerectus) یعنی سیدھا کھڑے ہونے والے انسان نما حیوان کا نام دیا گیا ہے، اپنی اس حالت میں تقریباً سولہ لاکھ سال سے زیادہ عرصہ تک زمین پر آباد رہا۔ ان کی طبیعت سیلانی تھی، وہ اکٹھے سفر کرتے ،اور خاندان بنا کر رہتے ، پتھروں کا استعمال جانتے تھے اور خوب خون بہاتے تھے۔لیکن انہیں بھی انسان نہیں کہا جا سکتا۔ان کی کوئی خاص زبان (Language) نہیں تھی۔ اظہار خیال کے لئے چند آوازیں تو نکال سکتے تھے لیکن کوئی واقعہ بیان نہیں کر سکتے تھے،اور اپنے تجربات دوسروں کو نہیں بتا سکتے تھے جبکہ انسان کی خصوصیت اسکی زباندانی میں ہے۔قرآن کریم بھی یہی بتاتا ہے کہ انسان پر اللہ تعالیٰ کا خاص احسان اسکے اظہار بیان کی صلاحیت ہے۔جس کے بارے سورہ الرحمان میں فرمایا گیا ہے..... **خَلَقَ الْاِنسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ۔**

سائنس کے مطابق پھر دنیا میں اچانک کچھ قدرتی تبدیلی آئی جس کے نتیجہ میں دو لاکھ سال ہوئے جب انہی میں سے ایک نئی نسل نکلی جس کا دماغ بھی زیادہ تھا اور بھاگنے کے لئے ان کی ٹانگیں بھی زیادہ موزوں تھیں۔ ان کو نینڈرتھل (Neanderthal) کا نام دیا گیا ہے۔ نینڈرتھل زمین پر ایک لاکھ سال سے زیادہ عرصہ تک آباد رہے۔ یہ خاندان کی شکل میں غاروں میں رہنا پسند کرتے تھے۔ دوسرے جانوروں کا شکار ان کا محبوب مشغلہ تھا، پتھر اور لکڑی ان کے ہتھیار تھے، دیگر جانوروں کے متعلق رحم کے جذبات سے عاری تھے، آپس میں خون ریزی اور دوسرے جانوروں کے خون بہانے میں گریز نہیں کرتے تھے۔ لیکن سائنس ان کو بھی انسان نہیں مانتی۔

پھر اچانک ایک انقلاب آیا اور موجودہ انسان کے آباؤاجداد پیدا ہو گئے جن کو ہوموسیپین (Homosapien) کہا جاتا ہے۔ یہ پہلے والوں سے طور اطوار میں بہت زیادہ تہذیب یافتہ تھے۔ کچھ عرصہ ہوموسیپین (Homosapien) اور ان کے کزن Homonide ساتھ ساتھ رہتے تھے لیکن ان میں باہمی اختلاط کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ یہ نئی نسل پہلے والوں سے زیادہ خوبصورت، زیادہ لمبی، متوازن اعضا اور بڑے سر والی تھی۔ اس کا دماغ تقریباً 1000cc تھا جبکہ جدید انسان کا دماغ 1300cc ہے، اس لئے انہیں بھی انسان نہیں کہا جا سکتا۔ بہرحال سائنس کے مطابق انسان کی تخلیق تک پہنچنے کے لئے فطرت کئی مرحلہ وار انواع سے گذری ہے، لیکن ابھی تک اس بات کی سمجھ نہیں آئی کہ جب نئی نسل پروان چڑھ جاتی تو پہلی نوع کیوں ختم ہو جاتی۔ نسلوں کے موت و حیات کے اس فارمولہ کے مطابق زیادہ سے زیادہ کوئی ایک لاکھ سال پہلے کی بات ہے کہ زمین پر پھر کچھ اچانک قدرتی تبدیلیاں آئیں جسکے نتیجہ میں ماسوائے ہوموسیپین باقی ہر طرح کے دو پاؤں والے حیوان مرکھپ گئے، ان کی نسلیں ناپید ہو گئیں اور صرف ہوموسیپین (Homosapien) ہی بچ رہے جو ایک خاص وقت تک زمین پر پھیلتے رہے۔ ان کے ہتھیار پہلی نسل سے بھی زیادہ بہتر تھے، وہ زیادہ سیدھے کھڑے ہو سکتے تھے، ان کی خوراک گوشت اور سبزی دونوں تھی، وہ جنگلوں میں رہتے تھے، ابھی گھر بنانا نہیں سیکھا تھا، خاندان اور قبائل کا کوئی تصور نہیں تھا۔ لیکن اکٹھے رہنے کو ترجیح دیتے۔

لیکن جدید سائنسی تحقیق اس نسل کو بھی موجودہ انسان کا درجہ نہیں دیتی۔ اس کے مطابق وہ بھی حیوانوں میں ایک اور حیوان تھا۔ فرق یہ تھا کہ اگرچہ وہ جسمانی طور پر اتنے طاقتور نہیں تھے لیکن ترقی یافتہ ہاتھ رکھتے تھے، اور دوسرے حیوانوں کی نسبت ان کا دماغ بھی تیز تھا۔ لہٰذا اپنے بچاؤ کے لئے تدبیر اور ہاتھوں کا بہتر استعمال کرتے تھے۔ خون ریزی اور مار دھاڑ ان کا کام تھا۔ یوں مزید پچاس ہزار سال اور گزر گئے۔ (ہو سکتا ہے کہ جنت میں تخلیق آدم کے وقت فرشتوں نے ان کی شکل و شباہت کو دیکھ کر یہ جو کہا تھا......"کہ یہ زمین پر خون بہائے گا"......دراصل ان کے دو ٹانگوں پر چلنے والے اس انسان نما حیوان کی بود و باش کے مشاہدہ کے نتیجہ میں ہو)۔

501- تخلیق آدم:-

ابھی تک کی سائنسی ارتقاء کی کہانی انسان نما دو پاؤں پر چلنے والے حیوانوں کے اردگرد گھومتی نظر آتی ہے جو تقریباً پچاس لاکھ سال

تک محیط ہے۔لیکن سائنس ان میں سے کسی کو بھی انسان نہیں مانتی۔کوئی چالیس پچاس ہزار سال پہلے کا واقعہ ہے کہ قدرت کے تخلیقی امر میں پھر اچانک کوئی بہت بڑی انقلابی تبدیلی آئی اور پہلی تمام انسان نما مخلوقات کے مقابلہ میں ایک بہت زیادہ ترقی یافتہ مخلوق پیدا ہوئی،جس کے دماغ کا حجم وہی تھا جو ہمارا ہے۔حیران کن بات یہ ہے کہ اس کے آتے ساتھ ہی پہلے والے دوٹانگی سارے حیوان مرگئے۔اس نئی تخلیق اور ان سے پہلے والوں میں ایک تو جسمانی خوبصورتی کا فرق تھا،نئی مخلوق متوازن اور بہت خوبصورت جسم کی مالک تھی اور اس کے علاوہ بہت زیادہ ذہنی فرق بھی تھا،مثلاً نئی تخلیق الفاظ کا استعمال جانتی تھی،خاندان کا قرب ان کے نزدیک بہت اہم تھا،اکٹھے رہتے اور اپنا مدعا، بات چیت اور الفاظ کے ذریعہ سمجھانے لگے تھے۔انہوں نے اپنے مردے دفن کرنا شروع کیئے،آرٹ اور مجسمے بنانے شروع کردیئے۔ان میں حیات بعد الموت کا تصور تھا،چنانچہ انہوں نے مرنے والوں کے ساتھ ان کے استعمال کی چیزیں بھی دفن کرنا شروع کردیں ان میں محبت اور ہمدردی کے جذبات بھی پہلے سے زیادہ تھے۔لہٰذا ان میں خاندانی روابط پیدا ہونے لگے،اپنے دفاع کے لئے مختلف قسم کے اوزار بنانے لگے، رہنے کے لئے گھروں کا تصور اجاگر ہوا اور بالآخر زراعت اور صنعت کا دور شروع ہوگیا۔امریکی بیالوجسٹ ٹاٹرسل Tattersal اپنی کتاب ''انسان ہونا''(Becoming Human) میں لکھتا ہے''بالآخر کوئی تیس ہزار سال پہلے انسان پیدا ہوگیا پہلی دفعہ ایجاد،تصنع،صنعت،آرٹ،ادب کا دور شروع ہوا جو پہلے ملین سالوں میں ہوتا تھا اب وہ دنوں میں ہونے لگا۔''

اب اگر اس سائنسی تجزیہ پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے انسان کی یہ کہانی قرآن کریم کے قریب ترین ہے۔ایک منزل سے دوسری منزل کی طرف ترقی تو ضرور ہوئی لیکن یہ تبدیلی ارتقائی یعنی آہستہ آہستہ نہیں تھی بلکہ ہمیشہ اچانک معرض وجود میں آئی۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کوئی بھی نئی تخلیق ارتقاء کا نتیجہ نہیں بلکہ انقلابی حالات کے نتیجہ میں معرض وجود میں آتی ہے۔جیسے قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کوئی امر نافذ کرتا ہے تو کہتا ہے''ہوجا۔اور وہ ہوجاتا ہے''یعنی کن فیکون کا قانون ارتقائی نہیں بلکہ انقلابی قانون ہے۔انسان کی سائنسی تاریخ میں یکے بعد دیگرے جو دوٹانگی حیوانوں میں تبدیلیاں آتیں رہیں وہ اس قانون کے مطابق اچانک تبدیلیاں تھیں۔

البتہ ارتقاء سے بھی انکار نہیں یہ آہستہ آہستہ تبدیلیوں کے لئے ضروری ہے۔اس طرح کی ترقی کو قرآن کریم کی زبان میں''نازل، انزل،نزول''وغیرہ کے الفاظ سے بیان کیا گیا ہے۔یہ ترقی زیادہ تر ماحولیاتی اثرات کی وجہ سے ہوتی ہے لیکن اس کے نتیجہ میں کوئی بڑی تبدیلی نہیں آتی۔بہر حال جیسے پہلے کہا جاچکا ہے بڑی تبدیلیاں ہمیشہ اچانک امر ہی سے معرض وجود میں آتی ہیں،جنہیں Quantum Jump کا نام دیا گیا ہے لیکن یہ اچانک تبدیلی کیسے ہوئی؟ کس نے کی؟ کیوں کی؟ سائنس کے پاس ابھی تک اسکا جواب نہیں۔جہاں تک موجودہ انسان کی بات ہے جدید سائنس کے مطابق ایسی بے شمار تبدیلیوں کے بعد تقریباً تیس چالیس ہزار سال پہلے ایسا انسان ظاہر ہوا اور وہ پہلے پیدا ہونے والی ہر نوع سے بہت مختلف تھا۔اسکا سب سے بڑا امتیاز چیزوں کے جاننے کی اہلیت یعنی علم اور اس سے کام لینے کی صلاحیت تھی۔اسکی پیدائش کے ساتھ ہی باقی تمام انسان نما حیوان کسی ناقابل سمجھ قدرتی عمل کی وجہ سے صفحہ ہستی سے ناپید ہوگئے۔یوں حضرت انسان بلاشرکت غیرے زمین کا حکمران ٹھہرا۔(قرآن کریم میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق میں بھی اہم ترین بات ان کی علم الاشیا

کی صلاحیت کو بتایا گیا ہے)۔

اگر ہم اس سائنسی تجزیہ کو صحیح مان لیں تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام زمین پر زیادہ سے زیادہ تقریباً تیس چالیس ہزار سال پہلے نمودار ہوئے تھے۔ ان کے نزول سے پہلے زمین پر دو ٹانگوں پر چلنے والے مختلف قسم کے حیوانات لاکھوں سالوں سے رہتے چلے آ رہے تھے لیکن ظہور آدم کے ساتھ ہی وہ سب ختم ہو گئے۔ سائنس اس بات کی بھی گواہ بن گئی ہے کہ آدم سے پہلے کے انسان نما حیوان بہت خون بہانے والے مار دھاڑ کرنے والے تھے۔ اس سے قرآن کریم میں فرشتوں کے سوالات کی وجہ بھی سمجھ آتی ہے۔ وہ پچھلے پچاس لاکھ سالوں میں دو ٹانگوں پر چلنے والی ایسی مخلوق کے کارنامے بھی دیکھ چکے تھے جو بعض اطوار میں حضرت آدمؑ سے مشابہت رکھتی تھی لیکن مار دھاڑ اور فساد ان کا خاصہ تھا۔ شاید اسی وجہ سے انہوں نے آدم کو دیکھ کر کہا کہ وہ ''خون بہائے گا......'' لیکن یہ فرشتوں کا اعتراض نہیں تھا بلکہ ان کا پرانا مشاہدہ تھا۔ ان کا گمان تھا کہ شاید اللہ تعالیٰ انہی میں سے کسی کو خلیفہ بنانے والا ہے لیکن بعد میں ان کی یہ بات غلط ثابت ہوئی جس کی انہوں نے معافی مانگی اور اللہ تعالیٰ نے علم کی بنیاد پر حضرت آدم علیہ السلام کی برتری کی مہر تمام مخلوقات پر ثبت کر دی۔ یہی موجودہ انسان کا تمام بقیہ مخلوقات پر امتیازی وصف ہے جسکی سائنس خود سب سے بڑی گواہ ہے۔ جہاں تک زمین پر دو ٹانگوں پر چلنے والے حیوانوں کا تعلق ہے، جیسے پہلے کہا گیا ہے قرآن کریم اس بات کی تصدیق کرتا ہے۔ فرمایا......

اور اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا۔

ان میں سے بعض ایسے ہیں جو پیٹ کے بل چلتے ہیں۔

اور ان میں وہ بھی ہیں جو دو پاؤں پر چلتے ہیں۔

ان میں وہ بھی ہیں جو چار پیروں پر چلتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔

یقیناً اللہ تعالیٰ ہر شے کے کرنے اور اس پر قدرت کاملہ رکھنے والا ہے۔

(النور 45:24)

قرآن کریم ہمیں بتاتا ہے کہ آدمی کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی روح میں سے کچھ پھونک دیا جسکے بعد اسے تمام چیزوں کا خصوصی علم عطا ہو گیا۔ اس پر کائنات کے اسرار کا علم ظاہر ہو گیا جس کی بنا پر وہ مسجود ملائیکہ قرار پائے یوں قرآن حکیم کا انسان جدید سائنسی دریافتوں کا مدعا نظر ہے۔ وہ ہر لحاظ سے ایک علیحدہ اور بے مثل مخلوق ہے! اور سائنس کے ارتقائی حیوان سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ بے شک جدید سائنس سچائی کی جستجو میں بڑھتے ہوئے قرآن کریم کے قریب تر ہوتی جا رہی ہے۔ انشاء اللہ وہ دن بھی دور نہیں جب سچے سائنس دان قرآن کریم کی تصدیق کریں گے اور اسکی سچائی کے گواہ بن کر لوگوں کو اس طرف بلائیں گے۔ (واللہ اعلم)۔

ضمیمہ-II

قرآن حکیم کا معجزاتی حسابی نظام

502- کائنات اور حساب:-

علوم کی ترقی کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے کئی نئے نئے رنگ سامنے آرہے ہیں جن میں ہر ایک منفرد معجزہ ہے لیکن بیسویں صدی کے آخر میں قرآن حکیم کا جو حسابی نظام سامنے آیا ہے اس کے سامنے انسانی عقل بالکل عاجز ہو کر رہ گئی ہے، اور ماسوائے کہ اس کتاب کا مصنف خود خالق کائنات ہے اور کوئی تشریح ممکن نہیں۔

پیشتر اسکے کہ ہم اس معجزانہ حسابی نظام کی طرف آئیں، ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ کائنات کے سارے نظام کا دارومدار حساب پر ہی چل رہا ہے بلکہ یہ کہنا حقیقت کے زیادہ قریب ہوگا کہ کائنات خالق کے حساب کی کتاب ہے۔ **الشمس والقمر بحسبان** (الرحمان) اس حساب کی بنیاد کچھ عجیب وغریب اعداد پر رکھی گئی ہے جن کو موجودہ سائنس کی زبان میں قدرتی اکائیاں (Constants of Nature) کہا جاتا ہے جن میں سر مو تفاوت کی گنجائش نہیں۔ مثلاً کائنات جن عناصر پر مشتمل ہے ان میں سے ہر ایک اپنی اپنی الگ اٹل خصوصیات کا حامل ہے اور ہر عنصر کا اپنا اپنا ایٹمی وزن اور نمبر ہے لیکن ہر ایٹمی نمبر گرام (Gram Atomic Number) میں ایٹوں کی تعداد ہمیشہ ہی 6.24×10^{23} ہوگی۔ مثلاً ہائیڈروجن جس کا ایٹمی نمبر ایک ہے اس کے ایک گرام میں 6.24×10^{23} ایٹم ہوں گے اور لوہا جس کا ایٹمی نمبر 56 ہے اس کے 56g میں 6.24×10^{23} لوہے کے ایٹم ہوں گے۔ اسی طرح کی ایک مثال کائنات کی کشش ثقل کی اکائی ہے۔ اس کی قدر بھی ہر جگہ ایک ہی ہے اور اگر بالفرض محال کچھ ادنیٰ سا بھی فرق ہوتا تو کائنات میں ستاروں اور زمینوں کا وجود ناممکن ہو جاتا، اگر یہ تھوڑا کم ہوتی تو کائنات گیس کے گولے کی طرح پھیل کر ختم ہو جاتی اور اگر تھوڑا زیادہ ہوتی تو یہ اپنے ابتدائی دور ہی میں ایک انتہائی ٹھوس گولہ بن کر اپنے ہی اوپر بھینچ بھینچ کر ختم ہو جاتی۔ ایک اور عام فہم مثال الیکٹران اور پروٹون پر برقی چڑھاؤ (Electric Charge) کی ہے۔ ان دونوں کے برابر برابر ہونے کی وجہ سے مجموعی حیثیت سے ایٹم کا برقی چڑھاؤ صفر ہے۔ اگر بالفرض محال ان میں نہایت معمولی سا بھی فرق ہوتا تو باہمی تناؤ (Repulsion) کی وجہ سے مادی اجسام کا معرض وجود میں آنا ناممکن ہوتا۔ اسی طرح روشنی کی رفتار خلا میں ہر طرف ہر جگہ 3x10-8 میٹرفی سیکنڈ ہے، نظام شمسی میں سیاروں کے آپس کے فاصلے مقرر ہیں اگر ان میں کوئی غیر معمولی تبدیلی آئے تو قیامت آجائے، پانی سطح سمندر پر ہمیشہ 100°C پر ہی ابلتا ہے اور صفر درجہ پر جمتا ہے، ہر عنصر کا ایٹم منفرد ہے اور اس کے اندر کے بنیادی ذرات کی قیمت بھی مقرر ہے جن میں ذرہ بھر تبدیلی ان کی تمام تر خصوصیات کو بدل کر رکھ دے، زمین اپنے محور کے اوپر ساڑھے ½67 ڈگری پر جھکی ہوئی ہے اور سورج کے گرد 365 دن 6 گھنٹے اور 44 سیکنڈ میں ایک چکر لگاتی ہے جو پہلے

سے طے شدہ بات ہے۔ انسانی جسم میں ہر خلیہ 46 (Cell) کروموسوم (Chromosome) پر مشتمل ہے لیکن مرد کے اس سپرم (sperm) میں 23 کروموسوم اور عورت کے Egg میں بھی 23 کروموسوم ہوتے ہیں جن کے ملنے سے پیدا ہونے والا بچے کا پہلا خلیہ (Cell) بنتا ہے جس پر اس کی پوری شخصیت اور زندگی کا حساب درج ہوتا ہے۔

یہ صرف چند مثالیں ہیں ورنہ جس چیز کا بھی تجزیہ کیا گیا ہے سائنس یہی دیکھ رہی ہے کہ خالق کائنات کے قوانین مکمل اور اٹل ہیں اور ان میں کبھی تبدیلی نہیں آتی **(لاتبدیل لکلمٰت اللہ)**، اس نے جو کچھ بھی بنا دیا ہے وہی حرف آخر ہے۔ یعنی کائنات کی اکائیاں آپس میں ایک ایسے انتہائی حساس نظام سے مربوط کردی گئی ہیں جن میں کسی ایک کو بھی اپنی جگہ سے ہلایا جائے تو کائنات ختم ہوجائے۔ یوں ہر چیز کی تقدیر مقرر شدہ ہے، اللہ تعالیٰ جو کائنات کا خالق ہے اس کا کوئی کام بھی حساب سے خالی نہیں۔ وہ خود اپنے آپ کو قرآن حکیم میں نہایت تیز حساب دان کا نام دیتا ہے۔ فرمایا...

ان اللہ سریع الحساب "بیشک اللہ تعالیٰ نہایت تیز حساب کرنے والا ہے"۔

اسی تناظر میں قرآن حکیم جو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس کی باقی تخلیقات کی طرح یہ بھی حساب سے خالی نہیں، اس حقیقت سے قرآن حکیم کے اولین مفسرین مثلاً حضرت علیؓ بخوبی آگاہ تھے اور اعداد قرآن پاک کو بڑی اہمیت دیتے تھے۔ یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ صحابہ کرامؓ جانتے تھے کہ ان کے زمانہ کے علوم کلام اللہ کی تفسیر کیلئے ناکافی ہیں، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے تھے کہ "زمانہ قرآن پاک کی تفسیر ہوگا" (حوالہ تفسیر نمونہ) یعنی زمانہ کے ساتھ ساتھ اللہ کی کتاب کی تفسیر کا علم بھی ترقی کرتا جائیگا اور یہی حقیقت ہے۔

503- قرآن حکیم کی حسابی ترتیب:-

قرآن حکیم کے حسابی نظام کی پہلی جھلکی تو اس کی ترتیب ہی سے عیاں ہے۔ یہ چھوٹی بڑی 114 سورتوں کا مجموعہ ہے جو تیس پاروں میں تقسیم کی گئی ہیں۔ اس ترتیب میں لمبی لمبی سورتیں پہلے رکھی گئی ہیں اور چھوٹی سورتیں آخری پاروں میں مزیّن کی گئی ہیں، پاروں اور سورتوں کے اس نظام میں جو راز ہے وہ چند ہی سال پہلے معلوم ہوا ہے جس کی مثال ملنا ناممکن ہے۔ یہ بات سورتوں اور پاروں کے درمیان گراف (Appendix-I) سے عیاں ہوگی جو کہ ایک نئی دریافت ہے اور 1996 میں اللہ تعالیٰ نے اس عاجز پر ظاہر کی۔ یہ کہ قرآن کریم کی کتابی ترتیب کس حسابی مساوات کے مطابق ہے یہ کام ابھی زیر غور ہے اور امید ہے کہ اس کی دریافت مزید اہم حقائق کو آشکار کرے گی۔ فی الحال گراف کی شکل یعنی اس کا شروع میں آہستہ آہستہ اٹھنا اور آخر میں اچانک عمودی جست لگانے سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی کتابی ترتیب دیگر قدرتی نظاموں کی ترقی کا عکس ہے، مثلاً ایٹمی ری ایکٹروں میں عمل در عمل یا کرہ ارض پر انسانی آبادی میں اضافے کا انداز بھی کچھ ایسے ہی ہے۔ اس کے علاوہ جب پچھلے سات ہزار سالوں کے اہم تاریخی واقعات کا تجزیہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ وقت کے ساتھ

ساتھ واقعات میں تیزی کا گراف بھی تقریباً قرآن الحکیم کی سورتوں اور سپاروں کے گراف ہی کی طرح ہے۔ اسی طرح قرآن پاک کی سورۃ نصر کی سائنسی انداز میں تفسیر کی تحقیق کے دوران بھی دیکھا گیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی 23 سالہ جدوجہد کے نتیجہ میں مسلمانوں کی تعداد اور اللہ تعالیٰ کی نصرت کا گراف بھی قرآن پاک کی سورتوں اور سپاروں کے گراف کا عکس ہے۔ (حوالہ، مصنف کی کتاب ''قرآن پاک کے نئے نئے سائنسی معجزات'')۔ یوں قرآن حکیم کا ترتیبی اعجاز ہر لحاظ سے قاری کیلئے سوچنے کی دعوت ہے۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ کائنات کے بڑے بڑے واقعات اسی حساب کے مطابق طے پا رہے ہیں۔ یہ سوال کہ چودہ صدیاں پہلے کسی آدمی کیلئے ۲۳ سال کے عرصہ میں مختلف اوقات میں اترنے والی آیات کو سورتوں اور پاروں میں اس حسابی ترتیب کے مطابق دینا کیسے ممکن ہوا، اسکا جواب سائنس کے بس میں نہیں۔ اس وقت ایسی ترتیب کا سوچنا تو ایک طرف، گراف بنانے کا حسابی طریقہ بھی ایجاد نہیں ہوا تھا۔ اس کے بعد اس میں کیا شک ہے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور قرآن کریم کی کتابی ترتیب بھی رب العالمین کی اپنی دی ہوئی ترتیب ہے۔

کتاب ''قرآن آخری معجزہ'' کے منصف احمد دیدات (مرحوم) کے مطابق قرآن کریم میں ایک توازن اور ایک عددی موضوعاتی مماثلت پائی جاتی ہے حتیٰ کہ ترتیب تناقص اور مرابط میں بھی باہمی ہم آہنگی ہے اور قرآن کے اعجاز کا یہ بھی ایک پہلو ہے۔ مندرجہ ذیل الفاظ پر غور کریں۔ یہ الفاظ اپنے مقابل کے الفاظ کے عین مطابق وارد ہوئے ہیں۔

دنیا 115	آخرت 115
شیاطین 88	ملائکہ 88
موت 145	حیات 145
نفع 50	فساد 50
اجر 108	فصل 108
کفر 25	ایمان 25
شہر (ماہ) 12	یوم 365 یعنی سال کے دنوں کے برابر

اتنی بڑی کتاب میں الفاظ کے جوڑوں کا یہ اعجاز قائم رکھنا ایک بہت غیر معمولی ہے جو کسی بھی انسانی مصنف کے بس کی بات نہیں۔

504- کمپیوٹر پر نئی دریافتیں:۔

قرآن پاک اور بعض ہندسوں مثلاً 19 کے عجیب وغریب تعلق کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے۔ اس حیران کن دریافت کا سہرا ایک مصری ڈاکٹر راشد خلیفہ کے سر ہے جو امریکہ کی ایک یونیورسٹی میں کیمسٹری کے پروفیسر تھے۔ جیسا کہ انہوں نے خود اپنی کتاب میں لکھا ہے

1968 میں انہوں نے سارے کے سارے قرآن پاک کو پرانے رسم الخط کے مطابق کمپیوٹر پر چڑھا دیئے اور پھر اسکے حروف' الفاظ اور آیات میں کوئی تعلق تلاش کرنا شروع کیا۔ رفتہ رفتہ اس تحقیق میں ان کے ساتھ اور بھی لوگ شامل ہوتے رہے۔ 1972 تک یہ ایک باقاعدہ سکول بن چکا تھا۔ اس دوران انہوں نے یہ حیرت انگیز دریافت کی کہ قرآن مجید کے حروف، الفاظ، آیات میں ایک معجزانہ حساب پنہاں ہے جس کے پورے ادراک کیلئے اس وقت تک بنے ہوئے کمپیوٹر بھی کافی نہیں تھے۔

یہ تحقیقات فی زمانہ قرآن حکیم کے حسابی نظام کے متعلق بے شک ایک بہت بڑی دریافت ہیں جو جدید ذہن کیلئے قرآن پاک کی سچائی پر حجت ہیں۔ کسی حد تک میں نے خود بھی ان دریافتوں کو پرکھا (Verify) ہے اور صحیح ثابت ہوئی ہیں۔ (افسوس کہ راشد خلیفہ کو اسکے علمی زعم نے بہکا دیا اور اس نے اس دریافت کے غرور میں آ کر نبوت کا دعویٰ کر دیا) ۔ اگلے صفحات میں ان خاص خاص دریافتوں پر روشنی ڈالی جا رہی ہے۔ جن کا سمجھنا نسبتاً آسان ہے اور قاری اگر ہمت کرے تو خود بھی کلام اللہ سے انکی جانچ پڑتال کر سکتا ہے۔

505- قرآن حکیم کا ہندسی نظام :-

اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے کلام میں مختلف موقعوں پر 30 ہندسوں کا ذکر کیا ہے جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔

1, 2, 3, 4, 5, 6, 7, 8, 9, 10

11, 12, 19, 20, 30, 40, 50, 60, 70, 80, 99,

200, 300, 1000, 2000, 3000, 5000, 50000, 10000

ان میں ہر عدد کی اس لحاظ سے تو خاص اہمیت ہے کہ وہ اللہ کا کلام ہیں اور کسی نہ کسی بہت بڑی حقیقت کی تفصیل ہیں، مثلاً چھ کا ہندسہ زمین و آسمان یعنی کائنات کے کی تخلیق میں اہم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چھ ایام میں ان سب کو تخلیق کیا، سات کا ہندسہ سات آسمانوں کے حوالہ سے کلام اللہ میں کئی بار آیا ہے۔ اسی طرح دوسرے اعداد کی اہمیت اپنی جگہ برقرار ہے لیکن اس مضمون میں یہ موقع نہیں کہ ان ہندسوں میں سے ایک ایک کی تفصیل میں جائیں اگرچہ ان میں سے ہر ایک کے مفصل فوائد پر ایک بہت اچھی تحقیق ہو سکتی ہے اور کسی باہمت قاری کو یہ کام ضرور کرنا چاہیے۔ اس وقت جو ہماری دلچسپی کا حامل ہے وہ 19 کا ہندسہ ہے جو کہ قرآن حکیم کی حسابی ترتیب میں بنیادی حیثیت کا حامل ثابت ہوا ہے۔

کلام اللہ میں 19 کے ہندسہ کا صرف ایک دفعہ ذکر آیا ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "دوزخ کے اوپر ہم نے 19 فرشتوں کو محافظ رکھا ہے"۔ (سورۃ المدثر۔ ۳۰) اس میں کیا حکمت ہے یہ تو بتانے والا ہی بہتر جانتا ہے لیکن یہ بات ظاہر ہے کہ 19 کے ہندسہ کا تعلق اللہ تعالیٰ کے کسی حفاظتی نظام سے ہے۔ اب تک 19 کے ہندسے سے متعلقہ جو دریافتیں ہوئی ہیں ان سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ

اس کا تعلق قرآن پاک کی حفاظت سے بھی ہے اور یہ کہ کلام اللہ کی ترتیب کا نظام اٹل ہے اور جس میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں، یہاں تک کہ اگر کسی آیت کے کسی حرف کو بھی اپنی جگہ سے ہٹا دیا جائے تو یہ حسابی نظام بتائے گا کہ تبدیلی لائی گئی ہے۔

یہاں اس بات کا ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا کہ قرآن کریم کے نزول کے وقت اللہ تعالیٰ نے جو احتیاطی انتظامات کیے وہ بھی بڑے حیران کن تھے مثلاً قرآن کریم اور احادیث مبارکہ سے پتہ چلتا ہے کہ لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر کلام اللہ بے شمار فرشتوں کی معیت میں اتارا جاتا تھا۔ اس لئے کہ جب قرآن حکیم کی آیات کا نزول ہو رہا تھا تو شیاطین کی کوشش تھی کہ معلوم کریں کہ رب کائنات کی طرف سے کیا پیغام اتارا جا رہا ہے، یا وحی آتے وقت اپنا شور اس میں ڈالیں، لیکن جب وہ اس کی طرف بڑھتے تو شہاب ثاقب ان کا پیچھا کرتے۔ یوں اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی ملاوٹ سے کلام الٰہی کو محفوظ رکھا، اور حرف حرف، لفظ لفظ، اللہ کا کلام محفوظ شکل میں اس کے پیارے حبیب کے قلب پر آخری آیت تک ثبت ہوتا رہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک دفعہ تردد ہوا کہ کہیں میں بھول نہ جاؤں تو جبریل علیہ السلام کے پیچھے پیچھے الفاظ کو اپنی زبان مبارک سے بھی دہرانا شروع کر دیا تو فوراً وحی کے مضمون کو روک کر آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ دہرانے کی ضرورت نہیں، کلام اللہ کا خالق خود آپؐ کے قلب مبارک پر انہیں یوں ثبت کرتا ہے کہ بھولنے کا ہرگز کوئی امکان نہیں۔

506- قرآن حکیم اور انیس کا ہندسہ:-

19 کا حسابی کلیہ اللہ کی کتاب کی پہلی آیت یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے اندر پنہاں ہے۔ یہ آیت مبارک مندرجہ ذیل حروف پر مشتمل ہے۔

بسم اللہ	ہ	ل	ل	ا	م	س	ب
	۷	۶	۵	۴	۳	۲	۱
الرحمٰن		ن	م	ح	ر	ل	ا
		۱۳	۱۲	۱۱	۱۰	۹	۸
الرحیم		م	ی	ح	ر	ل	ا
		۱۹	۱۸	۱۷	۱۶	۱۵	۱۴

ان حروف کی تعداد 19 ہے۔ (حرکات کا شمار نہیں ہوتا)

507- بسم اللہ کے الفاظ کا اعجاز:-

کمپیوٹر پر حساب لگا کر دیکھا گیا ہے کہ بسم اللہ شریف کے الفاظ یعنی، اسم۔ اللہ۔ رحمٰن۔ رحیم پورے قرآن کریم میں جتنی بار

نازل ہوئے ہیں وہ بھی 19 کا حاصل ضرب ہیں۔ مثلاً اسم کا لفظ پورے قرآن پاک میں 19 دفعہ آیا ہے، الرحمٰن کا لفظ 57 دفعہ آیا ہے جو کہ 3x19 یعنی 3 سے 19 کا حاصل ضرب ہے، اور الرحیم کا لفظ 114 دفعہ آیا ہے جو کہ 6 سے 19 کا حاصل ضرب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام ''اللہ'' پورے قرآن میں 2699 دفعہ وحی ہوا جو کہ بقیہ ایک کے ساتھ 142 سے 19 کا حاصل ضرب ہے۔ مندرجہ ذیل میں اس حساب کی جدول دی جا رہی ہے۔

جدول نمبر 1

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا حسابی نظام

الفاظ	سارے قرآن میں تعداد	19 کا حاصل ضرب
بسم اللہ	114	6x19
اسم	19	1 x 19
اللہ	2699	(142 x 19)+1
الرحمٰن	57	3 x 19
الرحیم	114	6 x19

مزید تحقیقات نے ثابت کیا کہ اللہ تبارک تعالیٰ کے کچھ صفاتی نام بھی عین اسی حساب سے قرآن پاک میں وحی ہوئے ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کا نام واحد 19 دفعہ آیا ہے مجید 57 دفعہ، جامع 114 دفعہ، ذالفضل العظیم 2699 دفعہ جو کہ اوپر کی ترتیب کے مطابق سب 19 ہی کے حاصل ضرب ہیں۔ 19 کے حساب کی یہ تکرار اگر دو چار دفعہ ہوتی تو شاید اس کو اتفاقیہ کہا جا سکتا لیکن امکانی حساب (Theory of Probability) کے مطابق بار بار ایسا ہونا تقریباً ناممکن ہے اور ثابت کرتا ہے کہ قرآن کریم کے مصنف نے اس کے حروف، الفاظ، آیات اور سورتوں کی ترتیب اور ڈیزائن میں 19 کے ہندسے کو جان بوجھ کر کسی خاص مقصد کے تحت کلیدی حیثیت میں رکھا ہے۔ جو ایک معجزہ ہے۔

508- اللہ تعالیٰ کے نام کا حساب :-

جیسے ہم اوپر دیکھ چکے ہیں اللہ تبارک تعالیٰ کے اسم ذاتی کا ذکر کلام اللہ تعالیٰ میں 2699 دفعہ ہوا ہے اور یہ عدد ایک کے حاصل جمع کے ساتھ 19 کا حاصل ضرب ہے یعنی 2699=1+19x142 اس کے علاوہ عجیب تر یہ بات ہے کہ وہ تمام آیات جن میں اللہ سبحانہ کا نام مبارک آیا ہے اگر ان آیات کریمہ کے نمبروں کو جمع کریں تو مجموعہ 118124 بنتا ہے جو 19 کا حاصل ضرب ہے لیکن پہلے کی طرح اب بھی حاصل جمع ایک ہے۔ یعنی 118124=19×6217+1 ۔ حاصل جمع ایک کا صاف مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کسی حساب کے تابع نہیں ہو سکتی وہ یکتا ہے اور یوں حاصل جمع ایک اسکی وحدانیت کی نشانی ہے

اور 19 کا فارمولا اپنی جگہ پر صحیح ہے۔(راشد خلیفہ کے بھٹکنے کی وجہ یہ ایک نکتہ تھا جب اللہ تعالیٰ کے نام اللہ پر 19 کا حساب پورا ہوتا نظر نہ آیا تو اس نے قرآنِ کریم کی سورۃ توبہ کی آخری آئت مبارکہ کو قرآن پاک سے خارج قرار دیا اور اس طرح اللہ تعالیٰ کے نام کی تعداد ایک کم کر دی)۔

509- قرآن پاک کی ترتیب کے حیران کن معجزے:-

اب ہم قرآن کریم اور 19 کے فارمولا پر مزید روشنی ڈالیں گے۔ جیسے پہلے کہا گیا ہے اس کی ابتداء کلام اللہ کی پہلی آیت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے ہوتی ہے جو 19 حروف پر مشتمل ہے۔ قرآن حکیم کی سورتوں کی تعداد بھی 114 ہے جو 19 کا حاصل ضرب ہے۔
114=19×6

(یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہوگی کہ 114 کے ہندسوں کی حاصل جمع بھی 4+1+1=6 ہے۔ اور یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے 6 ایام میں کائنات کی تخلیق اور تکمیل کی ہے یعنی 114 میں 6 اور 19 کا جو تعلق ہے وہ قرآن حکیم اور کائنات کے آپس کے تعلق کو بھی ظاہر کرتا ہے)۔

بسم اللہ کا سورت توبہ اور سورت نمل میں اعجاز

ماسوائے سورۃ توبہ (9) قرآن حکیم کی ہر سورت بسم اللہ سے شروع ہوتی ہے یوں سورتوں کے آغاز میں 113 دفعہ بسم اللہ شریف آتی ہے لیکن سورۃ نمل (27) کے اندر آیت مبارکہ 30 میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے خط کے حوالہ سے پوری بسم اللہ شریف دھرائی گی۔ یوں سورۃ توبہ والی کمی وہاں پوری کر کے 19 کے فارمولا کی تصدیق کر دی۔ یعنی 6×19=114۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو حسابی قاعدہ فیل ہو جاتا ہے۔

سورت توبہ ہی میں 19 کے فارمولا کے متعلق ایک حیران کن بات یہ بھی ہے کہ سورۃ توبہ نمبر 9 جو بسم اللہ کی آیت سے شروع نہیں ہوتی اور سورۃ نمل (27) جس میں بسم اللہ دو دفعہ آتی ہے ان کے درمیان سورتوں کے نمبروں کی جمع 342 ہے جو کہ 19 کا ٹھیک حاصل ضرب ہے۔ (342=19 x 18)

342= (27+26+25+24+23+22+21+20+19+18+17+16+15+14+13+12+11+10+9)

لیکن بات یہیں ختم نہیں ہوتی۔ انسانی عقل یہ دیکھ کر حیران ہو جاتی ہے کہ سورۃ نمل کی پہلی بسم اللہ اور دوسری بسم اللہ کے درمیان الفاظ کا مجموعہ بھی 342 ہی ہے جو کہ ٹھیک 19 کا حاصل ضرب (18x19) ہے نہ صرف یہ بلکہ سورۃ توبہ اور سورۃ نمل کے درمیان سورتوں کے نمبر شمار کی حاصل جمع بھی 342 ہی ہے۔ مزید حیرانگی کی بات یہ ہے کہ سورۃ نمل کا ترتیبی نمبر 27 اور بسم اللہ والی آیت 30 کا حاصل جمع (27+30=57) بھی 19 کا ٹھیک حاصل ضرب ہے (19x3=57) یہ تو صرف آغاز ہے، آگے دیکھیں کہ کیسے کیسے معجزے ظاہر ہو رہے ہیں۔

قرآن پاک کی پہلی وحی میں 19 کے فارمولا کا حیرت انگیز نظام۔

حضورﷺ پر پہلی وحی سورت علق کی پہلی پانچ آیات تھیں اور قرآن حکیم میں 19 کے کلیدی فارمولے کی ابتداء بھی یہیں سے ہوتی ہے۔ اگر آپ ان آیات کے حروف اور الفاظ کو گنیں تو پہلی وحی کے 19 الفاظ ہیں اور ان الفاظ کے 76 حروف ہیں جو کہ 19 کا ٹھیک حاصل ضرب ہیں۔ 4×19=76 (یاد رہے کہ حضورﷺ چالیس (40) سال کی عمر میں نبوت کے منصب پر فائز ہوئے اور 40 کا 4 سے تعلق بھی ظاہر ہے)۔

لیکن بات یہیں ختم نہیں ہوتی بلکہ سورۃ علق جو کہ قرآن پاک کی موجودہ ترتیب میں سورۃ نمبر 96 (جس کی پہلی 5 آیات پہلی وحی ہیں) کی کل آیات بھی 19 ہیں اور یہ بات بھی قابل غور ہے کہ آخر قرآن پاک کے اخیر سے 96 ویں سورۃ 19 ویں ہے اور شروع قرآن سے 96 ویں سے پہلے 95 سورتیں ہیں جو کہ 19 کا ٹھیک حاصل ضرب ہیں یعنی 95=5×19۔ یوں پہلی وحی والی سورۃ مبارکہ کے دونوں اطراف سورتیں 19 کا حاصل ضرب ہیں جس سے یہ بھی ثابت ہوجاتا ہے کہ سورتوں کی آگے پیچھے کی ترتیب بھی انسانی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حسابی نظام کا ہی ایک حصہ ہے۔

مزید حیرت انگیز یہ بات ہے کہ سورۃ 96 کے کل حروف 304 ہیں جو پھر 19 کا حاصل ضرب ہے 4×4×19= 304۔ (اس میں چار کے ہندسہ کی تکرار قابل غور ہے اور حیران کن بات یہ ہے کہ اللہ۔محمد۔قرآن کے ناموں میں ہر نام بھی چار حروف پر مشتمل ہے۔ (سبحان اللہ)

آخری وحی اور 19 کا نظام

ابھی تک جو تفصیل دی گئی ہے اس سے بلاشک وشبہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن حکیم کی پہلی آیت اور پہلی وحی والی سورۃ مبارک ہر لحاظ سے 19 کے حسابی ہندسہ کا معجزہ ہے اور قرآن پاک کی بقیہ تشکیل میں 19 کی جو اہمیت ہے وہ یہیں سے شروع ہوتی ہے۔ اسی حسابی کلیہ کے ساتھ پورے 23 سال قرآن کریم اپنے حروف، الفاظ اور سورتوں کے ساتھ کبھی دن کبھی رات اترتا رہا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وحی کی ہدایت کے مطابق کاتبان وحی سے فرمادیتے کہ فلاں آیت کو فلاں سورۃ کی فلاں آیت کی بعد لکھ لیں۔ کوئی کمپوٹر نہیں، کوئی حساب دان نہیں، یوں قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کے حساب کے ساتھ ترتیب پاتا گیا حتیٰ کہ آخری سورۃ نصر نمبر 110 کا نزول ہوا۔ انتہائی حیران کن بات یہ ہے کہ آخری وحی یعنی سورت نصر بھی ٹھیک 19 الفاظ پر مشتمل تھی اور اس کی پہلی آیت جس میں اللہ تعالیٰ کی نصرت اور اسلام کی فتح کی بشارت ہے۔ ''اذاء جاء نصر اللہ والفتح'' بھی ٹھیک 19 حروف کا مرکب ہے۔ یوں کلام اللہ کی پہلی اور آخری سورۃ ایک ہی حسابی قاعدہ کے لحاظ سے نازل ہوئیں اور یہ حساب آج کے حسابدانوں کے لئے بھی کسی معجزہ سے کم نہیں۔ عقل کے پاس کوئی جواب نہیں کہ ایسا حسابی نظام کیسے ممکن ہوا اور اسمیں

مزید کیا کیا راز ہیں یہ اپنی جگہ ایک مستقل سوال ہے۔(سبحان اللہ)۔

510- مزید حیران کن حسابی نظام:-

قرآن پاک کی ترتیب میں 19 کے ہندسے والا اوپر دیا گیا حسابی نظام وہ ہے جسے کوئی بھی قاری تھوڑی سی محنت کے بعد خود دیکھ سکتا ہے لیکن جو حسابی نظام کلام اللہ کے اندر پنہاں ہے وہ ایسا باکمال نظام ہے جس کے سامنے انسانی عقل انگشت بدانداں رہ جاتی ہے اور جانچ پڑتال بجز طاقتور کمپیوٹروں کے ناممکن ہے۔ہم مندرجہ ذیل میں ان معجزات کے صرف نمونے پیش کریں گے۔

511- سورتوں کا اعجاز:-

ہم پہلے دیکھ چکے ہیں کہ کلام اللہ کی 114 سورتیں تو 19 کا حاصل ضرب ہیں لیکن حیران کن بات یہ ہے کہ ان تمام سورتوں کے نمبر شمار کا مجموعی عدد (1+2+3+4......114=6555) بھی 19 کا ٹھیک حاصل ضرب ہے۔6555=345×19۔ یوں اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی 114 سورتوں پر حسابی مہر ثبت کردی ہے۔جس کے بعد کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کوئی سورت کم یا زیادہ ہے۔

512- لاالہ الا اللہ کا معجزہ:-

لاالہ الا اللہ کلمہ شہادت ہے۔حضور ﷺ فرمایا کرتے **"یاایھاالناس قولوا لاالہ الا اللہ تفلحو"** یعنی انسانی فلاح اس کلمہ کے اندر پنہاں ہے۔معجزہ کی بات یہ ہے کہ یہ اہم ترین کلمہ بھی قرآن پاک کی ٹھیک 19 سورتوں میں آیا ہے۔پہلی دفعہ سورۃ بقرہ کی آیت مبارک 163 میں آیا اور آخری دفعہ یہ سورۃ (مزمل)73 کی آیت مبارک 9 میں ہے۔حیران کن بات یہ ہے کہ جن سورتوں میں کلمہ شہادت آیا ہے ان کے اعداد کی جمع اور کلمہ شہادت والی آیات کے اعداد کی جمع بھی 19 کا ہی حاصل ضرب ہے یہ بات مندرجہ ذیل جدول سے ظاہر ہے۔

جدول نمبر 3

قرآن کریم میں کلمہ شہادت کا حسابی نظام

نمبر شمار	سورۃ نمبر	کلمہ شہادت والی آیات	سورۃ میں کلمہ شہادت کی تعداد
1	2 بقرۃ	163, 255	2
2	3 عمران	2,6,18,18	4
3	4 النساء	87	1
4	6 انعام	102, 106	2

نمبر شمار	سورۃ نمبر	کلمہ شہادت والی آیات	سورۃ میں کلمہ شہادت کی تعداد
5	7اعراف	158	1
6	9توبہ	31	1
7	11ہود	13	1
8	13رعد	30	1
9	20طہ	8, 98	2
10	23مومنون	116	1
11	27نمل	26	1
12	28قصص	70, 88	2
13	35فاطر	3	1
14	39زمر	6	1
15	40مومن	3, 62, 65	3
16	44دخان	8	1
17	59حشر	22, 23	2
18	64التغابن	13	1
19	73مزمل	9	1
حاصل جمع	507	1592	29

اگر ہم507 + 1592 + 29 کو جمع کریں تو یہ2128 بنتا ہے جو کہ پھر سے19 کا حاصل ضرب ہے
19x 112 = 2128یعنی لا الہ الا اللہ کا پیغام بھی قرآن کریم کے عظیم حسابی نظام کا ایک حصہ ہے۔

513- صلوٰۃ کے حکم اور19 کے ہندسے میں حیران کن تعلق:-

اس طرح لفظ صلوٰۃ جو کہ اسلام کا دوسرا استون ہے سارے قرآن حکیم میں 67 دفعہ آیا ہے جیسے اوپر لا الہ الا اللہ کے حساب میں کیا گیا ہے اگر صلوٰۃ والی سورتوں کے نمبر شمار کی اعداد کی جمع اور آیات کے نمبر کی اعداد کی جمع کو آپس میں جمع کریں (یعنی ایسا ہی جدول بنائیں جیسا

جدول 3 ہے) تو ٹوٹل 4674 بنتا ہے جو کہ 19 کا حاصل ضرب ہے۔ 246 x 19 = 4674 (اختصار کی وجہ سے جدول نہیں بنایا)

514- مقطعاتی سورتوں کا اپنا معجزانہ حسابی نظام:۔

حروف مقطعات قرآن پاک کا راز ہیں جن سے 29 سورتوں کا آغاز ہوتا ہے۔ ان حروف کی تعداد 14 ہے جو عربی حروف کا نصف ہیں اور یہ 14 مرکبات کی شکل میں قرآن کریم میں لکھے گئے ہیں۔ کمپیوٹروں کی مدد سے کیے گئے تجزیوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ حروف قرآن حکیم کی حسابی نظام کا ہمیشہ زندہ رہنے والا عظیم شاہکار معجزہ ہیں۔ ''اگر ہم 14 حروف مقطعات، ان کے 14 مرکبات اور مقطعات والی 29 سورتوں کے اعداد کو جمع کریں یعنی 14+14+29 تو یہ 57 بنتا ہے جو کہ ٹھیک 19 کا حاصل ضرب ہے۔ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام الرحمٰن اور مجید بھی کلام پاک میں 57, 57 دفعہ آیا ہے۔

اگر ان تمام سورتوں جن کا آغاز حروف مقطعات سے ہوتا ہے کے نمبر شمار کو جمع کریں تو حاصل جمع 822 بنتا ہے اس میں اگر 14 حروف مقطعات کو بھی جمع کر دیں تو مجموعہ 836 ہے جو ٹھیک 19 کا حاصل ضرب ہے 836 = 44 x 19 یہی نہیں بلکہ حروف مقطعات والی پہلی سورۃ نمبر 2 اور آخری سورۃ نمبر 68 کے درمیان اللہ تعالیٰ نے 38 غیر مقطعات حروف والی سورتیں رکھی ہیں جو 19 کا حاصل ضرب ہے یعنی 38 = 2 x 19

مقطعات کے حسابی نظام پر کتاب "Computer Speaks" (پبلشر اسلامک پروڈکشن ۔ سات سو انتالیس۔ای۔ سکستھ سٹریٹ ٹکسٹن اے زیڈ ۸۵۷۱۶۔ یو۔ایس۔اے) ایک نہایت تفصیلی کتاب ہے اور یہاں اس کی ساری تفصیلات دینے کا موقع نہیں۔ اس کتاب میں سے ہم صرف چند ایک سورتوں کے حوالے سے قرآن حکیم کے اس عظیم اور ششدر کرنے والے حسابی نظام کی کچھ جھلکیاں پیش کر رہے ہیں۔

1- ق:۔ قرآن کریم کی سورۃ 42 (شوریٰ) کے مقطعات حم اور عسق ہیں جن میں حرف ''ق'' ہے اور سورۃ 50 (ق) حرف مقطعات ق سے شروع ہوتی ہیں۔ ان دونوں سورتوں کے تمام الفاظ میں حرف ق 57 اور 57 دفعہ استعمال ہوا ہے۔ جو کہ 19 کا ٹھیک حاصل ضرب ہے۔

2- سورۃ 50 (ق) میں پہلی آیت ق کے فوری بعد دوسری آیت ''والقرآن المجید'' ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے ''ق'' قرآن کیلئے آیا ہے۔ اب ق کے حرف مقطعات والی دونوں سورتوں میں ٹوٹل ق کی تعداد 114 (57+57=114) ہے جو کہ کلام اللہ کی کل سورتوں کی تعداد ہے یاد رہے کہ بذات خود لفظ قرآن بھی کلام اللہ میں 57 دفعہ آیا ہے اور لفظ مجید بھی 57 = 19x3 دفعہ ہی دہرایا گیا ہے۔

3- حم اور ع،س،ق سے شروع ہونے والی سورت 42 (شوریٰ) کل 53 آیات پر مشتمل ہے اور یوں اس سورت کا نمبر اور آیات کا مجموعہ 95 بنتا ہے (42+53=95) جو کہ پھر سے 19 کا حاصل ضرب ہے 95 = 19x5

4- ق کے متعلق ایک عجیب معجزہ یہ بھی دریافت ہوا ہے کہ قرآن کریم کی ہر سورۃ کی 19 ویں آیات میں آنے والے تمام "ق" کا مجموعہ 76 ہے جو کہ ٹھیک 19 کا حاصل ضرب ہے۔

5- ن:۔ سورۃ نمبر 68 (القلم) کی پہلی آیت "نون" ہے۔ اس سورۃ میں بھی کل نونوں کی تعداد 133 ہے جو 19 کا ٹھیک حاصل ضرب ہے۔ 19x7=133 یاد رہے کہ سورۃ نمبر 68 (القلم) حروف مقطعات سے شروع ہونے والی آخری سورۃ ہے اور پہلی مقطعاتی سورت ۲ تھی۔

ان دونوں سورتوں کے درمیان قرآن حکیم کی آیات کی تعداد 5263 ہے جو کہ 19 کا حاصل ضرب ہے۔

5263=19 x 277

6- ص:۔ قرآن حکیم کی تین سورتوں 7 (اعراف)، 19 (مریم)، 38 (ص) میں حرف مقطعات "ص" موجود ہے۔ ان تینوں سورتوں میں حرف "ص" 152 یعنی 19x8 دفعہ آیا ہے۔ جس کی وضاحت مندرجہ ذیل میں دی گئی ہے۔

سورۃ نمبر	سورۃ نام	"ص" کی تعداد
7	اعراف	97
19	مریم	26
38	ص	29
کل		8x19=152

7- یٰسین:۔ سورۃ یٰسین مقطعات "ی س" سے شروع ہوتی ہے اس سورۃ مبارکہ میں حرف ی 237 دفعہ اور حرف س 48 دفعہ ہے۔ ان دونوں کا مجموعہ 48 + 237 = 285 جو کہ 19 کا حاصل ضرب ہے 285=19 x 15

8- حم:۔ حم دو حروف مقطعات پر مشتمل ہے اور قرآن حکیم کی کل سات سورتوں کا اس لفظ سے آغاز ہوتا ہے۔ (سورۃ 40 سے 46) اور ان میں ح اور م کے حروف کی کل تعداد 2147 ہے جو کہ پھر سے 19 کا حاصل ضرب ہے۔ 19x147 = 2147

مندرجہ ذیل جدول اس حساب کو دکھاتی ہے۔

سورۃ نمبر	ح کی تعداد	م کی تعداد	کل ح+م
40 مومن	64	380	444
41 حم سجدہ	48	276	324
42 شوریٰ	53	300	353
43 زخرف	44	324	368
44 دخان	16	150	166
45 جاثیہ	31	200	261
46 احقاف	36	225	261
کل	292	1855	2147

یادرہے کہ ح م کا یہ مجموعہ (292 + 1855) = 2147 ٹھیک 19 کا حاصل ضرب ہے۔

2147 = 19 x 113

9- عسق :۔ عسق حروف مقطعات سورۃ نمبر 42 (شوریٰ) کی دوسری آیات ہے۔ اس سورۃ مقدسہ میں حروف ع، س، ق بالترتیب 98 ,54 ,57 دفعہ آئے ہیں۔ جن کا کل مجموعہ 209 ہے جو کہ 19 کا ٹھیک حاصل ضرب ہے۔ 209 = 19 x 11

یہ تو چند ایک آسان مثالیں تھیں اور قرآن پاک کے حسابی معجزہ کے ایک چھوٹے سے حصہ کی تصویر ہے۔ لیکن مجموعی حیثیت میں حروف مقطعات میں قرآن حکیم کے حسابی معنوں کا ایک دریا چھپا ہوا ہے اور مزید یہ کہ جیسے جیسے زیادہ طاقتور اور تیز کمپیوٹروں کی ایجاد ہو رہی ہے ویسے ویسے ہی قرآن حکیم میں پنہاں اس معجزہ کے مزید پہلو سامنے آرہے ہیں جو عقل کو مبہوت کر کے رکھ دیتے ہیں۔

سورۃ بقرہ کے حروف مقطعات ا ل م میں 19 کے ہندسے کا معجزاتی نظام

آیئے ہم صرف سورۃ بقرہ کے مقطعات ال م کے حسابی نظام کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ ال م کے جو کچھ معنی ہیں وہ اپنی جگہ پر لیکن ان تین حروف نے دنیا بھر کے علماء۔ سائنسدانوں اور دانشوروں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حجت قائم کردی ہے کہ وہ قرآن حکیم کو عام کتاب نہ سمجھیں اور اس کی آیات پر سے یونہی گذر نہ جائیں بلکہ یہ رب کائنات کی اپنی نازل شدہ کتاب ہے اگر ہم سورۃ بقرہ میں علیحدہ علیحدہ ا۔ل۔م ہر ایک حرف کی تعداد کو جمع کریں تو ان کا ٹوٹل 9899 بنتا ہے جو کہ 19 کا حاصل ضرب ہے یعنی 19X521=9899۔ اسی

طرح کا حساب حروف مقطعات والی باقی سورتوں میں ہے۔ جس کے سامنے بڑے سے بڑے دماغ ششدر ہیں کہ یہ کیسے ممکن ہوا کہ کسی کتاب میں اس قدر پیچیدہ اور دشوار حساب ڈال دیا گیا ہے جو بے مثل ہے۔

515- چیلنج:-

یہ سب دنیائے سائنس اور حساب کے لئے ایک لاینحل مسئلہ ہے اور بیسویں صدی کے آخر میں اس کی دریافت دنیا بھر کے سائنسدانوں کے لیے چیلنج اور عام انسانوں پر حجت ہے کہ وہ قرآن کریم اور صاحب قرآن ﷺ پر ایمان لائیں اور بلا حیل وحجت اب اپنی زندگیوں کو قرآن کریم کی تعلیمات کے مطابق بدل ڈالیں۔

قرآن حکیم کے حسابی نظام میں اس بات کی ہرگز تخصیص نہیں کہ 19 کا عدد یا کوئی اور ہندسہ کسی قسم کی مقدس خصوصیات کا حامل ہے، بلکہ سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہ کیسے ممکن ہوا کہ آج سے چودہ سو سال پہلے جب کہ اس وقت کے حساب دانوں کا علم آج کل کے پرائمری سکول کے بچوں سے بھی کم تھا، عرب کے صحراؤں میں ایک شخص اٹھتا ہے، جو کسی سکول کا تعلیم یافتہ نہیں، کسی عالم سے بھی اس کی مجلس نہیں، جب وہ چالیس سال کا ہو جاتا ہے تو اس کی زبان مبارک (ﷺ) سے ایسے کلمات نکلنا شروع ہو جاتے ہیں جن کا عربوں کے نزدیک فصاحت وبلاغت میں کوئی ثانی نہیں تھا، وہ کلام ایسا زوردار، پراثر، انقلاب خیز تھا کہ جو کوئی اسے سنتا اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا، اور عرب کے بڑے سے بڑا عالم اور شاعر باوجود کہ یہ ان کی غیرت کے لئے ایک بہت بڑا چیلنج تھا، اس کے مقابلہ میں ایک آیت تک بھی نہ لا سکے۔ پھر جب ان عربوں نے اپنی زندگی کو اس کے مطابق ڈھال لیا تو بدوؤں سے اٹھ کر وہ مہذب ترین انسان بن گئے اور آہستہ آہستہ جب قرآنی سوچ والے چند ہزار لوگ تیار ہو گئے تو انہوں نے بیس سالوں کے اندر اندر اس وقت کی تمام معلوم شدہ دنیا کا نقشہ تبدل کر کے رکھ دیا۔ آج دنیا کا ہر چوتھا آدمی قرآن پاک پر ایمان رکھتا ہے اور اس کے ماننے والوں کی یہ تعداد مخالفوں کے پراپیگنڈہ کے باوجود بڑھتی ہی جاتی ہے۔ جیسے یہ سب کچھ کافی نہیں تھا اب وہ اپنے عجیب وغریب حسابی نظام سے اکیسویں صدی میں تمام مجموعہ انسانیت بشمول سائنس دانوں کو چیلنج کر رہا ہے کہ اگر تم اسے نہیں مانتے تو اس جیسا حسابی نظام پیدا کر کے دیکھاؤ۔

حساب دان، سائنس دان، دانشور، علماء حکماء، ہر خاص وعام، مومن اور منافق، مسلمان اور کافر بھی سوچنے پر مجبور ہیں کہ کجا چودہ سو سال پہلے آج بھی کسی کتاب میں ایسا حسابی نظام ڈالنا انسانی بساط سے باہر ہے۔ طاقتور کمپیوٹروں کی مدد سے بھی اس جیسے حسابی نظام کے مطابق کسی کتاب کی تشکیل انتہائی مشکل ہوگی اور پھر کوئی مصنف ایسا کرے بھی کیوں؟ لیکن چودہ سو سال پہلے تو یہ ہر لحاظ سے ناممکن تھا۔ خاص طور پر یہ کہ قرآن حکیم کوئی ایسی کتاب نہیں تھی جسے بیٹھ کر کسی مصنف نے لکھ دیا ہو، یہ تو پورے 23 سال کی لاثانی جدوجہد اور انتہائی فعال زندگی کے دوران آیت آیت نازل ہوتا رہا۔ ایسی زندگی جس میں ایک دن بھی ایسا نہیں تھا کہ صاحب قرآن (ﷺ) آرام سے بیٹھ کر کچھ لکھ لیتے، لہٰذا کوئی بھی صحیح العقل آدمی اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ قرآن کریم کا حسابی نظام ایک ایسا شاہکار معجزہ

ہے جوماسوائے اللہ کسی اور سے نہیں ہوسکتا۔کیاان حیران کن خوبیوں اور بے مثل عظیم معجزہ کے بعد بھی کوئی سلیم القلب اس کتاب کے من جانب اللہ تعالیٰ ہونے کے بارے میں شک کرسکتا ہے؟ دراصل قرآن پاک تمام زمان ومکان میں ایسا معجزہ ہے جو ہرقسم کی عقل ودانش والے انسانوں سے اپنے آپ کومنواتا ہے تاکہ حق ظاہر ہواور حجت قائم رہے۔19 والا بے مثل اور حیران کن فارمولا ہمیشہ رہنے والا ایک زندہ معجزہ ہے' اسی طرح چودھویں صدی ہجری کے آخر میں قرآن حکیم کے حسابی نظام اور اسکی سورتوں اور پاروں کے درمیان تعلق کے گراف کی دریافت بھی اسی معجزہ کا ایک نظارہ ہے جواس سائنسی دور کیلئے ایک بہت بڑا چیلنج ہے۔اب بھی اگر کوئی اسے نہیں مانتا، یا ایمان لانے کے بعد اس پرعمل نہیں کرتا تواس سے بڑھ کراپنی جان کا کون دشمن ہوگا؟ بے شک جوزندگی قرآن حکیم سے دوررہ کرگزرگئی وہ بری طرح ناکام ہوگئی۔

516- آخر 19 کا ہندسہ کیوں؟

قرآن کریم کی حسابی ترکیب میں صرف 19 کا ہندسہ کیوں اس قدر معتبر ہے؟ یہ سوال اپنی جگہ کافی دلچسپی کا حامل ہے سیدھا سادا جواب تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے کوئی ہندسہ اہم نہیں وہ جو چاہے استعمال کرے۔ یہ تواس کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ کسی چھوٹی سے چھوٹی، کم تر سے کم تر چیز کوعزت بخش دے۔اس لحاظ سے 19 کے ہندسہ کی ماسوائے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے کلام میں مخصوص کرلیا ہے اسکی کوئی اور مذہبی اہمیت نہیں۔ پھر بھی ایک حسابدان یہ کہہ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی اور ہندسہ کیوں نہ چن لیا؟ اس سوال کا اصل جواب تو اللہ ہی کے پاس ہے لیکن عام حسابی قاعدوں کے مطابق 19 کے عدد کی کچھ ایسی خصوصیات ہیں جو دوسرے کسی عدد میں نہیں پائی جاتیں۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ ہندسہ ایک اور نو کا مرکب ہے جو کہ ہندسوں میں اول اور آخر ہیں۔اس کے دونوں ہندسوں کی حاصل جمع دس ہے۔(1+9 = 10) جس کے اعداد کی حاصل جمع ایک ہے(0+ 1 = 1)۔ یعنی 19 کا ہندسہ اپنے اندر وحدت کو چھپائے ہوئے ہے۔

کائنات کے نظام میں بھی 19 کے ہندسہ کی اہمیت بہت واضح ہے۔

مثلاً سورج۔ چانداور زمین انسان کیلئے اہم ترین فلکی نظام ہیں۔ یہ تینوں ہر 19 سال بعد ایک دوسرے کے آمنے سامنے ایک لائن والی پوزیشن بناتے ہیں(Ref: Encyclopeadia Judaica Calender) مشہور سیارچہ جسے Halley Comet کہا جاتا ہے ہر 76 سال بعد زمین پر ظاہر ہوتا ہے جو کہ 19 کا ٹھیک حاصل ضرب ہے۔ (76 = 19 x 4) ہر انسان کے اندر 209 ہڈیاں ہوتی ہیں جو کہ ٹھیک 19 کا حاصل ضرب ہیں۔209=19 x 11 تخلیق کے لمحات کے بعد ایک نارمل بچہ ماں کے پیٹ میں 266 دن یا 38 ہفتے رہتا ہے۔جو کہ 19 کا ٹھیک حاصل ضرب ہیں۔38 = 19 x 2, 266 = 19 x 14
(Ref: Longman Medical Embryology)

اوپر کی مثالیں یہ واضح کرتی ہیں کہ انسان کی تخلیق اوراس کی دنیا کے اندر بھی 19 کا ہندسہ اللہ تعالیٰ کی مہر کی مانند ہے۔شاید اسی

لیے کلام اللہ کی تخلیق و ترتیب میں بھی یہی ہندسہ بنیادی نوعیت کا ہے۔ (واللہ اعلم)

517- یا اولی الالباب:۔

یہ سب باتیں یقیناً حیران کن ہیں لیکن حیرانگی کے بعد کیا کرنا ہے؟ اس کا جواب ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ ہم کائنات کے اس عظیم ترین معجزہ یعنی قرآن کریم پر دل و جان سے ایمان لائیں اور اس کے احکامات پر عمل کریں تا کہ دنیاوی زندگی کے امتحان کے بعد جب اس کی رہنمائی میں خوشی خوشی ہمیشگی کی زندگی میں داخل ہوں، تو اللہ تعالیٰ کے فرشتے قرآن کریم ہی کے الفاظ میں ہمیں یوں خوش آمدید کہیں:۔

"اے نفس مطمئنہ،

اپنے رب کی طرف پلٹ آ،

وہ تم سے راضی،

تم اس سے راضی،

آ۔ میرے خاص بندوں میں داخل ہو جا۔

آ۔ میری خاص جنت میں داخل ہو جا۔

اے ہمارے رب! ہماری غلطیاں معاف فرما، بے شک تو بڑا ہی درگذر فرمانے والا ہے، اے ہمارے رب! اس کوشش کو قبول فرما، اور ہمارے لئے باعث نجات اور باعث ہدائت بنا۔ ہمارے آقا سرور کائنات ﷺ پر لاکھوں کروڑں درود سلام ہوں، ہماری زندگیاں ان کی اتباع میں گذر جائیں اور ہمیں ان کی شفاعت نصیب ہو (آمین)۔

سلطان بشیر الدین محمود
اسلام آباد

16. Iftikhar Bin Hassan, "The Astonishing Truths of the Holy Quran" Taaha Publishers, London

17. Rahid Khalifa "The Quran: The Visual Presentation of a Miracle" Islamic Productions Ancona, USA 1989

18. Michael Hart "The 100 Goests History of the 100 Human Beings who have Influenced Humanity Most" New York

19. Fred Hoyle, "Nature of the Universe" Book Published Pellican Books UK

20. John Gribbin, "Precise Measurements of Nothing Pin Down the Universe" New Scientist 15th December 1983

21. Author's book Doomsday and Life After Death" Published Holy Quran Research Foundation, Islamabad

22. Ibid see author's book

23. Baker and Fredrich, "An introductions to Astronomy Book Pub. Van Nostrand Co, Holland

24. Stephen Hawking, "A Brief History of Time"

25. Stephen Hawking, "Black Holes and Baby Universes" Pub. Bertain, 1994

26. I.D. NovikoV, "Evolution of the Universe", Cambridge Universities Press.

27. Paul Davies, "God and the New Physics" A Touch Stone Book Pub. 1984 by Simon and Schuster, Inc. New York

517- یا اولی الالباب

16. Iftikhar Bin Hassan, "The Astonishing Truths of the Holy Quran" Taaha Publishers, London

17. Rahid Khalifa "The Quran: The Visual Presentation of a Miracle" Islamic Productions Arizona, USA 1989

18. Michael Hart "The 100 Goeats History of the 100 Human Beings who have Influenced Humanity Most" New York

19. Fred Hoyle, "Nature of the Universe" Book Published Pellicon Books UK

20. John Gribbin, "Precise Measurements of Nothing Pin Down the Universe" New Scientist 15th December 1983

21. Author's book Doomsday and Life After Death" Published Holy Quran Research Foundation, Islamabad

22. Ibid see author's book

23. Baker and Fredrich, "An Introductions to Astronomy Book Pub. Van Nostrand Co; Holland

24. Stephen Hawking, "A Brief History of Time".

25. Stephen Hawking, "Black Holes and Baby Universes" Pub. Bartain, 1994

26. I.D. NovikoV, "Evolution of the Universe", Cambridge Universities Press.

27. Paul Davies, "God and the New Physics" A Touch Stone Book Pub. 1984 by Simon and Schuster, Inc. New York

REFERENCE:

1. Laura Veccia Verlier, "Apologie de L'Islamism". France (PP57-59).
2. Dr. Hart Wig Hiraschfeld, "New Researchers in the Composition and Exegesis of the Quran". London 1902 (P-2)
3. F.F. Arbuthnot. "The Cunstruction of the Bible and the Quran" London 1885, (P.5)
4. Henry Gaylord Dorman "Towards Understanding Islam". New York 1948 (P-3)
5. Prof. A.G. Arberry, "The Holy Quran An Introduction with Selections" London 1953 (P-17)
6. Prof. Ziauddin Ahmed, "Al-Quran"; Divine Book of Eternal Value, Royal Book Company Karachi. 1989
7. Maurice Bucaille, "The Bible, the Quran and Science" Pakistani Edition, Karachi, 1979
8. Muhammad Marmaduke Pickthall, "The Glorious Quran; Text and Translation" Islamic Research Institute Press Islamabad, 1936
9. Afzalur Rehman, "Muhammad Encyclopaedia of Seerah", Vol. 1, Muslim Schools Trust, London 1981
10. Dr. La'l Muhammad Chowala, "A Study of Al-Quran Karim", Islamic Publications Ltd. Lahore 1991
11. Abu Doud, "Abu Doud's Book of the Traditions of the Messenger of Allah".
12. Kenneth Cragg. "The Call of the Minaret", Oxford University Press 1956
13. S. Bashiruddin Mahmood, "Doomsday and Life After Death", Holy Quran Research Foundation, Islamabad 1991
14. Abdul Wadood, "Phenomena of Nature of the Quran" Syed Abdul Wadood Lahore 1971
15. Allama Syed Soloman Nadvi, "Seere-tun-Nabi", Services Book Club, Rawalpindi

Then penetrate them,

You will not be able to do but with power.

Then which of the favours of your Lord,

You may deny"? 55(33-34)

Thus before earthly doomsday mankind and the Jinn will have acquired the power to leave the earth. However even that will be of no avail: The following verse reveals that as they will be trying to escape from earth, they will encounter fatal problems of heavenly smoke, dust, meteors and hot flares, which will destroy them. So there would be no escape from the doomsday anywhere.

"There will be sent against you both,

Heat of fire and flash of brass,

That you will not escape". 55(35)

As predicted above one wonders that we are now witnessing the beginning of the deep space travel also. Thus future is clear; Doomsday may not be too far. Shall we not believer and prostate before our Creator even now? May Allah lead us on the right path and save us from the wrongdoers? Aamin

When the heaven will bring forth,
A kind of smokes plainly visible,
Enveloping the people,
That will be painfully grievous". 44(10-11)

WHEN SHALL DOOMSDAY OCCUR?

One of most significant sign of the approaching doomsday told by the Holy Quran extra ordinary developments in science and technology before it. Present age seems close to achieving that goal.

The Holy Quran predicts this development in its following verse:

"Soon We shall show them Our portents,
In the heavens,
And within there own selves,
Until it becomes clear to them that (this Quran)is the Truth
Does not thy Lord suffice,
Indeed He is witness overall things". 41(53)

Think over this revelation again and again, and then look into the rapid development of science and technology one the part one hundred year. In the light of this revelation it seems that to a large extent mankind is very close to this achievement. It has already started controlling its environment and is freely exploiting earthly resources. Deserts are being converted to gardens and even far off areas are being developed into places of beauty. Discoveries and progress in the human DNA and Genetic Engineering has tremendously increased the man's understanding of his own self. Progress achieved in space travel in the cast twenty-five years is also of special significance with respect to the predictions made in the above verse.

Another sign of the earthly Dooms day as pointed out by the verses 55 (33-34), is that before this fulfil event human beings on earth would have acquired the capability of deep space travel also. As they see the sign of the approaching fate on earth, urge of survival will persuade them to leave it and seek refuge in other regions of the universe, but that will be of no avail to them. They will not escape their doomsday. It says:

"O! Company of Jinn and mankind,
If you have the power,
To penetrate bounds of heaven and earth,

the earth, from which a scientific mind may work backward and trace out the causes. Some of these are highlighted below:

Boiling of Oceans:

Holy Quran depicts that near earthly doomsday oceans will start boiling. This could be due to the release of internal heat of earth, which in turn may be due to excessive volcanic activity during the phase of Doomsday.

Fire in the Oceans:

Further to the boiling of oceans, revelation 82(3) points out that before the doomsday oceans will appear set on fire:

"When the oceans
burst on fire,
And when the graves are overturned". 82(3-4)

Cause of fire in the oceans must be other than the simple effect of earth coming near to sun. The adjoining phrase, "when the graves are overturned", signify that fire in the oceans may be due to the bursting of the earth's interior as a result of violent earthquakes and volcanoes.

Since water cannot catch fire easily, therefore we may also infer from 81(3) a very important corollary that interior of earth may contain large amount of uyeho carbon matter like methane, which on leaking out from the beds of seas would catch fire and produce the effect of oceans on fire. Same is possible through the release of under sea petroleum reserves, which may be caused by very high magnitude earthquakes, which Rasool-ul-Allah told would be too frequent near the Doomsday.

EARTHLY ATMOSPHERE FILLED WITH SMOKE:

The verses 44(10-11) point out that one more significant feature of doomsday would be presence of large amount of smoky matter in the atmosphere of earth. There could be various possibilities of this happening. For example, it could be through volcanic action and may also be due to the crash of metros as pointed out in the verse 69(13-15). The same may also be possible due to some explosion in the nearby planet or in the sun itself; which will fill the space with solar flares. Following verses throw some light on this subject:

"Watch for the Day,

for you,
O' you twain burden (of earth)". 55(31)

As we saw earlier verse 7(187) makes it clear beyond doubt that advent of the earthly doomsday will also be a sudden catastrophic event, taking people by surprise. It comes upon them but unaware. Concept of suddenness in the Doomsday is apparent from the following verses also:

"They wait not but one blast,
which will surprise them,
while they are disputing". 36(49)

"And matter (of the hour of Doom),
is but as twinkling of an eye,
Or it is nearer still,
Lo, Allah is able to do all things". 16(77)

From these verses we can say with certainty that earthly doomsday is in not going to be the linear end of solar system, because that will mean to too long period, feeling of but will be the result of some cosmic accident, which will take the people on earth by surprise.

The verse 16(77) quoted above also indicates that earthly Doomsday is not a far off event but like the twinkling of an eye. On the relative astronomical time scale even this can be a long period.

THE NATURE OF THE DOOMSDAY IN TERMS OF THE RECENT SCIENTIFIC FINDINGS:

In the above discussion, we have seen that Doomsday will be a sudden terrible blast, "one shout" which will surprise the people, taking them unaware. Thereafter, the process may be completed over a long period of time. No surprise that modern scientific ideas on this subject are also coming to the similar conclusions.

Some theories suggest that the asteroids, which also circle our sun may cause such types of catastrophes falling on to earth.

MECHANISM OF THE EARTHLY DOOMSDAY:

There are various verses in the Holy Quran, which describe vividly the events of Doomsday of

Holy Quran Research Foundation, 60-C, Nazimuddin Road, F-8/4, Islamabad, Pakistan.

EARTHLY DOOMSDAY:

DOOMSDAY ON EARTH:

The discussion so far has concentrated on the "Universal Doomsday". However, we have already said that on smaller scale, doomsday is a routine phenomena in the universe. Everything in the Universe has its predetermined life periods and when its time comes, no one can avert the catastrophe. With reference to mankind the Holy Quran tells:

"Closer and closer to mankind
Comes their reckoning,
Yet they heed not,
And they turn away". 21(1)

The general rule being followed what is said in the verse. 54(3).

"Every event has its appointed time". 54(3)

According to this rule Doomsday of the earth is also a pre-programmed reality, which will happen before the Universal Doomsday as part of the 'continuous' Divine activity of creation and recreation. There have been worlds like us which have met this fate earlier; there are worlds which are passing through it now; and there remain worlds which are going to meet it in future.

When it falls on us it will not be at all a unique happening in the universe. One can see from the Holy Quran that life is a widely spread phenomenon in the cosmos and there could be many more earth like bodies populated by human beings like us. According to the general principle of accountability, each one of them will meet its Doomsday at its turn. This is apparent from the Quranic verses 55(26-45) which describe the order of various events leading to the ultimate Doomsday, and highlight that doomsday of individual worlds are only part of the Divine Scheme of Accountability.

In this schedule verse 55(31) is very intersting. It points out the pre-occupation of Allah Subhanhu in the Doomsday of some other earth at this time. Our turn is foretold to be coming very soon;

"Soon shall We be free,

"And when the heaven,
It is torn apart". 81(11)

The general situation of chaos, prevailing during the Doomsday of the Universe is also highlighted in the verses 79(1-6). Here the stress is on too much activity of meteors, disorderly floating of stars in space and of extreme degree of commotion in the universe.

"By those who drag with destruction,
By (the meteors) rushing apart,
By the (lone stars) floating,
By the (angle) hastening,
And those who govern the events".
"On that day,
Everything that can be in commotion,
Will be in violent commotion,
Commotion after commotion". 79(1-7)

In that state, heavens will appear as a pot of molten copper sizzling, on a furnace.

"The sky will look as the molten copper" 70(8)

This analogy reflects the scene of high temperature plasma filling the skies after the bursting of stars.

SUMMARY:

In the above discussion we have studied the scenario of the end of the universe as seen through the Holy Quran. In general it is the scenario of a contracting universe, everything rushing toward its origin at tremendous speeds. Cosmos is full of turbulence, heavenly bodies crashing into each other, stars spewing out hot plasma, space filled with smoky debris of heavenly bodies, a state of dreadful commotion all-round. And mankind, anywhere and every where, in panic, helplessly will see the fast approaching scene of "The End". However, this will be only for a New Beginning, for the birth of a new order of existence, much more grandeur than the present one. No surprise for the students of the Holy Quran that almost similar is the scene of the end of the universe being depicted by the modern scientific research also. Thus one sees that over centuries science has gradually come closer to the position pointed out in the Holy Quran more than fourteen hundreds years ago. For details of each phase of the Doomsday, phase refer to the Author's Book "Doomsday and Life after Death" first published in 1987 by the

"A day, when the heavens,
with the clouds,
will be rent asunder". 25(25)

"Watch for the Day,
When the heaven will bring forth,
a kind of smoke, plainly visible,
Enveloping the people,
It will be painfully grievous". 44(10-11)

On the basis of the current scientific thought, one may say that this state of affairs, may result from the bursting of stars, this on a much smaller scale, has been already observed in the bursting of stars as of Novae and Supernovae, which then violently release gaseous matter and energy and fill the surrounding space suddenly.

Besides the smoke filled space, there will be an overall disorder in the universe. To a man on earth, heavens will appear trembling, vibrating and shaky. Following verses offer a comprehensive description of those awful state of affairs.

"On that Day,
Heavens Will heave,
with awful heavings". 52(9)
"And the mountains'
They will fly hither and thither". 52(10)

The advent of Doomsday is thus associated with an overall break of order in the universe. In the verse 52(10) phenomenon of the flight of mountains may be associated with the scene of planets crashing with each other, throwing chunks of matter, roving disorderly in space.

The following verses seem to refer to the abnormal out bursts of novae and supernovae. The whole system of present stability will fall apart. Stars will fall off their stable orbits and crash into each other and with the passage of time will loose their energy producing reactions, causing gradual darkness all-round as one may see from the following verses.

"(Watch for the Day),
When the Sun is folded up,
When the stars fall,
Loosing their light". 81(1-2)

"On that Day,
when the earth will be changed into another earth:
And the heavens,
(they will be changed also)". 14(48)

"And vie one with another,
For forgiveness from your Lord,
And for a paradise (Jannat),
Which is as wide as,
All the heavens and earth.
It is prepared for those who ward off evil". 8(133)

MECHANISM OF THE BEGINNING OF THE UNIVERSAL DOOMSDAY

It appears from the Holy Quran that the beginning of the Universal 1 Doomsday will be marked by the transient of its changeover from expansion into contraction phase. This event will be of tremendous significance for whole of the cosmos. In the Quranic language it is termed SOOR. It will be felt everywhere, spreading a wave of terror throughout the universe. Following verses point out about this awful reality:

"And (remind them of) the Day,
When the Soor will be blown,
And all who are in the heavens and the earth,
Will stare in terror,
Save him whom Allah wills,
And, all come to Him humbled". 27(87)

Soor will sound the start up of the Doomsday. It will be a tremendous event, shaking everyone in the universe. Thereafter things will be changing suddenly from bad to worse. Thus the contracting phase of the universe is marked by total chaos and turbulence everywhere. Control will be let loose, stars will burst, planets will be crashing into one another. As a result Cosmos will be filled with a smoky stuff. Following verses illustrate the state of turmoil of that Day:

"It is a heavy Day,
In the heavens and earth". 7(187)
"And the heaven will be split as-under,
And on that Day, it will be frail, flimsy". 69(16)

the cosmos are thought to be the principal component of this invisible matter.

Holy Quran also speaks of the revolving of heavens. Thus contraction could be the natural consequence of its revolving and expansion. Presently, universe is expanding and revolving like the opening of a disc spiral. When it has fully opened, it would coil back on itself due to its residual momentum.

Experimentally, the process may be demonstrated by nailing one end of a spring rope to a spiral disc and coiling rest of the length on it. Then give it a very strong twist to open the rope. It would be seen that rope begins to open up around the centre of the pivot, and after it has opened fully, under its own momentum, it begins to coil back around its pivotal point.

Examples of spiral expansion have been observed in the construction of several galaxies of the heavens. These are of two types, normal and barrel spiral. Normal spirals have lens shaped central regions, from opposite side of which the two arms emerge and coil around the centre in the same sense and the same plane. A barrel spiral galaxy is in the shape of two coils starting abruptly from the ends of bright bar, which projects from the opposite sides of the central region.

From the Quranic verse 21(104) it can also be assumed that universe as a whole is also of the spiral shape which after having opened up to its maximum limits, would coil back on itself. Since pulling force of gravity is inversely proportional to the square of the distance between the bodies, therefore rate of contraction of universe would be much faster than its expansion. Ultimately, all the matter in the universe, rushing in at tremendous velocities from all around, will crash together and annihilated in a fire ball of Energy, as it had started in its first order of existence. The only reality then would remain of Allah only. The Quran depicts these two states of existence in its following verse:

"He is the First, and
He is the Last". 57(3)

Beginning and the End are thus two states of existence when all the secondary existence are terminated into the primary Existence of the One and the only One God, besides whom there in no other God. He will then set the stage for a new beginning, for a new universe, which according to the Holy Quran is unimaginably bigger than the present order of universe. This is the promise of God, made in the verse 21(104), who will repeat the creation of the world again. However, as indicated by the verses 14(48), 3(133), given below, new universe would be different from the present one:

This scenario is supported from the Holy Quran, which guides us that ultimately whole of the present order of universe will be folded back. Expansion will change into contraction, then it will implode back to its point of creation, from where it will be recreated once again. The following revelation is a pictorial representation of this scientific account:

"There would be a Day,
When We shall roll up the heavens,
Like a recorder rolls up a written scroll,
As We began the first creation,
We shall repeat it,
It is a promise upon Us,
Lo! We are to perform it". 21(104)

As for the expansion of the universe, following revelation also provides a clear indication of that:

"We created it with the
Twist of the (Divine) Hand,
And
Surely We are expanding it". 51(47)

Expansion phase of the universe is associated with the creation of heavenly bodies. As you can see from 21(104) the process is synonymous with a scriber who writes on a scroll and goes on unfolding its pages, putting new ideas everywhere. Likewise, Allah has been unfolding the universe, adding on it new creations all the time, giving it more and more grandeur Quran further says on it:

"Everyday, is a day of
New splendour
For (your Lord)". 55(29)

In contrast, the contraction phase of the universe will be associated with the folding of the task already done; a gradual process of decommissioning of the heavenly bodies. This process can be imagined to occur in many ways. Currently popular scientific hypothesis is that there exists a large amount of unseen hidden matter in space. Since the force of gravity always tries to pull things inward, a stage may reach when the gravitational pull of the invisible matter exceeds the expanding forces and thus change the expansion into contraction. Neutrinos, which are extremely small particles of matter, having mass less than electrons, due to their abundance in

What they strive for"?.... 79(34-35)

"No soul will have power,

On any other soul on that Day,

The absolute command is of Allah's only". 82(19)

Thus Doomsday is the day of justice for all mankind, of all the worlds, of all the times. Earth is just one of those multitudes of worlds. How shall it happen, is a Divine secret, of which our knowledge is extremely limited. However following verses suggest that even that will happen according to some Divine Mathematics.

"He takes an account of them (all)

and has numbered them exactly,

and every one of them, will come

on the Day of Judgement". 19(94-95)

NATURE OF THE DOOMSDAY:

As discussed above, the Doomsday is actually an event in the continuous process of creation and recreation of Allah. The Quran divides the doomsday in three throws light on two types of events.

(i) Ultimate event, which will annihilate the entire universe.

(ii) Major events effecting the galaxies and clusters of stars.

(ii) Minor events of common occurrence, which destroy the individual solar systems.

MAJOR EVENT, THE TOTAL END:

This is when the present order of existence will be changed into an entirely new order of existence. This is a subject much debated these days. Most Cosmologists has favoured the idea that universe is an event which had a beginning and some day it will have its end. Thereafter, a new beginning will take place. In this regard, scientific evidence proves that currently universe is expanding at a slowing rate. At its outer peripheries, its speed of expansion may have been as much as the speed of light. However, presently rate of this expansion is slowing down. Therefore at some time in will start contracting. When this happens, universe will rapidly collapse back into a fire-ball comprising extremely high density matter. Thereafter it may explode like a bomb to set the stage for the new universe.

"Verily the Hour (of the Doom) is to come,
My design is to keep it hidden,
For every soul to receive its reward,
By the measure of its endeavor". 20(15)

This signifies that knowledge of that fateful event is with Allah only. Mankind will never know of its exact occurrence. However it is not the End but a new beginning from the present order of existence, where the old memories would survive. It will be a world as a consequence of the present world; a place of reward and punishment for the deeds performed in the present order of existence. It also means that "Existence" continues forever, but its shape and style do change. The argument could be stretched to the reality of pre-universe that it was also not the "Nothingness". And even if we call it Nothingness, it was not devoid of existence.

Certainty of the occurrence of this grand event is assured in the Holy Quran at a number of places. In fact this is the pinnacle of the religion of Islam, because it is the hereafter existence for the accountability of man's performance in the present order of existence. Following are some of the revelations which speak of this great Event:

"Warn them (O, Prophet of God),
Of the Day of approaching (Doom)". 40(18)

"It is but one shout,
And behold,
All of them will be brough before Us". 36(53)

"Do they not think,
That they will be called to account,
On a very Big Day?" 83(4-5)

In the verses 83(4-5) Divine use of the term "Very Big Day" obviously means that period of the change over of the present order into the new order would be indeed of cosmological duration. It may last for billions of our years, may even be longer than the total existence of the present order of the universe.

The concept of "Accountability and Doomsday" is further highlighted in the following verses:

"Then there comes,
The great overwhelming Event,
The Day when Mankind,
Shall be reminded

hundreds years ago, which states:

"All that is there (in the universe) is to perish". 55(26)

Thus it is law of nature that nothing is everlasting. It is the same as the 2nd law of thermodynamic postulates that entropy must increase with time, order must give in to disorder ultimately. Everything that has a beginning shall meet its end. Not even neutrons or protons can be of infinite life. They must decay. Ultimately whole of the universe will be annihilated.

In this respect the Holy Quran reveals the fundamental law of predetermined life periods of things; which means that events happen according to a pre-programmed scheme of nature. That is:

"Every order (event) has an appointed time,
And ye will come to know". 6(67).

This law dictates that process of creation, decay and annihilation must follow pre-set rules and is predictable, if we can understand and analyze the effects of all the variable involved therein. However, since our reach into time and space is limited and universe is too big and complex, mankind may never know with certainty even of their own fate.

In this context one can only depend on guidance from the Holy Quran, which is quite comprehensive and clear. In its various revelations, it has described in details the events concerning the final annihilation of the present order of universe, which are really very thought provoking

It also indicates that the event of Final Annihilation i.e. universal Doomsday is actually the culmination of various minor events going on all the time in the Cosmos. Accordingly, even at this very moment, somewhere in space, there is some star or planet, which is there now but would not be there in the moments to follow. In this routine, that day may not far off when our earth and solar system will also suffer its fate. Surprisingly no one may even notice it in the vast ness of universe.

DIVINE PURPOSE OF DOOMSDAY:

As highlighted earlier Doomsday does not mean "The End", in the Holy Quran, but it means a change from one state of existence to another. It is neither an accident of nature nor a revolution, but it is the fulfillment of the Design of Allah. Following revelations highlight this inportance side of that great story.

APPENDIX-XXII

MECHANISM OF DOOMSDAY - ULTMATE FATE OF THE UNIVERSE

(Ref. "Dooms Day and Life after Death", book by Sultan Bashir Mahmood Published 1987, by HQRF Islamabad)

"And Unto Allah belongs,
The Unseen of the heavens and the earth,
And the matter of the Hour (of Doom) is,
but as the twinkling of the eye,
Or it is nearer still,
Indeed, Allah is able to do all things". 16(77)

INTRODUCTION:

Curiosity to know about the ultimate fate of universe seems to be inborn in mankind. When we look around the vast heavenly worlds, we do ask, what will happen to all this? In the heart of our hearts, we are in fact concerned about our own existence. Shall we and this beautiful world of ours also perish? Or is it going to live forever?

In the olden times Greeks had put up the hypothesis of eternity of universe, that it has been always there. This notion has existed to this date and a number of leading astronomers till recently believed in the continuity of the universe. In this process, they thought that matter creates more matter and so it goes on.

However, this idea is no more acceptable to a great majority of the scientists. Based upon the observations of formation of galaxies, expansion of universe, decay of matter and study of the behaviour of the elementary particles, they believe in a finite universe. In this regard the contemporary views were summed up in Geneva, in the conference of cosmologists and particle physicists held in November 1983, by the famous physicist Stephen Hawking of Cambridge. He said, "What we look back on as the big bang, was a time of very high but not infinite density, a state to which universe will precisely return through collapse after its present expansion phase is over. Out of the high-density phase, it will be born again (with an exponential inflation phase), to repeat the cycle and infinitum".

This actually follows the general principle of finiteness, given the Holy Quran, over fourteen

distance from the middle of the well to the black stone (Hajar-e-Aswad) is 20.60 meter, where as Maqam-e-Ibrahim is 12.45-meter. Hajar-e-Aswad is fixed at 1.5 meter high in southeast corner. Thus Kaba is not a perfect rectangle but it is irregular tabloid. Due its cubical shape it was given the name Kaba, as a clear symbol of faith in the Oneness of Allah. Arround Kaba is built the grand mosque, which after the latest expansion in 1990's can accommodate 605000 pilgrims and has 309000 square meter built up area.

SPIRITUAL DIMENSIONS

When the House was ready, on command from Allah Subhanhu Hazrat Ibrahim (PBUH) standing on it, gave call to all the people of the world to come and perform the Tawaf of this House dedicated to Allah. Everyone can see this miracle that since the last four thousands years, in response to call, more and more souls visit Kaba every day, every hover, all the times. They Tawaf around it in anti clock wise circles hymning the praises of their Lord. At times, when for some reason Tawaf is stopped, birds in the air are seen flying around the Kaba.

Another worth noting aspect of Kaba is that 'Anti Clock wise Tawaf' around Kaba is similar to the Tawaf or rotation of the heavenly body around their central points. Not only the heavenly bodies, even the electrons of the atom follow the same pattern. It is indeed wonderful to imagine that as the pilgrims perform Tawaf around Kaba, electrons in the atom perform Tawaf around their nucleus; planets around their suns, the stars around their galactic centers and galaxies around their own centers. Thus, Kaba is the universal symbol of unity of the mankind, as the stars are for their planets. Spiritualists see the "NOOR" of Kaba radiating all around, as the light radiates from a shining star. It reaches the hearts of those, who face toward it with their faith in Allah.

APPENDIX-XXI

KAABA, A CELESTIAL SYMBOL ON EARTH

"Surely the first, House of worship
Established for mankind is Kaba
Full of blessings and guidance for the world.

Therein are clear, signs of Allah in the "Platform of the Ibrahim"
(Maqam-e-Ibrahim), and who so enters it
(the House of Allah) will be in peace.
And the pilgrimage to this House is obligatory from Allah to mankind
Who can afford an access to it
And if anybody disbelieves,
Allah indeed is independent of all the creatures of the universe". 3(96-97)

Kaba is the First House dedicated by man to his Creator, first built by angels and latter built on the same foundations by Hazrat Adam (PBUH) the father of entire humanity. In the times of Hazrat Nooh (PBUH), it was washed away by the great delude. Thereby it was rebuilt by the Prophet Hazrat Ibrahim (PBUH) and his son Hazrat Ismail (PBUH) on its original foundations. Since then it has been rebuilt and renovated many times as the greatest symbol of love and worship of man for his God.

It is the sacred most place of Islam on Earth to which Muslims pray, wherever they may be. They are commanded by Allah Subhanhu:-

"Turn your face in the direction of the Sacred Mosque;
Where ever you are;
Turn your faces in that direction (in your prayers)". 2(144).

PHYSICAL DIMENSIONS:

The late Syed Ashraf Ullah Hussaini, in his book "Handbook on Haj, Umrah and Ziarah on pages 197-202 has given the following engineering details of the Holy Kaba.

It is 15.25-meter high, 11.58-meter eastern side, 11.93-meter western side and 10.22 meter northern and 10.13-meter southern side. The major landmarks are Maqam-e-Ibrahim, which is 11.10-meter from the eastern side. Zam Zam well is located under the floor of Tawaf. The

mankind".

Dangerous symptoms are already being seen in the form of depletion of Ozone in the upper atmosphere. If the Ozone hole keeps on growing, unfiltered ultraviolet radiation passing through this void may roast the life underneath. Moreover acid rains due to different types of chemical pollution in the atmosphere have started killing plant life in many areas of the world and made thousands of lakes in Canada and USA alone unfit for marine life. Due to rising level of carbon dioxide and other gases, atmosphere is losing its ability to cool the earth. Thus many scientists predict that global warming by several degrees within next 50 to 100 years will bring about drastic changes in the weather pattern, cause excessive melting of glaciers and ice caps of the poles. Consequently, much of Holland, Bangladesh, China and low lying coastal areas of many other countries, including cities like Karachi and New York may be flooded with sea water.

All this is the result of unwarranted 'Fasad' by he industrial civilization of today which Western nations are proud off. As the Quran calls, the many of fate are that such people always insist "We are the peace keepers only". Allah Subhanhu exposes the hypocrisy of such people in the verses 2(11-15) that they are the real culprits responsible to spoil the peace on earth. To save the world from the impending doomsday, mankind must learn from the Holy Quran and adopt its message 'Do not create Fasad on the earth after that it has been set right'. Otherwise, the ways being followed by the Western nations are suicidal for the entire humanity.

APPENDIX-XX

IMPORTANCE OF ENVIRONMENT IN THE HOLY QURAN

The Holy Quran teaches mankind "Do not make Fasad on earth (Sura Baqra). The Word Fasad, means spoiling of the established order. Fasad is forbidden because it is disturbing design of Allah which is perfectly balanced for the best survival of everything. On this the Holy Quran reveals:

"No lack of proportion wilt thou see,
In the creation of The Most Gracious (Allah)
Turn thy vision again; sees thou any flaw?
Again turn thy vision a second time:
Thy vision will come back to thee, dull and discomfited,
In a state worn out" 67(3-4)

Here is a great lesson for science that every creation in the universe is created in the best possible design relative to its environment. If nature is so well designed then disturbing it will only result into loss to mankind. Therefore the Holy Quran advises us:

"Do not make Fasad on earth after it has been set right". (Sura Al-Araaf)

This is a great thought for the environmentalists, a slogan for all scientists and non-scientists, sociologists, politicians and rulers on our earth. We must preserve the earth and its environment as it is. We must know that earthly environment is critically balanced, and mankind for their own sake, as advised by Allah Subhanhu, must not disturb its balance. Believers in the Holy Quran, are duty bound to save the earth and heavens from any kind of pollution.

It is terrible that since the dawn of Western civilization four hundred-year ago, its secular commercial, business, industrial, scientific and political interests have done irreparable damage to the environmental balance of earth. This has resulted into annihilation of many living species from the face of earth. According to the book "Biological Diversity" published by UNESCO-UNEP International Environment Education Program (IEEP) "During the next 20 to 30 years, the world could lose more than a million species of plants and animals primarily due to environment changes induced by humans. At 100 species per day, present extinction rate is more than 1,000 times the estimated "normal" rate of extinction. The endangered and threatened species include both plants and animals. Since the earthly environment is very critically balanced, unexpected things may happen, even endangering the very existence of

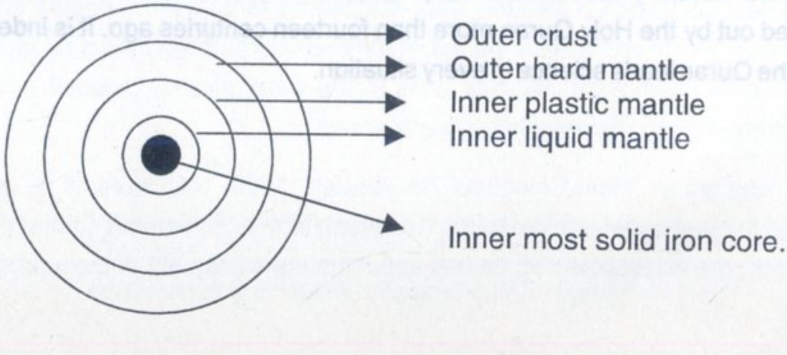
APPENDIX-XIX

METAPHOR FOR THE CRUST OF THE EARTH AS FLOORING FOR MANKIND

While describing the importance of earth for man, the Holy Quran uses the metaphor of flooring i.e. Farash for its outer crust.

The metaphors used in the Holy Quran are always of great scientific significance. For examples, the name Al-Arz in Arabic means some thing round and which rotates on itself. That is the scientific description of our earth also. Similarly the metaphors of 'Flooring' used for the mantle of earth is also of special significance and has a wealth of meanings in it. The Quranic word 'Farash' is also used for a carpet. Thus analogy that 'He made for you earth like a Farash, i.e. flooring' (Sura Baqra) has important significance in the understanding of our planet. Keeping the analogy of flooring in view we can say that outer surface of the earth, called Farash must be thin, soft and separate from the rest of the body of the earth. This is exactly what the science of geology has discovered so for. Modern science has discovered that initially earth was a molten ball in which lighter materials came to the surface and heavier ones settled to the center. Gradually the outer most layer of earth cooled hard like a rock, which as such was no doubt unfit for the habitation of life. Then for millions of years it went through the process of seismic and volcanic activities, weathering, corrosion and rains. Thus the outer most-hard crust was softened and became like a soft flooring spread over the underneath rocky structure, fit to support life. It is only a few kilometers thick.

Figure below gives the details of this life-supporting floor in comparison to the rest of the earth body.



APPENDIX-XVIII

INFLUENCE OF HEAVENLY FACTORS ON RAIN STORMS

Usually the phenomenon of rain is considered due to earthly factors only, but Holy Quran also points towards heavenly causes as the source of rain. For example in Aya 19(2) its says:

"Or like rainstorm from the Heaven,
In which is thunder and lightening". 19(2)

Against common observation the statement "Rainstorm from heaven" shows a special connection between rainstorm and the cosmos. We know from science that rain is due to condensation of water vapors in the upper atmosphere in the form of water droplets, which fall down under their own weight. However, often the clouds pass over without the fall of rain. Why? There is no simple answer to this question, because phenomenon of rainfall is much more complex than the simple explanation given above. As we go deeper into the physics of rainfall, one is surprised that along side the earthy reasons, cosmic activity also plays a very important role in the making of rain.

First of all, the phenomenon of vaporization of water and movement of winds is due to the Sun; a great cosmic object about 20 billion kilometer away from the earth, which provides energy for these processes. As regards the condensation to drops, it is due to the charged cosmic particles in the upper atmosphere, which provide nucleus to the condensing water vapors. The nucleonic droplet thus produced attracts more micro drops, gradually becoming big enough to fall under the pull of gravity. But still they are held in clouds due to the electrical charges acting between them. As the sheet of water further moves down, charge on the neutral water breaks due to electrical induction with earth, resulting into lighting and rainstorm. The sound of thunder is due to the break of electrical barrier between the earth and the clouds, which create powerful pressure waves. Thus we see that phenomenon of rain fall is indeed heavenly in nature as pointed out by the Holy Quran more than fourteen centuries ago. It is indeed wonderful to see how the Quran leads science in every situation.

from out side worlds between 4.5 to 3.8 thousand million years ago could have produced the earthly oceans.

Based upon studies of craters on moon, Chiba has estimated that large amount of material in the form of asteroid's and comets should have collided with the earth during that critical period. Even if ten percent of the masses of each comet were water, the net effect would be to supply surface water amounting 40 percent of the present oceanic mass (Ref. Nature Volume 330 page 632).

Irrespective of the correctness of these estimates, it is indeed thoughtful for everyone to see how the modern science confirms the truths of the Quran revealed more than fourteen hundred years ago. Needless to say that the Holy Quran does not need the confirmation of science for its being true. However, it is creditable for science, which by its discoveries is helping mankind for better understanding of the Divine Book. How wonderful is to recollect the saying of Abdullah Bin Omar (Allah be pleased with him) who said more then fourteen centuries ago that Time will be the best commentator of the Holy Quran.

APPENDIX-XVII

THE HEAVENLY ORIGIN OF WATER ON EARTH

Water is the source of all types of life and Earth is the unique planet in our solar system to have it in so much abundance. What is its source, where did it come from originally? Such questions have been a challenge for science.

The Holy Quran also in many of its verses, invitee attention of man to God's favour especially on the importance of water on the source of life and also about its heavenly origin, as said. It in the verse 2(22), ***"He sent down water from the heaven".*** Many commentators of the Holy Quran have translated it as "He sent down water from the clouds". But the word used in the Quran in not clouds. It is Sma, which means heavenly space. So we must stick to the actual meaning. ***"Allah sent down water from the heaven".*** This can then only mean that the origin of water on earth must be heavenly in nature.

It is no surprise for the believers that in the last quarter of the 20th century, scientific discoveries also led to similar conclusions. In the final analysis water on earth is seen to have originated from the cosmic sources. For example, it is being said that originally earth was a heavenly globule of vapors large proportion of which consisted of hydrogen oxide i.e. water. As this globule of gases cooled metallic part of it became the rocky earth body, and water vapors formed the oceans and some remained deposited within its body, where as some remained suspended in the outer atmosphere.

Besides the primordial earthly water, cosmologists have also recently come across frequent showers of icy meteors on earth from the outer space. These are thought to have been too frequent in its first two billion years. (In one of its revelation the Holy Quran calls them as mountains of water in the sky). Thus a good percentage of water accumulated on earth is from these icy meteors. Even now, fall of icy meteors is reported every now and then. It was in early 1990, when US Space Research Dept discovered large icy mountains following earth from outer space, which vaporize in the upper atmosphere before striking surface of the earth. The water so sent down from heavens adds to the water already present in vapors form in the atmosphere, which ultimately fall on earth as rain.

It was reported in "New Scientists 7th January 1988" that impacts of comets could have provided the first oceans of the earth. According to the Christopher Chiba of Cornell University 'New York', the latest scientific finding about the bombardment of the young planet by comets

above the other. The innermost is the 'heaven of our world' visible from earth. To give an idea about the size of heavens Messenger of Allah is reported to have said that relation between the first heaven to the earth is the same as that of the size of the human embryo with the size of the earth; and like-wise, is the ratio between the first heaven and the second one, and so on. If we assume that the first heaven is ten million light years vast, then in this proportionality, the vastness of the 6th heaven will be 10 million light years and seventh heaven must be infinite size. As said already concept of the layer structure of the heaven has been found basic to the structure of the most heavenly bodies. For example structure of the earth, stars and galaxies is found to be arranged in layers. Even the structure of the atom is a miniature representation of layer over layer arrangements. Electrons exist around the nucleus in different shells; and the nucleus is also a complex combination of more elementary such atomic particles.

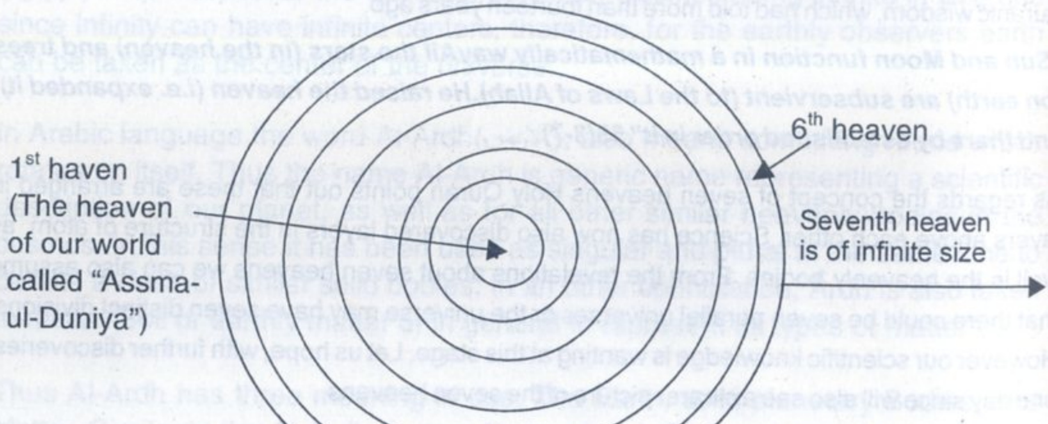


Figure: Concept of seven heavens, layer above layer. The holy Quran calls the first heaven as the heaven of this world. (Assma-ul-Duniya)

APPENDIX-XVI

THE QURANIC CONCEPT OF SEVEN HEAVENS AND THE UNIVERSE

The world 'Heavens as used in the Holy Quran is taken to means 'space', which houses the entire cosmos. The Quranic Aya 29 of Sura Baqra informs that initially, all heavens were like one unit, called Sma. Latter, Allah Subhanhu evolved it into seven different segments. Thus Smawatt denote the total organism of universe. In this respect modern science of cosmology believes that Time and Space appeared at the movement of Big Bang and there by inflated rapidly. Originally all matter and energy was contained in the Singularity of the Big Bang. Even after the Big Bang, the primordial universe was a single mass of extremely unstable hot plasma for but some thing. It is only after expanding and cooling that it saw some stability and got subdivided into multitudes of heavenly bodies. It should not surprise any one, that Holy Quran being revelation for the Creator Himself that already pointed out in the Ayat 55(3-7) that expansion of the universe brought equilibrium there in has out a relationship between the one wonders how the latest researches in cosmic sciences are gradually coming closure to the Quranic wisdom, which had told more than fourteen years ago.

"Sun and Moon function in a mathematically wayAll the stars (in the heaven) and trees (on earth) are subservient (to the Laws of Allah),He raised the heaven (i.e. expanded it), and there by established order in it" 55(3-7)

As regards the concept of seven heavens Holy Quran points out that these are arranged in layers above each other. Science has now also discovered layers in the structure of atom, as well in the heavenly bodies. From the revelations about seven heavens we can also assume that there could be seven parallel universes or the universe may have seven distinct divisions. However our scientific knowledge is wanting at this stage. Let us hope, with further discoveries, one day since will also see a clearer picture of the seven heavens.

A case history of such a discovery is seen in the discovery of the forces of nature. Initially scientific knowledge was limited to electromagnetic and gravitational forces only, but over the years it has discovered Strong Nuclear Force, and Weak Nuclear Force also. However, science is now moving forward that in actual reality they are different shades of a Singular Reality of nature, "one in four and four in one". Similarly, we may say that seven heavens are seven different divisions of the Singularity of the Cosmos i.e. Sma; one in seven and seven in one.

As said already Holy Quran, conveys the idea that seven heavens are arranged in layers, one

APPENDIX-XV

CONCEPT OF HEAVENLY BODIES SUCH AS THE EARTH, SKY AND SUN IN THE HOLY QURAN

There is a confusion on the definition of the Quranic words Sma and Smawat Al-Ardh,(الارض) Ashamsh, (الشمس) Alquamar (القمر). Many translators take them to mean specific heavenly bodies. Whereas in real sense they represent the class names of different heavenly bodies.

The word Smaa (السما) and its plural Smawat (السمٰوات) are usually translated as sky and skies respectively. However this is only limited meanings. Actually they signify the whole of cosmos. As for the word Al-Ardh, (الارض), it is almost always mentioned in the Holy Quran together with Smawat (Skies), in pair combination. Normally it is taken to mean the planet earth, which is true, but in its larger perspective this word means all those solid bodies in the heavenly world, which support life. As regards lifeless planets, they are represented by the word Jabal (جبال). With respect to the centre of universe, Cosmos being infinite in size and since infinity can have infinite centers, therefore, for the earthly observers earth can be taken as the center of the universe.

In Arabic language the word Al-Ardh(الارض), also means something round which rotates on itself. Thus the name Al-Ardh is generic name representing a scientific description of our planet, as well as for all other similar heavenly bodies in the cosmos. In this sense it has been used as singular and plural at the same time to denote a class of similar solid bodies. In an other connotation, Ardh is also taken to mean "Soil or earthly matter or in general to represent all types of matter".

Thus Al-Ardh has three meaning in use. The Earth, solid planetary Bodies, and Matter. Similar to the Al-Ardh, names Qamar (قمر), Shamsh (شمس), and Al-Tariq (طارق) also represent particular class of heavenly bodies. Thus in their generic meanings they signify their class in the organism of cosmos, i.e. the word Shamsh, means our sun, as well as all other sun like bodies everywhere in the universe Qamar means clan of moon like bodies, Al-Tariq a clan of stars, throughout the universe.

There are questions about cloning which concern the ethical values. Does Islam allow it? Is it right to copy embryos, put them to sale or use them to make spare parts? Is it allowed to kill the cloned embryos? Answer to all such questions is a plain "No". Islam does not allow man to interfere in nature to spoil the balance there in created by Allah. It says, "Do not make mischief on earth after that Allah has but it right" 7(85) The cloning is playing with nature and therefore can not be approved by Islam. As regard the questions, should an embryo be treated as human? Is its killing or modification allowed or not? We are guided by the Prophet of Allah that soul enters the embryo after it is forty days old. Therefore, before this age an embryo may be treated non-human.

Another question asked is, shall the clones be responsible for their deeds on the day of the Day of Judgement like other human beings. Answer is in affirmative. Yes, they will be.

Then some people ask, do the clones have soul? Answer is in affirmation, "Yes, they have". They are like identical twins and all twins have their individual souls.

identical twins. However, the laboratory prospect of producing the identical embryos has the potential to develop into "Identical Twin Rearing Factory".

The present day technology of cloning, as discussed above, is limited to getting cells from the developed embryos, or by nurturing embryos from the male sperm and female egg in the test tube. But it seems possible that in future genetic material from a long dead individual could be nurtured and grown into a real replica of the original. All this means that sooner or latter, man may acquire the capability to produce exact copies of any individual, in any number. Even a grand daughter could give birth to the copy of her grand mother from her pre-preserved cells. Already it has become possible to freeze the embryos for very long periods. Tens of thousand of test-tube embryos are now kept frozen in the US fertility clinics. Thus it has become possible to store the cloned embryos indefinitely and subsequently produce the exact copy of the individual even long after his death. A woman may thus produce her own copy if her parents had stocked some cells from her embryos, and the copy of her parents, if their cells were made available.

As reported in Ahadith books, this development will be a sign of the approaching Qiamat. It is reported from the Rasool Allah (PBUH) that Dajjal will revive the dead parents of the individual. But that will be only the copy of him, i.e. it will not be the original creation, but a creation from an already existing creation.

However, artificial cloning raises many ethical and religious issues. For example one may ask, "Is it not interfering in the powers of Allah, because only He can raise after death"? But this question is based upon misconception of the cloning process. Cloning is not new creation but simply rearing up from the already available cells. Thus it is not producing life out of nothing but nurturing some thing, which already exist using the scientific principals made by Allah. Moreover, cloned individual also faces death. Whereas Resurrection on the Day of Judgement does not depend upon cells, embryos and surrogate mothers, but Allah will order atoms and molecules of the individuals to reproduce the same individual, who will then never die again. Thus we can say that research into recreation by the bioengineering technologies only strengthens our belief in the Holy Quran, ALLAH and in the Life after Death.

APPENDIX-XIV

RECENT DEVELOPMENTS IN THE SCIENCE OF CLONING, *SOME NEW ETHICAL AND RELIGIOUS ISSUES*

Resurrection or life after Yom-ud-Din i.e. Final Decision Day, is the corner stone of belief in Islam. On the occasion of Yom-ud-Din all the people in universe, of all generations in time and space will be brought back to life in their original bodies. For this purpose Allah Subhanhu will order their body constituents to get together which they will obey and arrange themselves together as per their design. It is revealed in the Holy Quran that miraculous resurrection, but of temporary nature, have occurred in the past also. For example, miracle of revival of the dead, performed by Jesus (PBUH), revival of the dead at the mount Toor who had died on receiving the Divine flash of light, and the one who was murdered by Bani-Israel and revived with the touch of the limb of the slain cow, and also revival of birds of Ibrahim (PBUH) etc., are only few examples of temporary resurrection in the past, revealed in the Holy Quran.

No doubt that case histories of the revival of the dead revealed in the Holy Quran were as result of the Divine Miracle. Thus we can not explain them rationally. However, recent developments in the Bioengineering, Genetic Sciences, and out of womb conception of mother's egg with the male sperm have opened possibilities of temporary resurrection with the power of science also. Developments in the genetic sciences have raised many new ethical and religious problems for human beings. Does it mean a challenge to the Supreme Creator? On the contrary, it is fulfillment of the possibilities and knowledge given to man by His Creator. He says "No one can acquire any knowledge but whatever He may pass on to any one. 2(55). If man can do, why not God? He says in the Holy Quran "Is your creation more difficult, or the creation of the Universe? Allah created it and raised it and established balance there in. 79(26-28)

Let us now briefly look into the scientific developments on temporary resurrection. The process has already been successfully used in the breading of animals. Carbon copies of desired animals have been produced from the DNA taken from the cells of the animals. In 1993, two scientists of George Washington University US, namely Robert Stillman and Jerry Hall, announced their success in cloning human embryos also. The process called for single cell to be separated from a growing embryo. Each cell was then injected into an unfertilized egg from a woman and then implanted in the womb of the surrogate mother. Thus experiment has opened the unlimited possibility of creating any number of embryos with the same genetic information. The process is similar to what happens in the womb of the mother in case of the natural birth of

Above discussion should be sufficient to appreciate the reality of Qualb (Mind) Viz-Viz function of the heart and brain with reference to the great revelation of the Holy Quran. It may be difficult for a secular mind to appreciate that how could Quran describe these realities so precisely and clearly more than fourteen hundred years ago. But for the believer there is no surprise. He knows, it is the Word of Allah, the Designer, the Creator and the Nourisher of the worlds.

they liked the same colour scheme. Truly they represented as carbon copy of each other. Why and how they unknowingly communicated with each other is a surprise for the researchers. The only answer seems that man is more than body, it has some extra sensory personality (ESP) which may he called soul, parapsychology, human mind i.e. Nafs etc. which has it own laws. (Ref. Newsweek November 07, 1988) Thus heart is finally emerging as the principal seat of psychic personality of man.

As the Holy Quran says **"Those who follow the commands of Allah will have no fear a grief"**, modern research into mind body also proves that much of feeling of loneliness, helplessness, grief, and fear can be reduced or controlled by a healthy mind. According to biologist chemist Allen Coldstein of George Washington University, "Emotion may be related to molecules produced in the immune system of the body", Coldstein calls it a wonderful systems of integrated circuits "Our bodies and minds are as interwoven as the souls of Jonathan and David. The evidence is now indisputable, agrees Sandhra Levy" everyday, every week, there is a news "on some level, people will have power over their health, because the mind is what heals the body. Literally your body is the outward manifestation of your mind. This could change the whole face of biomedicine in a decade. (Ref. Newsweek November 07, 1988).

MIND AND THE QUANTUM MECHANICS:

We have dwelt on the mind body relationship with reference to our bio system but in actual reality there is no binding on it. According to Quantum theory there are horizons of knowledge beyond which one could not see. Therefore science can never provide a complete understanding of the Universe; says Menas Kaftabous and Robert Nader in their book "Here and There at the same time", "Quantum system can be described completely in terms of complementary pairs of particles, which cannot both be known at the same time". For example, a complete description of an electron requires us to observe its wave like facet and its particle like facet, but each can be known precisely only if the other is completely determined which is impossible due to uncertainty principle of Heizen Bergh. Same is the case of mind (Heart) and brain, they are complementary to each other, each being the separate facet of the singular reality of the human self. Both are needed to understand the behaviour and personality of man (Ref. New Scientist April 06, 1991 No. 1763 UK).

MIND & IMMUNE SYSTEM:

The discovery that the immune system of the human being responds independent of brain is cited as a proof that Mind functions independently. As reported in the Newsweek November 07, 1988, Psychologist Janice Kiecolt Glossier of the Ohio State University, College of Medicine says "We are getting fascinating evidence of much stronger links than we ever suspected it has opened up new vistas that has turned inside out. It is almost as if the cells themselves were experiencing grief or fear". Previously science had thought feeling of grief, and fears were due to chemistry of the brain.

Dr. Cardace Pert of the National Institute of Mental Health, a leading researcher in this field, says that like most people, she once believed, "Mind was in the brain, consciousness was in my head" Now, however she is convinced that there is a kind of shared consciousness in the mind and body, and it is something difficult to know who is incharge". Dr Herbert Benson in the Mind Body Clinic at Boston's New England Hospital advises his patient to sit quietly, close their eyes and concentrate on short words or phrases for a period of 10 to 20 minutes. Those who perform the simple exercise regularly become less angry, less depressed, less hostile, less anxious". He says 80% of his patients were able to reduce their blood pressure or their drug use by this 'mind-body' therapy.

As for the psychology of the mind, it has been discovered that where as nervous system is controlled by brain, the mind body relationship is at the cell level. Human immune system also depends upon the mind power. Basically it is congeries of white cells, or lymphocytes that reside in the thymus gland, spleen, bone marrow and lymph nodes, and monitor the blood stream when it visits heart, thus making heart the principal organ for the Qualb (mind) of man. Always on the alert, by the power of heart they produce anti bodies that instantly combine with and neutralize any foreign intruder; and in this function it is free of central brain control system.

MIND & THE GENETIC SYSTEM:

"A much more convincing proof of mind (Qualb) as our self or Nafs, has come from the study of identical twins. Even though twins being researched had been parted of soon after their birth and had never met or communicated with each other, when their meeting was arranged, the researchers were surprised to see how similar were they in their habits and behaviour. Even some of them were wearing the similar dress and had given their children the same names and

APPENDIX-XIII

UNDERSTANDING THE FUNCTIONS OF QUALAB AND BRAIN WITH REFERENCE TO NEW DISCOVERIES IN PHYSICS AND BIOENGINEERING

The Holy Quran depicts Qualb (Heart) as the seat of spiritual knowledge. It is sometimes translated as "Heart" but this conflicts with the common scientific knowledge, which recognizes heart only as a mechanical pump for circulation of blood in the body and brain as the real source of wisdom, memory, feelings, thoughts and the controller of body functions of man. However, we understand from the Holy Quran that brain is no doubt the source of intelligence (AKL) but in the realm of spiritual world, it is merely a tool of the Qualb. If well used, it is profitable for him, if misused it can ruin the man. Moreover, Quran guides us to the fact that brain is a material thing destroyed by death, where as Qualb is related to the spirit of the man, which lives even after the physical death. Another significant distinction between the two is that in a living body seat of Qualb is the heart of a man, whereas seat of the brain is his head.

In the recent past man's scientific understanding about himself has developed rapidly. Thus divide between the Holy Quran and science is now closing up. New researches in the field of faith healing, behaviour of identical twins; advancement in the decoding of genetic messages of the human cells, discoveries in cosmic sciences and understanding of the sub atoms particles are gradually bringing science closer to the Holy Quran in its understanding of the man. New discoveries in science point out that besides the brain there does exist mysterious "Self of the man", which over rides it. Call it by any name, "Spirit, Soul, Mind or Self" but it is a reality, (Ref. New Scientist, April 06, 1991). Consequently Scientist in the West have started taking seriously the old wisdom of spiritualists. Immediate practical applications of this new knowledge of self is being made to find ways to cure diseases, basis of which is that man consists of Body and Mind, and many disorders of health are being related to the disorders of the Mind or parapsychology of the man. This is in line with the Holy Quran which says about hypocrites "And in their Qualb is a disease" 2(10). Whereas the conventional medicine system stresses to cure the body, the new developments also lay stress upon the importance of mind to cure a person.

APPENDIX-XII

RELATIONSHIP BETWEEN HUMAN SELF, MIND, BODY AND DNA

Every one of us is made of trillions of cells, where each cell is composed of 46 chromosomes, 23 from mother side and 23 from father side. Chromosomes carry a set of instruction called genes. Thus each cell like a seed contains the full library of our total personality. As such our life achievements are predetermined, our future is written in the gene language which we cannot alter. But by better bringing up training, environment, education it can be helped to produce better results for us. {Ref: (1) "Identical Twins" Newsweek November 1987 (2) Jumping Genes Nature's Secret Agents", Readers Digest 1987}

Our Mind, Self or Soul, what ever we may call it, is thus represented by our total genetic picture, i.e. man is the superset of the subsets of mind, body and brain. In the terminology of computer, genome may be said as the Design, Brain as the hardware and Mind the software; Put together they represent the "Self" of a man. Each call of our body contain the complete picture of our personal self like they seed of a tree caries the whole tree in it. In return when the seed sprouts, grows and becomes a tree then it also becomes the source of seeds. Thus seed is tree, and tree is seed, that is to say "we are cells and cells are us: Each of our trillion of cells contains a complete self of us. Each cell has a body, brain and soul. Our Self or Nafs is the total representation of these cells. We call it self, soul, spirit or mind. It is very me-Quran calls it "Nafs".

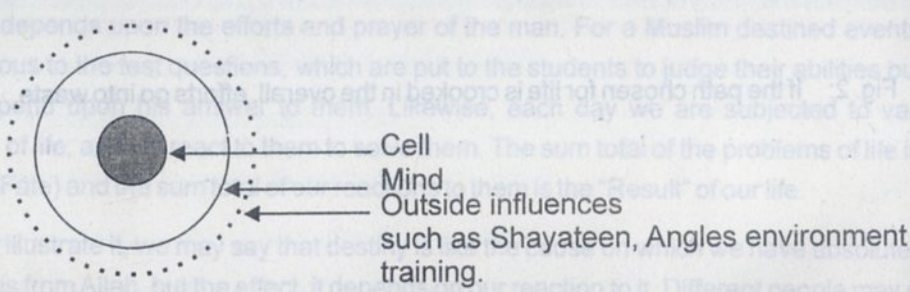
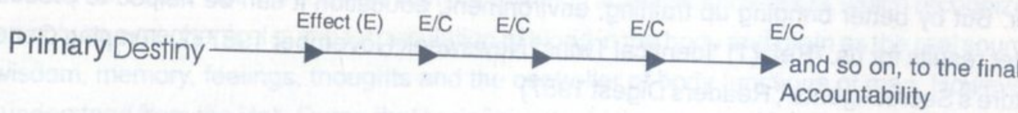


Fig: cell and Destiny

event, a chain reaction of events starts, making the life more and more complex. Therefore "End Result" depends upon the sum total of our reactions to the initial test question of destiny, which each one of us is solving everyday. Thus in the life after death we are not going to be accountable for our destiny but our reactions to it. The figures given here in show how we are subjected to the predetermined destiny. The out comes of our destiny is the way we react to it. Sum total of all reactions to all the events of our destiny is the outcome of our lives. If we are leading a straight life, reactions are added to the advantage of man (see Fig-1). But efforts on a crooked path of life go wasted as shown in Fig. 2.



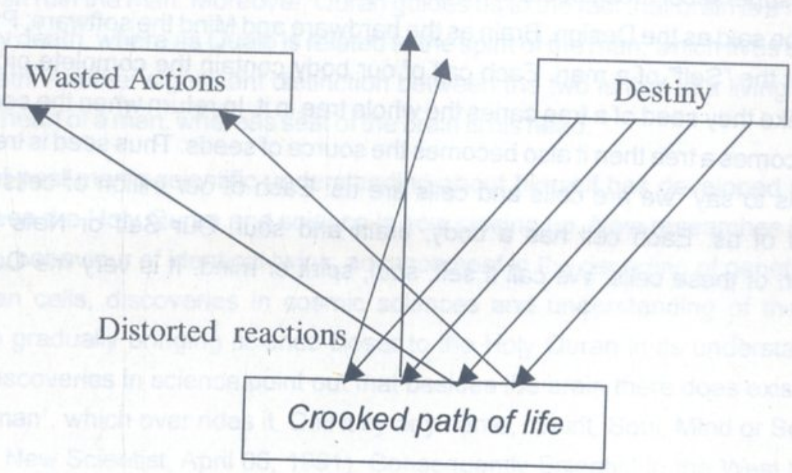


Fig. 2: If the path chosen for life is crooked in the overall, efforts go into waste.

APPENDIX-X1

RELATIONSHIP BETWEEN FATE AND ACCOUNTABILITY

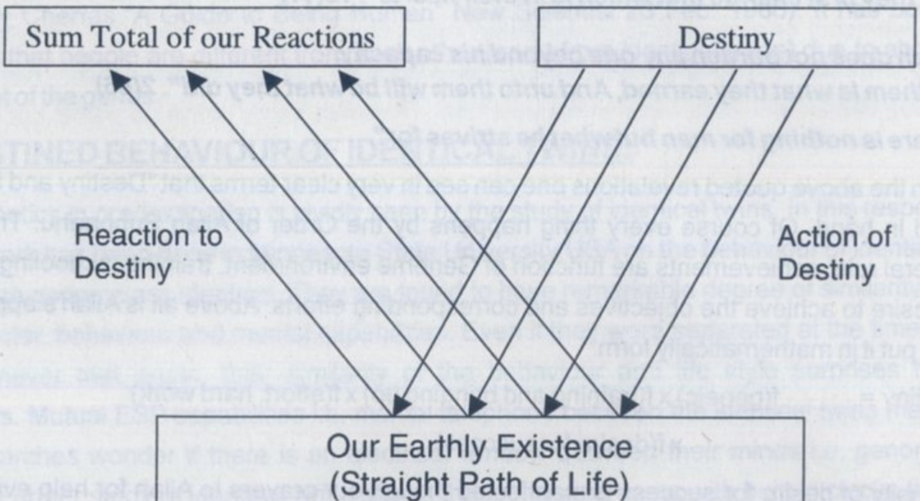


Fig-1: Straightway of life.

Taqdeer or Fate is the action from outside on us, out of our control. As discussed earlier, scientific discoveries of human Genome point out that man has little control on his destiny and free will is a self-deception only. In actual reality Predestined and pre-programmed events reach on our space quadrants, one by one, from the Time dimension. However, as the students of the Holy Quran know that destiny is not fate accomplished but opportunity output of which also and depends upon the efforts and prayer of the man. For a Muslim destined events are synonymous to the test questions, which are put to the students to judge their abilities but the result depend upon his answer to them. Likewise, each day we are subjected to various problems of life; and we react to them to solve them. The sum total of the problems of life is our Taqdeer (Fate) and the sum total of our reactions to them is the "Result" of our life.

To further illustrate it, we may say that destiny is like the cause on which we have absolutely no control, it is from Allah, but the effect, it depends on our reaction to it. Different people may react differently under the same situation. Since on effect may become a cause for a subsequent

"Allah does not change the grace He has bestowed on any people, until they shall change that which is in their hearts; And Allah is indeed Listener and Knower of every thing". 8(53)

***"Lo! Allah changes not the fate of a folk,
until they first change that which is in their hearts". 13(11)***

***"Allah does not burden any one beyond his capacity,
For them is what they earned, And unto them will be what they did". 2(86)***

"There is nothing for man but what he strives for".

From the above quoted revelations one can see in very clear terms that "Destiny and Effort" go hand in hand. Of course every thing happens by the Order of Allah Subhanhu. Thus, as a general rule, achievements are function of Genome environment, training, schooling intensity of desire to achieve the objectives and corresponding efforts. Above all is Allah's approval we may put it in mathematically form:

Destiny = f(geneic) x f(training and bringing up) x f(effort, hard work)
x f(desire for success)

Intensity of desire for success is manifested though our prayers to Allah for help even the at-least look for help to some supernatural power. Allah listens to the prayers of everyone, and responds to the suppliants of people. Holy Quran tells that He like that man pray to Him, ask and earn His grace. He says:

***"I answer the prayer of the suppliant,
When he calls unto Me,
So let them hear My call
And let them trust Me
In order that they may be led to the right path 2(186)***

individuals and species from each other, and govern their life pattern.

It has been discovered that every human cell contains 46 chromosomes, which contain the gene messages. All together there are about six billion bases in the total human genome and there are about 100000 genes in an average man, each accounting for about 1000 base pairs (Ref Jereny Cherfas "A Guide to Being Human" New Scientist 26 Feb. 1986). It has been discovered that people are different from each other (apart from identical twins) due to about one percent of the genes.

PREDESTINED BEHAVIOUR OF IDENTICAL TWINS:

Role of genetics in predestination is vividly seen by the study of identical twins. In this respect research work has been done in Minnesota State University USA on the behaviour of identical twins, whose genome are identical. They are found to have remarkable degree of similarity in their character, behaviour and mental capabilities. Even if they were separated at the time of birth and never met again, their similarity of the behaviour and life style surprises the researchers. Mutual ESP capabilities i.e. mental telephone between the identical twins make some researches wonder if there is an electrical window between their minds i.e. genome response. Further study of identical twins shows that our genes come with built in clocks that control our lives and strongly influence what we are. This discovery has upset the long held belief of "Free Will" as to a large extent we seem to be slaves of our genes. From these studies scientists wonder, how the forces of nature and nurture interact to make us what we are Researchers at the University of Minnesota USA after study of 350 identical twins and noting striking similarities between the pairs in their major personality traits suggest a strong role of genetics in our achievement of life. It has been concluded that we are about 50 to 60 percent due to genes, 40 to 50 percent due to training and environment. From these discoveries one wonders how science is traversing the path of the Holy Quran which said 14 hundred years ago:

"For every event, there is a prescribed program". 13(38)

"Every matter has its appointed time". 54(3)

"Allah has set a destiny for every thing that exists". 65(3)

"Allah is He who designs, then measures, then guides". 87(3)

"And every small and big thing is recorded". 54(53)

This much about he destiny, but Quran also gives a role to the free will when it says:

APPENDIX-X

CONCEPT OF HUMAN DESTINY, AND FREE WILL WITH RESPECT TO THE NEW DISCOVERIES OF THE GENOME

Is every thing pre-determined? Am I not master of my own fate? Such are serious questions, which each one of us may have asked many times in his life time. On the assumption of performance of scientific laws Stephen Hawking says, "yes to predestination" (Ref. Page 127-139), Black Holes and Baby Universes 1993. However, some of the scientists out rightly deny destiny in favour of free will doctrine. Holy Quran guides us about a middle way that our achievements are a function of both destiny and our efforts are subject to the grace of ALLAH. On the importance of effort it says; ***"There is nothing for man but what he tries for"***. About the pre-determination it says; ***"Our lord is the one who gave to each thing its form; and destined them with a nature to guide them" 20(50).*** Thus each thing has an in built program and clock of life which guides it to its final destiny, but role of effort exists at the same time.

From the Holy Quran it is also abundantly clear that nothing happens with out the will of God. It says, "Not a leaf falls without the permission of Allah". However, himself wants man to participate in the action by his efforts. For example, when the Prophet Hazrat Moosa (PBUH) prayed for water for his people, he was asked to strike the mountain with his staff. Similarly Maryam (PBUH), when she was going through the pains of childbirth she was asked to shake the tree for dates. Thus in the Quranic philosophy, achievements (Ach) are the function of the man's efforts (E) and the order (Amr) of Allah Subhanhu, We may put it as under:

$$Achi = f(E) \times f(A)$$

DESTINY AND GENOME:

It is no surprise for the believers that modern biological discoveries are also leading to the concepts as derived from the Holy Quran. It has been discovered that genetic messages recorded in the DNA of a man's cell, is like the destiny programmed in the cell at the embryonic stage i.e. our destiny is written down much before our birth. This genetic writing called Genome is the pre-programmed picture of an indivisual's personality and destiny. It is so extensive and detailed that it will fill a thousand telephone directories of a city like New York. The information in the Genome is carried as a sequence of four different chemicals called nucleotides bases. They represent letters of our genetic code printed in the chromosomes of our cells; and the order of these bases i.e. letters of genetic code, is the important feature that distinguishes

and Mind" as the regulating mechanism of the universe. We know that nothing is possible without the input of time and space, as every event needs a space to exist and time to happen. Thus input of "Time and Space" is essential to allow the happenings of any event. As for "How" will it happen, it is regulated by the "Mind of the matter".

This trinity of "Time-Space and Mind" is working since the very beginning. In the first place this interaction gave birth to energy. Further to that; Mind regulated and transformed it into matter, then from the simple matter, evolved the more complex matter. Ultimate sophistication of design resulted into free will. Thus the higher animals have more free will than the lower species. Man who is the supreme of creation has the highest degree of free will.

The hypothesis that atom is the basic unit of life having a mind and memory, leads one to Postulate that:

i) If science can know the chemical arrangement of atoms in a living cell and can rearrange the atoms in the same order in the laboratory, then it should be able to reproduce the same living cell. Thus creation of artificial life in the laboratory should be an open possibility in the hands of the vicegerents of God on earth.

ii) Death is the disintegration of the biochemical order in the man. However as per the law of conservation of matter and energy, atoms of the body never die. Even after disintegration of body, they retain consciousness of their previous life and remember the design of their earlier forms. Therefore in its mind and memory each atom carries the print of its previous life and as such is a capable of the repetition of its earlier existence. Glory to Allah.

"He is God, besides whom there is none
worthy of being worshipped,
He is the known of all that is hidden,
and all that is apparent,
He is the most Beneficent and Merciful". Sura Al-Hashar (23)

"The seven heavens and the earth (too)
And whatsoever between them,
Declare, His Glory,
Nothing is that does not proclaim His Praises,
How do they declare His Glory!
But Ye do not understand,
Surely He is All-Clement, All Forgiving". 17(44)

In this verse think on the phrase, "Nothing is that does not proclaim His praises, but Ye do not understand". It is obvious from here that all things, organic or inorganic without exception in some unknown way are conscious of God's glory. If we assume that consciousness is associated with the mind or soul of a thing, we may say that mechanism by which each thing of the universe declares His glory and celebrates His praises, is the mind of the matters. Since atom is the basic unit of matter, we may say that this characteristic is part of the very structure of the atom; i.e. "It has a built in mind of its own by which it is conscious of its Creator and His Laws", and has the memory and recognition of its surrounding.

This is a revolutionary concept about matter which opens up a new understanding of the nature and provides the answer to the secret of life. It means that through its soul each thing is connected with the Absolute Soul of the Cosmos. Universe is thus an organic whole whose each component, small or big, has a built-in mind and a guidance system, which governs its characteristics, behaviour, nature and form, and they way it interacts with others. It provides answer to the question of "Why" and what is life and how the laws of nature operate in the matter.

With this hypothesis we can say that life is no mystery but is fundamental nature of everything. As such atom is the fundamental unit of life and therefore manifestations of life at various levels of development are simply the outcome of different combinations of atoms. Accordingly, the complex molecules would be at a higher state of manifestation of life than the simpler ones, organic compounds are more living than the inorganic compounds, amino acids represent still higher degree of life. A living cell is a marvel of the orderly and sophistication of design of the atoms, and therefore it has a higher stage of life.

In any case the resultant life is the outcome of the minds of the atoms depending upon the order in which they are arranged. As such human cell has the highest degree of life, and single atom has the lowest.

The hypothesis of "Soul or Mind of Matter", leads one to the idea of the trinity of "Time-Space

Above verses throw light on the following realities concerning the nature of everything.

(a) That in everything Allah has built a nature and guidance system i.e. has infused in it basic characteristics to which its functions.

(b) That every atom of matter is programmed for its appointed lifetime.

(c) Obedience to the Divine laws by each and every bit of the universe is in the very design of things; they are pre-programmed and pre-destined to perform their functions according to the laid down rules and regulations.

It is no surprise for a believer that after a long journey science has also reached to the similar conclusions. If fact basis of science rests upon the fact that laws of nature are of permanent unchangeable nature in the Time and Space continuum and sense of obedience to these laws is ingrained in the very nature of every atom of matter.

This provides answer to our original question of, what forces the apparently lifeless matter to obey the rules of nature. Why do Hydrogen and Oxygen under the given conditions, always react to produce water? Same can be asked for every other chemical reaction. On the basis of the above explanation of the Quranic Ayats one can say that matter at its very fundamentals, recognize the laws of nature and know what to do under a given set of circumstance. As such every atom is an-intelligent living being, at least to the extent of the laws of nature.

Thus from our understanding the Holy Quran we can conclude that; "Atom is not only the fundamental unit of matter, but it is the fundamental living unit of life also. As such it has a mind of its own, which recognizes its Creator and His laws, and each other.

However, the current science may not buy this concept yet. So far it believes that atom is the smallest stable fundamental unit of matter and is further composed of many smaller particles, the complete picture of which is still not fully known. In the words of the Noble laureate Prof. Abdus Salam, "the deeper we go into it, the more baffled we are". For example, it has been discovered that in their transition from one orbit to another, electrons seem to have some degree of freedom of choice. During this change over, an electron skips over the intervening space without passing through it. It disappears in one orbit and simultaneously reappears in another. Behaviour of other fundamental particles of the atom also show some degree of unpredictability. Heisenburgh's principle of uncertainty is acknowledgement of this great reality.

Hypothesis of the mind of the matter, proposed here can also be derived from the verse 17(44) of the Holy Quran, which stresses that everything in the universe celebrates the praises of the Supreme Creator and obey His laws. It says:

APPENDIX-IX

CONCEPT OF THE MIND OF ATOMS AND SECRET OF LIFE

What is the secret of life? What is the source of intelligence? What is mind of what is soul? Such are the fundamental questions concerning the destiny of the human beings Poets, Philosophers, and Scientists, all have pondered over them but, questions still remain unsatisfied.

In this respect, one idea has been that life came to our earth from the outer space. Side by side a popular opinion is that life is a very much local affair and it began here on earth. According to it, in the beginning, earth was very hot, unable to support any life. Cooling phase lasted for more the billion a year; mean while earth also got its oceans of water. Thereafter, over million of years, under the action of ultra violet radiations, cosmic radiations and lightening storms, amino acids which are the building blocks of life, were produced. In 1957, an American scientist John Miller tried to simulate primordial environment in laboratory and was successful in showing the traces of amino acids in support to the hypothesis that life is earth based. With further passage of time it was thought, some how amino acids could react to form proteins to make cells of living beings. Though not comprehensive, yet to some extent this may be a plausible explanation of the way life might have evolved, however basic question still remains, why and how some lifeless elements combined together to produce life and intelligence?

Let us try to find the answer to this mind-boggling question from the Holy Quran, the last revealed book to mankind from the Creator of the worlds. The general rule of the Quran is that each and every thing in the universe without any exception, from the fundamental atomic particles to the giant galactic worlds, is bestowed with a design, nature and has a built in guidance system from their Creator. It says:

"Our Lord is He,
Who gave to each and everything,
Its Design and the Nature,
And gave it Guidance". 20(50)

The Holy Quran also tells that every thing without exception has a built in program which guides its life and nature. It says:

"Every matter,
has its appointed time
and course". 54(3)

whatever the state of existence, it is water always. The same is case of our own reality. If the human self is deprived of body i.e. if its is killed or diseased, beyond repair, the Self leaves the body to decay. However under a different set of conditions it can be brought back to life again. As explained already, the Holy Quran calls "our-out-of-body existence" "Death" and body existence by the name "Life". As such each of us has two deaths and two lives. Pre birth and life after earthly life, are the two death states, whereas, bodily existence on earth and doomsday existence in the hereafter are our two life states.

As said earlier, in the concept of multi dimensional Al-e-Meen, state of life and death are not being or not being actually dimension change only. The Holy Quran explains it with the similitude of day and night or darkness and light. In the cycle of day and night there is only a phase change space remains the same. As such our journey through time and space is like jumping from an upper dimension to at lower dimensions, and from the lower dimensions back to the upper dimensions. It is like the jumping of electrons in the atomic orbits, which can also be here and there at the same time, same place.

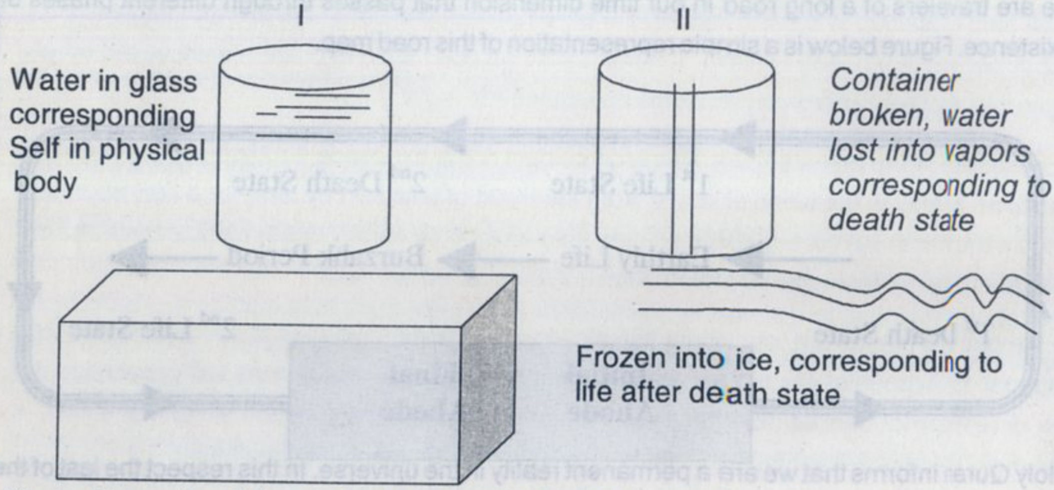


Fig 1: Example of the phase change of 3 state 2 water.

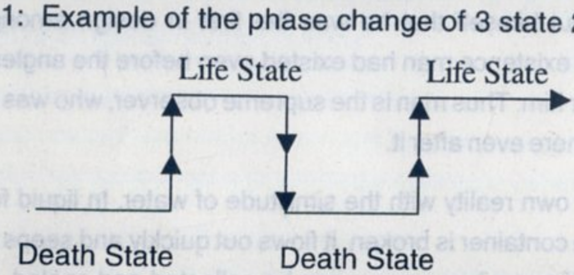


Fig 2. Example of the life and death, being only dimensional phase changes for the man.

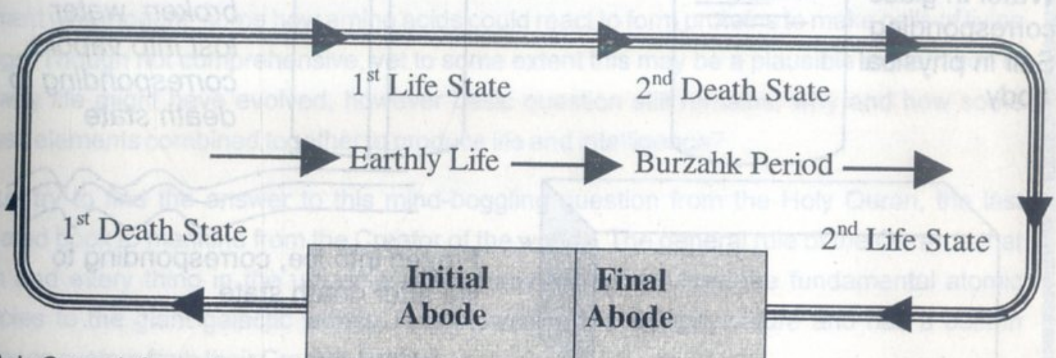
APPENDIX-VIII

OUR JOURNEY THROUGH THE TIME & SPACE

The Aya 28 Sura Baqra, describes our life journey through the time and space. It says:

"How do you disbelieve in Allah, Seeing you were dead and He gave you life, then He shall make you dead, then He shall give you life, then unto Him You shall be returned". 2(28).

In Sura Al-Malik of the Holy Quran Aya 2, death and life are also described as two creative states of existence, each one of us will pass through them to meet our final destination. Life is the state of existence with a body, where as death is the state of existence without body. As such, before our earthly arrival we used to live in the state of death, from there upon we entered into the state of present bodily life, and here from we shall enter into and second state of existence in the death state, and there from we shall enter into the life of eternal existence. Thus we are travelers of a long road in our time dimension that passes through different phases of existence. Figure below is a simple representation of this road map.



Holy Quran informs that we are a permanent reality in the universe. In this respect the last of the Messenger of Allah (PBUH) told about himself that he was the first in design among the creations of Allah. Thus in the spiritual existence man had existed even before the angles and the Jinns, and universe was created for him. Thus man is the supreme observer, who was there even before Big Bang and will remain there even after it.

We may understand the scenario our own reality with the similitude of water. In liquid form it adopts the shape of its container, if the container is broken, it flows out quickly and seeps in the earth or vanishes in space as vapor. If some how vapors can be collected and cooled, it can reappear into liquid state. If it is cooled, it will freeze and become solid like glass. However,

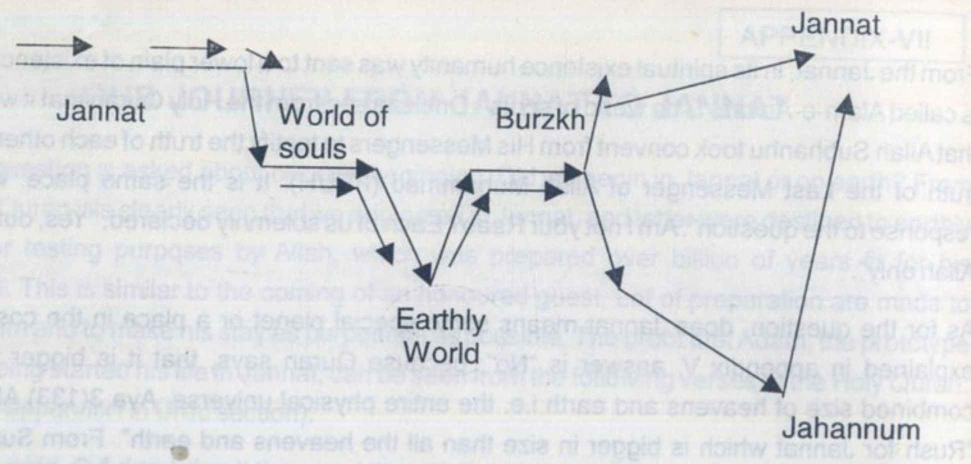


Fig: Phase change from one state of existence to another during our joinery through the Time and Space.

From the Jannat, in its spiritual existence humanity was sent to a lower plain of existence, which is called Alam-e-Arwah. "The world of souls". One can see from the Holy Quran that it was there that Allah Subhanhu took convent from His Messengers to testify the truth of each other and the truth of the Last Messenger of Allah Muhammad (PBUH). It is the same place, where in response to the question". Am I not your Raab? Each of us solemnly declared, "Yes, our Raab is Allah only".

As for the question, does Jannat means some special planet or a place in the cosmos, as explained in appendix V, answer is "No", because Quran says, that it is bigger than the combined size of heavens and earth i.e. the entire physical universe. Aya 3(133) Allah says "Rush for Jannat which is bigger in size than all the heavens and earth". From Sura Hud it appears that Jannat exists in parallel of with the present world. Thus Jannat is not part of this physical four-dimensional universe. Thus we can say that we were not dropped to the earth from some other planet, but it was simply a dimensional change even on universe earth.

As we also explained in the concept of Al-e-Meen Jannat and Jahanum are the realities of the multi dimensional creation of Allah. To enter them, we don't have to cover distances but simply to spin into another dimension just as the day enters into night.

In this context figure below shows difference colours of our existence. From the Jannat we were sent down to stay in the world of souls, from the world of soul tern by tern, for a very short test period we join with our earthly bodies. Then at the time of our earthly death we spin back into our spiritual existence and enter into the hidden universe called Barzukh.

On the call of Yom-ud-Din, our souls and atoms of our bodies will rush to join each other and reappear for Accountability before Allah. At its the completion, lucky ones will proceed to the new dimension of Jannat, and the guilty ones will be sent to Jahanum which for some, is temporary place of refinement, and for some is a permanent place of punishment.

APPENDIX-VII

OUR JOURNEY FROM JANNAT TO JANNAT

Often a question is asked about our own beginning. Did we begin in Jannat or on earth? From the Holy Quran it is clearly seen that we originated in Jannat, and latter were destined to earthly planet for testing purposes by Allah, which was prepared over billion of years fit for his reception. This is similar to the coming of an honoured guest. Lot of preparation are made to receive him and to make his stay as purposeful as possible. The proof that Adam, the prototype human being started his life in Jannat, can be seen from the following verses of the Holy Quran. (Also see appendix I in Urdu section).

"And We said, O Adam! dwell thou and thy wife in the Jannat,
and eat freely thereof what you will; but come not near this tree,
lest ye become wrong doers". 2(31)

"Then Shaitan caused them to fall from, and brought them out of that they were in? And We said, "Get you all down, each of you an enemy of each, and the Earth a sojourn shall be yours, and enjoyment for a time". 2(36)

"There in (earth) you shall live, and there in you shall die;
and from there in you shall be brought back". 7(23-24)

From the use of plural tense in the verse 2(36) one can see that Adam and his wife, along with their progeny in their genome, began life in Jannat. There they were misguided by their enemy called Shaitan and thus all of them were ordered to leave the Jannat and settle on a lower plain of spiritual world, now where from each of us comes for a while on earth to test our worthiness for re-entry into Jannat.

When the angles were made to bow before Adam, as his progeny we were also with him, and when he came to the lower plain of existence we were with him, and when he landed on earth we were also present in his Genome.

As said already, we can also see from the plural tense used in Ayats 38 of Surat Baqra that order to leave Jannat was not for Adam and Eve only, but to whole of his progeny also, meaning that whole of humanity lived in its spiritual existence in Janat with Adam (PBUH). It says:

"All of you now get down from (Jannat);
and thereafter, there will be coming to you my messengers;
and who so ever will follow them, he will have no fear and grief". (238)

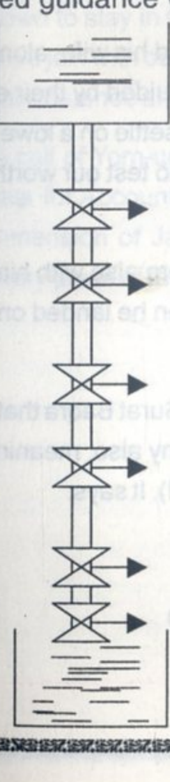
APPENDIX-VI

ESSENTIAL CONDITIONS TO BENEFIT FROM THE HOLY QURAN

الٓمّٓ ۚ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ
وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ
مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۗ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَاُولٰٓئِكَ
هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

Just as you must qualify certain tests to benefits from your studies in the university, there are some pre requisites to benefit from the book of Allah also. As clarified in the first five Ayyats of the illustrious Quran, these are six in number, failure in any one of them can render one unfit to receive its blessings.

In the following diagram this is illustrated with the example of the flow of water through a pipe having six valves in series. All the valves must be open to receive water from the reservoir. Similarly to receive guidance and blessing from the Holy Quran all these six valves of the heart must also be open. Even if one of them is closed guidance will be interrupted.



APPENDIX-V

CONCEPT OF ALL-E-MEEN, JANNAT, JAHANUUM AND ALAM-UL-GHAIB IN TERMS OF MULTI DIMENSIONAL EXISTENCE

It is miracle of the Holy Quran that in its very first verse it introduced the concept of the plurality of the worlds, a subject of serious perusal by the science of today. Allah Subhanhu introduced Himself there as the Rab of the Al-e-Meen. The word Ale-e-Meen is plural of word "Alam" which means a particular phase of existence or one particular world. According to the some of the earlier commentators of the Holy Quran there are eighteen thousands Alams and some said that the number of Ale-e-Meen is more than man can count. (Al-Itqan Jallal-ud-Din Sautui, 12th Century A.D.).

Al-e-Meen is thus the multi dimensional reality of existence among which the unknown worlds of "Jannat and Jahanum" also exist, possibly in some other dimensions. From their description given in the Holy Quran, it appears that they can not be the normal physical worlds of the physical universe, i.e. they are not the worlds of other galaxies but are realities of some other type. In this respect Holy Quran states that "Jannat is bigger than all the heavens and the earth" 3(133). Moreover it also sheds light that Jannat and Jahanum exists side by side with the present universe.

All it means it say that enter into Jannat we don't have to travel light years distances but simply to spin into another dimension and there we are. Same is the case of Jahanum. The Messenger of Allah is reported to have explained it with the example of Day and Night. Concurrently, for some it is day and for some it is night on earth. The Holy Prophet Muhammad (peace be upon him) also told that in the grave a window of Jannat is opened on good people, and a window from Jahanum is opened on the bad ones. Thus Jannat and Jahanum exist even now in some other dimensions side by side of our apparent four-dimensional world. When death liberates man from his bodily constraints then he is able to enter into the fifth, sixth, even higher dimensions. Thus after our worldly death is a means to free us from the inertia of life, and there after we have the power to see other Al-e-Meens, five are free of the burdens of sins.

The Holy Quran also illustrates the phenomena of life and death with the example of darkness and light, meaning that they are also two states of phase change only. Accordingly death is entering into a new dimension of existence. So, as said already, Hidden Realities of nature such as Jannat, Jahanum, Barzukh, Yom-ud-Din, etc. all of them always exist in parallel to each other in the multi dimensional world of Al-e-Meen. We do not have to travel distances to reach them but simply to spin of from one dimension to the other.

APPENDIX-1V

UNIVERSE AS A WITNESS OF THE CREATOR

The universe is the manifestation of Allah Subhanhu. It represents His dynamic Creative activity; about which the Holy Quran says, "Every day, He is in new Splendor" (Sura Al-Rahman). Dynamism found in nature by the modern science is the witness to this great truth of the Holy Quran. Similarly size and the age of the cosmos is also beyond the human Imagination. Thus sometimes ago, since thought that Universe has been like it always, no beginning no end. But better research and increasing discoveries now prove that it had a beginning and it had begin explosively with a Big Bang. This beings since to the Quran which for ten hundreds years had declared this Universe is a Creation of Allah, released by His Command of Kun.

The power of His Amr for Big Bang can be imagined from the fact that if the whole lot of the mass of the cosmos is taken to represent the mass of the earth then relatively our earth will be just a fraction of the size of a sand grain. Cosmologists estimate that there are over hundred billions galaxies, each on the average has hundred billions stars, all made out of stuff created in the first one billion the second of the Big Bang. Also in the cosmos there are estimated to be more than ten billions trillion planets. Thus it may be brimming with life. But due to too large distances between the stars, we may never know and meet the outer space beings, at least for a long time to come (ref. Carl Sagan "Cosmos" page 7-8). But universe indeed is a solid proof of its own Creator. It is governed by the same laws, every where all the time. This is only possible, as has only One Creator. Multiple of creators would have meant the multiple of law regimes also, making survival of universe impossible. Therefore, as said in the Holy Quran, Allah is the Rab of every world in the cosmos. He is the one, only one who designs, nourishes and maintains each and every thing in the universe. Surely all praise is for Allah. As per His Design, He will reverse the infinity into zero again, as easily as He had created it first time.

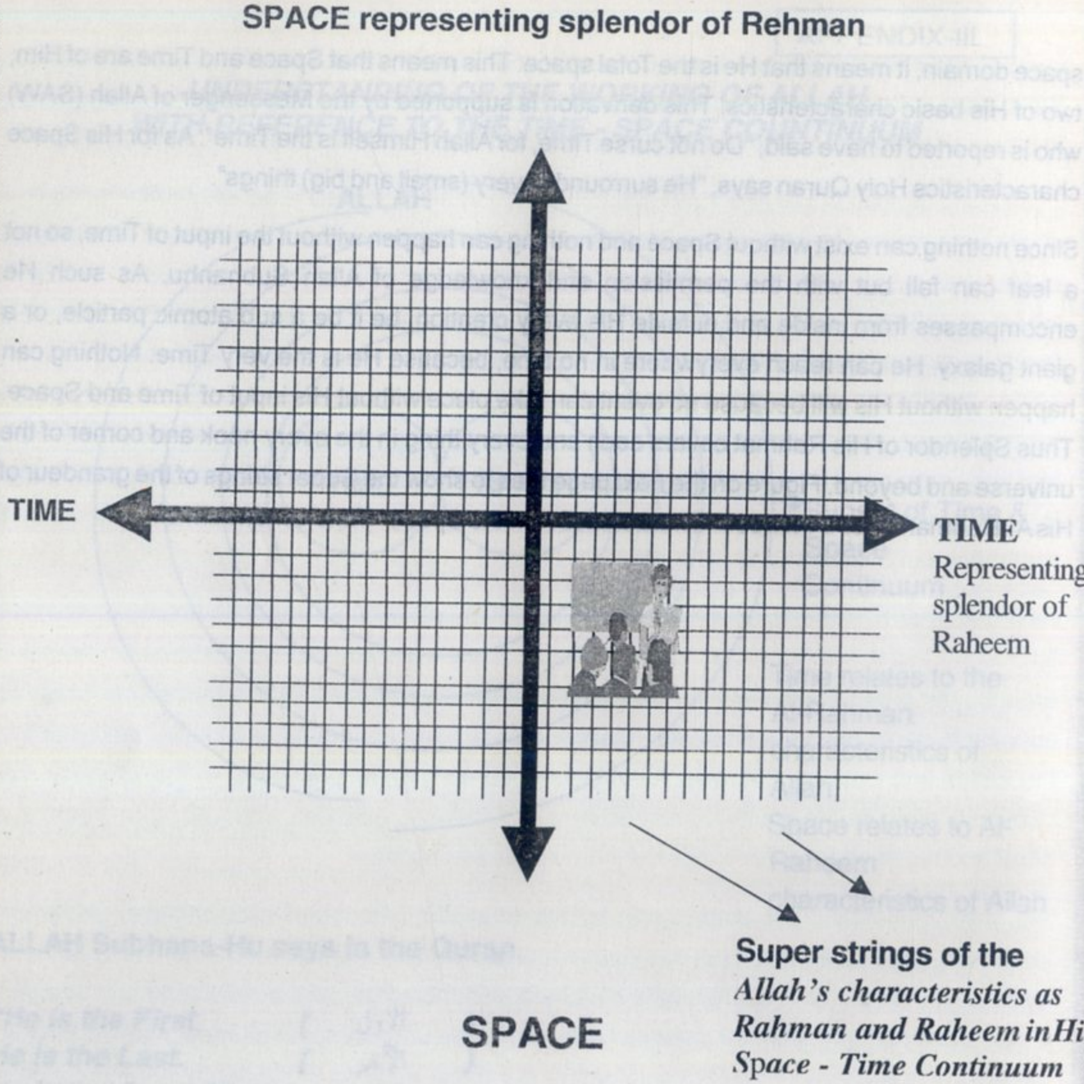


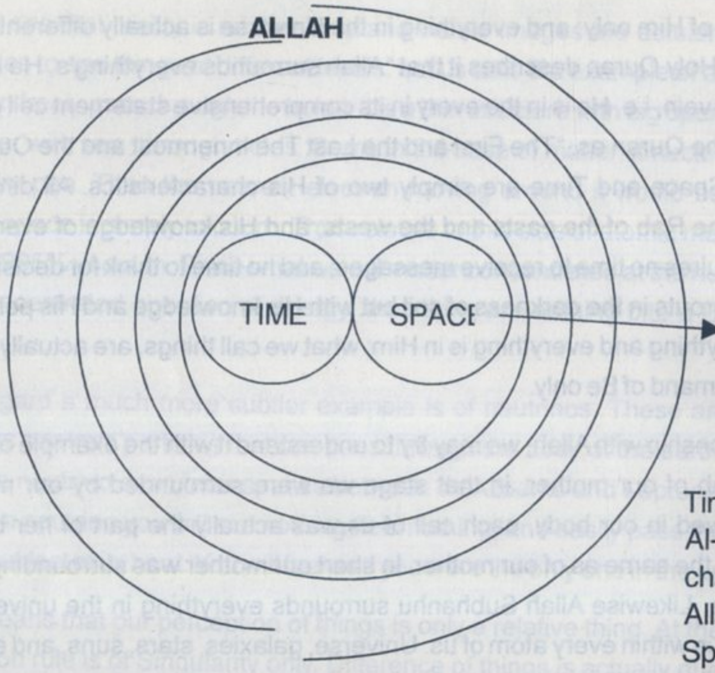
Figure 4: Showing super strings of Allah's characteristics as Ar-Rahman and Ar-Raheem in the Space Time Continuum, penetrating even through the secrets of our hearts. Thus He needs no time to reach anywhere, and depends on no space to create any thing. He is the very Time and Space. Every thing big or small exists in Hum, as a fish is, in the sea. Thus our existence and disposal is in Him only. He surrounds us inside and outside.

space domain, it means that He is the Total space. This means that Space and Time are of Him, two of His basic characteristics. This derivation is supported by the Messenger of Allah (SAW) who is reported to have said, "Do not curse Time, for Allah Himself is the Time". As for His Space characteristics Holy Quran says, "He surrounds every (small and big) things".

Since nothing can exist without Space and nothing can happen without the input of Time, so not a leaf can fall but with the permission and knowledge of Allah Subhanhu. As such He encompasses from inside and outside His every creation, be it be a sub atomic particle, or a giant galaxy. He can reach everywhere in no time, because He is the very Time. Nothing can happen without His will because no event can take place without His input of Time and Space. Thus Splendor of His Rahmat covers each and every thing in the every nook and corner of the universe and beyond. Figure on the next page tries to show the Super strings of the grandeur of His Al-Rahman and Ar-Raheem Characteristics in the Space - Time continuum of.

APPENDIX-III

UNDERSTANDING OF THE WORKING OF ALLAH WITH REFERENCE TO THE TIME - SPACE COUNTINUUM



Subset of Time & Space Continuum

Time relates to the Al-Rahman characteristics of Allah,
Space relates to Al-Raheem characteristics of Allah

ALLAH Subhana-Hu says in the Quran

"He is the First, (الاول)
He is the Last. (الآخر)
He is the Outer Most , (الظاهر)
He is the Inner Most. (الباطن)
He has the absolute knowledge of everything". (Sura Al-Hadid)

This is a very thought provoking verse of the Holy Quran, throwing light on the very Nature of our Creator. Here He has introduced to mankind His own reality "He is the First and the Last". There can be nothing before the First and nothing after the Last. Thus reference to the time domain it means that He is the Total Time. As for, He is the "Inner most and The Outer most", there can be nothing out side the outermost and nothing inside the innermost. Thus in the

code of the universe. We call it laws of the science. Thus in absolute reality universe with every thing in it is nothing but Order of the Superior Creator. It wili be as simple for Him to bring it back to the original state of Nothingness. The Holy Quran says "He invents and He repeats".

Thus ultimate reality is of Him only; and everything in the Universe is actually different designs of His Singularity. The Holy Quran describes it that "Allah surrounds everything's, He is nearer to man than his jugular vein, i.e. He is in the every in its comprehensive statement cell of us. He introduces Himself in the Quran as. "The First and the Last The Innermost and the Outermost" is which means that Space and Time are simply two of His characteristics. All dimensions belong to Him. He is the Rab of the easts and the wests; and His knowledge of everything is instantaneous. He requires no time to receive messages; and no time to think for decision not a leaf falls, not a seed sprouts in the darkness of soil but with His knowledge and His permission. Why not? He is in everything and everything is in Him; what we call things, are actually different realizations of His command of Be only.

As regard man's relationship with Allah, we may try to understand it with the example of our pre-birth state in the womb of our mother. In that stage we were surrounded by our mother all around, her blood flowed in our body, each cell of us was actually the part of her body, our survival systems were the same as of our mother. In short our mother was surrounding us from the inside and outside. Likewise Allah Subhanhu surrounds everything in the universe from outside and inside. He is within every atom of us. Universe, galaxies, stars, suns, and earths, all small and big things are due to His Nur from inside and outside.

We may understand the same thing by the scientific process of reducing the universe to elements, then to atoms, then to neutrons, protons, and electrons then to the quarks and leptons and finally to the singularity of forces and therefrom to the fundamental singularity, which signify simply different colors of the primordial singularity. Thus multiplicity of things is merely the reflections of the Design (Amr) of our Creator. In the final analysis everything is the subset of His superset. In this scenario none can afford to be careless of His likes and dislikes How despising would it be to Him, if we fight in between, create pollution, and follow Shaitan's ways and break His laws? How can fish in the sea afford to defy the ocean?

of reality, of the universe and everything in it, is Quarks and Leptons only; and if Quarks and Leptons were taken as the Quanta's of energy, then universe is nothing but concentrated soup of energy.

Thus we see that reality is relative only and visible images are actually the reflections of our capabilities to see things at different levels. Let us take the example of a net. For the mosquito, which can freely pass through the holes, it is a thin structure with big openings, but for an animal it is barrier with see through holes. Same in the case of matter, if nucleus of atoms was of the size of dry pea. Then the nearest electron moving around it would be 200 meters away, in between space is simply vacuum. Thus relative to this side of atomic measurement everything is 99.999995% vacuum. Since what we cal matter concentrated at the nucleus is also reflection of the concentrated question of energy, thus thing are nothing bite a Design only a thought machine.

In this regard a much more subtler example is of neutrinos. These are infinitely small size, weightless neutrals particles that can pass through the body of the earth seeing no restriction. Thus for a neutrino even inter spaces between the Quarks and Leptons are wide openings. If you were a neutrino you will see nothing, feel nothing, and easily pass thorough the blazing hot sun without feel of its heat. You will feel as if you were the only one in the universe.

All that means that our perception of things is only a relative thing. At the fundamental level of observation rule is of Singularity only. Difference of things is actually due to design, not due to building blocks. It is being postulated that Leptons and Quarks are also merely two shades of four forces of nature i.e. Gravity, Electromagnetic Force, Weak Nuclear Force and Strong Nuclear Force. Since last thirty years physicists are tying to resolve that these forces are also the four shades of only one force. Thus underlying reality of everything is neither matter, nor energy but design only. Things are different due to their designs. In the language of the Holy Quran, it is Amr (order) of the Supreme Creator and Universe with all its entities are Amr-Machines (Divine thoughts)

With this understanding one can describe oneself, as a body, a pack of elements, a composition of atoms; an arrangements of Quarks and Leptons; or simply an "Amr of Allah", all at the same time, depending upon how you look at your self. Similar is the actual reality of the universe Pre-universe state was a state of Nothingness, in which Time and Space were frozen like genes a body all. At the command of Be (science calls it Big Bang), Nothingness parted off in duality of matter and antimatter, instantaneously Time and Space began to open according to the genetic

APPENDIX-II

SINGULARITY IN THE PLURALITY OF THE UNIVERSE WITH REFERENCE TO THE MODERN PHYSICS

And when my servants question thee concerning Me,

Tell them I am near to answer the call of the caller

When he calls Me ------------------ 2(183)

We are accustomed to see the world in plurality. We see countless things around us, each depicting discrete features and thus announcing its uniqueness. But in reality their uniqueness is only a relative thing. They may not be what do they look to us. In fact in many ways we are being deceived by our own sense. For example, when we are sitting in a jet plane we feel at rest, where as actually we are flying at a speed of several. Kilometers per minute. Similarly we feel our earth stationary and our sun encircling around it, where as reverse is true. Then take the case of water; in vapor form it is a gas to us, when deep frozen it appears like glass; and when at normal temperature, it is liquid. Thus we have three different states of the same thing. As we go deeper into things reality keeps on challenging. For examples at the molecular level things lose their shapes and it appears that plurality is simply a way of representation of different arrangements of molecules. To understand this we need to understand the recent discoveries in the atomic world which in town are different combination of atoms the fundamental units of any element of matter.

In its process of discovery and classification of things into basic elements, science first began to see the billions of things in the universe just as 92 elements. With the discovery that all elements are made of discrete atoms, there emerged a new atomic world view that things were considered nothing but heaps of atoms. With Further discoveries science realized that atom is not the basic particle, but actually composite of neutrons, protons at the center; and electrons encircling around it. Thus at this level we could say that all things were actually different designs of electrons, protons and neutrons only. Thus, there is no real difference between the mountain, ships airplanes, televisions, trees, oceans, moon, earth, sun and stars. All are the heaps of electrons protons and neutrons. Difference is only in the different arrangements of these fundamental particles. However, with deeper insight, science further realized that protons and neutrons are also made of still simpler particles, called Quarks and Leptons. Thus at that level

goodness and awareness of Allah to start with.

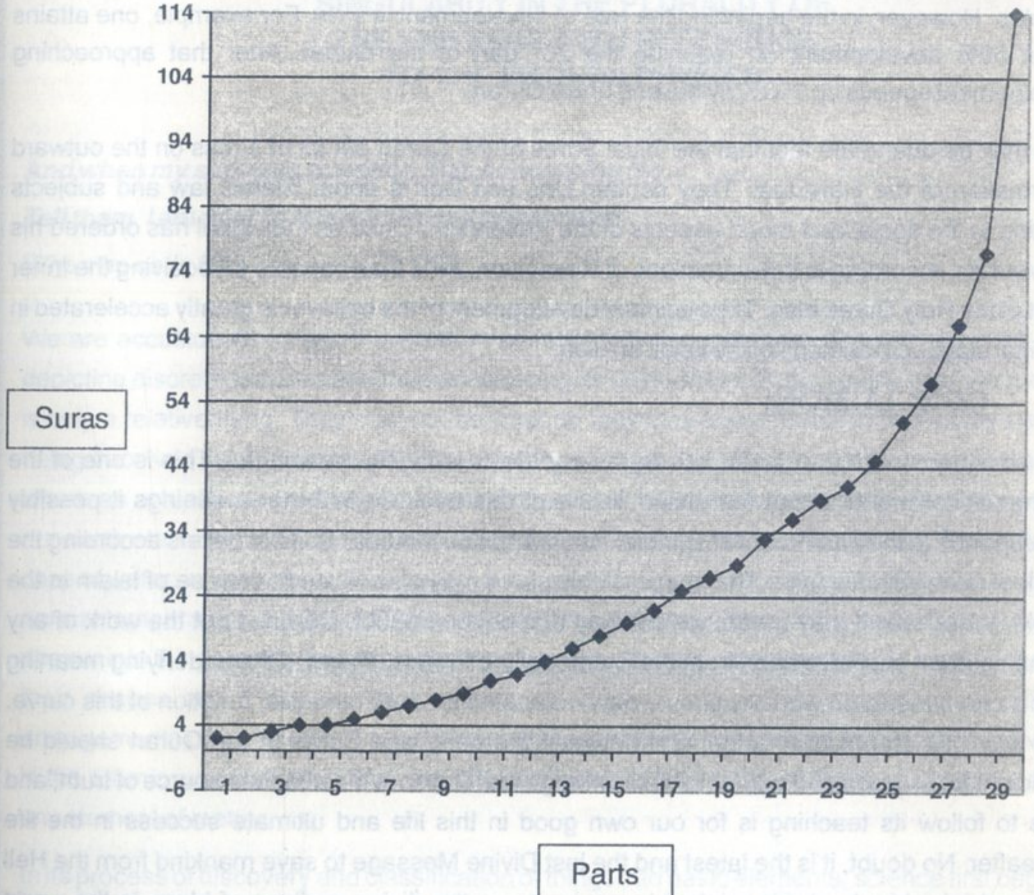
As a reader progresses further into molding one's life according to the Quran, his spirit begins to develop. However, in the beginning the rate of development is slow. For example, one attains about 50% development on reaching the 26th part of the Quran. After that approaching development speeds up 100% by the end of the Quran.

This may be due to the fact that the initial Suras of the Quran put lot of stress on the outward reformation of the individual. They contain Dos and Don'ts about Islamic law and subjects relating to the social and moral aspects of the Revelation. Once an individual has ordered his outward life according to the injunctions of Revelation, he is then capable of receiving the Inner Light of the Holy Quran also. Thus spiritual development of the believer is greatly accelerated in the final stages of his study of the Book of Allah.

5. CONCLUSION:

The arrangement of the Quran into Suras and Parts is highly meaningful. This is one of the mathematical proofs about the divine nature of this book. In its Inner meanings it possibly corresponds to the attainment of spiritual heights as one moulds his life at beliefs according the Book of Allah with full faith. The shape of this curve may also relate to the rise of Islam in the World. What ever it may mean, we can say that beyond doubt, Quran is not the work of any human author, but Revelation from the Creator of the Worlds. To get to the underlying meaning of this curve research workers should now determine the mathematical function of this curve. Any way this graphical arrangement between the parts and Suras of the Quran should be sufficient for an unbiased reader to acknowledge that Quran is the absolute source of truth, and thus to follow its teaching is for our own good in this life and ultimate success in the life Hereafter. No doubt, it is the latest and the last Divine Message to save mankind from the Hell fire, and take him back his original home in Janna the divine godless of bless in the world Hereafter.

GRAPH REPRESENTING
THE ARRANGEMENTS OF THE HOLY QURAN INTO SURAS AND PARTS



4. **SIGNIFICANCE:**

As for the spiritual significance of this special arrangement presently I have no simple and sure answer. I can only offer my own interpretations.

If we analyze the graphical arrangement of Suras and the parts of the Quran we find out, that at its start the curve runs parallel to the X-axis, but it never touches zero. Then it picks up gradually, finally shooting up explosively. At the end it goes vertically up. The curve may thus signify the spiritual development of the believer as he progresses in the understanding of the Quran. The fact that the curve does not start from zero may signify that a degree of inherent spiritual development exists in everyone of the mankind. So even non-believers have a basic

TABLE - 1

ARRANGEMENT OF THE QURAN INTO SURAS AND PARTS

JUZ NO X	SUMMATION OF SURAS Y
1	2
2	2
3	3
4	4
5	4
6	5
7	6
8	7
9	8
10	9
11	11
12	12
13	14
14	16
15	18
16	20
17	22
18	25
19	27
20	29
21	33
22	36
23	39
24	41
25	45
26	51
27	57
28	66
29	77
30	114

X = NUMBER OF JUZ
Y = CUMULATIVE SUM OF SURAS AT THE END OF JUZ

All this means that there is no satisfactory answer to our original question. But it kept haunting me for quite sometimes in 1990. If the Quran is a revelation from the Creator of the universe, (as beyond doubt, it is) then it cannot contain any thing illogical and its arrangement cannot be without significance. Thus the arrangement of the Quran into chapters and parts must have some deep inner meaning which I did not know. "But what"? One night, as I was offering my night prayers, this question began to tickle my mind once again. During the prayers, I got the idea of listing the Suras in cumulative order with respect to the parts of the Quran; and then draw a graph between these two quantities to see if there was any logical relationship between them.

Figure 1 shows the graph drawn between the Suras and the corresponding part numbers. The Suras run along the Y-axis and the parts run along the X-axis.

This was indeed a most unexpected result, and a beautiful one! The points when joined together form almost a perfect curve. This is rare, to say the least. Even in the case of accurately recorded results, quantities are generally scattered around a mean curve. But in this case we find a perfect harmony, beautiful to a scientist's eye. It clearly has a special mathematical message, proving that in any case the arrangement of the Quran into chapters and parts is not ordinary, but very mathematical. There is absolutely no question of any haphazardness in this arrangement.

One may ask was it possible that such a mathematical arrangement could have been designed by the Prophet himself (PBUH), fourteen hundred years ago in the desert of Arabia? Mathematics was then in its infancy. There was no concept of graphs or complex functions. How could any human author at that time arrange a textbook according to a complex code, like this? Can he do now?

There can be possible no explanation to this question except that the Quran is not the work of a man, but by the Creator of the Universe. What to speak of its contents, even its arrangement into chapters and parts is also of Divine origin (Allah is Great!).

thousands of his followers remembered it by heart accordingly. The first caliph Hazrat Abu Bakar (May Allah be pleased with him) ordered compilation of Suras in bound book form immediately after the passing away of the Prophet (P.B.U.H) (Ref. 6,8,9,10). On the order of the third caliph, Hazrat Usman (May Allah be pleased with him), several authenticated copies of the original book were made and placed in each provincial capital as a reference for the public. One such copy used by the Caliph himself can still be seen in Istanbul's great mosque. (Ref. 9,10,15).

3. DISCOVERY OF THE MIRACULOUS ARRANGEMENT OF THE QURAN INTO CHAPTERS AND PARTS

The Holy Quran is arranged into 114 Suras of various lengths. Sura Al-Baqra is the longest, spanning about 8% of the Quran and consisting of 286 verses. The smallest is Sura Al-Kausar, which consists of just three small verses. The book is divided into thirty parts. Each part is known as a "Juz", with a name. The question has been asked, whether this arrangement is arbitrary or according to the divine instructions.

Moreover, the Revelation is not arranged in chronological order. For example some of the Ayats received in Madina, for instance, are placed in the earlier Meccan Suras. In general arrangement of the Suras, the longer ones are placed first and the smaller ones come afterwards. However, there are some exceptions to this rule. For example,the first Sura consists of only seven verses, but the following one contains 286 verses. This automatically invites us to the question whether there is any logic in the Quran's arrangement or it is a disorderly collection of the resolution. Some possible answers to this question are:

(i) The Quran is arranged as it is for aesthetic reasons, and to facilitate reading and memorizing.

(ii) The longer Suras have been placed first because they deal with social issues of immediate and practical importance, and the shorter Suras come at the end for their greater stress on the spiritual development of man and the Afterlife.

(iii) The arrangement is simply haphazard, devoid of any logic or reason.

(Iv) The arrangement has spiritual significance, which we do not yet understand.

the challenge is made as a proof of the Divine source of this Book:

"They accuse that he has forged it:
Say! Then bring ten Sura like it:
And call upon whom you can, besides Allah
If you are truthful", 11(33)

The non-believers were also challenged in Sura Al-Baqra.

"If you are in doubt to that
which We have revealed to Our servant (Muhammad)
Then produce a Sura like it"

There is no clear proof of the Holy Quran being a revelation from Allah than this challenge, which has now stood for more than fourteen centuries. Even some honest Christian scholars on Islam have acknowledged this. For example, Author Harry Gaylord Dorman, in his "Towards Understanding Islam," comments, "It (the Quran) is the literal revelation of God dictated to Muhammad by Jibrael, perfect in the every letter. It is an ever present miracle witnessing itself" (4).

Laura Veccia Verlier, in her "Apologies De Le Islamisme" (57-59) writes. "The proof of the divinity of the Quran is that has been preserved intact through the ages". (2)

Professor A.G. Arberry argues that, "Western misunderstandings of the Holy Quran are due to translations and the fact that the Western reader has not been sufficiently advised how to read the Holy Quran. He must get rid of the assumption that the Holy Quran is more or less like the Old Testament". (5)

F.F. Arbuthnot remarked, "Although several attempts have been made to produce a work equal to it, none has yet succeeded". (3).

2. THE ARRANGEMENT OF THE HOLY QURAN

The Holy Quran with the mankind today is exactly the same as it was revealed to the Messenger of Allah (P.B.U.H), more than fourteen hundreds years ago. Whenever any Ayats were revealed, the Prophet (P.B.U.H) personally directed the Quranic scribes to write them in a specific Sura in a specific position. (11). His followers also immediately committed the new verses and the new arrangement to memory. (15) Thus the Messenger of Allah himself (P.B.U.H) compiled the Quran in its current format under Divine inspiration, and he and

APPENDIX-1

THE MATHEMATICAL MIRACLE OF THE ARRANGEMENT OF THE HOLY QURAN INTO CHAPTERS AND PARTS

SULTAN BASHIR MAHMOOD

INTRODUCTION

The Holy Quran is the Eternal Message of ALLAH to mankind, revealed in Arabia more than fourteen hundred years ago. The miraculous qualities of this book may be judged by the unparalleled impact it has had on culture, science and technology and its profound influence on the life of the believers. This fact is acknowledged by Islam's friends and foes alike (Ref. 1,2,3,3,4,5,6,9,18). The Holy Quran is not a voluminous book, yet it has something to tell us on all subjects, from the Big Bang to the Afterworld, in consize, clear and comprehensive manner, without any contradiction or ambiguity (Ref. 4,5,6,9). History has witnessed the rise of those who have followed its teachings. Even Western civilization is also indebted to the Quran for its rise (Ref. 9,18).

Holy Quran is unique in its subject matter also. Its scope of guidance and the quality of its message are never out of date. You can read it again and again without tiring. It is the most revered and most acted-upon book in the history of mankind, and as time passes, more and more people discover its riches and believe in it as the true revelation of Allah for all times to come.

My purpose in this paper is to describe a discovery about the special arrangement of this unique book into chapters, and parts, discovered in early 1990.

1. THE CHALLENGE OF THE HOLY QURAN

"If Mankind and the Jinn were together
To produce like of the Quran
They could never produce in like thereof,
Even if they backed up one another" 17(88)

This challenge is repeated a number of times in the Holy Quran. For example, in Sura 11(33)

مفسر کا تعارف اور ذہنی ارتقاء

ہر تعریف اللہ تبارک تعالیٰ کے لئے ہے جو تمام عالموں کا رب ہے اور قابل بیان شان صرف خیر الانبیا محبوب خالق کون و مکان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ہے۔ میں اپنی تمام تر خامیوں اور لغزشوں کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے ذہنی ارتقاء کی کہانی اپنے قارئین کے سامنے پیش کررہا ہوں۔ شکر کا مقام ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے مجھے مسلمان والدین کے ہاں پیدا کیا اگر ایسا نہ ہوتا تو شاید میں کوئی ہندو، سکھ یا عیسائی ہوتا۔ اس لئے جو کچھ بھی آج تک میں نے اسلام کے لئے کیا ہے یہ توفیق خالصتاً اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوئی اور اس میں ہرگز میرا کوئی کمال نہیں۔ اگر وہ اس کام کا کوئی بدلہ دیتا ہے تو سراسر اس کی شان رحمت ہوگی ورنہ میرا کوئی حق نہیں۔

والد صاحب جن کا نام چوہدری محمد شریف خان ہے راجپوت قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ نے ۱۹۴۷ء میں ہندوستان کے ضلع امرتسر سے جب ہجرت کی تو میں تقریباً چھ سال کا ہوں گا۔ وہ طالب علمی کے زمانہ سے ہی سٹوڈنٹ لیڈر رہے تھے اور اصلاح معاشرہ کے لئے ساری عمر کام کرتے رہے ہے، اس لئے ان کی آمدنی کم اور خرچ زیادہ معمول کی بات تھی۔ آٹھویں جماعت تک مجھے روزانہ گاؤں سے چار میل دور پیدل سکول آنا جانا ہوتا تھا۔ ایک دفعہ جب میں نے سائیکل کے لئے بہت اصرار کیا تو والد صاحب نے فیصلہ کن انداز میں کہا ''تم پیدل ہی سکول جاؤ گے، مجھے یہ پسند نہیں کہ تمہیں آرام کی عادت پڑ جائے'' اور واقعی بچپن کی یہ سخت زندگی میرا سرمایہ حیات بن گئی۔ میرے گاؤں کا نام لاگر ہے۔ ۱۹۵۰ء کی دہائی میں وہاں زندگی کی کوئی آسائش میسر نہیں تھی۔ رات کو گھر میں مٹی کا دیا جلتا تھا جس کی روشنی میں والد صاحب دیر تک پڑھنے کی تلقین کرتے اور صبح جلدی اٹھا دیتے۔ میں جب بھی نیند پوری نہ ہونے کی شکایت کرتا تو کہتے، ''تمام بڑے لوگ رات کو دیر تک کام کرتے تھے اور صبح جلدی اٹھنے کے عادی تھے'' میرا بچپن یوں ہی گزر گیا۔ یہ ان کی دعائیں اور تربیت کا نتیجہ تھا کہ ایک پس ماندہ سکول کے طالبعلم ہونے کے باوجود میٹرک میں اعلیٰ نمبروں پر وظیفہ حاصل کیا۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے ۱۹۵۹ء میں پورے پنجاب میں تیسری پوزیشن حاصل کی اور قومی سکالرشپ لیا۔ انجینئرنگ یونیورسٹی کے آخری سال میں اگرچہ پڑھائی کے دوران ملازمت بھی کرتا تھا پھر بھی الیکٹریکل انجینئرنگ میں یونیورسٹی بھر میں اول پوزیشن حاصل کی۔ ڈگری کے بعد پہلی نوکری واپڈا کی تھی لیکن مجھے وہاں کا ماحول پسند نہ آیا اور تین ماہ بعد ہی ساڑھے سات ہزار روپیہ بانڈ منی (Bond Money) دے کر اٹامک انرجی کمیشن میں شمولیت کر لی۔ یہیں سے اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلینڈ چلا گیا اور ۱۹۶۵ء میں مانچسٹر یونیورسٹی سے نیوکلیئر ری ایکٹرز کنٹرول انجینئرنگ میں ایم ایس انجینئرنگ کی ڈگری حاصل کی اور مختلف اٹیمی ری ایکٹروں پر کام کرنے کا تجربہ حاصل کیا۔ اٹامک انرجی کی پینتیس سال کی ملازمت کے دوران بھی وہی بچپن کی محنت رہنما رہی۔ الحمد للہ ہر روز یہی کوشش رہی ہے کہ آنے والا کل میرے آج سے بہتر ہو اور کسی دباؤ یا لالچ میں آئے بغیر اللہ کا فضل و کرم سے پوری ایمانداری سے کام کیا ہے۔ اس دوران نیوکلیئر انجینئرنگ سے متعلقہ بہت سے مقالہ جات لکھے، کئی

ایک ایجادات کیں جن میں سے بعض بین الاقوامی طور پر استعمال ہو رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اپنے ملک کی خدمت کیلئے بھی اس نے مجھے کام کے بڑے بڑے مواقع عطاء کئے اور خاموشی سے اپنی ذمہ داری کو نبھانے کی کوشش کی ہے۔ اب جبکہ بہت کچھ اخباروں میں چھپ چکا ہے اس لئے بتایا جا سکتا ہے کہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل تھا کہ صرف ۳۳ سال کی عمر میں نومبر ۱۹۷۴ء کو مجھے پاکستان کے یورینیم کی افزدگی کے پروگرام کا بانی ڈائریکٹر بنایا گیا جسے اب کہوٹہ پراجیکٹ کہتے ہیں اور کامیابی سے اس منصوبہ کو آگے بڑھایا۔ جولائی ۱۹۷۶ء میں جب پراجیکٹ بفضل حق تعالیٰ تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا معلوم نہیں کہ کیوں کچھ لوگوں نے مجھ پر جھوٹے الزامات لگانے شروع کر دیئے، مثلاً یہ کہ میں مرزائی ہوں، جو کہ قطعاً غلط ہے حتیٰ کہ میرے خاندان میں بھی آگے پیچھے کوئی مرزائی نہیں ہے، یا یہ کہ میں نے پراجیکٹ کے کچھ غیر ضروری مواد خرید لیا تھا وغیرہ جو کہ بعد میں غلط ثابت ہوا۔ ان حالات میں منیر احمد خان جو اس وقت اٹامک انرجی کمیشن کے چیئرمین تھے نے اس خطرہ کے پیش نظر کہ سائنس دانوں کی باہمی چپقلش کی وجہ سے کہیں اس قومی اہمیت کے پراجیکٹ کو نقصان نہ پہنچ جائے ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو چارج دلا کر مجھے دوسرے ایٹمی منصوبہ جات پر تبدیل کر دیا گیا جن میں سے ہر ایک ہماری مطلوبہ ایٹمی منزل تک پہنچنے کے لئے اہم نشان تھا اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے خاطر خواہ کامیابی عطا فرمائی۔ ۱۹۸۷ء میں جب اٹامک انرجی کے چیئرمین منیر احمد خان مرحوم نے ایٹمی میدان میں اگلی منزل کا تعین کیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے پھر ایک موقع عطاء کیا کہ خوشاب ایٹمی ری ایکٹر کو ملکی وسائل سے ڈیزائن کر کے بناؤں۔ یہ ایک انتہائی مشکل کام تھا لیکن ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کے ذریعے ہماری مدد فرمائی اور یوں ایٹمی میدان میں یہ یکتا پراجیکٹ بھی ۱۹۹۷ء میں کامیابی سے پایہ تکمیل کو پہنچ گیا۔ اس کے بعد میں نے بفضل حق تعالیٰ ایٹمی میدان کی اگلی منازل پر کام شروع کر دیا اور خواہش یہی تھی کہ پاکستان کو اسلام کا ناقابل تسخیر قلعہ بنانے میں مجھ سے جو کچھ بھی ہو سکتا ہے کر گزروں لیکن اتنے میں امریکہ کے دباؤ کے تحت CTBT یعنی ایٹمی دھماکوں پر پابندی کے معاہدہ پر دستخط کرنے کی مہم چل پڑی۔ میری دانست میں CTBT کے معاہدہ پر دستخط کرنا بالآخر اپنی ایٹمی صلاحیت کو کھو دینے کے مترادف تھا، اس لئے میں نے یہ ٹھان لیا کہ ساری عمر ایٹمی منصوبوں کو بنانے میں لگائی ہے اب انشاءاللہ ان کو بچانے میں لگا دونگا۔ چونکہ کچھ بڑے بڑے سائنسدان، شاید حکومت کے دباؤ کی وجہ سے CTBT کے حق میں بول رہے تھے اس لئے میں نے گورنمنٹ کا ملازم ہونے کے باوجود کھل کر اس کی مخالفت شروع کر دی اور محب وطن قوتیں جو CTBT پر دستخط کرنے کی مخالفت کر رہی تھیں ان کا ساتھ دیا۔ اٹامک انرجی کے بعض اہم لوگ جو پہلے ہی ایٹمی میدان میں خوشاب کی کامیابی اور مزید آگے بڑھنے والی منصوبہ بندی کی وجہ سے مجھ سے ناراض تھے، اب جب کہ حکومت وقت بھی خلاف ہو گئی تو ان کو زچ کرنے کا مزید موقع مل گیا۔ بالآخر میرے پاس استعفیٰ دینے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا جسے بخوشی قبول کر لیا گیا۔ یوں ایٹمی میدان میں پاکستان کی ترقی اور دفاع کیلئے کام کرنے کے دروازے مجھ پر بند کر دیئے گئے۔ اٹامک انرجی کمیشن سے علیحدگی کے بعد میں تقریباً ایک سال لاہور ایک دوست میاں الیاس معراج کے حسیب وقاص گروپ آف کمپنیز میں ملازمت کرتا رہا لیکن پھر خیال آیا کہ دنیا کیلئے بہت کام کر لیا اب بقیہ زندگی امت مسلمہ کی فلاح کیلئے خرچ کرنا چاہئے، چنانچہ کئی ایک نہایت قابل، اسلام اور پاکستان سے انتہائی

مخلص دوستوں کیساتھ مل کر "امہ تعمیر نو" کی تشکیل کی۔جس کے سامنے پہلا کام افغانستان کی تعمیر وترقی میں حصہ لینا تھا تاکہ وہاں کی اسلامی حکومت کامیاب ہو اور یوں اس مثال سے دیگر ملکوں میں بھی لوگ اسلام کے عظیم اصولوں کے مطابق اپنی صنعت اور معیشت کو ترقی دے کر دنیا کو ایک خوشحال کنبہ بنانے میں مددگار رہوں، لیکن ہماری ان کوششوں کو جو خالصتاً اصلاحی اور تعمیری تھیں ان کو امریکہ میں ۱۱ستمبر کے حادثہ کے بعد غلط رنگ دیا گیا اور یہ کہ سلطان بشیر الدین محمود انکوایٹم بم بنانے میں مدد دے رہا تھا، اور یوں مجھے اور میرے ساتھیوں کو تقریباً دوماہ کیلئے پکڑ لیا گیا۔اس دوران جو کچھ ہوا وہ ایک الگ داستان ہے لیکن جس طرح ہر جگہ ہمارے بھائی بہنوں نے صرف اسلامی جذبہ کے تحت ہمارے لئے دعائیں کیں وہ ایک ایمان افروز بات ہے اور تنہائی میں جو اللہ تعالیٰ اور اسکے دین سے قرب نصیب ہوا اس کیلئے اپنے مالک کا جتنا بھی شکریہ ادا کروں کم ہے۔اب امریکی صدر کے ایما پر سیکورٹی کونسل نے امہ تعمیر نو کو بند کروا دیا ہے اس کے، اور میرے علاوہ میرے قریبی ساتھیوں میں سے اٹیمی انجینئر عبدالمجید صاحب اور نامور صنعت کار محمد طفیل صاحب کے ذاتی اثاثے اور بینک اکاؤنٹ ضبط کر لئے گئے ہیں۔ان حالات میں جس طرح ۱۹۷۶ء میں قرآن پاک کے ذریعہ مجھے تقویت بخشی گئی تھی اب ۲۰۰۲ء میں بھی وہی نسخہ کارگر ثابت ہوا ہے۔اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اب تفسیر کا یہ کام کر رہا ہوں جس کے میں اہل نہیں ہوں لیکن رب تعالیٰ جس سے چاہے ہر کام لے سکتا ہے۔

مجھے افسوس ہے کہ میری دینی تعلیم واجبی سی ہے، قرآن پاک بھی باقاعدگی سے نہیں پڑھا تھا۔جب ۱۹۶۳ء میں انگلینڈ گیا تو وہاں پہلی دفعہ مجھے قرآن حکیم اور مسلم امہ سے صحیح معنوں میں محبت پیدا ہوئی۔چنانچہ مانچسٹر یونیورسٹی میں مسلم سٹوڈنٹ ایسوسی ایشن کا پہلا جنرل سیکرٹری چنا گیا اور "الاسلام" کے نام سے وہاں ایک رسالہ بھی نکالا۔میری زندگی کا یہی وہ دور ہے جب قرآن الحکیم کو باقاعدگی سے پڑھنا شروع کیا بلکہ اس کا تفصیلی انڈیکس بھی تیار کرنا شروع کیا لیکن جب دیکھا کہ مولانا مودودی صاحب یہ کام پہلے ہی کر چکے ہیں تو میں نے اسے چھوڑ دیا۔اسی فورم سے ہم نے مشہور امریکی مسلمان مالکم ایکس ملک شہباز کو دعوت دی اور اس کے علاوہ مشہور نومسلم جناب محمد اسد سے بھی میری ملاقات ہوئی جن کی یادیں اب تک ذہن میں باقی ہیں۔اسی اثناء میں مانچسٹر میں "سنڈے مسلم سکول" کی بھی بنیاد رکھی جو اب باقاعدہ سکول بن چکا ہے۔

۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ میرے دل پر بجلی کا سا حملہ تھا۔اس موقع پر پاکستانی سفارتخانہ کو ایک ہزار پونڈ سے زیادہ چندہ جمع کر کے دیا اور فیصلہ کیا کہ وطن واپس جا کر پاکستان کے دفاع کیلئے کچھ کیا جائے۔نیوکلیئر انجینئرنگ میں اعلیٰ تعلیم اور ٹریننگ کی تکمیل کے بعد اگرچہ ڈاکٹر ایف۔ڈبلیو۔واکر جو یونیورسٹی میں میرے سپروائزر تھے، نے بڑا زور لگایا کہ Phd کر لوں لیکن پاکستان کی محبت میں ۱۹۶۶ء میں واپس وطن آ گیا۔میری پوسٹنگ لاہور ہوئی اور بڑا مفید کام شروع ہوا لیکن دو سال بعد ہی انگلینڈ کے اٹامک انرجی اتھارٹی کے مشہور ڈیزائن سنٹر رزلے (Rislay) میں نیوکلیئر ری ایکٹروں کے ڈیزائن میں شمولیت کا موقع مل گیا۔برطانیہ کے اس قیام کے دوران اللہ تعالیٰ نے بڑی برکت عطاء فرمائی اور صرف ایک سال میں اس کے فضل سے U.K. اٹامک انرجی اتھارٹی جس کا شمار اٹیمی ٹیکنالوجی کے موجدوں میں سے ہوتا ہے، نے نیوکلیئر ری ایکٹرز پر میرے گیارہ مقالہ جات چھاپے اور تین ایجادات کے پیٹنٹ حاصل کرنے کیلئے

درخواستیں دیں جو کہ ان کے نزدیک بھی کسی سائنس دان کیلئے ایک بہت بڑا اعزاز تھا۔ ۱۹۶۹ء کے آخر میں جب واپس آنا چاہا تو ان کا اصرار تھا کہ میں وہیں رک جاؤں لیکن وطن عزیز کی محبت اور خدمت کے سامنے ایسے اعزاز ہیچ ہیں۔ میں نے پختہ ارادہ کرلیا کہ واپس جا کر ڈیزائن انجینئرنگ کی بنیاد رکھوں گا تا کہ پاکستان میں ایٹمی صلاحیت کو فروغ دیا جا سکے، الوداعی پارٹی میں میرے انگریز ساتھی سائنس دانوں میں سے بعض نے برملا یہ کہا کہ پاکستان میں کام کے مواقع نہ ہونے کی وجہ سے میری صلاحیتیں ضائع ہو جائیں گی لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ان کے یہ خدشات غلط ثابت ہوئے۔

میری زندگی میں ۷۷۔۱۹۷۶ء کے سال بڑے ہنگامہ خیز رہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے اس وقت میں یورینیم افزدگی کے پلانٹ کا پراجیکٹ ڈائریکٹر تھا اور دن رات اس منصوبہ کو آگے بڑھانے کے لئے کام کر رہا تھا کہ اچانک مجھ پر قادیانی ہونے کا سراسر جھوٹا اور بے بنیاد الزام لگایا گیا جس کی وجہ سے مجھے پراجیکٹ سے اس وقت علیحدہ ہونا پڑا جب اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہماری دن رات کی محنت رنگ لا رہی تھی اور کامیابی قریب نظر آرہی تھی۔ اس تبدیلی سے مجھے کافی زیادہ ذہنی صدمہ ہوا۔ اس کے ساتھ ہی میرے خلاف مختلف قسم کی بے بنیاد تحقیقات کا آغاز شروع ہو گیا لیکن الٰہی واقعات نے میری کایا پلٹ کر رکھ دی۔ اسلام آباد کی گھٹن والی فضاء سے نکل کر میں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ خانس پور میں گورنمنٹ ریسٹ ہاؤس میں چلا آیا۔ مصیبت میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی سہارا نظر نہ آیا اور دل کو صرف قرآن حکیم سے سکون ملا۔ کلام اللہ کو پڑھتے وقت اللہ تبارک تعالیٰ نے میرے دل میں یہ بات ڈالی کہ کیوں نہ میں قرآن حکیم پر سائنٹیفک انداز میں کام کروں، چنانچہ میں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کو آیت در آیت سمجھ کر پڑھنا شروع کر دیا۔ اس کوشش کے دوران پہلی بار مجھے قرآن پاک کی عظمت کا بھرپور اندازہ ہوا اور یہ بھی پتا چلا کہ مترجم حضرات اکثر کلام اللہ کے الفاظ کو ایسے معنی پہنا دیتے ہیں جو ان کی دانست میں تو صحیح ہونگے لیکن بدقسمتی سے قرآن الحکیم کی روح سے وہ دور نکل جاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں جب کئی ایک تراجم کا موازنہ کیا گیا تو ان کے درمیان اختلافات کو دیکھ کر یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ قرآن مجید کو اگر سمجھنا ہے تو کلام اللہ کے عربی الفاظ کے معنی پر ڈٹ جاؤ اور اگر کسی عربی لفظ کے ایک سے زیادہ معنی ہیں تو وہ سب بھی ٹھیک ہوں گے، اس لئے کہ علیم العزیز الحکیم جس نے یہ کتاب نازل کی ہے وہ سب معنوں کو خوب جانتا ہے۔ چنانچہ جب میں نے کلام اللہ کو سمجھنے کیلئے یہ اصول اپنایا تو مجھے اس عظیم کتاب میں بیشمار رموز اور نئے حقائق نظر آنے شروع ہوئے جو ترجموں کے غلاف میں چھپے ہوئے تھے۔ پہلی دفعہ صحیح معنوں میں احساس ہوا کہ واقعی اللہ کی کتاب تمام علوم کے لئے ام الکتاب ہے اور جو سائنس کی انتہاء ہے وہ دراصل قرآن کریم کی ابتداء ہے۔ اسی دوران مجھ پر یہ بھی آشکارا ہوا کہ فی زمانہ خط و کتابت اور لٹریچر کے ذریعے اسلام کی بہترین خدمت ہوسکتی ہے اور چاہے تو میرے جیسا ایک عام آدمی بھی اپنے گھر میں بیٹھے دور دور اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا سکتا ہے، اس کیلئے وہی طریقہ جو چھ ہجری حضور ﷺ نے عالمی دعوت کیلئے اپنایا تھا، اس دور میں ہمیں بھی اپنانا چاہیے۔ اس ضمن میں مندرجہ ذیل ترجیحات صحیح معلوم ہوئیں۔

اول۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کوخود سمجھنااور دوسروں کو سمجھانا

دوم۔ سیرت طیبہ کا فروغ یعنی حضورﷺ ہی اصل رہنمااور انسانیت کے ہیرو ہیں، اس چیز کودل سے ماننااور دوسروں سے منوانا۔

سوم۔ حیات بعدالموت کی حقیقت کوواضح کرنا چونکہ اسکے بغیر دین بے معنی ہے اور انسانیت کی فلاح اسی حقیقت پر پختہ اعتقاد میں ہے۔

چہارم۔ قرآن الحکیم اور سنت نبوی کو جدید علوم کی روشنی میں سمجھنا، اس پرعمل کرنا اور دوسرے لوگوں کو سمجھانا کہ دونوں جہانوں میں کامیابی اور فلاح کا یہ بہترین ہدایت نامہ (Manual) ہیں۔

پنجم۔ اور یہ کہ ایک انسان کا دوسرے پر یہ حق ہے کہ وہ اسے دوزخ کی آگ سے بچائے۔

اس کام کو باقاعدہ طور پر کرنے کیلئے قرآن الحکیم ریسرچ فاؤنڈیشن کی بنیاد رکھی جس کے پلیٹ فارم سے کافی مفید کام ہوتے رہے ہیں۔ چنانچہ میری پہلی کتاب Doomsday and Life After Death جو اس موضوع پر ایک نہایت مفید کاوش ثابت ہوئی ہے، 1987 میں چھپی اور اس کا بڑا اچھا خیر مقدم ہوا۔ اس سلسلہ کو آگے بڑھانے کے لئے 1991 میں ''قرآن الحکیم اکیسویں صدی میں'' کے موضوع پر سیمینار کرایا گیا تاکہ آنے والی صدی کو اسلام کی صدی بنایا جاسکے۔ اگرچہ قرآن الحکیم ریسرچ فاؤنڈیشن ایک چھوٹا سا ادارہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے اثرات کو دور دور پھیلا دیا ہے۔ اس سارے کام کو بین الاقوامی طور پر جو اہمیت حاصل ہوئی ہے اس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ جولائی 1996 میں امریکہ کے مشہور ادارے ''امریکن بائیوگرافیکل انسٹیٹیوٹ'' (American Biographical Institue) نے قرآن الحکیم فاؤنڈیشن اور اس کے واسطے مجھے بھی 1986 سے 1996 تک کے ان اداروں اور لوگوں میں شامل کیا ہے جن کے کام سے دنیا پر بہتر اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ اس طرح سوڈان میں 1993 میں قائم ہونے والے انٹر نیشنل انسٹیٹیوٹ فار ریسرچ انٹوفیتھ (International Institute of Research into Faith) کا ٹرسٹی ہونے کا اعزاز بھی ملا۔ سائنس اور انجینئرنگ کے شعبہ میں میری خدمات کو سراہتے ہوئے 1991 میں پاکستان اکیڈمی آف سائنسز نے گولڈ میڈل دیا اور بعد میں حکومت پاکستان نے ستارہ امتیاز کا اعزاز عطا کیا۔

دین کے اس کام کے ساتھ ساتھ اٹامک انرجی کے منصوبہ جات پر بھی کام ہوتا رہا۔ کچھ اعلیٰ افسروں کا خیال تھا کہ اسلام کے لئے میری ان کاوشوں کے نتیجہ میں سرکاری کام میں حرج ہوتا ہوگا لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں غلط ثابت کیا اور میرے ہاتھوں سے ریکارڈ وقت میں بہت سے کام پایہ تکمیل کو پہنچائے جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ کا کام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکا کام کرنے لگ جاتا ہے، بھلا جس کے ساتھ کون ومکان کا مالک ہوجائے اسکی رفتار اور استطاعت کا کیا کہنا۔ چنانچہ انہی سالوں میں اس غرض سے کہ اٹیمی منصوبہ

جات کو پاکستان میں بنانا چاہیے میں نے بذات خود کم وبیش 350 کے قریب پاکستان کے صنعتی اداروں کا معائنہ کیا، ان پر کتابیں لکھیں اور بتایا کہ پاکستان میں کیا کیا ہوسکتا ہے یعنی بحیثیت مجموعی ہمارا ملک ایک عظیم ورکشاب ہے اور اگر اسکے ذرائع کو استعمال کیا جائے تو سب کچھ کرنا ممکن ہوسکتا ہے۔ اسکے ساتھ ساتھ 1981 میں، میں نے پہلی دفعہ پاکستان میں کوالٹی اشورنس (Quality Assurance) کی بنیاد رکھی اور انڈسٹری کے لوگوں کی کوالٹی میں ٹریننگ کے لئے سکول قائم کیے۔ اسکے علاوہ ملکی طور پر نیوکلیرری ریکٹر بنانے کے لئے مکمل منصوبہ بندی کی گئی۔ لاہور میں پاکستان کا پہلا اٹیمی پلانٹ لگایا جسکی مدد سے دوائیوں اور میڈیکل سامان میں اٹیمی شعاؤں کی مدد سے جراثیم کشی کی جاتی ہے، اسکے علاوہ پاکستان کو یورنیم کی صنعت میں خود انحصاری کے پراجیکٹوں کو پایہ تکمیل تک پہنچایا اور چشمہ نیوکلیر پاور پلانٹ کے لئے پاکستان سے بننے والے حصوں کی نشاندہی کی گئی، اسی دوران پاکستان میں اٹیمی ایندھن بنانے والے منصوبے مکمل کیا اور جیسے پہلے کہا گیا ہے خوشاب جیسے غیر معمولی نیوکلیرری ایکٹر کو پاکستان کے ذرائع سے بنایا گیا۔ مجھے یہ بتانے میں ایک روحانی خوشی ہوتی ہے کہ ان تمام بنیادی منصوبوں کی تکمیل میں میں قرآن کریم اور صاحب قرآن کی زندگی سے رہنمائی حاصل کرتا رہا اور میں تمام تر ذمہ داری سے کہوں گا جو کچھ بھی کامیابی ہوئی وہ انہی کی مرہون منت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جب بھی کوئی آدمی اپنی زندگی کا مقصد اللہ تبارک تعالیٰ کا نام بلند کرنا بنالیتا ہے اور سچے دل سے کہتا ہے کہ "میری نماز، قربانی، جینا، مرنا سب رب العالمین کیلئے ہے" تو وہ ذات پاک اس آدمی کے وقت، رزق اور اولاد میں برکت عطا فرما دیتا ہے اور اس کے مسائل کو خود حل کرتا ہے۔ رب العالمین کی اس رحمت اور برکت کا مجھ سا نکما آدمی بھی گواہ ہے۔ یہ اسی کا فضل ہے کہ دن رات کی پیشہ ورانہ مصروفیات کے باوجود مجھے دین کیلئے کام کرنے، کتابیں لکھنے اور اس کام کو آگے بڑھانے کے لئے بہت سا وقت ملتا رہا، اس کا مطلب یہی ہے کہ جو کوئی بھی اسلام کے لئے کام کرے گا تو عزیز الحکیم غفور الرحیم اللہ تعالیٰ دنیا کے تمام شعبے اس پر آسان کردے گا، اس کے ذرائع میں برکت ڈال دے گا، اس کی اولاد اور دوستوں کو اس کے لئے باعث رحمت بنادے گا اور اگر کبھی توقعات کے خلاف بھی کام ہو تو اس میں بھی اگر ہم سمجھیں تو فوائد ہی فوائد ہوتے ہیں۔

میرے لئے یہ بات بھی بہت خوشی کی ہے کہ مجھے حبیب اللہ فخر موجودات ﷺ کی سیرت طیبہ پر لکھنے کی توفیق ہوئی اور یوں یہ حقیر بندہ سیرت نگاروں میں شامل کرلیا گیا۔ اس کتاب کا نام بزبان انگریزی First and the Last ہے جو بفضل تعالیٰ مقبولیت حاصل کررہی ہے حضرت پیر مہر علی شاہ رحمتہ اللہ علیہ کے مطابق میری زندگی بھی حضور رحمت العالمین ﷺ کے کرم کی مرہون منت ہے اور میں بھی ان کی طرح کہتا ہوں۔

کتھے مہر علی، کتھے تیری ثناء
گستاخ اکھیاں کتھے جالڑیاں

اس تعارف کا اختتام میں اپنے ہی چند ٹوٹے پھوٹے شعری جملوں پر کرتا ہوں۔ دعا ہے کہ ان کے مصداق بن جاؤں

ظاہر دیکھا، باطن دیکھا

اول دیکھا، آخر دیکھا

جس چیز کو میں نے دیکھا

اس چیز میں تجھ کو پایا

ہر جا تو ہی تو، ہر سو تو ہی تو، تو ہی تو

وہ ہونا تھا کہ انہونا تھا

سمندر تھا کہ قطرہ تھا

جنگل تھا کہ پتا تھا

سورج تھا کہ ذرہ تھا

یہی کچھ یاد ہے، ہر جا تو ہی تو، ہر سو تو ہی تو

یہ سب تیرے امر کا مظہر تھا

تیری چاہت کا سایہ تھا

تیرے حسن کا جلوہ تھا

تیرے کرم کا منبع تھا

ہر جا تو ہی تو، ہر سو تو ہی تو، تو ہی تو

اس نیند کے عالم میں، میں نے ایک رہبر دیکھا

روشن چہرہ جس کا، کہتے تھے اسے مصطفیٰ ﷺ

ایک نوری قلم سے اپنے ہاتھوں، وہ لکھتا جاتا تھا، لکھتا جاتا تھا

ہر شے پر اللہ اللہ ....اللہ اللہ اللہ

اسکے روشن قدموں کے پیچھے پیچھے۔ میں چلتا رہا، میں چلتا رہا، میں چلتا رہا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اظہار تشکر

لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ ماتوفیقی الا باللہ۔ اللہ تعالیٰ کا جس قدر شکر ادا کروں ،کم ہوگا کہ اس ذات باری تعالیٰ نے اپنے اس حقیر بندے کو اپنی کتاب کی تفسیر لکھنے کی توفیق بخشی ہے۔ صاحب قرآن سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ رحمت العالمین جو آخری نبی اور رسول ہیں اور جن پر اللہ تعالیٰ کا پیغام پایہ تکمیل کو پہنچا ان پر کروڑں اربوں درودوسلام

قران کریم کا ترجمہ اور تفسیر لکھنے کے دوران میں نے کئی ایک علماء اور مفسرین کی کوششوں سے استفادہ کیا ہے، دعا کرتا ہوں کہ اللہ رب العزت انہیں اجرعظیم عطا فرمائے۔ خصوصی طور پر پیر محمد کرم شاہ کی "ضیاء القرآن"، ایران کے جملہ علماء کرام کی کوشش "تفسیر نمونہ"، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی "تفہیم القران"، مولانا احمد رضا بریلوی کی "کنزالایمان"، سید محمد رفاعی عربی کی "تفسیر رفاعی"، ابومسعود حسن علوی کی "تدریس لغت القرآن" مولانا وحیدالدین خان کی "تذکیر القرآن"، علامہ یوسف علی کی انگریزی تفسیر، علامہ محمد اسد کی انگریزی تفسیر، حضرت خواجہ حسن نظامی کی "عام فہم تفسیر" ، مولانا محمد ادریس کاندھلوی کی "معارف القرآن"، ڈاکٹر نصیر احمد کی "احسن القرآن"، میر محمد حسین کے "مضامین قرآن"، مولانا محمد عبدالرشید نعمانی کی "لغات القران"، مرزا ابوالفضل بن فیاض علی کی "غریب القرآن فی کفات الفرقان"، علامہ عنائت اللہ المشرقی کی "تکملہ" میرے زیر مطالعہ رہی ہیں۔ ان کے علاوہ بھی بہت سے دوسرے علماء کرام، دانشوروں، محققین کی تصانیف سے مستفید ہوتا رہا ہوں۔ میں اپنے دوستوں میں سے خاص طور پر میجر (ر) امیر افضل خان کی علمی اعانت کا شکر گذار ہوں۔ شروع میں تفسیر کا یہ کام ہم نے اکٹھے مل کر مکمل کرنے کا پروگرام بنایا تھا جو چندوجوہ کی بنا پر جاری نہ رہ سکا۔ اللہ تعالیٰ ان کے اخلاص کو قبول فرمائے۔ جب سورۃ الفاتحہ اور سورۃ البقرۃ کی تفسیر کا مسودہ تیار ہوگیا تو میں نے پڑھنے کے لئے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب صدر تنظیم اسلامی پاکستان، ڈاکٹر محمد ادریس ہاشمی بانی الھدیٰ انٹرنیشنل اسلام آباد اور کچھ دیگر علماء اور قرآن کریم کے طلباء کو دیا۔ میں ان سب حضرات کی رہنمائی کیلئے شکر گذار ہوں۔

قرآن کریم کی آیات کمپیوٹر پروگرام سے اٹھائی گئی ہے مزید احتیاط کے پیشِ نظر آیات کریمہ کی کچھ علماء نے حرف بہ حرف نظر ثانی بھی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس نیک کام کیلئے ان سب حضرات کو نیک جزا عطا فرمائے۔

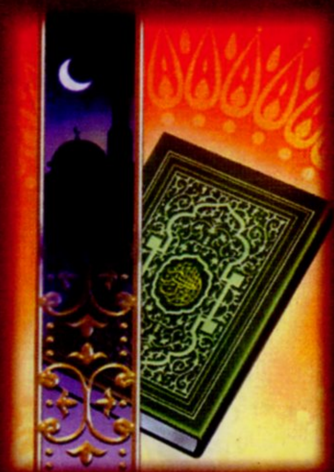
میں اپنے اہل خانہ، خصوصاً والدہ صاحبہ، اپنی اہلیہ بیگم نسیم کیفی محمود، بچوں اور ان کی بیگمات کا بھی بہت شکر گذار ہوں کہ ان سب کے تعاون اور دعاؤں سے یہ کام آسان ہوتا گیا۔ ان کے علاوہ میں جناب محترم بھائی مفتی لطف اللہ صاحب اور ''امت تعمیر نو'' میں اپنے ساتھیوں بالخصوص محترم حاجی محمد صدیق صاحب، انجینئر عبدالمجید صاحب، شیخ محمد طفیل صاحب، ڈاکٹر محمد عطا صاحب، مرزا یوسف بیگ

صاحب اور منیر احمد جوندہ صاحب کیلئے دعا کرتا ہوں، ان سب حضرات کا تعاون میرے لئے اس مشکل کام میں بڑا سود مند رہا۔

خصوصی طور پر کمپیوٹر کمپوزر طاہر حمید اور نصرت زہرا نے جس جانفشانی سے کام کیا ہے وہ قابل تحسین ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ذات پاک اس کام کو قبولیت عطا فرمائے اور ان تمام ہستیوں کو اعلیٰ انعامات سے نوازے جنہوں نے کسی بھی طرح اس تفسیر کی تیاری، چھپوائی اور تقسیم میں مدد کی ہے اور مجھے توفیق بخشے کہ بقیہ کام احسن طریقے سے مکمل کر سکوں۔ (آمین)

سلطان بشیر محمود

اپریل ۲۰۰۲



KITAB-E-ZINDAGI